مطبوعات مؤتمر المصنفین (۲)

اسلام
اور
عصرِ حاضر

از

مولانا سمیع الحق

مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)
پاکستان

14-11-78

مطبوعات مؤتمر المصنّفین (۲)

اِسلام
اور
عصرِ حاضر

عصرِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب اور عالمِ اسلام پر اس کے فکری، تمدنی اور عملی اثرات کا جائزہ
علمی و دینی فتنوں تجدد و استشراق اور فرقِ باطلہ کا تعاقب موجودہ دور کے سائنسی، معاشی، تمدنی، اخلاقی، معاشرتی
اور آئینی مسائل میں اسلام کا موقف، قانونِ فتح و شکست اور اسباب عروج و زوال الغرض بیسویں صدی
کے کارزارِ حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک جھلک

مولانا سمیع الحق

مؤتمر المصنّفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)
پاکستان

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY ★ MAILSI ★
Acc No 076963

سرپرست ادارہ : حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

★ نام کتاب ـــــــ اسلام اور عصرِ حاضر
★ مصنف ـــــــ مولانا سمیع الحق
★ ناشر ـــــــ مؤتمر المصنّفین
★ پرنٹر ـــــــ عالمین پرنٹرز لاہور
★ سلسلۂ مطبوعات ـــــــ (۲)
★ صفحات ـــــــ ۶۴۰
★ قیمت ـــــــ ستائیس روپے ۲۷/-
★ بار اوّل ـــــــ شعبان ۱۳۹۶ھ

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

بیسویں صدی بڑھاپے کے حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ صدی ملت مسلمہ کے لیے اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک انوکھی آزمائش کا دور ثابت ہوئی۔ جب کہ یورپ کی مادہ پرست تہذیب اور خدا بیزار مغربی تمدن اپنی پوری توانائیوں اور بھرپور منصوبوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہوا اور جہاں بھی اسے قدم جمانے کا موقع ملا، تمدن و معاشرت، اخلاق و تہذیب سیاست و معیشت، تعلیم و تربیت، غرض زندگی کے ہر میدان میں اس نے قدیم و جدید اقدار میں معرکہ برپا کر دیا۔ مسلمانوں کو مغربیت کے اس فتنۂ عمیا سے بڑھ کر کسی فتنے کا سامنا کرنا نہیں تھا، اس لیے خدا کے سچے آخری پیغام کے علمبردار نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند کریم نے خود بار بار اس فتنے کے علمبردار اقوام یہود و نصاریٰ کی فتنہ سامانیوں سے اُمت کو مختلف پیرایوں میں متنبہ کیا پنجوقتہ نمازوں کی ہر رکعت میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی شکل میں ان اقوام کے طرز حیات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی، مگر جب مغربیت کا فتنہ عالم اسلام پر پوری طرح چھا گیا، تو اس کی ظاہری اور مادی شان و شوکت، حکومت و اقتدار کی جاذبیت اور اخلاق و تہذیب سے آزاد فلسفہ حیات نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے دل و دماغ کو بھی پابند طوقِ غلامی کر دیا۔ ذہن و فکر کی یہ غلامی اتنی سخت جان ثابت ہوئی کہ مغربی حکومتوں کا ممالکِ اسلامیہ سے بوریا بستر سمیٹ دینے کے بعد بھی یہ سرطان کی طرح اِن لوگوں کے قلب و دماغ میں جڑیں راسخ کر گئی اور یہ لوگ انسانی دورِ ارتقاء کے اس قدیم جاہلیت اور تہذیب نما حیوانی تمدن کے اس نئے ظہور کو تجدد و ترقی سمجھتے رہے اور مذہب کی اخلاقی سچائیوں اور تہذیبی صداقتوں اور بے مثال روایات کو اس کے قدموں پر نثار کرتے رہے

اس میں شبہ نہیں کہ مغرب کا جدید دورِ صنعتی، سائنسی اور مادّی ترقی و عروج کے لحاظ سے عالمِ انسانیت کے لیے ایک انقلابی دور ثابت ہوا مگر یہ تہذیب اپنے جلو میں خدا فراموشی اور مادہ پرستی اور اس پر مبنی ہزاروں تمدّنی، اخلاقی اور تہذیبی قباحتوں کا سیلاب بھی لیے ہوئے تھا، جو اپنی راہ میں حائل ہونے والی مذہب اور انسانیت کی ہر اچھی بات کو بہانا چاہتا تھا۔ اب عالمِ اسلام کے لیے اعتدال مصلحت بینی، حقیقت پسندی اور عاقبت اندیشی کا راستہ یہی تھا کہ اس سیلاب کو روکنے کے بجائے (جو اس کے بس کی بات نہ تھی) اس کے آگے ایسے ڈیم بنا لیتا اور خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی چھلنی رکھ دیتا جو اس کے مفید ثمرات و نتائج سے استفادہ کا تو ذریعہ بنتا، صنعتی اور سائنسی علمی اور تمدّنی ترقیات سے بھرپور فائدہ اٹھاتا، اس لیے کہ صنعت و سائنس نہ تو مشرق کی میراث ہے اور نہ اس پر مغرب کی اجارہ داری ہے مگر اس تمدّن اور معاشرت میں مذہب و اخلاق، حیا اور شرافت سے عاری نظام میں جو خرابیاں تھیں اس سے مکمل طور پر بچا رہتا، اس کے لیے مومنانہ دماغ، مدبّرانہ صلاحیتوں اور معتدلانہ منصوبوں کی ضرورت تھی اور نہایت باریک بینی اور دور اندیشی کی بھی، اس لیے کہ مغربی تمدّن کی بھلائی اور برائی، خیر و شر، اثم و نفع کا باہمی اختلاط اتنا شدید تھا کہ گویا یخرج من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین جیسی صورت پیدا ہو گئی تھی، مگر افسوس کہ مسلمانوں میں اس فتنۂ ضالہ (مغربیت) کا سامنا کرنے میں کسی نے تو نہایت افراط سے کام لیا کہ ایمان و یقین اور اخلاق و صداقت کی ہر متاع مغربی تمدّن کی رعنائیوں اور ظاہری آب و تاب پر قربان کر دی، یہ ہمارے ہاں کا تجدّد پسند اور مغرب زدہ طبقہ تھا، جو اگر سوچتا تو انہی کے دماغ سے، بولتا تو انہی کی زبان سے، لکھتا تو انہی کے قلم سے۔ اس طبقہ نے برصغیر کی غلامی کے بعد یورپ کی ہر لے میں لے ملائی، مذہب اور اخلاق کا مذاق اڑانے میں یہ اپنے آقاؤں سے بھی آگے رہے۔ مغربی تقلید میں یہ لوگ مذہب کو فرد کا نجی معاملہ سمجھنے لگے، اخلاقی اور معاشرتی بندشوں کو مرد و عورت کے طبقاتی تفاوت اور عورت پر ظلم سے موسوم کیا گیا۔ سیاست میں میکیاولی کو مقتدا

بنایا گیا، فحاشی اور بے حیائی کے تمام مظاہر کو تفریح اور آرٹ و ثقافت کی شکل دی گئی، دستور اور آئین کو مغربی جمہوریت اور سوشلزم کے سانچوں میں ڈھالا گیا۔ معاملات اور معاشیات کو خود غرضی، جلبِ منفعت، استحصال، مساوات کے نام پر ظالمانہ غصب و نہب کے خراد پر چڑھایا گیا اور دوسری طرف اسلامی شعائر و اقدار، عقائد اور تعلیمات کو سامانِ استہزاء بنا کر ان پر کبھی لبرل ازم کی آری چلائی گئی اور کبھی تحقیق و ریسرچ کی قینچی اور کبھی استشراق کا تیشہ لے کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہا۔ مغربی تہذیب کی علمبردار یہ بیسویں صدی اپنے پہلو میں ایک طرف تو خدا و رسول سے بغاوت مذہبی قدروں سے مذاق کا سلوگن لے کر اٹھی، دوسری طرف مسلمانوں کی تدبیرِ منزل اور تہذیبِ اخلاق اور مساواتِ مرد و زن اور آزادیٔ نسواں کی شکل میں دھاوا بول دیا گیا، جس کے نتیجے میں عائلی نظام درہم برہم کرنے کی سعی کی گئی، بے پردگی، عائلی قوانین، تعدد ازدواج پر پابندی، خاندانی منصوبہ بندی جیسے دسیوں مسائل کھڑے کر دیئے گئے۔ آرٹ اور ثقافت کے نام سے نظامِ عفت و عصمت پر شب خون مارا گیا، علم و تحقیق کے نام پر ماڈرن ازم اور تجدد کے ادارے قائم ہو گئے پھر مسلمانوں کی فکری یگانگت اور اتحادِ عقیدہ کا شیرازہ منتشر کر دینے کے لیے کچھ تو قادیانیت وغیرہ کی صورت میں نئے نئے فتنے برپا کیے گئے اور کچھ پرانے فتنوں اور فرقِ باطلہ کو نئی قوت اور طاقت فراہم کی گئی، فتنۂ رفض و انکارِ صحابہ، اسلاف سے بغاوت، فتنۂ انکارِ حدیث، بہائیت وغیرہ کو نئے سرے سے منظم کیا گیا۔ دین کے حقائق اور مقاصد کو رسومات سے بدلنے کی سعی کی گئی اور اصل روح کے بجائے نمائشی نعروں اور پرفریب مظاہروں پر قناعت کی گئی۔ الغرض سیاست اور نظامِ حکومت میں مغربی جمہوریت کی تقلید نے اسلام کے نظامِ حکمرانی و جہانبانی کو نگاہوں سے مستور کر دیا — ان سب چیزوں کا مختلف پیرایوں میں اس صدی میں مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا۔ اور اسکے دفاع ترویج و فروغ اور پرزور وکالت میں وہی لوگ پیش پیش رہے جو رنگ و جسم سے تو عالمِ اسلام اور مشرق سے تعلق رکھتے تھے، مگر قلب و دماغ اور فکر و نظر کے لحاظ سے مکمل غلام۔

دوسری طرف کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لے کر اور مغرب کی عداوت کے ایمانی جذبات میں مغلوب ہو کر یورپ سے آمدہ ہر صنعتی اور سائنسی ترقی، تمدنی پیش رفت اور مادی عروج سے بھی آنکھیں بند کرنی چاہیں اور عالمِ اسلام کی سرحدات پر پہرے بٹھانے چاہیے کہ اس طبقے کی نگاہ میں اس کی اچھائیاں برائیوں سے بہت کم تھیں، تفریط کا یہ راستہ بھی اعتدال کا نہیں تھا کہ جس سیلاب کے سامنے بند باندھنا ممکن نہ تھا، اس کا رُخ کارآمد منصوبوں کی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ بہر حال جب اس صدی کے پیدا کردہ فتنوں مفاسد اور مسائل نے عالمِ اسلام کو ایک نازک موڑ پر کھڑا کر دیا تو دینی حمیت اور ایمانی حرارت سے لبریز اذہان و قلوب نے مختلف طریقوں سے اپنی اپنی صوابدید پر علاج تجویز کیا، کسی نے علم و تحقیق کے میدان میں بھرپور تعاقب کیا۔ کسی نے جہاد و سیاست کے ذریعہ اس کا استیصال کرنا چاہا، کسی نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ، ایمان و اسلام کی حفاظت کا کام سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حسنِ عمل اور اخلاص کے مطابق صلہ دے گا۔

اس نووارد نے ناتجربہ کاری کم علمی اور ہر طرح کی بے بضاعتی کے باوجود جب تحریر و صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو وطنِ عزیز مغرب کی پیدا کردہ ارتیاب و تذبذب کے اسی غیر یقینی دور سے گزر رہا تھا اور ملک کی باگ ڈور انہی ہاتھوں میں تھی، جو عقل و فکر تمدن اور تہذیب ہر لحاظ سے غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے، یہی ملک کے اربابِ حل و عقد تھے اور یہی تمدن و سیاست دستور و معیشت پر اثر انداز ہونے والی قوت اس لیے قدرتی طور پر زیادہ تر انہی حالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور مختلف اوقات میں عصرِ حاضر کے پیدا کردہ مسائل پر اسلام کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی کرنی پڑی، محدود علم، محدود بصیرت، مگر ایمانی جذبہ اور حمیتِ حق کی بنا پر جو کچھ ہو سکا "ماہنامہ" الحق کے ذریعے پیش کرتا رہا۔ جسے آج اس مجموعہ کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اسلام اور عصرِ حاضر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر موضوع ہے، جس کا حق ادا کرنا

نہ تو کسی ایک فرد کے بس میں ہے اور نہ آسان ۔ اور پھر مجھ جیسے ؟ کم سواد طالب العلم کے لیے تو اتنے اہم موضوع کا نام لینا بھی شرم کی بات ہے۔ اس لیے اس کتاب میں موضوع سے متعلق مباحث کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی نہ تو اُمید کی جا سکتی ہے اور نہ ایک حقیر طالب العلم سے اس کی توقع ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ کوئی مربوط اور مستقل تصنیف نہیں کہ اس میں تصنیفی محاسن تلاش کیے جائیں بلکہ ان خیالات اور تاثرات کا مجموعہ ہے جو پچھلے دس سال میں وقتی طور پر کوئی مسئلہ سامنے آجانے کی شکل میں سپردِ قلم کیے گئے۔ ایک طرح اسے رواں اور سرسری تبصرہ کہیے کہ لکھنے والے نے تحقیق و ریسرچ اور تصنیف و تالیف کی حیثیت سے نہیں، بلکہ کسی مسئلے پر اپنے مخالفین کے جذبات برانگیختہ کر دینے یا ان کے فکر کا رُخ موڑ دینے کے لیے لکھے انھیں ایک قسم کے داعیانہ مضامین کہیے جس میں خطابت سے بھی کام لے لیا جاتا ہے، مگر تحقیق و استقصا اور مباحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا، پھر لکھے گئے بھی تو اکثر ایسے حالات میں کہ پرچہ مکمل ہے دو ایک صفحات کے اداریے کے لیے کام رُکا ہوا ہے۔ ایسے میں لشٹم پشٹم قلم اُٹھا کر رواروی میں کچھ لکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نہ لکھنے والے کے سامنے کوئی تصنیف اور مقالہ، نہ یہ وہم و گمان کہ آگے چل کر یہ چیز کتابی شکل اختیار کرے گی۔ نہ وہ اپنے آپ کو اس کام اور مقام کا اہل پاتا ہے۔ پھر ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان اُردو نہیں، علم سے تہی دامن ہونے کے علاوہ وہ اُردو ادب و صحافت کے کوچوں سے بھی قطعی نابلد ہے، نہ اسے اُردو کے مجالسِ علم و ادب کی صحبتیں میسر ہوئی ہیں محض ایک سوزِ دروں اور احقاقِ حق کے ولولہ سے قلم اٹھاتا ہے۔ الفاظ کے پیچوں میں خود بھی الجھنا نہیں چاہتا کہ الفاظ کی در و بست تذکیر و تانیث، اعراب اور گرامر کے قواعد کی بندشیں مطالب و مقاصد، احساسات و جذبات کے مقابلے میں اسے ثانوی معلوم ہوتی ہیں، اس لیے وہ اپنی لفظی اغلاط سے بھی عفو و درگزر کا طلب گار ہے۔ اور اگر مندرجات کتاب سے کسی فرد یا کسی جماعت کی نادانستہ دل آزاری اور دل شکنی ہو سکتی ہے تو اس کے لیے بھی عفو و صفح اور ترحم کا سزاوار ہے کہ اس نے جان بوجھ کر، کسی طمع اور خوف کی وجہ سے یا ذاتی رجحانات

کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، مقصود ایسے مواقع پر محض رضائے الٰہی کی بنا پر کلمۂ حق کا اظہار تھا، اس میں علم و فہم کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر قصد و ارادہ بہر حال اصلاح ہی رہا۔ واللہ علیمٌ بذات الصدور

یہ کتاب مؤتمر المصنفین کی دوسری پیش کش ہے۔ اس کی پہلی پیش کش "دعوات حق" کو خدا نے جس مقبولیت سے نوازا اور قومی پریس، اصحابِ علم و فضل نے جس طرح اس کا خیر مقدم کیا، یہ محض خداوند کریم کے فضل و کرم کا کرشمہ تھا، اسی ذاتِ رحیم و کریم کی عنایتوں اور رحمتوں سے امید ہے کہ اِس حقیر کاوش کو بھی مسلمانوں کے لیے بالخصوص نئے تعلیمیافتہ طبقے اور نوجوان نسل کے لیے کسی طرح کار آمد بنا دے۔ وباللہ التوفیق وہُو خیر رفیق

ع چشمۂ فیض سے اگر ایک اشارہ ہو جائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

سمیع الحق
مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ
۲۴، شعبان ۱۳۹۶ھ/۱۹، اگست ۱۹۷۶ء

موتمر المصنفین کی پہلی پیشکش

افادات وارشادات

شیخ الحدیث مولانا

عبدالحق صاحب مدظلہ

دعوات حق

(جلد اوّل)

تالیف وترتیب

مولانا سمیع الحق

قومی پریس کے تبصروں کے اقتباسات

"چٹان" لاہور ۵ جون ۱۹۶۷ء

اسلامی مسائل پر اگرچہ صدیوں سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور عصر حاضر میں بھی، لیکن مولانا عبدالحق کا انداز منفرد و جاذب ہے وہ عوام سے عوام کی زبان میں نہایت دلنشیں انداز میں بات کرتے ہیں، انکی بات دل میں ترازو ہوتی جاتی ہے اور دینی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔

"خدام الدین" لاہور ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء

یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود اتنا ذخیرہ ہے کہ امید ہے شاید مختلف عنوانات پر اتنا کچھ ملیگا کہ آپ کئی ضخیم کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے

"سیارہ ڈائجسٹ" لاہور جون ۱۹۶۷ء

"دعوات حق" ایک بڑے عالم اور بڑے انسان کے خیالات و افکار کا مجموعہ ہے، مذہبی کتب میں ایک اہم اضافہ ہے تمام موضوعات پر اسلام کی روشنی میں خیالات کا اظہار ہے جو نہ صرف مذہب کی بنیادی روح بلکہ انسانی بہبود سے بھرپور اسلامی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔

"مشرق" لاہور ۲ اپریل ۱۹۶۷ء

زندگی کے روزمرہ مسائل کے بارہ میں قرآن و سنت کے احکام دلنشیں پیرائے میں واضح ہوں۔ خوبی یہ ہے کہ عوام الناس اس کتاب سے احکام دینی کو عملی زندگی میں برتنے کا سلیقہ سیکھ سکتے ہیں [illegible] کتاب ہے بارہ ابواب پر مشتمل اور تقریباً پانچ سو سے زائد عنوانات کے تحت وضاحت سے بیان۔

"البلاغ" کراچی رجب ۹۶ھ

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو دلوں پر اثر انداز ہونے کی خاص توفیق عطا فرمائی ہے انکے مواعظ کو قلب میں سوز و گداز، ایمان میں پختگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں دین کی تعلیمات و ہدایات اور ان کے اسرار و حکم ملتے ہیں۔ ان خطبات میں زمانۂ حاضرہ کے بہت سے مسائل پر بڑے بصیرت افروز، جاندار تبصرے ہیں۔ کتاب تمام مسلمانوں کے لیے نہایت مفید اور ائمہ و خطباء کیلئے بہترین رہنما ہے۔

"المعارف" لاہور، جون ۱۹۷۶ء

مولانا کا سلسلۂ فیض عالم شباب پر ہے یہ کتاب نصیحت آموز اور بہترین تذکار و مواعظ کا دلآویز مجموعہ نہایت سلیقہ سے بکھرے ہوئے جواہر پارے پیش کیے گئے ہیں عبادات و معاملات وغیرہ سب چیزیں بڑی اچھی ترتیب کے ساتھ۔

"فیض الاسلام" راولپنڈی، جولائی ۱۹۷۶ء

اصلاحِ معاشرہ اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں یقیناً ایک نمونہ، قابلِ قدر اور قابلِ مطالعہ۔

"قومی زبان" کراچی جون ۱۹۷۶ء

اسلامی افکار و تعلیمات کا ایسا خزینہ جس کی مثال موجودہ دور میں اردو زبان میں نظر نہیں آتی۔ افادیت کا حلقہ اور فیضان عام مسلمانوں سے لے کر طلبہ، اساتذہ، ائمہ مساجد، خطباء، علماء، مبلغین امت، ارباب سیاست و حکومت تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے قلب کے سوز ملت کی دردمندی، اصلاحِ امت کے جوش و ولولہ مزاج و مسلک کے اعتدال نے اس مجموعہ کو اور بھی پُر تاثیر بنا دیا ہے۔

صفحات پونے سات سو اعلیٰ جلد آفسٹ طباعت قیمت ۳۰ روپے

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) پاکستان

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
پیش لفظ	۳	دیگر مذاہب مادہ پرستانہ تخیل کی گرفت میں	۳۹
		کیا مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے	۴۰
فہرست	۱۱	مادی نظریات کا مقابلہ صرف اسلام سے ہے	۴۰
		حیرت کا چوراہا	۴۱
باب ۱		مذہب کی اہمیت کا احساس	۴۲
		مذہب اور سیاست کی تفریق	۴۳
بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب اور عالم اسلام پر اس کے اثرات	۲۵	استحصال اور مادہ پرستی کا انجام	۴۶
		دولت و ثروت کی بے وفائی	۴۷
جنت اور فضیلتِ انسانی کی وجہ	۲۹	اطمینان سے کھوکھلی تہذیب	۴۸
مقصدِ تخلیق	۲۹	رنگ و نسل کے جھگڑے	۴۸
اطمینان کا نقطۂ عروج اور اسلامی معاشرہ	۳۰	برطانوی دارالعوام کی قرارداد	۵۱
مغرب کی خدا بیزار تہذیب	۳۰	اقوام متحدہ	۵۳
نعرۂ انا الحیوان کے تباہ کن نتائج	۳۱	انسانیت کے دو دشمن	۵۴
صنعتی انقلاب	۳۲	سامراج کا جنازہ	۵۵
غیر فطری سامراج کا غیر فطری ردِ عمل	۳۲	چین کے لئے سلامتی کا راستہ	۵۶
مذہب اور اخلاق سے جنگ	۳۲	باب ۲	
معاشی اور معاشرتی مسائل کا اصل حل	۳۳		
مادہ پرستوں کا واویلا	۳۴	عالم اسلام مغربیت کی زد میں	۵۷
بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست	۳۵		
خدا بیزار تہذیب پر مگرمچھ کے آنسو	۳۶	جشنِ شہنشاہیت یا احیاءِ جاہلیت	۵۸
نئے دور کا چیلنج	۳۶	مسئلے کا اصل رخ	۵۹
تہذیب روحانی خلا کے کرشمے	۳۷	تحسین عہد جاہلیت اور اسلام	۵۹
مذہب اور انسانی زندگی کا باہمی تعلق	۳۹	ایران کی شبِ دیجور	۶۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
مزدکیت ، زردشت،	٦٠	باب ۳	
مانویت	٦١		
بعثت نبوی اور ملوک فارس کا ردعمل	٦١		
چراغ مصطفوی اور فارس کے بولہبی شرارے	٦٢	عورتوں کے حقوق بے پردگی اور آزادی کا مسئلہ	٨٥
اسلام جشنوں کا روادار نہیں	٦٣		
قابلِ فخر اسلاف کون ؟	٦٣	بے پردگی اور آزادیٔ نسواں کی تحریک	٨٧
جاہلیت لائق اعتناء نہیں	٦٣	مساوات مرد وزن کا فتنۂ مغرب	٨٧
حسین کے شیدائی اور شہنشاہیت کا جشن	٦٤	بے حیائی کا عروج	٨٧
خلافت اور سوشلزم کے دعویداروں کا کردار	٦٥	اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق	٨٨
تاریخ اور مظاہر پرستی کی سنگین گرفت	٦٦	ظہور اسلام سے قبل	٨٩
مادہ پرست اسلامی حکومتوں کا فلسفۂ حیات	٦٧	جاہلی اقوام کے نظریات	٨٩
دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی وجہ	٦٨	عورت پر اسلام کے احسانات	٩٠
منافقانہ روش	٦٩	دینی دنیوی اجتماعی معاشی حقوق کا تحفظ	٩٠
تلبیس حق و باطل سے پرہیز کریں	٦٩	عورت کی عصمت و آبرو کا احترام	٩٢
ثقافت کے نام پر فحاشی	٧٠	آزادیٔ نسواں یا تبرج جاہلیت	٩٣
ثقافتی طائفوں کی یلغار	٧٢	آزادیٔ ذہن عریانی کی دعوت	٩٣
ہاکس بے کے ساحل پر قومی شرافت کا جنازہ	٧٣	اسلام کا نظام عفت و عصمت	٩٣
اونچی سوسائٹی کی شادی کی تقریب	٧٥	پردہ کے احکام	٩٣
دشمنان دین سے مستعار نہیں دینی اقدام بھی	٧٦	جلباب	٩٥
صومالیہ کا شرمناک واقعہ	٧٦	آیت حجاب	٩٥
فلموں کے ذریعہ دین سے تلاعب	٨٠	حامیانِ بے پردگی کی مغالطہ انگیزی	٩٦
نبی کریمؐ کے نام پر ظلم	٨٢	ستر اور حجاب میں فرق	٩٦
تبلیغ کے نام پر مذاق	٨٣	بات چیت میں احتیاطی تدبیر	٩٧
ایسے ظلم و جبر کی نظیر نہیں	٨٤	مخصوص حالات میں باہر نکلنے کی اجازت	٩٧
		خروج کی شرائط اور تحدیدات	٩٨
		صرف علمی عملی ذہنی تصوراتی تحدیدات	١٠٠

⁂

مضامین	صفحہ
کیا پردہ حبس بے جا ہے ؟	۱۰۱
مرد اور عورت کا دائرۂ کار	۱۰۱
گھروں میں بیٹھنا قید ہے یا راحت	۱۰۲
بے پردگی خرابیٔ صحت کا باعث	۱۰۳
نظر بازی انتشار و فساد کا ذریعہ	۱۰۳
تعمیر اور بے پردگی	۱۰۳
بالا نشین بننے کے شوقین	۱۰۴
عصمت و غیرت کا نذرانہ	۱۰۵
مخلوط اسلامی سٹیج پر	۱۰۵
عورتوں کے جلوس	۱۰۶
تجدد پسند خواتین اور شاہ فیصل رح	۱۰۷
افغانستان اور مغربیت	۱۰۷
عالم اسلام کی تین تصویریں	۱۰۸
عائلی قوانین	۱۱۰
تعدد ازدواج کی ممانعت	۱۱۲
پرسنل لا اور سیکولر سٹیٹ	۱۱۳

باب ۶

مضامین	صفحہ
خاندانی منصوبہ بندی (برتھ کنٹرول) ضرورت - مضرت - نتائج	۱۱۴
ضرورت و نتائج	۱۱۵
قومی خودکشی	۱۱۶
افزائش آبادی اور یورپ	۱۱۷
سیاسی اور مالی ضرورت	۱۱۸
تحدید نسل کا صحیح راستہ	۱۱۹
اخلاقی اور سماجی پہلو	۱۲۰
بے حیائی کی دعوت	۱۲۳
حلال کی ممانعت حرام کی کفالت	۱۲۴
مذاہب عالم کا اجماع	۱۲۵
اسلام سے لاتعلقی	۱۲۶
اسباب حیات و ممات میں تلبیس	۱۲۷
ارزاق کا کفیل	۱۲۸
عذاب کی شکل میں قدرتی منصوبہ بندی	۱۲۹

باب ۵

مضامین	صفحہ
عالم اسلام میں تجدد (ماڈرن ازم) کی تحریک ریسرچ و تحقیق اور فتنۂ استشراق	۱۳۱
اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام	۱۳۳
دین کی غربت کا عبرتناک دور	۱۳۴
منصب اجتہاد	۱۳۵
سلف کی بے حرمتی	۱۳۶
صحابہؓ کی بے وقعتی	۱۳۶
شان رسالت پر دست درازی	۱۳۷
روشن خیالی اور دین سے مذاق	۱۳۷
نبوت اور اخبار غیب سے انکار	۱۳۸
معجزات سے استہزاء	۱۳۸
اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ)	۱۳۸
اکبر کی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے	۱۳۹
تاریخ کی تطہیر	۱۳۹
اکبر کی رواداری کا نتیجہ	۱۴۰

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
فرنگی ثقافت اور کلچر	۱۴۰	ماڈرن علمی تحقیقاتی اداروں کا اسلاف کے کام سے موازنہ	۱۵۰
سیاست یا الحاد	۱۴۰		
ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام	۱۴۱	بے سروسامان اسلاف کے محیر العقول کارنامے	۱۵۰
حلف وفاداری، تمغے	۱۴۱		
اکبری عقائد و عبادات	۱۴۱	بنی امی کے شان اعجازی کے کرشمے	۱۵۲
ریس کورس اور تقاوی قرضے	۱۴۲	طے شدہ مسائل پر کلوکیم اور کانفرنسیں	۱۵۲
محکمہ آبکاری، جام صحت، شیو	۱۴۳	تجدد اور لادینیت کی خاطر	۱۵۳
غسل جنابت منسوخ	۱۴۳	اسلامی تحقیقات اور فاؤنڈیشن	۱۵۴
عائلی قوانین کی اصلاح	۱۴۳	تجدد اور اصلاح کے نعروں کی حقیقت	۱۵۶
آزادیٔ نسواں	۱۴۴	عالم اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ	۱۵۶
مخلوط کلب اور فحاشی	۱۴۴	مغرب اور معتدلانہ راستہ	۱۵۷
دیگر اصلاحات	۱۴۴	علمبرداران تجدد کے اصل عزائم	۱۵۷
ختنہ پر پابندی	۱۴۵	آوازۂ تجدید یا تقلید فرنگ	۱۵۸
سگ پرست تہذیب	۱۴۵	علماء اور مسلمانوں کی تشویش	۱۵۸
ذبیحہ گاؤ پر پابندی	۱۴۵	عصر حاضر کے تقاضے اور اسلام	۱۵۸
علماء اور مدارس پر دست درازی	۱۴۵	مغربی برائیاں تقاضا نہیں کہلا سکتیں	۱۵۹
عربی سے دشمنی	۱۴۶	اسلام کا جمود اور تصلب	۱۵۹
اسلامی علوم کی کس مپرسی	۱۴۶	ربوٰ کا اصل ہدف	۱۶۰
دینی اداروں پر پابندیاں	۱۴۷	خدشات کی تائید	۱۶۱
محکمہ قضا کا خاتمہ	۱۴۸	ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے طبعزاد خیالات	۱۶۲
رویت ہلال کمیٹی	۱۴۸	—فقہ اسلام میں تشکیک کی سعی—	۱۶۵
اوقات سرکاری تبدیلیاں	۱۴۸	کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟	۱۶۶
مجدد الف ثانیؒ کی شکل میں رحمت حق کا ظہور	۱۴۸	ملت کی حفاظت کیلئے حضور اور صحابہ کی قربانیاں	۱۶۷
دین کی بے کسی کا ماتم	۱۴۸	فقہ اسلام کے ارکان خمسہ	۱۶۹
شاہ ولی اللہ کا تبصرہ	۱۴۸	ارکان کا باہمی ربط و تعلق	۱۷۰
اکبر کا آئیڈیل پیش کرنے والے	۱۴۹	کسی رکن سے انکار یا تبدیلی کفر	

مضامین — صفحہ

منکرینِ زکوٰۃ اور فراستِ صدیقی ۱۶۹
مانعینِ زکوٰۃ بھی اسے ٹیکس سمجھ رہے تھے ۱۷۰
متذکرہ مصارف میں قطع برید ۱۷۱
اسلامی ریاست کے مدات آمدنی 〃
مالی نظریات کی جدید تعبیر ۱۷۳
غفلت یا مداہنت اور نتائج 〃
نفس زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت ۱۷۴
ملتِ مسلمہ کا فریضہ ۱۷۵
دل آزار کتاب اور حکومت 〃
ڈاکٹر [illegible] کی شاباشی ۱۷۷
اہل تجدید کے لادینی جھٹکے ۱۷۸
قربانی کے بجائے قیمت ۱۷۹
مشاورتی کونسل اور قانونِ وراثت وارتداد ۱۸۰
[illegible] ۱۸۱
شاتمِ رسالت اور مستشرقین ۱۸۲
برطانیہ کا اسلامی جشن ۱۸۳
مستشرقین کے سنگین حربے ۱۸۵
ماڈرن ازم یا الحادیت ۱۸۷
قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت ۱۸۸
[illegible] ۱۸۹
مغرب زدہ مجتہد کا سہارا ۱۹۰

باب ۹

اسلام اور سائنس
مسلمانوں کے خلائی اور تسخیری کارنامے ۱۹۱
[illegible] سائنس کو [illegible] ۱۹۲

مضامین — صفحہ

اکتشافات کا عہد ۱۹۳
مذہب اور سائنس کے حدود کار ۱۹۴
فطری تجسس 〃
سائنس کی درماندگی کے اعترافات ۱۹۵
کائنات کی حقیقت اور سائنسدانوں کا اعترافِ عجز ۱۹۶
اقلیمِ مذہب کے حدود اور وسعتیں ۱۹۹
تسخیرِ کائنات میں مذہب کی رہنمائی 〃
دعاوی اسلام کی تائید ۱۹۹
رسولِ کریمؐ اور عروج و پرواز ۲۰۰
تسخیرِ مخلوقات اور معرفتِ خالق 〃
تسخیر و اکتشاف اور قرآن ۲۰۱
نعمتِ تسخیر کا حق اور تقاضا ۲۰۳
چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف ۲۰۴
طبیعاتی علوم میں امام غزالی کی معلومات 〃
حسن و قبح کا دارومدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ ۲۰۶
ایجاد و اختراع اور بربادئ عالم ۲۰۷
تہذیبِ جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں ۲۰۹
چاند اور ستاروں کی تسخیر ۲۱۰
فطرتِ انسانی کے تجسس کا جواب 〃
[illegible] کائنات اور سائنسی اعترافات 〃
علمِ غیب ۲۱۲
کائنات اور تسخیرِ کائنات 〃
مذہب اور سائنس کی معرفت کے سرچشمے ۲۱۳
سائنس و مذہب میں تصادم نہیں ۲۱۴

مضامین	صفحہ
خدائی تعلیمات کا اصل موضوع	۲۱۵
راہِ اعتدال	۲۱۶
اسلام کا موقف	〃
نظامِ فلکی اور ائمہ سلفؒ	۲۱۷
آسمانوں کا وجود	〃
اسلام نے مادی سائنسی ترقیات سے نہیں روکا	۲۱۸
مسلمانوں کے تنزّل کے اصل ذمہ دار	〃
تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج	۲۱۹
سائنس یا سامانِ ہلاکت	۲۲۰
پستی اور بلندی	۲۲۱
برٹرینڈ رسل کا مخلص منشورہ	۲۲۲
انسانیت دشمنوں کی کمندیں ستاروں پر	۲۲۳
دل کا اپریشن	۲۲۴
بے نور دلوں کا علاج	۲۲۴
انسانیت کو خودکشی سے بچائیے	〃
مسخ باطنی کے بعد مسخ جسمانی	۲۲۵
انسان نما حیوانوں میں حیوانات کا دل	۲۲۶
اخبار غیب اور معجزات کی تائید	۲۲۷
غیر انسانی اور غیر اخلاقی	۲۲۸
باب ۷	
ذوقِ باطل کا تعاقب علمی و دینی فتنے	۲۲۹
قادیانیت ایک شجرۂ خبیثہ	۲۳۱
مطالبہ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ	۲۳۶
آزاد کشمیر کی قرارداد	〃
ہر شعبۂ دین و دنیا میں جنگ کا اعلان	۲۳۹

مضامین	صفحہ
عبادات	۲۳۹
معاشرتی معاملات	۲۴۰
اسلامی اصطلاحات اور شعائر	〃
مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت	۲۴۱
اُمتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔	۲۴۳
بھرپور تعاقب کی ضرورت	۲۴۵
جمعیۃ نیپ حکومت سبقت کرے	۲۴۷
خدا کے گھر میں ایمان کے ڈاکو	۲۴۹
تقدس حرمین کا تقاضا	۲۵۱
بیرون ملک تعاقب	۲۵۲
بنگلہ دیش اور قادیانی	۲۵۳
منکرین جہاد اور دفاع	۲۵۴
ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ	۲۵۵
حملہ کے بعد عدالت میں بیان	۲۵۶
دوسرے ربوہ کا منصوبہ	۲۵۹
مرزائی مسجد میں دولتانہ کا تجدیدِ وفا	۲۶۰
مرزا ناصر کے منصوبے	۲۶۲
تحریکی سرگرمیاں	〃
گمراہی ربوہ	۲۶۳
قادیانیت اور مکہ معظمہ کی جہانی قرارداد	۲۶۵
رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن	۲۶۹
سرحد اسمبلی کی قابل تحسین قرارداد	۲۷۱
قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف	۲۷۲
قومی اسمبلی اور قادیانیت	۲۷۵
دستور کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ	۲۸۲
ختم نبوت کا منطقی تقاضا	۲۸۳

مضامین	صفحہ
۳۰ اگست نہیں بلکہ ۷ ستمبر	۲۸۴
اے قوم! مرکزِ ثقل سے وابستہ ہو جاؤ	۲۸۵
قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلہ پر نذرانۂ عقیدت	۲۸۶
مرزائیت اور آئین کی توہین	۲۸۹
قادیانی فیصلہ کے عملی تقاضے	،
پاکستان اور ابوظہبی کے مبارک اقدامات	۲۹۳
رابطہ اور حکومتِ سعودیہ سے نفاذ کرنے کی اپیل	۲۹۴
رابطہ کی اہم قراردادیں	،
قادیانیت	،
صیہونیت اور قادیانی	۲۹۵
قادیانیوں کی دوہری جماعت	۲۹۶
الجواب	۲۹۷
محمد علی لاہوری کی تحریفاتِ قرآنی	۲۹۸
لاہوری جماعت کے اعترافات	۲۹۹
ضروریاتِ دین میں تاویل و تحریف کفر ہے	۳۰۰
قادیانیوں کا تقیہ	۳۰۱
باب ۸	
فتنۂ انکارِ حدیث	۳۰۲
متجددین اور منکرینِ حدیث کا جاہلانہ تصورِ سنت	
منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت	۳۰۳
فتنۂ انکارِ حدیث	۳۰۵
فتنۂ استشراق	۳۰۷
انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوت میں باہمی	
مماثلت	۳۰۷
رسول کا تشریعی منصب	۳۱۱

مضامین	صفحہ
سنت اور عصرِ حاضر کے جاہلانہ تصورات	۳۱۲
مستشرقین اور تجدد زدہ طبقہ	۳۱۲
سنت اور حدیث کے بارے میں منافقانہ کردار	۳۱۳
نظریۂ سنتِ جاریہ و غیر جاریہ	۳۱۳
پرویزی نظریہ سخت مہلک	۳۱۵
آزاد اجماع اور شخصی رائے	۳۱۵
عوام کو فیصلہ کرنے کا حق	۳۱۶
جمہوریت کے ذریعہ اجماع وغیرہ کے بارہ	
میں صدر ایوب کے غلط خیالات	۳۱۶
وثنیت یا بابیت نہیں	۳۱۷
جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک	
اہمیت ہے	۳۱۸
اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے	۳۱۸
اجتہاد اور اجماع	۳۱۹
خلاصۂ بحث	،
خواجہ شہاب الدین کی سادہ لوحی یا گمراہی	۳۲۰
باب ۹	۳۲۱
فتنۂ رفض و انکارِ صحابہؓ	
فتنۂ رفض اور انکارِ صحابہؓ	۳۲۳
تعدیلِ صحابہ مدارِ دین ہے	،
عظمتِ صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے	۳۲۴
دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض	۳۲۵
دفاعِ صحابہؓ سب مسلمانوں کا فریضہ ہے	۳۲۵
اہلِ الحاد و فسق کی سینہ زوری	۳۲۶
نبوتِ کاذبہ کا پرچار	۳۲۷

مضامین	صفحہ
شیعہ معتقدات کا فروغ	۳۲۷
سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج	۳۲۸
سُنّی کنونشن	″
سُنّی سوادِ اعظم پر [illegible] کی زیادتی	۳۲۹
خلفاءِ ثلاثہؓ کے بارہ میں شرانگیزی	۳۳۱
شیعہ سازشیں	″
خلافت راشدہ اور نصابِ تعلیم	۳۳۲
شیعہ نصاب اور افتراق و انتشار کا راستہ	۳۳۳
سُنّی اکثریت سے ظالمانہ مذاق	۳۳۴
قومی یکجہتی پر ضرب کاری	۳۳۵
نہ ختم ہونے والا سلسلہ	۳۳۶
وسیع النظری یا ملّی بے حسی	″
دیگر مسلم فرقے	۳۳۷
کیا شیعہ اپنے فرقوں کو علیحدگی کا حق دیں گے	
اہل سنت کا مسلکِ حق	۳۳۸
شیعہ معتقدات	
[illegible]	۳۳۹
ہر شعبہ میں علیحدگی کا دروازہ	۳۴۰
دو قومی نظریہ کا حشر	
صحیح طریقِ کار	۳۴۱
اقتصادی نقطہ سے	
[illegible] نقطہ سے	۳۴۲
دو رُخی پالیسی	
[illegible]	۳۴۳
[illegible] فیصلہ	
[illegible] معتقدات پر مبنی [illegible]	۳۴۴

مضامین	صفحہ
باب ۱۰	
بہائیت	۳۴۶
بہائیت	۳۴۷
غیر اسلامی صیہونی فرقہ	″
مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت	۳۴۸
بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد	″
استعماری مقاصد کا آلۂ کار	۳۴۹
اسلامی حکومتوں کا فرض	″
فری میسن، روٹری اور لائنز کلب	″
باب ۱۱	۳۵۱
اسلامی معاشیات	
اسلام اور [illegible] پہلوؤں کی جھلکیاں	
معاشیات کا ایمانی پہلو	۳۵۲
کفرانِ نعمت کا وبال	۳۵۳
[illegible]	۳۵۴
مادی اور معاشی [illegible] کا انجام	۳۵۹
[illegible]	″
[illegible]	۳۵۵
[illegible]	۳۶۰
[illegible]	
[illegible]	۳۶۱
[illegible]	۳۶۲
[illegible]	
[illegible]	۳۶۳

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
حکمت عملی کی پالیسی	۳۶۴	زمانہ بعثت نبوی	۳۸۳
شخصی ملکیت کے شواہد	۳۶۵	رسول اور امت کا رشتہ	۳۸۴
سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت	۳۶۶	رسول کریم اور امت کے حق کی ادائیگی	،،
مساوات یعنی مؤاسات استحصال نہیں احتساب	۳۶۷	چراغ سے تشبیہ	۳۸۵
سوشلزم فکر کا بھیدی	،،	انسانیت کا نجات دہندہ	،،
سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب	۳۶۸	امت کی فکر	۳۸۶
اسلام اور دیگر معاشی نظام رشتہ حیات کا پیوند	۳۶۹	طائف کا واقعہ	،،
		ہجر و غم کے سمندر میں طوفان	۳۸۷
پیٹ اور رزق کا مسئلہ	۳۷۰	حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف	۳۸۹
بے لگام سرمایہ داری نظام	،،	ہر طبقہ کے حقوق کی تعیین	۳۹۰
		منشور انسانیت	،،
باب ۱۲		رنگ و نسل کے جھگڑے	۳۹۱
قرآن حکیم اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۳۷۲	مساوات کی کسوٹی	،،
اصل وابستگی اور حقیقی یاد		حضور کی معاشرتی مساوات	۳۹۲
نزول قرآن کا حقیقی جشن	۳۷۳	قانونی مساوات	،،
قرآن و سنت محفل جشن میں پیش پیش	،،	حضور کا اولین حق امت پر	۳۹۳
قرآن جزو نصاب تعلیم	۳۷۴	دوسرا حق	۳۹۴
قرآن مجید کا بطور فیض مستند	۳۷۵	محبت کا معیار	۳۹۵
مجلس القرآن یا خدائی عدالت	۳۷۷	صحابہ کا جذبہ اطاعت	۳۹۶
قرآن کا ہرجائی عاشق	،،	حضور کی اصل یاد	۳۹۸
محفل نبوت یا خدائی عدالت	۳۷۸	سیرت کی ضرورت اور اہمیت کبھی اتنی نہ تھی	۳۹۸
سیرت کی اہمیت اور جامعیت	۳۷۹	اخلاقی اور معاشرتی بحران	۳۹۹
سیرت کی وسعت اور ہمہ گیری	،،	کردار کا محاسبہ	۴۰۰
جامع کمال اور قرآنی نمونہ	۳۸۰	نسخہ شفا کے ورد کی نہیں استعمال کی ضرورت	
قرآن مجسم	۳۸۱	اخلاقی زوال مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ	۴۰۱
ضرورت نبوت	،،	عہد جدید میں نبی کے نمونہ پر اخلاقی قدروں کی	،،

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
پائمالی	۴۰۱	تشریع نہیں تشریح	۴۲۴
اخلاقی زوال کے چند بولتے نمونے	۴۰۲	دورِ حاضر کے تقاضے	۴۲۶
ربیع الاوّل کی رسومات اور بدعات	۴۰۳	اگلے کام سے استفادہ	—
ذکرِ رسول اور حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ	۴۰۴	مغربی جمہوریت اور آئین سازی	۴۲۸
باہر چراغاں مگر دل کی دنیا تاریک	″	نفاق اور فکری کجروی	۴۲۹
محبت یا ہوسناکی	″	اسلام اور جامعیت و مانعیت	″
صاحب سیرت کی تعلیمات سے بغاوت	۴۰۵	سوشلزم اور جمہوریت دشمنات	۴۳۳
بدعت کی ہلاکت آفرینیاں	″	تدوین و تشریح کا حق کس کو ہے	۴۳۴
عشقِ رسول کے نام پر سوداگری	۴۰۶	اسلام کا تصور جمہوریت	۴۳۵
بین الاقوامی سیرت کانگریس	″	فقہاء اُمت کا قانونی سرمایہ	۴۳۶
لندن کا اسلامی جشن یا اسلام کے خلاف	۴۰۹	خطرات اور مشکلات	۴۳۷
گھناؤنی سازش		اختلافات کا اصل دائرہ	۴۳۸
مسلمانوں کا افسوسناک طرزِ عمل	۴۱۰	اسلامی آئین میں ضروری شرائط	۴۴۰
باب ۱۴	۴۱۲	غیر مسلم اور کلیدی مناصب	۴۴۲
		غیر مسلم ارکان	۴۴۳
اسلامی دستور وقانون		مسلمان کی تعریف	″
حدود و تعزیرات تدوین آئینِ اسلامی کی جدو جہد		بنیادی حقوق کے نام پر ارتداد	۴۴۴
		بنیادی حقوق میں اسلام سے ہم آہنگی	۴۴۵
اسلامی آئین کی تدوین اور نفاذ کا مسئلہ	۴۱۳	اقامت حدود اور مساوات	″
بحرانوں کا حل۔ اسلامی آئین پر اتفاق کی ضرورت	۴۱۴	خصوصی بنچ	۴۴۶
اہلِ افراد کی ضرورت	۴۱۷	بنیادی حقوق اور اسلام	۴۴۷
علم و تقویٰ کے بنیادی شرائط	″	غیر مسلم اقلیت اور کلیدی مناصب	۴۴۸
علماء کا عملی سیاست میں حصہ	۴۱۹	اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل	۴۵۱
علماء کے فرقہ بندی کے افسانے	۴۲۱	موجودہ شکل	۴۵۲
قومی زندگی میں آئین کی اہمیت	۴۲۲	شریعت بل کا استرداد	۴۵۳
چین اور یورپ کا تصور جمہوریت	۴۲۳	کونسل کی حیثیت	۴۵۴

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
زنا قابل تعزیر	۴۵۵	ابتدائی تفاوت سبب نہیں	۴۷۸
مسلم اور غیر مسلم کا غیر مبہم مفہوم	۴۵۶	آئین کا آہنی شکنجہ	۴۷۹
اسلام کا نظام عدل و انصاف	۴۵۸	اندرونی احتساب کی ضرورت	۴۸۰
شاہ فیصل کا انصاف	۔	نسخۂ شفا فراموش	۴۸۱
بنیادی حقوق کا تحفظ	۴۵۹	عالم اسلام کی معاشرتی قدریں	۔
اسی نظام عدل کے برکات	۴۶۰	اخلاق اور اصلاحی انقلاب	۴۸۲
یورپ کا فلسفہ جرم و سزا	۔	دین سے گریز کا نتیجہ	۴۸۳
مغربی تعلیم اور صحبت کے اثرات	۔	ام الخبائث کی فراوانی	۴۸۴
فلسفۂ جرم و سزا	۴۶۱	قتل و جدل کا دور دورہ	۴۸۵
معاشرہ کا بنیادی نقص	۴۶۲	صیام رمضان ایک قرآنی نسخہ	۴۸۷
انسداد جرائم کا صحیح طریقہ	۔	روزہ اور جہاد کا مقام	۴۹۱
معاش سے زیادہ اخلاق کا مسئلہ	۴۶۳	تعمیر معاشرہ میں حیا کا مقام	۴۹۵
اصلاح کا نبوی نسخہ	۔	حیا اور عفت کا محافظ پردہ	۴۹۷
حدود و تعزیرات غیروں کا اعتراف	۴۶۴	جب یہ کفر زدہ کافر مسلمان ہو گیا	۴۹۸
اسلامی قانون دنیا کی اذان	۴۶۵	اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا حصہ	۵۰۰
فلسطین میں غیروں کی گرفت	۴۶۶	عمر ثانی کا اسلامی معاشرہ	۵۰۱
مصر، لیبیا	۔	خدا کی نگاہ احتساب	۔
آزاد کشمیر	۴۶۷	ہارون کو فضیل کی نصیحت	۵۰۲
ترکی کی اسلامی کروٹ	۴۶۸	اظہار حق اجتماعی حقوق کا تقاضا	۔
قذافی کی مومنانہ باتیں	۴۶۹	فضیل و ہارون کی مجلس	۵۰۳
مسجد میں جمعیۃ کی حکومت	۴۷۲	حصہ یحییٰ سے	۔
باب ۱۴		نظریاتی سرحدات کی اصل تعمیر	۵۰۵
		نظام حق کا قبضہ	۵۰۶
فرد اور معاشرہ کی اصلاح	۴۷۵	باب ۱۵	
اصلاح معاشرہ کے جدید طریقے	۴۷۷	عروج و زوال قانون فتح و شکست	۵۰۷

مضامین	صفحہ
عالم عربی کا المیہ	۵۰۸
سقوط بیت المقدس	۵۰۹
درس عبرت، خود احتسابی کی ضرورت	۵۱۰
قانون فطرت خداوندی	۵۱۱
مسبب الاسباب پر ایمان	″
محیر العقول کرشمے	″
صلیبی جنگیں اور صلاح الدین ایوبیؒ	۵۱۲
سلطان کی کیفیت ایمانی	۵۱۳
عصر حاضر سے موازنہ	″
صلیبی اقوام کی تقلید	۵۱۴
ظاہری اسباب پر گھمنڈ	۵۱۵
دنیا پرستی اور قربانی سے گریز	۵۱۶
صحابہ رض کی سرفروشی	″
مخبر صادقؐ اور اسباب شکست	۵۱۷
امت مرحومہ اور ردائے رحمت	۵۱۸
یاس و قنوط	۵۱۹
اسباب شکست اور صدر ناصر کا ایمانی تجزیہ	۵۲۰
مغضوب قوم کا عارضی غلبہ	۵۲۲
دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ	۵۲۳
تجدید عہد کا دن	۵۲۴
یہودی عدالت کے شرمناک فیصلے	″
—— حرب رمضان ——	۵۲۵
عرب مسئلہ اور عالم اسلام کا فرض	۵۲۶
جنگ اور جنگ کے بعد	″
امریکہ اور صیہونیت کی سرپرستی	۵۲۷
ویتنام کا داغ اور عربوں کا خون	″

مضامین	صفحہ
روس دوست نما دشمن	۵۲۸
جنگ کے اچھے نتائج	″
عربوں کی بالادستی	۵۲۹
خوشگوار ایمانی تبدیلی	″
صلاح الدین کا پہلا خطبہ بیت المقدس	۵۳۰
اسرائیلی جارحیت اور اولین فریضہ	۵۳۲
—— رباط کی اسلامی کانفرنس ——	۵۳۳
قدرت کے تازیانے	۵۳۵
نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ	۵۳۶
لبنان کی صورت حال	۵۳۷
اتحاد عالم اسلام سربراہ کانفرنس	۵۴۰
اسباب عروج کا اجتماعی جائزہ	۵۴۲
اتحاد کا اصل سررشتہ	۵۴۳
عالم اسلام کا فکری محاسبہ	۵۴۴
مذہبی اور لسانی عصبیت	۵۴۵
مسلمانوں کی مردم شماری	۵۴۶
اسلام اور امن و سلامتی	۵۴۷

باب ۱۶

مضامین	صفحہ
پاکستان کا سیاسی و آئینی بحران	۵۴۹
اسلام کا تجربہ گاہ کفران نعمت کی زد میں	۵۵۱
قرآنی فلسفہ عروج و زوال	۵۵۲
نااہل قیادت	″
بزرگوں کے اندیشے	۵۵۳
پاکستان کی حرمت	۵۵۴
سالمیت اور بقا کا راستہ	۵۵۵

مضامین	صفحہ
نقض میثاق	۵۵۵
۱۹۷۰ء کے انتخابات یا نصرت خداوندی	۵۵۷
منافقانہ کردار	۵۵۸
مجیب کی فسطائی کوشش	۵۵۹
۱۹۷۱ء کا معرکۂ حق و باطل اور جہاد اکبر	۵۶۰
ہماری ذمہ داریاں	۵۶۱

—— امتحان و آزمائش ——

مضامین	صفحہ
	۵۶۲
پیش قدمی اور پسپائی	〃
اسلام کے دو دشمن	۵۶۴
جناح اور اقبال کا غلط سہارا	۵۶۵
صحیح فیصلہ کی ضرورت	۵۶۶
علماء کی سیاستدانوں سے فریب خوردگی	
دین محدود و سیاست	۵۶۸

—— محاسبہ اور اصلاح کی ایک مہلت ——

مضامین	صفحہ
	۵۶۹
خصوصی کمیٹیوں کا ردعمل	۵۷۰
انقلابات - زندگی کے نئے موڑ	۵۷۱
ہمہ گیر بحران کے اصل اسباب	۵۷۲
نوجوان نسل کی ذہنی بیماری اور علاج	۵۷۴
نئے و قدیم علوم کے اثرات میں تفاوت	〃
خرابیوں کا اصل علاج	۵۷۸
سقوط ڈھاکہ سے سات دن قبل	۵۷۹
یاس و قنوط نہیں امید و عزم	۵۸۰
سقوط مشرقی پاکستان	۵۸۱
تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ	۵۸۲
اسلام کی شکست نہیں	۵۸۳
کھوکھلے نعروں کی موت	۵۸۴
جنگ کے بعد	۵۸۵

باب ۱۷

حاملین علوم نبوت

تعلیم و تربیت، علم و عمل، مدارس عربیہ،
نظام و نصاب تعلیم

مضامین	صفحہ
امراء اور خلق خدا سے بے نیازی	۵۸۹
اسلاف کی شان بے نیازی	۵۹۱
دستار فضیلت یا کانٹوں کا ڈھیر	۵۹۲
امام ابوحنیفہ کی الوداعی نصیحت	۵۹۳
شیخ الازہر کی نصیحت	〃
علمی ماضی سے رابطہ کی ضرورت	۵۹۶
عروج و زوال میں علماء کا کردار	۵۹۷
علماء اور معاشرہ کی تشکیل	۵۹۸
ملائیت کے دشمن تجدد پسند	〃
ملائیت اور سائنسی ترقی	۵۹۹
مقام دعوت و عزیمت	۶۰۰
علماء قوم کی رہنمائی کریں	۶۰۱
علماء حق کے ایمانی مظاہرے	۶۰۳
بجرم عشق تو ام می کشند	۶۰۵
قابل تقلید اقدام	۶۰۷
زوال علم کی ایک کربناک تصویر	۶۰۸
علماء کے لیے ضابطۂ اخلاق	۶۱۰
تقریب بین المذاہب	〃
متفقہ علماء سو بنانا	۶۱۱

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
نظام دعوت و تعلیم	۶۱۳	حکومت اور خدمت اسلام کا اصل کام	۶۲۸
دینی مدارس اور چند سوالات	۶۱۴	علوم مشرقی برطانوی دور سے بدتر حالت	۶۲۹
شراب کہنہ اور جام نو	۶۱۶	قومی ملکیت کی تلوار اور مدارس عربیہ	۶۳۱
دَور جدید کے مسائل	۶۱۸	عربی لغۃ الاسلام	۶۳۲
دینی مدارس اور لادینی قوتیں	۶۲۰	باہمی ربط کا ذریعہ	۶۳۳
مسجد و محراب کی قفل بندی	۶۲۱	عصری نظام تعلیم اور دین سے بیگانگی	۶۳۵
قادیانیوں کے عزائم	۶۲۳	اسلامیات کی بے کسی	۶۳۶
اصلاح کے پر فریب سنہری وعدے	۶۲۵	رہے سہے آثار کو مٹانے کی سعی	۶۳۷
اہل مدارس کا مطمح نظر	״	سکولوں کے نصاب اسلامیات میں نفاق کا بیج	״
زہد و ایثار کا صلہ	۶۲۶	تدوین نصاب کی اہمیت	۶۳۸
سرکاری تحویل اور اوقاف کی حالت	״	نئی تعلیمی پالیسی	۶۳۹
سکولوں کالجوں کی حالت	۶۲۷		

باب ۱

بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب
اور
عالمِ اسلام پر اُسکے اثرات

بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب

یورپ کے ہاتھوں پوری انسانیت بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہوئی۔ پریشانی خلفشار اور بے یقینی کی اس بحرانی کیفیت نے رفتہ رفتہ پورے عالم اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مغرب کی خدا بیزار تہذیب اور مادیت پر کھڑا کیا گیا۔ تمدن طاعون کی طرح ہر سو پھیلنے لگا۔ اور آج بدقسمتی سے مملکت عزیز پاکستان بھی پوری شدت سے اس کی زد میں ہے۔ طبقاتی، علاقائی، لسانی اور نظریاتی جنگ ایک عفریت کی طرح سے تڑپ کرتا ہو رہی ہے۔ اور تاریخ کی بے مثال قربانی سے حاصل کی گئی مملکت پر نزع کی سی کیفیت طاری ہے۔ مریض جاں بلب ہے مگر مرض کی تشخیص کون کرے اور علاج کب موثر ہو جبکہ مرض کا علاج مرض ہی سے کیا جا رہا ہو اور اُسی عطار سے نسخۂ شفا مانگا جا رہا ہو جس نے زہر کھلا کھلا کر مریض کو لب گور تک پہنچا دیا ہے۔ گویا حالت یہ ہے کہ :

تداویت من لیلی بلیلی عن الهوی
کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

اس مصیبت اور ہولناک عذاب سے چھٹکارا ہم اُسی مادیت میں ڈھونڈ رہے ہیں جس نے پوری انسانیت اور پورے عالم اسلام کو موت کے دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ مادیت خواہ مارکسزم اور سوشلزم کی شکل میں ہو یا مغربی نظام حیات اور وہاں کے معاشی نظاموں کی صورت میں اس کی اساس خدا فراموشی، آخرت فراموشی، انسان کی اصلی اور اخلاقی اقدار کی پامالی پر ہے۔ اس کا خلاصہ جسم کی پرستش اور پیٹ کی عبادت ہی ہے، نہ انسان کا رخ اخلاقی سیرت،

۔ قدرے کردار اور معنوی انداز سے موڑ کر صورت کی زیبائش، معدہ کی پرورش اور خواہشات نفس کی تسکین کی طرف کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پوری کائنات اور پوری انسانیت کو مادہ اور معدہ کے پیمانہ سے ناپا جا رہا ہے۔ انسان کی تمام عالمی جد و جہد اجتماعی اور انفرادی ساری کوششوں کا محور دنیا کی چند روزہ زندگانی اور یہاں کی عیش کوشی رہ گئی ہے۔ پھر اس حرص و آز کی گہرائی اتنی شدید ہے کہ ڈیڑھ بالشت پیٹ نے زمین کو اس کی تمام وسعتوں کے ساتھ ہڑپ کر دیا مگر ہوسناکی بجھتی نہیں، اب چاند ستاروں اور آسمانوں پر کمند ڈالی جانے لگی۔

خدا اور آخرت کے تصور سے آزاد انسان کی اسی حیوانی فطرت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ اسے سونے کی دو بھری وادیاں بھی مل جائیں تو یہ تیسری کی تلاش میں رہے گا۔ پیٹ اور خواہشات، یہ انسان جیسے ناتوان اور محتاج مخلوق کے فطری تقاضے تھے، قدرت نے اسے روکا نہیں بلکہ پوری فیاضی سے اس ساری کائنات کو عرش سے لیکر فرش تک اس کی جسمانی خدمت پر لگا دیا۔ یہ چاند یہ ستارے یہ آسمان یہ زمین یہ سمندر اور یہ ہوائیں یہ بادل اور یہ بارشیں سب اسی کی جسمانی حاجتوں اور تقاضوں کا مجسم جواب ہیں، وہ اس کے لئے مسخر ہیں۔ اور اس وسیع کائنات میں ابر و باد اور مہ و خورشید سب کی تگ تازیاں اس مٹھی بھر جسم "جسد انسانی" کی خاطر ہیں پھر کیا انسان جو کائنات کے ذرہ ذرہ، کیا ہوا کیا پانی، کیا دھوپ کیا مٹی، ہر چیز کا محتاج ہے۔ اس کا مقصد بھی صرف دیگر چرند اور پرند کی طرح بس کھانا پینا ہے۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہوتی کہ ان چیزوں میں تو انسان سے ایک سے ایک بڑھ کر مخلوق چوپائے اور درندے موجود ہیں۔ کھانے پینے میں تو گدھا اور ہاتھی اس سے زیادہ آسودہ ہے۔ نہ ہل جوتنے نہ بونے نہ کاٹنے نہ صاف کر کے پکانے کی فکر ہے۔ نہ پوشاک کی نہ مکان کی۔ شہوت رانی میں وہ ایک چڑیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوت اور طاقت میں ایک معمولی درندہ اس پر غالب ہے۔ پھر یہ سراپا احتیاج ہے۔ مگر کائنات کی کوئی چیز اس کی محتاج نہیں۔ یہ عناصر اور مادیت کے بغیر پل بھر کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس کی پوری نوع بھی مٹ جائے تو پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج اور زمین کا کیا بگڑ

سکتا ہے۔ پھر اس پر کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے کہ اسے پوری کائنات پر فضیلت دی گئی اور اسے اس عالم آب و گل میں اللہ کا خلیفہ بنایا گیا اور تمام عالمین پر اسی کو شرافت اور کرامت دی گئی۔

نخوت اور فضیلت انسانی کی وجہ موٹی سی بات ہے کہ اگر انسان کا مقصد پیدائش اور اس کا نقطۂ معراج صرف وہ ہوتا جو بیسویں صدی نے سمجھ لیا ہے کہ انسان صرف چھوٹے پیمانہ پر کھانے کی ایک مشین بن کر رہ جائے۔ حیوانات اور درندے بھی اپنی درندگی اور اس سے اٹھتے ہوئے شر و فساد سے سر بہ پیٹ ہیں۔ اس کی ہوسناکیوں کو دیکھ کر شیطان بھی لرزاں ہو رہا ہے۔ تو یہ چیز خدائے بزرگ و برتر کی حکمتوں اور اس کی شان جلال کے خلاف ہوتی کہ کھانے کی مشین کو پوری کائنات اور اس کی بزرگ ترین مخلوق ملائکہ تک پر فضیلت دی جائے اور سب کو اس کی بیگار میں لگا دیا جائے۔ اگر ہماری طبیعت ایک بے غیر منصفانہ وحشیانہ فیصلے کو یوں اور کوئی فیصلہ گوارا نہیں کر سکتی۔ تو خدائے حکیم و علیم جیسی عزیز ذات کی غیرت کب اسے گوارا کر سکتی تھی۔

مقصد تخلیق آفرینش آدم سے لیکر اب تک وہ ہمیں میثاق ازلی کا بھولا ہوا سبق دہرا دہرا کر کہہ رہا ہے کہ اس سارے ہنگامۂ ہاؤ ہو کا مقصد چند روزہ زندگی کی عیاشی کرنا، تر اور روٹی کھانا، ملکی کرنا اور خوش و خرمستی میں بھول جانا نہیں بلکہ یہ ساری چیزیں تو ایک بلند و برتر مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور اصل منزل تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ اصل مقصد تو دائمی سرخروئی اور ابدی زندگی کا حصول ہے۔ نفسانی خواہشات اور حیوانی تقاضوں کو کنٹرول کر کے انسانیت کی معراج تک پہنچنا ہے۔ آفاق اور انفس میں پھیلے ہوئے اس وسیع کارخانۂ قدرت کو اپنے خالق کی پہچان اور اس کے دیئے گئے وسائل اور ذرائع کو اس کی رضامندی کا ذریعہ بنانا ہے۔ اس مقصد کی پہچان اور اسے حاصل کرنے کی جد و جہد سے ہی صحیح معنوں میں انسان اور خلیفۃ اللہ بناتی ہے۔ اور وہ پیٹ کا نہیں بلکہ حق کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ لا عبد المادۃ والمعدۃ کا نہیں بلکہ [illegible] [illegible] بنتا ہے۔

اسلامی معاشرہ اطمینان کا نقطۂ معراج

وہ اپنے بنی نوع انسان کو ذلیل و خوار اور اُسے ہڑپ نہیں کرتا بلکہ اس کے غم اور رنج کو اپنا غم اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کو کاٹ کر دوسروں کی حاجت روائی کرتا ہے۔ وہ لوٹ کھسوٹ ظالمانہ استحصال اور طبقاتی نفرت کا نہیں بلکہ عدل و انصاف۔ ایثار و محبت کا پیکر مجسم بن جاتا ہے۔ اگر اس کے پڑوس میں کوئی بیمار ہے تو یہ کراہتا ہے، بھوکا ہو تو تڑپتا ہے۔ ننگا ہو تو کپکپاتا ہے۔ الغرض وہ شیطان اور درندوں کا نہیں بلکہ خدائے حی و قیوم کی شان عادل و کریم کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ پوری انسانیت کو اللہ کے ایسے سایۂ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔ جہاں نہ خوف ہے نہ حزن نہ بے چینی ہے اور نہ اضطراب نہ حرص و ہوس ہے اور نہ ظلم و بے انصافی نہ استحصال ہے نہ حقوق کی پامالی اور نہ انسان کے دکھ درد سے غلط فائدہ اٹھانے کی سیاسی عیاریاں بلکہ ہر چیز اپنے مرکز اور اپنے نقطہ پر قائم اور چاروں طرف سکون ہی سکون ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم کیا وہ روحانیت و اطمینان کا نقطہ معراج تھا۔ اور انہوں نے قیامت تک انسانیت کی فلاح کیلئے یہی شاہراہ متعین کی۔

مگر پھر کیا ہوا ــــــ؟ عہد رسالت سے ہم جتنے دور ہوتے گئے۔ شر و فساد اپنی ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ہم پر مسلط ہوتا گیا۔ مادہ پرستی اور نفس پروری کی نظر فریب روشنی سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہم مقصد و منزل کو جانے والے جادۂ حق سے ڈگمگا گئے۔

مغرب کی خدا بیزار تہذیب

یہاں تک کہ انیسویں صدی میں مغرب اور اس کی خدا بیزار تہذیب نے نہ صرف ہماری بلکہ پوری انسانیت کی گاڑی منزل تک پہنچنے والی پٹڑی سے اتار دی۔ مقصد تخلیق کو فراموش کر دیا۔ ہم سیرت و اخلاق، روح اور ایمان کو بھول گئے اور مادیت کے سنہری جال میں ایسے پھنسے کہ گردش کرتے ہوئے اسی بازار کی طرف دوڑتے گئے۔ حالانکہ جب تک اپنے نقطہ پر رہتے ہیں ستارے ٹمٹماتے چمکتے ہیں اور جب وہ اپنے مرکز سے ہٹ جاتے ہیں تو مدار سے ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔

خود نمائیوں کے تباہ کن نتائج

انسان نے انانیوں میں ایک مہذب حیوان بن کر اپنی ساری اپنے مرکزِ ثقل مقامِ انسانیت سے ہٹ گیا اور نتیجہ میں عظیم الشان بے چینی، افراتفری اور تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس کی ایسی ہولناک تصویر اب تک تاریخ کے کسی دور میں ہمارے سامنے نہیں آسکی۔ مقصد کو بھول جانے والا مادیت کا پرستار انسان پیٹ اور اپنی خواہشات کے سامنے کتنا مجبور و بے بس ہے، اس کی تصویر مغربی مادیت اور اس کے ردِّ عمل میں رونما ہونے والے معاشی اور اخلاقی معاشرہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ وہ کبھی اپنی تشنگی کی تسکین کی خاطر خوشحال اور آباد بستیوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ کبھی اپنے خدم و حشم کے لئے نئی نئی آبادیاں ڈھونڈھتا ہے۔ اسی جذبۂ حیوانیت نے صرف ایک جنگِ عظیم میں چھ کروڑ انسانوں کو ہلاک اور مجروح کر دیا۔ دو کروڑ گھر تباہ ہوئے۔ ڈھائی کروڑ افراد بے گھر ہوگئے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی جہنم کدہ بن گئے۔ اسی خود غرضی نے کوریا کی معمولی دو سالہ جنگ میں بیس لاکھ انسانوں کی ہلاکت اور ایک کروڑ افراد کے مجروح ہونے کی شکل اختیار کی۔ اس خود غرضانہ تمدن نے جب انسانی رشتوں سے بے نیاز کر دیا تو معاشرتی گورکھ دھندا نیست کر گئے۔ بڑے بڑے شہروں اور آبادیوں کو مروانے کی تجویزیں پیش ہوئیں۔ یہاں تک کہ اولاد معصوم بچوں کو قتل کیا جانے لگا۔ اور یہ عزیز ہستیاں جیسے خوشنما اونوں کے پردہ میں گھٹ رہے تھے اور مادر پدر آزاد بنے گئے اور پورے معاشرہ کو آئین، قانون، اخلاق، روایت کے بندھنوں سے آزاد کرنے کیلئے "جنسیاتی نظام" کا ایک پورا فلسفہ گھڑ لیا۔ قانون اور ہر قسم کی اخلاقی اقدار کو مساوات کے نام سے زندگی کی کشمکش اور جدوجہد میں دست و بازو اخلاق اور شرافت کے نقوش خواہشات کی چکی میں پسنے لگے اور عفت و عصمت اور انسانی حیا جیسی چیز بھی ایک کھلونا بن کر رہ گئی اور اس تہذیب کے صدقے میں جنسی [illegible] ایسی شکلیں نکلیں کہ [illegible] جانوروں سے بھی بدتر بنتے ہیں ایک نمونہ بن گیا۔

[illegible] اسی تہذیب کے آئینہ دار برطانیہ میں ہر سال [illegible] ہوتا ہے اور سب کو خیال رکھا جاتا ہے [illegible]

کی شکل میں اپنا جو تنومند اور دیوہیکل حرامی بچہ چھوڑ گیا ہے، وہ نئے جوش اور ولولہ سے بھرپور ہو کر اس جانشینی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اور آج کی خبر ہے ٹائم اخبار کے حوالہ سے کہ امریکہ کے ہم جنس پرست پورے زور شور سے منظم ہو کر اسے سرکاری طور پہ جائز اور انسانی حق قرار دینا چاہتے ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق امریکہ کے ۲۰ لاکھ مرد اور ۱۴ لاکھ عورتیں ہم جنس پرستی کے اس شوق کا قانونی مظاہرہ کروانا چاہتی ہیں۔

صنعتی انقلاب ہوس زر اور خواہشات نفس کے اس جذبہ نے لوٹ کھسوٹ جلب زر اور حصول دولت کی عجیب عجیب شکلیں ایجاد کیں۔ صنعتی اور مشینی دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں مٹھی بھر افراد رزق کے خزانوں پہ قابض ہوئے اور انسانوں کی اکثریت اس مشینی دور کے ہاتھوں بھوک، افلاس اور بیماریوں سے کراہنے لگی۔ ایثار، اخلاص اور ہمدردی کی بجائے قومی، علاقائی، لسانی، طبقاتی اغراض معیار شرافت بن گئے اور جو بھی انسانوں کا جتنا خون پسینہ چوس سکا اُسے معاشرہ نے زیادہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔

غیر فطری سامراجی نظام کا غیر فطری ردِ عمل یہ انسان کا ایک ظالمانہ غیر فطری اور غیر انسانی مظاہرہ تھا۔ پھر جب ہر غیر فطری عمل کا ردِ عمل بھی غیر فطری ظاہر کرانا قانونِ قدرت ہے، تو لازم تھا کہ اس کا ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید اور سفاکانہ ظاہر ہو جائے۔ نتیجہ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سوشلزم اور کمیونزم کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے انسانیت کے رہے سہے تمام اقدار اور اخلاق بھی تہس نہس کر دیئے۔ مجبور اور مظلوم کی ہمدردی کے نام پہ پوری انسانیت سے بھیانک کھیلی گئی۔ غریب اور کسان کے نام سے تمام وسائل رزق پہ چند غنڈوں نے پارٹی اور جماعت کی شکل میں قبضہ کیا۔

مذہب اور خدا سے جنگ مساوات، اشتراکیت اور غریب پروری کے خوشنما پردوں میں انسانی فطرت، انسانی ضمیر، مذہبی اقدار اور روحانی مقاصد روند دیے گئے۔ حقیقی مقصد حیات کی ذرا سی جھلک بھی مذہب، تعلیم اور اخلاق کی شکل میں دکھائی دی، اس کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ وہاں ساری جدوجہد کی اساس بھی مادیت اور تن پروری پر ہی رکھی گئی۔ ایسی مادیت، جو نہ مذہب کی روادار تھی، نہ خدا اور نہ انسانی اقدار

درحقیقت کی یہ نئی مادیت بھی سوشلزم وغیرہ کی شکل میں انسان کو ایک "سنہری جنت" کی بھول بھلیوں میں ڈال دیتی ہے، اور روٹی کے چند ٹکڑوں اور چند ٹکوں کی خاطر انسان کے تمام اعلیٰ و ارفع مقاصد حیات خرید لیتی ہے، اور یہ ہے وہ "سرخ جنت" جس کی خاطر روس میں بالشویک انقلاب کے ایام میں کروڑوں افراد قتل، جلاوطن، مجروح اور عمر بھر زندہ درگور کر دئے گئے۔ اور چین میں ڈیڑھ کروڑ زمیندار پھانسی پر لٹکا دئے گئے۔ جبر و تشدد سے نہ کہ نظریہ کی صداقت کے زور سے، مزدور اور کسانوں کے نام پر "اشتراکیت" کا جھنڈا کھڑا کر دیا گیا۔ خود اسٹالن معترف ہے کہ ایک کروڑ تو صرف کسان مارے گئے، صرف یہی نہیں بلکہ اسٹالین نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ تمام تشدد صرف مال چھیننے کے لئے نہیں تھا بلکہ ذاتی عقیدہ، دین، فطری آزادی، شخصی آزادی اور تمام انسانی قدریں اس کی بھینٹ چڑھا دئے گئے۔ دین اور انسانیت کی اس قربان گاہ پر جو کتبے نصب کئے گئے، یہاں ہم ان میں سے صرف ایک کتبہ پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں سے متعلق ہے۔ اور وہ چینی کمیونسٹ ماؤزے تنگ کے پیروؤں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام ہے جس کا متن یہ ہے:

> مسلمانو! کان کھول کر سن لو آج کے بعد تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہروں پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ تم کو ہماری فوجیں نیست و نابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمہیں گائے کی بجائے خنزیر کا گوشت کھانا پڑے گا۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو، قرآن کی تلاوت کرو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سنو تمہیں اپنی مساجد اور مدارس کو ڈھانا ہوگا۔ اپنی اسلامی عبادت کو چھوڑنا ہوگا، نماز کو خیرباد اور ختنہ سے اجتناب کرنا ہوگا۔

(اسلام اور کمیونزم ص ۶۷ بحوالہ چینی اخبار تن بات باؤ ہانگ کانگ)

۱ نومبر ۱۹۶۰ء

معاشی اور معاشرتی مسائل کا اصل حل | یہ ہے وہ ردِ عمل جو مغرب کے سامراجی نظام کا

غیر فطری جواب تھا جس نے مادی ترقی [illegible] اور تصور آخرت سے بھی محروم کر دیا۔ ان دونوں نظاموں کا تجربہ ہمارے سامنے ہے ہم ایک چوراہے پر کھڑے ہیں [illegible] اور معاشی [illegible] معاشی عدم توازن فوری اصلاح طلب ہے [illegible] جس مادی اور اقتصادی [illegible] کیونکہ خوشحال [illegible]

مادہ پرستوں کا واویلا

[illegible]

آسمانی دین کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا دعویٰ کرنے والی دونوں قومیں مسلمان اور عیسائی مادیت اور دہریت کی گود میں جانے والوں کی بہ نسبت اقلیت میں ہیں، دونوں کو مادیت اور ظاہر پرستی کا سامنا ہے۔ اور منکرِ خدا اقوام اس اقلیت کو اپنے اندر مدغم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔" (البعث الاسلامی لکھنؤ عربی مجلہ)

پروفیسر صاحب موصوف کی بات اس حد تک معقول ہے کہ موجودہ حیوانی تہذیب و تمدن جس کی بنیاد سراسر مادی مفادات، خواہشات کی تکمیل، جلبِ منفعت، زر پرستی، حصولِ دولت، معاشی افکار اور اقتصادی فلسفوں پر ہے۔ اس کا وار کسی خاص مذہب اور کسی ایک دین پر نہیں۔ دہریت اور نفس پرستی کا یہ عفریت ہر اس نظریہ، دین، علم، حقیقت، ادراک و معرفت کو ہلاک کر رہا ہے، جس کا تعلق روح، آخرت، سچائی و صداقت، معنوی اقدار یا کسی غیر طبیعاتی عقیدہ سے ہے جو کہ موجودہ تہذیب کا خمیر ہی جسم و مادہ، نفعِ عاجل، لذت پرستی اور استیلاء و استبداد سے اٹھایا گیا ہے، معنوی اقدار، روحانی صفات اور انسان کے باہمی روابط و تعلق سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ تبتغون عرض الحیوٰۃ الدنیا واللہ یرید الآخرۃ۔

باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست مگر سوال یہ ہے کہ خدا اور خود فراموش تہذیب جس نے آج انسان کو مادہ و جسم کا پجاری اور شکم پروری کی ایک مشین بنا کر رکھ دیا ہے ــــ اس تہذیب نے جنم کہاں سے لیا؟ کس نے اس شجرۂ خبیثہ کو پروان چڑھایا؟ عیسائیت کا علمبردار یورپ اور یورپین اقوام کی مخصوص ذہنیت کے علاوہ اور کون تھا جس نے انسانیت کو موت کے دہانے پر لا کھڑا کیا، جس نے رنگ دار، خوش نما شہوات کی ایک فریب جنت سجائی؛ جس نے بالشت بھر پیٹ اور معدہ کو ہی کائنات گردانا، اور جس نے لا الٰہ الا الحیوٰۃ والمادۃ کے بلند بانگ نعروں سے خدا کے وجود اور تمام غیبی حقائق سے انکار کیا۔ وہ عیسائی یورپ، عیسائی نظام اور دشمنِ فطرت اصول ہی تھے جنہوں نے عقل و دانش کو مذہب سے بغاوت پر آمادہ کیا۔ وہ یورپ ہی تو تھا جس نے اپنے علم و دانش، سیاسی نظام اور مشاہدات پر سائنسی نظریے اور حسی تجربہ پر بنا رکھ کر وہ تمام مابعد الطبیعی حقائق خدا، رسول، روح و آخرت.

بعث بعد الموت اور حساب وکتاب مفروضہ اور من گھڑت افسانے معلوم ہونے لگے، جو عقل وحواس کی گرفت میں نہ آسکے۔ نتیجۃً دنیا مادیت کے جنگل میں بھٹک گئی اور مذہب سے محروم ہو کر منکر خدا اقوام اطمینان وسکون سے عاری زندگی کی جلتی بھٹی میں کودتی چلی گئیں۔

خدا بیزار تہذیب پر مگرمچھ کے آنسو آخر یہ آگ سلگائی کس نے ہے۔ جس کے سوز وتپش سے آج یورپ کے دانشور نالاں ہیں۔ یہ حالت پچھلی چند صدیوں میں یورپ ہی کے مذہب بیزاری سے پیدا ہوئے جس نے پہلے اپنے مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا، اسے اپنے حیوانی مقاصد کا آلۂ کار بنایا۔ آسمانی تعلیمات سے مسیحیت کا رشتہ کاٹ کر رومی ویونانی تہذیب کے ملبہ سے اس کی عمارت اٹھائی، اس میں بت پرستی کی آمیزش کی، رہبانیت کے نام سے زندگی سے فرار کی راہ اختیار کی، پھر جبر واستبداد اور استعماری عزائم کے سہارے اس خدا بیزار تہذیب کو دیگر اقوام ومذاہب پر ٹھونسنے کی کوشش کی اور اس طرح خدا کی زمین کو ہر قسم کی درندگی وبربریت اور شر وفساد سے بھر دیا ـــ۔ آج پروفیسر جان ٹیلر صاحب مادیت اور دہریت کا رونا رو رہے ہیں۔ اگر یہ آنسو مگرمچھ کے آنسو نہیں ہیں تو یہ تلخ حقیقت کیوں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ اس تمام حیوانیت اور مذہب بیزاری کا سہرا تو یورپ کے مسیحیوں کے سر ہے۔ ع باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

نئے دور کا چیلنج اور اسلام یہاں ہم اتنا مزید عرض کئے دیتے ہیں کہ اس وقت مادیت اور ظاہر پرستی کے چیلنج کو صرف اسلام ہی قبول کر سکتا ہے۔ جس میں طلب معاش، حصول رزق اور کسب حلال کی گنجائش تو ہے۔ مگر خدا فراموشی کی نہیں، جہانبانی اور جہانگیری ہے مگر ظلم و استبداد نہیں، حصول منفعت کا حق ہے مگر حق تلفی اور خود غرضی کا نہیں۔ دشمن سے مقابلہ ہے مگر عیاری نہیں۔ دنیا ہے مگر دین سے بغاوت نہیں، ربانیت ہے مگر رہبانیت نہیں، علم و معرفت ہے مگر جمود وتعصب نہیں، نعمتوں اور لذتوں سے لذت اندوزی ہے۔ مگر اباحیت ونافرمانی نہیں۔ عیسائیت تو اس وقت چراغ سحری تھی جبکہ خدا نے انسانی ہدایت کے لئے آخری روشنی بھیجی۔ قرآن جس کا غیر متبدل اور بیسویں صدی کا ترقی یافتہ یورپ تو علم وتحقیق کے نام پر کتب مقدسہ میں الحاق وتحریف اور دشمن عزت خود ساختہ مسیحی انوا کے ذریعہ اہم،

تابوت میں آخری کیل ٹھونک چکا ہے ـــــ مسیحیت، دین و مذہب اور علم اور معرفت کے ہر محاذ پر شکست کھا چکی ہے، تو روحانیت کے میدان میں کیا سنبھل سکے گی۔ عصر حاضر کی انسانیت آج جس خلا کا شکار ہے یہ تہذیب مغرب، اور صرف اسلام ہی سے پُر ہو سکتا ہے کہ موجودہ بے چینی اضطراب، درد و کرب، پریشانی اور تشنگی کا مداوا صرف اسلام ہی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام، فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا ـــــ اور ان شاء اللہ دیر یا سویر اسلام ہی دنیا کی تمام مادہ پرست انسانیت کو اپنے اندر جذب کر کے رہے گا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ مخبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے فرمایا جسے حضرت مقدادؓ نے نقل کیا ـــــ لا یبقی علی ظہر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل اما یعزہم اللہ فیجعلہم من اہلہا او یذلہم فیدینون لہا۔ مقدادؓ نے آخر میں فرمایا: فیکون الدین کلہ للہ۔ (رواہ احمد)

مہیب روحانی خلاء کے کرشمے

اخبار جنگ کا ایک مراسلہ نگار مقیم امریکہ ۱۲ ستمبر کے پرچہ میں اپنے مشاہدات امریکہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہے:

> "آج کل امریکہ میں جنات، حاضرات اور علوم روحانیہ سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ نئی پود افیون، گانجے کی لت اور مجذوبیت سے لیکر مردوں کی روحوں سے بات چیت کرنے اور علم نجوم سے حالات زندگی تلاش کرنے کی طرف بہت مائل ہے۔ زیادہ ذہین اور متلاشی نوجوان مذاہب مختلفہ پر کتابیں پڑھتے اور تقریریں سنتے ہیں۔ دیر دیر تک سوچتے اور سوال کے در پر پہنچتے ہیں کہ جہاں سے انہیں دل اور دماغ کی تسلی ہو سکے۔ آج کل "YOGA" کا یہاں کافی تذکرہ ہے مگر سب سے زیادہ تسلط

جادو ٹونے کا ہے، ٹونے ٹوٹکے کا کاروبار زوروں پر ہے علوم رموز کے ہتھکنڈوں
سے روپیہ بٹورنے والے کافی ہیں۔ کم و بیش دس گیارہ ماہنامے علوم مخفیہ پر یہاں
چھپتے اور لاکھوں کی تعداد میں بکتے ہیں۔ ہر اخبار میں روزانہ نجوم کا کالم ہوتا ہے۔"

اس سے اندازہ لگائیے اس مہیب روحانی خلا کا جس سے آج یورپ دوچار ہے۔ سائنس فلسفہ اور ٹکنالوجی کا عہد، وسعت اور روشن خیالی کے دعوے مگر چاند پر کمند ڈالنے والا انسان جتنا بلندی پر جاتا ہے اتنا ہی توہمات اور طلسمات کی گھاٹیوں میں گرتا جا رہا ہے۔ رمل و جفر، کہانت، یوگ اور یوگ، القائے شیطانی اور مرتاض جوگیوں کے گورکھ دھندوں سے جس مذہب نے انسان کو نجات دی تھی اسے نظر انداز کرکے یورپ آج اپنی فطری طلب و تجسس کی پیاس کہاں کہاں بجھا رہا ہے مگر فطرت کی تشنگی جس آب زلال سے بجھ سکتی ہے اسے تو ہاتھ نہیں بڑھایا جاتا۔ نتیجہ بے چینی اور اضطراب بڑھ رہا ہے۔ اب اسے کون سمجھائے کہ سکون اور مسرت ان اوہام و خرافات میں نہیں، نہ اسرار و رموز پر مبنی مخفی علوم میں، یورپ کا متجسس انسان یہ دولت اگر پا سکتا ہے تو صرف اس آسمانی دین سے جو نہ عقل سے متصادم ہے نہ سائنس سے۔ نہ اس میں ظن و تشکیک کی کوئی تاریکی ہے۔ نہ جادو ٹونے کی توہم پرستی۔ جس کا ظاہر اور باطن ایک، جس کے دن اور رات برابر لیلھا کنہارھا ——— یورپ کے مجبور مسیحی کس افسانہ! اگر تمہیں سکون خاطر کی تلاش ہے، تو آؤ احمد نبی صلوٰۃ اللہ علیہ کے مکتب سے تمہاری تڑپتی روح کو سکون اور آسودگی کا سامان مل سکے گا۔ اور اسلام کے شجرۂ طوبیٰ کے سائے میں راحت، قلب و نظر بھی ——— (اکتوبر ۱۹۷۱ء)

مذہب اور انسانی زندگی کا باہمی تعلق

مذہب انسان کی زندگی میں کس قدر دخیل انداز ہوتا ہے یہ کسی مغرب زدہ فلسفی یا بے دین افراد انسان سے نہ پوچھیے۔ اس لئے کہ اس کی پرواز کو مادی اسباب و وسائل سے بالا نہیں ہے۔ اس کے یہاں زندگی کا حاصل جسم کی آرائش و زیبائش اور دنیا کے رنگ و بو سے لطف اندوزی ہے۔ مغرب کی ساری زندگی اور زندگی کے سارے کاروبار کا محور صرف اور صرف یہی مادی تعیش اور دنیا کی ہوس ہے۔ اس کے سارے کل پرزے اسی مقصد کے لئے ڈھلتے اور بنتے ہیں۔

اسلام کے علاوہ اکثر مذاہب مادہ پرستانہ تخیل کی گرفت میں آچکے ہیں۔ دنیا کے بیشتر حصے نے مغرب کے اس تخیل و تصور کا اعتقاداً نہ سہی عمل اور کردار سے قبول کر لیا ہے۔ دنیا کے بیشتر مذاہب مغربی آئیڈیالوجی سے مرعوب ہو کر اس کوشش میں ہیں کہ اس تصور کو قبول کرنے کے ساتھ اس کو مذہبی رنگ دے دیا جائے۔ اور یہ ان کی بیماری ہی ہے کہ ہر مذہب کی طرف سے یہ اجازت نامہ حاصل ہو جائے۔ کہ یورپ کا مادی نظام، خدا فراموشی اور مادہ پرستی اور دنیوی آسائشوں کے لئے شبانہ روز دوڑ دھوپ نہ صرف یہ کہ مذاہب اس کے منافی نہیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات میں اس تہذیب و نظام کی گنجائش ہے۔

عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم، ہندو ازم اور اس کے علاوہ وہ نظریات جو اپنے آپ کو مذہب کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ ان سب کا حشر گذشتہ چند سال بلکہ چند صدیوں سے یہی ہو رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ اب تقریباً سب مذاہب یورپ کے مادی نظام کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ اور ابھی بچی کھچی روحانیت کو طاق میں ملیامیٹ کرتے ہوئے اپنے روحانی نظام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور جہاں تک

غور کیا جائے اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ان مذاہب میں زندگی کے سب مراحل کے لئے کوئی ایسا جامع نظام نہیں جو ایک طرف فرد کے حیات کی نگہبانی کرے۔ اور دوسری طرف صحیح اجتماعی نظام کے پھلنے اور پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے۔

کیا مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے؟ اسی حقیقت کے پیشِ نظر مغرب سے متاثر لوگوں میں یہ نعرہ سنا جاتا ہے کہ مذہب فرد کا نجی فعل ہے۔ قوم و ملت کی اجتماعی حیات میں اس کا کچھ دخل نہیں۔ ان کا یہ نعرہ اس حیثیت سے صحیح ہے کہ جن مذاہب سے ان کو واسطہ پڑا ہے یا جن کی ریسرچ و تحقیق میں یہ اپنی زندگیاں صرف کرتے ہیں۔ ان کی گرفت کسی فرد سے آگے بڑھ کر کسی اجتماعی نظام پر نہیں پڑتی۔ اس لئے ان کے یہاں مذہب کا اجتماعی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرنا اس جدید تہذیب و تمدن کے دور میں جنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

مادی نظریات کی ٹکر صرف اسلام سے ہے اسلام چونکہ ایک عالمگیر اور مکمل مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف چند رسومات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ فرد اور قوم دونوں کی زندگیوں پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ جہاں فرد کی زندگی کے لئے لائحہ حیات تجویز کرتا ہے۔ وہاں سوسائٹی اور اجتماعی زندگی کے نظام کو بھی ایک صحیح رخ پر ڈالتا ہے۔ اور یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بلکہ اسلام نے یہ سب کچھ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کر کے دکھایا ہے۔ اگر ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر گہری نظر رکھتا ہو تو کوئی دوسرا نظریہ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ خلافِ اسلام کسی تصورِ حیات سے وہ مصالحت کر سکتا ہے۔ اسی ذہنی کشمکش کے دور میں اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یورپ کے مادی نظام اور دوسرے نظریات کی ٹکر براہِ راست اب اسلام ہی سے ہے۔ اسلام ہی ان کا حریف ہے۔ اور اب ان کا سارا زور اور سب صلاحیتیں اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی اور انسانیت کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے وقف ہیں۔ بدقسمتی سے آج کا مسلمان "قرونِ خیر" سے دور ہوتے ہوئے اسلام کو خیرباد کہہ رہا ہے۔ اور اس کی زندگی آہستہ آہستہ اسلام

کی گرفت سے آزاد ہوتی جا رہی ہے۔ دینی حس کمزور ہونے کی وجہ سے عملی اعتبار سے مسلمان وہ نہیں رہا جو قرونِ اولیٰ کا باعمل اور مذہبی مسلمان تھا۔

یورپ مسلمان کے کردار کو کھوکھلا کرنے کے لئے اس سے بہتر چال اور کیا چل سکتا تھا کہ اس کو زندگی کے ایسے پُرکشش خطوط سے روشناس کر دیا، اور ایسا دامِ ہمرنگِ زمین اس کے سامنے بچھایا کہ مسلمان کا کردار تو ایک طرف اس کا ایمان ڈگمگا رہا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایمان کی دولت اور اس کی حلاوت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

مسلمان کے مذہبی شعور اور اس کے دینی استقلال سے یہ توقع ہونی چاہیئے تھی کہ کفر و الحاد، ایمان کو متزلزل کرنے والے نظریات، اخلاقی بے راہ روی، جنسی آوارگی، اور اس کے علاوہ جن جن راستوں سے مسلمان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی، مسلمان ان تحریکوں کے پھلنے پھولنے سے پہلے ہی ان کا سر کچل دیتے۔

حیرت کا چوراہا مگر مذہبی اقدار سے گریز نے آج مسلمان کو ایک ایسے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں وہ حیران و ششدر اپنی کھوئی ہوئی منزل کی راہ تلاش کرنے میں متفکر ہے۔

آج مسلمان کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ جو راستہ اسلام نے اس کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس سے بہتر اور سیدھا راستہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث پر غور فرمایئے۔

عن ابن مسعودؓ قال خط رسول	ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
الله صلی الله علیه وسلم خطاً ثم	نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا
قال هذا سبیل الله ثم خط خطوطاً	راستہ ہے۔ پھر اس کے ارد گرد دائیں بائیں اور خطوط
عن یمینه وشماله وقال هذه سبل	کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان
علی کل سبیل منها شیطان یدعو الیه	میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہو کر لوگوں کو دعوت
وقرأ ان هذا صراطی مستقیماً	دے رہا ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی کہ بیشک یہ
فاتبعوه (مسند احمد، نسائی)	میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس پر چلو۔

جس طرح ایک رہرو اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کی طرف جانے والے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ مسلمان کو بھی ایسا ہی سوچ لینا چاہیئے کہ جب اس کی منزل اسلام نے متعین کر دی ہے تو اب اس کو دوسری کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اصولوں کو قربان کرتے ہوئے کسی اور نظریہ سے مصالحت نہیں کر سکتا وہ اپنا راستہ ایک خطِ مستقیم کی صورت متعین کر چکا ہے۔ اس خط کے ارد گرد جتنے بھی ٹیڑھے خطوط اور لائنیں ہوں گی۔ اسلام ان کو "شیطانی راستے" تصور کرے گا۔

مذہب کی اہمیت کا احساس اس سترہ روزہ جنگ ستمبر ۶۵ء کی لڑائی میں پوری قوم پر یہ حقیقت واشگاف ہو گئی ہے کہ ان کی جائے پناہ صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ عظیم طاقت ہے جو اپنے نام لیواؤں کے دلوں میں اپنے سے چوگنا زائد فوجی طاقت والے ملک کے مقابلہ میں روحِ جہاد پھونکتے ہوئے فتح و کامرانی کے راستے ہموار کرتا ہے۔

پہلے جو لوگ مذہب سے تمسخر کیا کرتے تھے اب مجبوراً دبی زبان سے مذہب کی اہمیت اور ضرورت کا اقرار کرنے لگے۔

اس جنگ کی وجہ سے اٹھارہ سال بعد ہمارے اذہان سے غفلت کے پردے سرک گئے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صرف ہنگامی کیفیت ہی نہ ہو بلکہ ایک دائمی عمل ہو۔ اور مسلمان اپنے بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کر لے۔ اور خدا کے خلاف بغاوت، یورپ کی تقلید، مذہب سے تمسخر و استہزاء، اور خلافِ شریعت عادات و اطوار سے مکمل پرہیز کرے۔ اگر ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا تو بعید نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ہم کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ (دسمبر ۶۵ء)

مذہب اور سیاست کی تفریق

مشرقی پاکستان کے ایک پارٹی لیڈر نے کراچی کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی رائے میں مذہب، سیاست اور معیشت علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں مذہب میرے سر کا تاج ہے مگر روٹی کے لئے جدوجہد سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ اس جلسہ میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ___ صرف یہی نہیں بلکہ کئی دوسری پارٹیاں بھی مذہب کے بارہ میں اسی قسم کے مضحکہ خیز تصور کا برملا اظہار کرتی رہتی ہیں اور عام مسلمانوں کے لئے مذہب کے بارہ میں ایسی ناقص سطحی اور عیارانہ ذہنیت بجا طور پر سبب حیرت اور تعجب بن جاتی ہے۔ یہ لوگ ایک طرف تو منافقانہ روش اختیار کرتے ہوئے مذہب کو سر کا تاج کہہ دیتے ہیں مگر اس کے فوراً بعد اپنے چار پانچ فٹ جسم کی اقلیم کو بھی اس تاج کی فرمانروائی سے الگ کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مذہب کا یہ تاج اتنا مجبور و بے بس ہے کہ پیٹ اور روٹی جیسے بنیادی مسائل میں بھی اپنی بالادستی منوا نہیں سکتا تو پھر اس تاج کو سر پر رکھنے کا تکلف کیوں کیا جاتا ہے؟ اور انتخابی مہم میں عوام کو ورغلانے کی خاطر قرآن و سنت کی بنیاد پر آئین کے نعروں کو ان کا ضمیر کیسے برداشت کر لیتا ہے؟ اگر احساس اور ضمیر زندہ ہو تو ایسے دوغلے پن سے انسان خود ہی شرمندہ ہو جاتا ہے۔ مذہب اگر سیاست اور معیشت جیسی گہرائی اور گیرائی رکھنے والے مسائل پر بھی کنٹرول نہ رکھ سکے اور عبادات میں تو پہلے سے ایسے نعرہ بازوں کی جگہ صفر ہوتی ہے تو آخر مذہب کس مرض کی دوا رہ جاتا ہے۔ جس کا نام تبرکاً یا اغراض کی خاطر استعمال کیا جائے۔ ہمارے اکثر سیاست دانوں کا یہی ملحدانہ ذہن اور منافقانہ روش ہے جس نے قوم کو ایسے خوفناک دوراہے تک پہنچا دیا ہے ___ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی زندگی

کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ سے بھی بے تعلق نہیں رہ سکتا وہ اگر روٹی کا مسئلہ اور جنسی تقاضوں کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پابندیوں سے آزاد چھوڑ دے تو پھر انسان اور دیگر حیوانات اور چوپایوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ مذہب انسان کو انسان بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ سیاست اور معیشت تو کیا، بول و براز جیسی باتوں پر بھی اپنے احکام اور ہدایات لاگو کرتا ہے۔ بلاشبہ مذہب ہمارے سروں کا تاج ہے، مگر ایسا تاج کہ اس کے پہننے والے اپنے زمانے کے جبر و استحصال کرنے والی سب سے بڑی طاقت قیصر اور کسریٰ کے تاج کو مدینہ کی گلیوں میں ٹھوکریں لگاتے اور روندتے پھرتے ہیں۔ پوری انسانیت اس تاج کی چمک دمک سے روشن ہوئی۔ اس تاج نے دکھوں کا مداوا کیا، انسان کو انسان بنایا، اس کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کیا۔ مگر جب مذہب دلہن کا روایتی تاج بن کر رہ گیا جس کا مقصد صرف وقتی آرائش اور نمائش سمجھا گیا ہو اور باقی تمام جسم اس تاج کی حکمرانی سے آزاد کر دیا گیا۔ تو روٹی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ پوری انسانیت پیٹ کے قعرِ مذلت میں جا گری اور ساری دنیا اس غلیظ گڑھے کے گرد کولہو کے گدھے کی مانند گھومنے لگی مگر نہ تو کسی کی ہوس پوری ہوئی نہ بھوک اور پیاس ختم ہوئی۔ اگر روٹی کا مسئلہ مذہب سے آزاد ہو گیا تو یاد رکھئے کہ انسان ایک ایسا بھوکا کتا رہ جائے گا جو کسی مردار کو نوچنے کی خاطر پوری زندگی اپنے بنی نوع پر غرانے اور چنگھاڑنے میں گزار دیتا ہے۔

خدا کے بندو ذرا ہوش سے کام لو۔ مذہب کو اتنا سستا کر کے پوری انسانیت کو ذلت کے بازار میں اتنا گھٹیا اور بے دام مت بناؤ، مذہب ہمیں ایک مثالی اور معیاری مخلوق بنانا چاہتا ہے اور یہ تب ممکن ہے کہ ہماری سیاست و معیشت تمدن اور معاشرت اور ہمارے تمام حوائج اور ضروریات کی کوئی ادنیٰ سی بات بھی مذہب کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھ سکے —— (مئی ۷۲ء)

مذہب اور عصری تقاضوں میں معتدلانہ راستہ

صدر محمد ایوب خان نے افتتاحی خطاب کے دوران فرمایا کہ ہمارے معاشرے کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اپنے عقیدے اور نظریئے کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں شامل ہوا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام خود تحقیق، عمل و ترقی پر زور دیتا ہے اور بنیادی طور پر سائنس اور ہمارے عقیدے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مقصد سائنسی ترقی کے ساتھ عقیدے اور نظریئے کے تحفظ پر زور دینا ہے۔ عصری تقاضے تبدیل ہو چکے ہیں اگر اس دور اور موجودہ انتشار انداز فکر کا جو سبب ہوئی ہے محسوس کیا جائے تو اصل گمراہی یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اقدار اور عقیدہ کو کلیۃً نظر انداز کر دیا جائے یا اسے ثانوی حیثیت دے دی جائے جس مذہب کو موجودہ دور کے تقاضوں سے نہیں ملا سکتے جدید تقاضوں کو مذہب سے ہم آہنگ کر کے۔ سائنس اور مذہب کی ملاپ کر کے ہم موجودہ ترقی کی دوڑ میں منزل سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ الحاد اور عقیدے سے بے تعلق سائنس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

صدر ایوب خان کی بنیادی خیال یہ تھی کہ وہ فطرت کے اعلیٰ حقائق، مذہب، اور عقیدہ اور دینی تقاضوں کی زبان کو پر قربان کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ مذہب انسان کیلئے نہیں بلکہ انسان مذہب (عبادت) کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ ہر دور اور اس کے تقاضوں کو بیک وقت اعلیٰ اور منصفانہ تخلیق سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ سائنس اور مذہب کے فروغ میں جدید خیالات کو ساتھ رکھ کر ہم موجودہ معاشرے کے تقاضا اور حقیقت پسندانہ خیالات کو تقویت دئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پچھلے دنوں ایسے ہی معتدلانہ خیالات کا اظہار ہمارے گورنر صاحب نواب کالاباغ کر چکے ہیں۔

استحصال اور مادہ پرستی کا انجام

امریکہ کے صدارتی امیدوار رابرٹ کینیڈی کا قتل ایک المیہ ہے۔ مگر یہ تو ایک شخصی معاملہ ہے۔ اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا المیہ خود امریکہ اور امریکی قوم ہے جس کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں انسان ویٹ نام میں جل رہے ہیں۔ فلسطین اُجڑ گیا ہے۔ سرزمین قدس کے مظلوم عرب خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ اور جو بچ گئے ہیں وہ در در کی خاک چھان کر ذلت و مسکنت کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ تو صرف فلسطین اور ویٹ نام کا حال ہے ورنہ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی استحصال و استعمار یا انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و بالادستی ہے۔ ان میں بالواسطہ یا براہ راست ان ہی سفید فام امریکیوں کا ہاتھ ہے۔ امریکہ نے جو کچھ بویا ہے اس کا پھل کاٹ رہا ہے۔ قدرت کا عجیب دستور ہے۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ ظالم کا ہاتھ خود اس کے ہاتھوں سے کٹوا دیتا ہے۔ مظلوم و مقہور انسانیت سے کھیلنے والے امریکیوں کے ہاتھ اب اپنے ہی گریبانِ عصمت اور دامنِ عفت و نسوانیت کو تار تار کر رہے ہیں۔

پچھلے ماہ کے صرف ایک ہفتہ کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں تقریباً دو ہزار افراد یا تو قتل ہوئے یا انہوں نے خودکشی کی۔ افلاس، بیروزگاری، طبقاتی کشمکش کا عفریت الگ اس کے سر پر سوار ہے۔ نوجوانوں کی انقلابی ہڑتالیں، سیاسی تخلف، جنسی زبردستی الگ اس کا جینا دوبھر کر رہی ہے۔ اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر رنگ و نسل کا مسئلہ جس نے امریکیوں کے امن و سکون کو تہس نہس کر دیا ہے۔ اور یہ مجبور ہے اس خدائی قانون، مکافاتِ عمل کا جس کی گرفت سے کوئی قوم

یا زید معاشرہ نہیں دے سکا۔ ظالم کا ظلم اور سفاکی جتنی شدید ہو گی قدرت کی پکڑ بھی اتنی ہی سخت ہوتی آئی ہے۔ اگر امریکہ پر قتل و قتال اور خون ریزی کے بادل چھائے ہوئے ہیں تو تعجب نہیں ہے۔ اس بالادستی اور غنڈہ گردی کا سبب ہی بنا پر امریکہ نے یہود جیسے راندۂ درگاہ قوم کی حمایت کی اور سے عربوں کے سینہ پر براجمان کر دیا۔ ایسی قوم کی پشت پناہی جس کی ذلت و مغضوبیت پر خدا نے دائمی مہر ثبت کی ہو ہرگز ہرگز عزت، غلبہ اور دنیا میں محبوبیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ کسی عرب نے نقل کیا یا امریکی نے، مگر دوست کی خاطر اپنی مسلم دشمن ذہنیت کی وجہ سے وہ اسرائیل کی حمایت میں پیش پیش تھے اور خدا نے مغضوب اور ذلیل قوم کی حمایت کا مزہ ان سے چکھا دیا۔

دولت و ثروت کی بے وفائی یہ تو امریکہ کی تصویر کا وہ سیاہ رُخ ہے جس پر ان کا ذہن ظاہری چمک دمک، یورپ کی سرمایہ داری، عیاشی اور دولت کی ریل پیل اور مادی آسائش کا روشن پہلو بھی اس سے کم سیاہ اور مہیب نہیں۔ ایمان، تصورِ آخرت اور روح سے محروم زندگی کا ظاہر جتنا دلکش ہو، باطن سراپا عذاب ہے۔ ایک کینیڈی خاندان ہی لیجئے، اس خاندان کو اپنے والد سے اخبار کی اطلاع کے مطابق ۵۰ کروڑ پونڈ کی دولت ملی جو پورے مغربی پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ مگر دولت کی اس فراوانی کے باوجود اس خاندان کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ کچھ قتل ہوئے، اکثر مختلف حوادث کے شکار ہوئے اور کچھ اندرونی بے چینی و پریشانی کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو کر بیان ہیں۔ یہ ایک عبرت انگیز مثال ہے مال و دولت اور مادی زندگی کی بے ثباتی اور بے وقعتی کی اور تصدیق ہوتی ہے ان بشارات ربانی کی جن میں مال و دولت کی ظاہری چمک دمک چند روزہ بہار، نظر کا دھوکہ اور متاعِ فریب کہا گیا ہے۔

مثل غيث اعجب الكفار نباته ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يكون حطاما۔

(دنیا کی مثال اس مینہ کی سی ہے جس کی سبزی نے کسانوں کو خوش کر دیا ہو پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔)

دنیا کے مال و دولت کی یہ وہ حقیقت ہے جسے قرآن نے ان الفاظ سے تعبیر کیا۔ وما اغنی عنہ مالہ اذا تردّٰی (اور جس وقت وہ ہلاک ہوتا ہے اس کا مال اس کے کچھ کام نہیں آتا)

ما اغنیٰ عنہ مالہٗ وما کسب۔ (اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا) اور جب پردۂ فریب نگاہوں سے ہٹ جائے گا تو یہ بندۂ ہوی و ہوس اور تشنۂ دولت سے سرشار انسان خود بھی چیخ اٹھے گا۔ ما اغنیٰ عنّی مالیہ هلك عنّی سلطانیہ۔ (میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی) ۔ اور یہی وہ معیشۃ ضنک ۔۔ (تنگ زندگانی) ہے جو ہوس دنیا خالق و مخلوق سے بے نیازی اور سچائیوں کو جھٹلانے کی صورت میں انسان کو گھیر لیتی ہے۔

اطمینان و طمانیت سے کھوکھلی تہذیب یورپ کے کروڑ پتی امیروں کی خوش قسمتی پر مر مٹنے والو ذرا دیدۂ عبرت تو کھولو۔ ان میں سے ہر ایک کا حال اُس راک فیلر اور ہنری فورڈ جیسا پاؤ گے جن سے اپنی دولت کا حساب تک نہ ہو سکتا تھا، مگر اندرونی بے چینی اور ذہنی بیماری کی وجہ سے انہیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو سکا۔ اور جن میں سے ایک (راک فیلر) جو پارلیمنٹ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ایوان سے پوچھنے لگا کہ مجھے بتا دو کہ حقیقی کامیابی کیا چیز ہے؟ اگر مال و دولت کامیابی ہے تو میں اپنی ساری متاع ایک رات کے سکون پر نثار کرنے کو تیار ہوں مگر کوئی اُسے کون سمجھاتا کہ سکونِ قلب، حیاتِ طیبہ، اور طمانیت سے بھرپور زندگی تو صرف اور صرف اللہ کی یاد، اس سے صحیح تعلق اور ایمان و یقین کی دولت سے مل سکتی ہے۔ بیسویں صدی کی مادی تہذیب پر مر مٹنے والو تمہارے لئے عبرت و نصیحت ہے ان کینیڈیوں اور راک فیلروں کے حسرتناک انجام میں، خالص مادی تہذیب تو خدا کا وہ عذاب ہے جس کی تپش دل کی دنیا تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نارُ اللّٰہ الموقدۃ التی تطّلع علی الافئدۃ۔ طمانیت اور سکون کی دولت تو خدا کی یاد ہی سے مل سکتی ہے۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہو سکتا ہے۔ (جولائی ۶۸ء)

رنگ و نسل کے جھگڑے

مغربی تہذیب اور محمدی تہذیب کا موازنہ

امریکہ کے سیاہ فام نیگرو رہنما ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کو کتنی بے دردی سے قتل کیا گیا، اس لئے کہ اُسے خدا نے سیاہ فام پیدا کیا تھا۔ اور وہ اپنے اور اپنے ہم رنگ و ہم نسلوں

ے حقوق کا تحفظ کیا جاتا تھا۔ اُن سیاہ فام انسانوں کے حقوق جنہیں یورپ کے سفید بدنوں نے حیوانات سے بھی بدتر اور حقیر سمجھ رکھا ہے، جن پر ملک کی معاشی راہیں مسدود ہیں، جن کے لئے نصاب تعلیم گاہیں، ہوٹل، بسیں اور گاڑیاں تک علیحدہ ہیں، یہاں تک کہ کارخانوں میں ان کے آنے جانے کے راستے تک الگ ہیں اور جن کے ساتھ رشتہ ناطہ بہت بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے —— یہ سیاہ فام انسان بدترین طبقاتی تفاوت، استحصال، ظلم و جبر اور حق تلفی کا شکار ہیں۔ اُس امریکہ اور یورپ میں جو "تہذیب و تمدن" کی امانت کا تی ہے۔ اُس امریکہ میں جو اقوام متحدہ کا چودھری ہے جو انسانی حقوق کی حفاظت کا دعویدار ہے۔ اُس امریکہ میں جو ہمیشہ انسانی حقوق کے چارٹر کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے ظلم، سفاکی و ذلت کے داغ چھپانا چاہتا ہے، اپنے ملک کے باشندوں کے ساتھ جبرکاریاں جیسا سلوک اُس دعویدارِ تہذیب ملک میں ہو رہا ہے، جہاں کے سب سے بڑے شہر نیویارک کی بندرگاہ میں "آزادی کا مجسمہ" دنیا سے آنے والوں کا استقبال ان الفاظ سے کرتا ہے:

> "اپنے بے کس مصیبت زدہ اور غلام عوام کو ہمارے سپرد کیجئے تاکہ وہ آزادی کی زندگی بسر کر سکیں، وہ لوگ جن کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی وطن۔ بھیجئے میں منتظر ہوں اور سنہری دروازہ کے قریب اپنی مشعل لئے کھڑا ہوں۔"

اُف! قول و عمل کے تضاد کی ایسی بھیانک مثال کیا تاریخ کے کسی دوسرے حصہ میں بھی مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں، تاریخ میں پہلی بار دھوکہ، فریب، دجل و تلبیس اور عالمی پیمانے کی یہ بدمعاشی مغرب، یورپ اور مغربی تہذیب ہی کو نصیب ہو سکی ہے، جس کے نسلی، علاقائی اور قومی امتیازات سے خود امریکہ اور برطانیہ جل رہا ہے۔ رہوڈیشیا مظلوم انسانوں کے خون سے لالہ زار ہے، کینیا لہولہان ہے، اور جنوبی افریقہ پوری انسانیت پر ماتم کناں ہے، جہاں انسانی خون کی وقعت پانی کے رنگ کے برابر بھی نہیں رہی۔ اُف کتنی شوخ چشم اور حیاء سے تہی ہے یہ تہذیب اور کتنے بے حس ہیں اس کے علمبردار جنہیں اب بھی اپنے آپ پر ناز ہے۔ کتنی کج بحثی اور دیدہ دلیری ہے [illegible] کہ اپنی ان ساری شقاوت، درندگی اور ذلت و رسوائی کو تہذیب و تمدن [illegible] انسانیت کی رعایت کا نام دیکر بڑا اتراتے ہیں، تو کیا مذہب پر حقیقی مسلمات

کا علمبردار، انسانی حقوق کا نقیب اور پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر آیا ہے۔ اور جو ابتداء سے لیکر آج تک احترامِ انسانیت کا عملی نمونہ پیش کر رہا ہے۔ جس کے بھیجنے والے کا اعلان ہے: انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔ بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو جس کے پیغمبرؐ کا دوامی پیغام تھا: الناس من آدم وآدم من تراب (ابن سعد) تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ آگے ارشاد فرمایا: لافضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الّا بالعلم والتقویٰ۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی سیاہ فام کو سرخ رنگ والے پر اور سرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے۔ مگر علم اور تقویٰ کے لحاظ سے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے۔ ولا لابیض علی اسود۔ نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے۔ — یہ اس مذہب کی بات ہے جس نے ایک سیاہ فام حبشی غلام بلالؓ کو انسانیت کی معراج سے نوازا، جنہیں حضورِ اقدس نے جنت میں اپنے سے آگے آگے چلنے کی بشارت دی اور جب ایک صحابیؓ نے انہیں "او حبشن کے بیٹے" کہہ کر پکارا تو حضورؐ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا کہ تم میں اب تک جاہلیت کی بو باقی ہے۔ یہ اُس سیاہ فام بلالؓ کی بات ہے جسے مسلمان قوم کے سب سے بڑے فرمانروا فاروقِ اعظمؓ "یا سیدنا!" اے ہمارے سردار سے پکارا کرتے تھے اور یہ وہ فاروقِ اعظمؓ ہیں جن کا جنازہ اپنے علم و فضل کی بدولت ایک عجمی نژاد صہیب رومیؓ نے پڑھایا جب کہ ہزاروں سفید رنگ والے جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔

یہ اسی دینی تعلیم کا تقاضا تھا جس نے والیٔ مصر کے ساتھ ملنے والے وفد کی قیادت ایک سیاہ فام صحابی حضرت عبادہ بن صامت کو سونپ دی تھی جسے دیکھ کر بادشاہ بہت ناراض ہوا۔ اور کہا اس شخص کو میرے ساتھ گفتگو کے لئے مقرر نہ کرو۔ مگر مسلمانوں نے والیٔ مصر کی یہ خواہش منظور نہ ہونے دی کیونکہ یہ شخص علم و فضل اور تقویٰ میں ہم سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے یہی ہمارا امیر ہے۔ نیز فرمایا کہ ہماری فوج میں تو ایک ہزار سے زیادہ ایسے سیاہ فام شخص ہیں — یہ اس مذہب کی بات ہے جس نے ہر دور میں عجمی نسل اور سیاہ

[illegible] اجتہاد اور امامت کا منصب عطا فرمایا۔ یہ اُس دینِ حنیف کی [illegible] ہے جس نے ایک حبشی، لنگڑے، اپاہج اور چپٹی ناک والے سیاہ فام شخص حضرۃ عطا بن ابی رباح کے سامنے اجلۂ علماء و فضلاء کو سرنگوں کرا دیا جن کی وفات کو اہل مدینہ نے عافیت سے محرومی سمجھا۔ (ما وجدنا الّا کالعافیۃ) جن کے بارہ میں اسلامی سلطنت کے فرمانروا عبد الملک بن مروان کے زمانے میں منادی کرائی جاتی تھی کہ عطا کے علاوہ کوئی اور فتویٰ نہ دے۔ وہ عطا بن ابی رباح جنہیں امام اعظم فقیہ ملت اور تمام مسلمانوں کے سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ نے اپنے تمام معاصرین و شیوخ سے افضل قرار دیا۔ یہ اُس روشن تمدن تہذیب اور حنیفی ملت کی درخشانی ہے جس کے سبب خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے ایک سیاہ فام زنجی کی شکایت پر [illegible] میرا خط ملتے ہی تم خود سوار ہو۔ خود روانہ ہو جاؤ اور اپنے ہاتھ سے اس کی دیوار بلند کرا دو — گورنر نے ہزار میل کی دوڑ کے بعد گمنام زنجی کا مکان [illegible] امیر المومنین کی خواہش پوری کی — تُف ہے اس عقل و خرد پر جو اس روشن اور بلند تہذیب کی عہد جاہلیت کی تاریک اور ذلیل تہذیب سے کچھ بھی نسبت قائم کرے۔
(مئی [illegible])

برطانوی دارالعوام کی قرارداد
جاہلیت کا نقطۂ معراج

۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنز (دارالعوام) نے ۱۴ مخالف اور ۹۹ موافق ووٹوں سے تالیوں کی گونج اور پُرجوش خیر مقدم سے اس بل کو منظور کر لیا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی سے [illegible] کر سکتے ہیں اور قانون کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بل کی منظوری کے وقت [illegible] بجائی گئی تھیں۔ اس کے بعد یہ بل ہاؤس آف لارڈز (دارالامراء) سے [illegible] ملکہ معظمہ کے دستخط سے قانون کی آخری شکل اختیار کر گیا۔ یہ ہے مغربی تہذیب کا نقطۂ [illegible] خطبے دنیا بھر میں مظلوم کی داد رسی اور ظالم کی مذمت میں تو اس سفید سامراج کی وہ سرد مہری

(جیسا مظاہرہ اقوام متحدہ میں کیا گیا) اور بے غیرتی و بے حیائی میں یہ جوش و خروش اور اتفاق بے حیائی کا دینی و اجتماعی سطح پر سر بازار ایسا مظاہرہ —— بے شرمی اور ڈھٹائی پر دیوثوں کی سی خوشی —— یقیناً آج قوم لوط بھی شرم میں ڈوب چکی ہوگی اور ابلیس نے تو سر پیٹ لیا ہوگا کہ ان لاڈلوں اور پرنسوں کے ہوتے ہوئے شیطنت کا تمغہ صرف میرے ماتھے کے لئے کیوں مخصوص ہے۔؟

اس قرارداد کی منظوری پر ہم تہذیب مغرب پر ریجھنے والے تمام روشن خیال اور ترقی پسندان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ گناہ کس قوم میں نہیں پائے جاتے۔؟ مگر کس دوسری قوم نے بھی تالیوں کی گونج اور پارلیمانی سطح پر اپنی ذلت اور خباثت، بے حیائی اور رذالت کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا ہے؟ اگر بے حیائی کے یہ ملوث طریقے (استلذاذ بالجنس) کتوں اور خنزیروں کے ہاں بھی رائج نہیں۔ تو اب ہم ان علمبرداران تہذیب کے لئے وہ کونسا نام تجویز کریں جو ان کی شاندار قومی خصوصیت پر دلالت کر سکے؟ اس خبر کے بعد بھی کیا کسی کو ان اقوام کے بارہ میں ارشادات خداوندی: وضربت علیہم الذلۃ۔ اور اولٰئک کالانعام بل ہم اضل۔ اور ثم رددناہ اسفل سافلین۔ کی صداقت میں کوئی تردد ہو سکتا ہے؟ اگر یہ لوگ ضالین اور مغضوب علیہم نہیں ہیں تو آپ ان کا وجود کہاں ڈھونڈیں گے۔؟ مغربی تہذیب کی یہ قرارداد جاہلیت کی معراج ہے۔ اور انسان کو ذلیل چوپاؤں سے بھی بدتر مخلوق بنانے میں ابلیس کی سب سے بڑی فتح ——:

پھر افسوس اور ماتم تو ان اقوام کی عقل و خرد پر ہے۔ جو یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی حیوانیت اور شیطنت کے ان علمبرداروں کی تقلید و اتباع کو "قومی عظمت" کا نشان سمجھے ہوئے ہیں —— اے رب کائنات یہ ننگ انسانیت مخلوق کے ہاتھوں اشرف المخلوقات انسان کی مٹی کب تک پلید ہوتی رہے گی۔ تو دیکھ رہا ہے کہ سارا عالم اس گندی تہذیب کی غلاظتوں سے تنگ آ چکا ہے۔ اور ساری دنیا اس کے شر و فساد سے نالاں ہے۔ یہ تہذیب مغرب کیا ہے؟ اس دور کی یہ خدائے قہار کی سب سے بڑی پھٹکار، انسانیت کے لئے گالی اور تہذیب و شرافت کے منہ پر ایک طمانچہ —— ہزار ہا ہزار لعنت ہو اس تہذیب پر خدا اور تمام برگزیدہ مخلوق کی ——

ہم قدامت [illegible] نے مسئلہ تعدد ازدواج پر پھبتیاں کسنے والے جریدہ ٹائم اور اس کی ساری قوم کو یہ نئی صورت مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد تو اب آپ کو ایک بیوی کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اس قرارداد کی منظوری سے آپ کے روحانی باپ فرائڈ کی روح کو مسرت ہوئی ہو گی۔ (۸ اگست ۶۶ء)

اقوامِ متحدہ

بیسویں صدی کے شیطانی ڈراموں کا سب سے بڑا اسٹیج

مشرقِ وسطیٰ کے حادثہ پر ایک ماہ کے غور و فکر کے بعد جنرل اسمبلی کا اجلاس ختم ہو گیا۔ اس پورے عرصے میں اس کا صرف ایک مسئلہ پر اجماع ہو سکا، اور وہ تھا اجلاس کو برخواست کرنے کی قرارداد۔ دنیائے مغرب سے یہ طلسماتی چکر کا ڈھونگ صرف برخاستگی کے لئے رچایا گیا تھا اصل مسئلہ پر قرارداد تو کیا مذمت کا کوئی لفظ بھی منظور نہ ہو سکا۔ ظلم و عداوت کی تاریخ کا یہ تازہ ضمیمہ اس انکشاف سے مزین ہوگا کہ دنیا میں مظلوم کی دادرسی اور حق و انصاف کا سب سے زیادہ بے وقعت ادارہ بھی وہی ہے جسے بڑے دعوے کے ذریعہ کھڑا کیا گیا، اس کا نام اقوامِ متحدہ ہے۔ حقوقِ انسانی اور انسانی قدروں کے محترم اور آزادی اقوام کا محافظ و پاسبان ادارہ؟ — یعنی منشور امن کا نور — دنیا بیس برس اس کے انصاف و مساوات کے گیت سے دل بہلاتی رہی۔ مغرب تو مغرب مشرق بھی اپنی سادہ لوحی سے اس کی عبودیت کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھا رہا۔ مظلوم و بے کس مسلمان مشرق کی اس ادارے سے نیاز مندی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد اس کی دیوی کے قدموں پر سیکڑوں نذرانے اور دل نیازوں کا ارمان نثار کرتا رہا۔

مغربی سامراج کے اس خوفناک عفریت نے مقدس چارٹر کی روشنی میں انسانی بستیاں اجاڑ دیں۔ انسانی تاریخ کے دھارے بدلتے اور ٹوٹتے رہے۔ ناموس لٹتے رہے، مخلوقِ خدا کی سب جانی بازیاں [illegible] نیلام ہوں سے معلق رہیں۔ یہ قبرص و فلسطین اور

کشمیر، ایتھوپیا اور روڈیشیا اور خاص طور سے جنوبی ویٹ نام اور خود سفید فام ہندوستان کے سیاہ فام نیگرو علاقے، یہ سب ادارۂ اقوام کی عدل پروریوں کے شاہد عادل ہیں — اس ستم ظریفی کا بھی عجیب عالم ہے کہ جب بھی اس نے انسانیت کو خونی پنجہ میں کسا، تو دنیا نے اسی کی دہائی دی اور اسی کو پکارتے رہے ۔ آنے والی نسلوں کو بیسویں صدی کی یہ تلخ حقیقت حیرت میں ڈال دے گی کہ ابلیس نے اپنی زندگی میں ظلم و شیطنت کے جو سب سے بڑے ڈرامے کھیلے ان کا اسٹیج یہی اقوام متحدہ تھا جسے چاروں طرف سے انسانی حقوق، مساوات، اور آزادیٔ اقوام کے خوشنما پردوں سے سجایا گیا تھا مگر حقیقت بینوں کیلئے مستقبل کے انکشاف کی کیا ضرورت، اس کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے تمام کردار تو پردے میں سے جھانک رہے ہیں پردے کے پیچھے کیا ہے، انسانیت کا بین الاقوامی قتل، عدل و انصاف کی سب سے بڑی قربان گاہ، انسانی حقوق اور آزادیٔ اقوام کے سب سے بڑے قاتل، یہ ہے ڈرامے کا ڈراپ سین ہے جس کا نام ہے اقوام متحدہ ۔

روس اور امریکہ
انسانیت کے دو بڑے دشمن

امریکہ ہزاروں میل دور ویٹ نام کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، وہی کچھ روس نے ٹینکوں کی مدد سے چیکوسلواکیہ کے ساتھ کیا، اپنے استعماری عزائم پر پردہ ڈالنے کیلئے روس اب جو تاویلات کرے گا حریت پسند اور باشعور دنیا ان تاویلات پر کیسے کان دھرے گی؟ جبکہ اب تک خود روس ویٹ نام کے بارہ میں امریکہ کی انہی حرکات کا مذاق اڑاتا رہا، حقیقت یہ ہے کہ حقیقت پسند کے نزدیک روس ہو یا امریکہ مظلوم اور پسماندہ اقوام پر گرفت کرنے اور اپنے استعماری پنجے میں کسنے اور انسانیت کا گلا گھونٹنے کے بارہ میں دونوں یکساں ہیں۔ امریکہ روس کو اپنا حریف و دشمن سمجھتا ہے۔ اور روس امریکہ کو ظلم و استعمار کا علمبردار، مگر ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانی حقوق

دہریت قوم کے جذبات موجزن ہوں اور یہ جذبات سیاسی مصالح کے زیر پردہ دل میں دب نہ چکے ہوں، اس کا ضمیر یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ روس ہو یا امریکہ دونوں نہ مشرق کے دوست ہیں نہ مغرب کے۔ انہیں غرض ہے تو اپنی چودھراہٹ سے اور انہیں سروکار ہے تو اپنی خبیث خواہش اور اپنے استعماری مفادات سے۔ اپنے مقصد کے لئے دونوں جب بھی چاہیں کسی بھی پُرامن و ہنستے کھیلتے پرسکون ملک کو جہنم زار بنا دیں

صدیوں قبل یہود نے عیسائیوں پر اخلاق و تہذیب و شائستگی سے عاری ہونے کی پھبتی کسی، جواب میں عیسائیوں نے یہودیوں کو ہر خیر و بھلائی اور اخلاق و شرافت سے عاری قرار دیا۔ ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کی زبانی دونوں کے ریمارکس سن کر فرمایا: صدقتا۔ یعنی دونوں نے سچ کہا۔ یہود و نصاریٰ واقعی ایسے ہیں۔ آج بھی اسی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارہ میں روس اور امریکہ دونوں سچے ہیں۔ ویٹ نام اور اس کے بعد چیکوسلواکیہ اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر فلسطین، قبرص اور کشمیر سے واقف ذہن سبق نہیں لے سکتے تو ان تازہ مثالوں میں تو ساری انسانیت سارے مشرق اور خاص طور پر سارے عالم اسلام کے لئے عمل اور واضح نشانی موجود ہے۔ ویٹ نام بننے سے تو سب پناہ مانگتے ہیں۔ ـ چیکوسلواکیہ بننا ویٹ نام بننے سے مختلف ہے۔

سامراج کا جنازہ

جنگ ویٹ نام کا خاتمہ

ویٹ نام سے بعد از خرابی بسیار امریکی سامراج کا جنازہ نکل گیا۔ ۲۰ سالہ جنگ میں امریکہ نے کیا پایا ـــ ۲۲ لاکھ افراد لقمہ اجل بنے۔ دو کروڑ بے گھر، نو لاکھ یتیم ویٹ نام کی آدھی آبادی پناہ گاہوں سے محروم ہوئی امریکہ نے پونے تین کھرب روپے اس آگ میں جھونک ڈالے جو پوری دنیا کو بھوک سے نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے اور جس سے ڈھائی سو سال تک پاکستان جیسے ملک کا بجٹ پورا ہو سکتا تھا۔ امریکہ کو اس کے عوض کیا ملا؟

عالمی رسوائی، ذلّت، ہٹ دھرمی، درندگی اور بہیمیت کا سرٹیفکیٹ۔ اب تھائی لینڈ سے امریکہ بھگایا جا رہا ہے۔ کمبوڈیا نے رسوا کر کے گھر سے نکال دیا۔ کوریا اور لاؤس میں پٹائی ہو رہی ہے۔ یہ ہے اس صدی کے عظیم سامراجی کا عبرتناک انجام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سامراجی قوتوں کے بارہ میں ہمارے اکابرین جنگ آزادی حضرت شیخ الہند اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحؒ وغیرہ کی پیشگوئیاں ایک ایک کر کے پوری ہو رہی ہیں۔ برطانیہ کے بعد امریکہ کا شیر بھی مر رہا ہے۔ سامراج سکڑ رہا ہے، اور اس صدی کے اختتام تک برطانیہ کی طرح امریکہ کا بھی دنیا کی قلاش اور غریب و بے دست اقوام میں شمار ہونا کوئی ناممکن بات یا خوش فہمی نہیں رہی ——

چین کے لئے

سلامتی کا راستہ

چین کو بالآخر فتح ہوئی اور امریکہ کو شکست ماننی پڑی۔ یہ ایشیائی اقوام کی جیت ہے۔ چین یہاں کے مظلوم اور ستم رسیدہ اقوام کا سہارا ہے۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ مغربی سامراج کا یہ حریف حلیف بن جانے کے بعد اپنے سابق کردار کو چھوڑ نہ بیٹھے کہ الکفر ملّۃ واحدۃ کی بنا پر رشتۂ وحدت پہلے سے موجود ہے۔ لوگ امریکہ اور چین کے قرب و تعلق پر خوش ہو رہے ہیں لیکن ہم چین کو نہایت مضبوط مگر مغربی سازشوں سے بہت دور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے عداوت ہی میں چین کی بھلائی ہے۔ اور ایشیائی اقوام کی بھی، ہماری دعا ہے کہ چین اس امریکی دام زریں کی فریب کاریوں میں نہ آئے جس سے سمندر کی مچھلیاں اور فضاؤں کے پرندے بھی الامان والحفیظ کہہ کر پناہ مانگتے ہیں

باب ۲

عالمِ اسلام مغربیت کی زد میں

جشنِ شہنشاہیت یا احیاءِ جاہلیت

قابلِ احترام عظیم دوست اور ہمسایہ مملکت ایران کی تحریک پر نہ صرف ایران و پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی ایران کی اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا جا رہا ہے۔ تقریبات کا ایک طویل سلسلہ ہمارے ہاں بھی شروع ہے۔ پورا پریس خاص ایڈیشن اور مضامین نکال رہا ہے۔ سرکاری سطح پر دفاتر میں تعطیل کی گئی ہے اور رنگا رنگ پروگراموں سے اس جشن کی رنگینیوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ —— ایران ہمارا امن پسند پڑوسی اور ساتھی ہے۔ شاہ ایران ہمارے مخلص حلیف ہیں۔ [illegible] اٹوٹ بندھنوں نے ہم سب کو جسد واحد بنا دیا ہے۔ ایک کی خوشی سب کی شادمانی اور ایک کا غم سب کی بے چینی ہے۔ اس لئے بجا طور پر ہم شہنشاہ ایران اور ایرانی عوام کی مسرتوں میں شریک ہیں۔ ہم خلوص و وفا کا بدلہ خلوص سے دینا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ ایرانی قوم ہر نازک مرحلہ پر ہمیں احسان شناس اور وفا شعار قوم پائے گی۔ بس [illegible] اپنے دل کی گہرائیوں میں شہنشاہ ایران اور ان کے معزز خاندان بلکہ اسلامی ایران کے لئے دعا اور محبت و الفت و اخوت کے لئے جذبات تحسین موجزن پاتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ وفا شعاری کے ان واضح اعترافات کے بعد اسلامی تقاضوں اور جذبہ ایمانی سے مجبور ہو کر اس اڑھائی ہزار سالہ جشن شاہی پر ایک خاص زاویہ سے کچھ عرض کرنے کی جسارت کو کسی برے جذبہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ مقصد صرف خیر خواہی ہے۔ اپنے وطن عزیز کیلئے اور گرامی قدر ہمسایہ ایران کیلئے اور [illegible] اسلامیہ کے لئے اس لئے ان گذارشات کو جذبہ خلوص اور احساس مسئولیت خالص دینی جذبہ پر محمول کیا جائے گا۔

دنیا [illegible] سے [illegible] جشن [illegible] نام ہوا [illegible] سلسلہ [illegible] غیر شعوری [illegible] تمام [illegible] شدت اور حیرانی پر حیرت [illegible] بغیر [illegible] کے [illegible] جشن کی شکل میں سرزد ہو چکا ہے۔ اگر [illegible] یہ اشارات [illegible] سکے تو [illegible] خامہ فرسائی کا مقصد پورا ہو

[illegible]

مسئلے کا اصل رخ | بظاہر معاملہ کسی ایک خاندان کے جشن کا ہے مگر یہ تاریخِ اسلام کی بھیانک ترین لغزش اور جاہلیت اولیٰ کی انتہائی زبردست تحسین جس کی نظیر پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے ۔۔۔ مسئلے کا ایک رخ تو یہ ہے کہ کیا اسلام نے شہنشاہیت کی حوصلہ افزائی کی ہے ؟ اور کیا ملوکیت کی کوئی بھی شکل حضورؐ کے پیش کردہ نظامِ سیاست و مملکت سے جوڑ کھا سکتی ہے دوسرا گوشہ یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی شخصیت، خاندان، کسی طبقہ یا کسی عہد یا تاریخ کے کسی خاص دور کا مروّج طریقوں سے جشن منانے کی اجازت دی ہے۔ یا نہیں ؟ اور کیا اسلام کا عمومی مزاج شہنشاہیت کی اس انداز میں روادار ہے۔؟ سلطانیٔ جمہور اور مساوات کے نظاموں میں مسلمانوں کا ایسے نمونوں پر قائم رہنا غیروں پر کیسے اثرات چھوڑ سکتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں ان سب باتوں پر گفتگو کی گنجائش ہے مگر بات صرف اتنی نہیں اور نہ ہمارا روئے سخن ان چیزوں کی طرف ہے۔؟ ذرا غور کیجئے یہ جشن اگر صرف سیادت مآب شاہنشاہ پہلوی یا ان کے قریبی بزرگوں کا منایا جاتا یا اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر اس کا دائرہ صرف سرزمین ایران میں آفتاب اسلام کی ضیاپاشی کے آغاز تک وسیع ہوتا تو مشتعل نہ ہوتے لیکن گنجائش شاید اس جشن کی نکل آتی اور ہم مذہبی جذبات سیاسی نسبت میں نہ ہوتے ——۔

عہد جاہلیت کی تحسین اور اسلام جمع نہیں ہو سکتے | لیکن یہاں نوبت پورے ڈھائی ہزار سال کی ہے جس میں گیارہ سو سالہ دور خالص اس عہد جاہلیت کے شہنشاہوں کا ہے جب کہ اس پورے عرصہ میں ایران کی تہذیب و تاریخ سرزمین عرب کی آسمانی دین اور توحید کی روشنی سے شناسا نہ ہوئی تھی۔ ان ملوک و امراء کے ہاں کی اخلاقی قدروں کی قدر افزائی تھی۔ چنانچہ اس ڈھائی ہزار سالہ عہد میں ان ملوک کا وہ عہد نامسعود بھی شامل ہے۔ جب کہ بعثت نبوی کے عہد خلافت راشدہ قریب الختم ہونے تک ان شہنشاہوں نے اپنی ساری قوت و صلاحیت سلطانی و دولت اسلام کے مقابلہ میں صرف کر دی اور ہر شکست پر اسلام کے ہاتھوں شکست بجائے خود اسلام سے دوبارہ جنگوں نے سب کچھ تھا اور یہ روشنی نہ صرف ایرانی ملک ایران کے شہنشاہوں کو اس سے روشناس کرنے رہ گیا

اسلام سے پہلے ایران کی شبِ دیجور

مگر اس روشنی سے پہلے ایران کی شبِ دیجور کی کیا حالت تھی۔ آیئے ظہورِ اسلام سے ذرا پہلے اور پھر اس کے بعد اس کی دھندلی سی تصویر پر ایک نظر ڈالیں شاید تختِ کیانی پر متمکن ان شہنشاہوں کے "کارناموں" میں بھی حسن کا کچھ سامان مل جائے۔

مزدکیت اور زردشت

بعثتِ نبوی سے پہلے ہمیں قباد اوّل بن فیروز سے واسطہ پڑتا ہے۔ جس نے مزدک کو پروان چڑھایا۔ مزدک نے دولت کے ساتھ عورت کو بھی مشترکہ قومی سرمایہ بنایا کسی ایک کی بیوی سب انسانوں کا بستر بن سکتی ہے۔ یہ اس کا فلسفہ تھا قباد نے اس تحریک کو شاہی سرپرستی میں لیا۔ عیش پرست ملوک اور امراء نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس بہیمانہ تعلیم نے رہی سہی اخلاقی قدروں کو بھی خاک میں ملا کے رکھ دیا سنہ ۵۳۱ء میں قباد کی جگہ نوشیرواں آیا جس کی عدل پروری کی دنیا میں ایک دھوم ہے۔ یا عدل و انصاف کا یہ تمغہ اسے ان ہزاروں احباب و اقارب اور امراء و خواص کو تہ تیغ کرنے کے صلے میں ملا جو اس کے کیشِ زردشتی اور مذہبِ آتش پرستی میں مزاحم تھے

الغرض اس نے مزدکیت کی جگہ زردشت کے نامعقول فلسفہ کو بزورِ شمشیر رائج کرنا چاہا۔ یہ فلسفہ کیا تھا؟ یزداں و اہرمن کے نام سے خداؤں کی تقسیم، نیکی و بدی، خیر و شر، نعمت و [illegible] اور [illegible] وغیرہ۔ آگ اس مذہب کی معبود تھی۔ رہا اخلاق تو اس پورے آئین اور فلسفہ میں اس کے لئے کوئی خانہ نہ تھا۔ بلکہ مجوسیت نے باپ کا بیٹی، بھائی کا بہن، بیٹے کا ماں سے نکاح کو ایک عام بات بنا کر اخلاقی قدروں کو جس طرح محو کرنے کی جو کوشش کی یہی وجہ ہے۔ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ہم بادشاہ یزدگرد ثانی کو اپنی بیٹی سے نکاح کرتے اور پھر اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے دیکھتے ہیں ـــ نوشیرواں عادل کی اس ثنائیہ پرستی (تثنیہ فی العبادۃ) کو اس کے بیٹے نوشزاد نے تثلیث پرستی سے مٹانا چاہا جو خود تثلیث میں محو تھا

نوشیرواں کے بعد یزدگرد ثالث سے لیکر ہرمز چہارم تک یہی حالت رہی شہنشاہوں کے ان عہد میں عورت کا جو مقام تھا اس کے کچھ نقوش شاہنامہ کے اوراق میں نظر آ سکتے

ہیں —

مانویت | اسی عہد کی یادگار مسیحیت اور مجوسیت کی وہ معجون مرکب بھی ہے جو مانویت کے نام سے مشہور ہے جسکی بنیاد یہ ہے کہ ترک ازدواج و تعلقات جنسی کے ذریعہ جو سے بنی نوع انسان کی نسل کشی کی جائے۔ ان حکمرانوں میں تو مشترک [illegible] پختہ تھا کہ وہ بنی نوع انسانوں پر خدائی کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ رعایا انہیں معبود اور اوتار سمجھے اور وہ رعایا کو بے دام غلام جیسے بھی چاہیں ان کے مال و متاع اور عصمت [illegible] لیں۔ وہ اپنے سوا ساری مخلوق کو ذلیل اور کمتر سمجھتے اور اسے اپنے [illegible] سے [illegible] کرتے۔ جب ایک اولعزم سفیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ [illegible] رستم کے دربار میں ساری شان و شوکت کو روندتے ہوئے تخت تک پہنچے اور رستم کے برابر بیٹھ گئے تو پورا دربار اس گستاخی پر چیخ اٹھا اور مسلمانوں کے اس سفیر کو جنہیں بلایا گیا تھا۔ تخت سے کھینچ کر نیچے گرا دیا گیا۔ صحابیؓ رسول نے [illegible] دربار پر ایک نگاہ حقارت ڈالی اور فرمایا اب تم ضرور مغلوب ہوگے کیونکہ کوئی سلطنت ایسے افعال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

الغرض! ان بادشاہوں کے ایسے عادات و اطوار تھے جنہوں نے مشرک عیسائیوں کو حضرت رسول کریم علیہ السلام کی نظروں میں مجوس پر قابل ترجیح بنا دیا تھا۔ قرآن کا سورہ روم بھی مسلمانوں کے ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔

بعثت نبوی اور ملوک فارس کا ردعمل | اب ذرا بعثت نبوی کے بعد ملوک فارس کے ردعمل بھی دیکھئے۔ حضور اقدسؐ کا والا نامہ دعوت نجات و فلاح لیکر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ذریعہ خلیفہ فارس کسریٰ خسرو پرویز کے پاس پہنچتا ہے۔ مگر وہ مغرور تاجدار دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوکر نامہ مبارک پھاڑ دیتا ہے اور کہتا ہے: یکتب الیّ بھذا وھو عبدی۔ میرا غلام ہوکر مجھے ایسا خط لکھتا ہے — پھر نہ صرف یہ کہ قاصد کی تذلیل کر کے اسے نکالا جاتا ہے۔ بلکہ یمن کے گورنر باذان کو حضورؐ کی گرفتاری اور وہاں پہنچا کر [illegible] پیش کرنے کا حکم ہوتا ہے اور یہی وہ سبب تھا جس سے [illegible] نبوی [illegible] سلطنت کی بنیاد [illegible]

اپنے ہاتھ سے تہ و بالا کرنے کا سامان کرتا ہے اس کے بعد مدائن کے چودہ کنگروں کے گرنے کی تعبیر شروع ہوتی ہے۔ اور خسرو پرویز کا بیٹا نہ صرف اپنے باپ کو بلکہ تمام خاندان کے دعویداران سلطنت کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تخت کیانی پر بٹھایا جاتا ہے۔ مگر اپنے ہی ایک جرنیل کے ہاتھوں وہ بھی قتل ہو جاتا ہے۔ اور پورے خاندان میں مرد وارث تخت نہ ہونے کی وجہ سے کسریٰ کی بیٹی بوران کی تاجپوشی ہوتی ہے مگر جلد ہی دور کا ایک رشتہ دار اسے قتل کر کے تخت پر قابض ہو جاتا ہے وہ بھی ایک ماہ لطف سلطنت نہیں اٹھاتا کہ اہل فارس اسے قتل کر دیتے ہیں۔ اب کسریٰ کی دوسری بیٹی آزرمدخت کی باری آتی ہے اور وہ مالک تخت و تاج بن جاتی ہے مگر گزشتہ دور کے جرنیل کا بیٹا اپنے باپ کا انتقام لیتے ہوئے ملکہ کو اندھا کر کے قتل کر دیتا ہے اور خود کو تخت پر بٹھاتا ہے۔ مگر جلد ہی تخت کیانی پھر لاوارث ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار تین برس بعد کسریٰ کے ایک گمنام پوتے یزدجرد کو کہیں سے لا کر تخت شاہی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔

تیغ مصطفوی اور فارس
سے بولہبی شرارے

یہی یزدجرد ہے جو حضرت عمرؓ کی جان نثار افواج کے ساتھ سرزمین فارس اور عراق عجم میں مسلسل برسرپیکار دکھائی دیتے ہیں۔ قادسیہ، مدائن اور نہاوند کے میدان اسلام اور جاہلیت کے ان خونین تصادم کی نشانیاں ہیں۔ رستم و ہرمزان جالینوس اور فیروزان اور یزدجرد خاقان چین بولہبی شرارے ہیں جو تمام تر تیغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہے۔ سعد بن ابی وقاص، ربعی بن عامر، حذیفہ اور مغیرۃ رضی اللہ عنہم کے پاک ارواح شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کسی صورت میں بھی جاہلیت کا روادار نہیں ہو سکتا۔ قادسیہ کے میدان، فارس کے دشت و صحرا، دجلہ کی طغیانیاں اور مدائن کے کھنڈرات جاہلیت اور اسلام کے درمیان نہ مٹنے والی دوری اور حد فاصل کی گواہی دیتے رہتے ہیں۔

بہر تقدیر عہد اسلام سے قبل یا اس سے کچھ عرصہ بعد عہد عثمانؓ تک یہ ایرانی شہنشاہیت کا ایک خاکہ تھا جسے آج محمد عربی کے غلاموں نے تخت و تاج سمیت ختم کر دیا۔ ان عاشقان پاک

حیثیت سے روشناس کرایا [illegible] آنحضرت نے انسان کو انسان کی بندگی سے نکال کر ایک معبود برحق کا عبد بنایا [illegible] پیدا کئے [illegible] محبوب جہاں جہاں گئے [illegible] عدل و رحمت کے گلزاروں کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ عراق اور ایران سے [illegible] میں اپنے اسلاف کی تگ و تاز اور ہمارے [illegible] کی ساری داستان کو ہم بھلا بیٹھے

اسلام جشنوں کا روادار نہیں

اگر اسلام جشنوں میلوں ٹھیلوں کا روادار یا متحمل ہوتا اور ہمارا موجودہ [illegible] ان [illegible] کو برداشت کرتا اور یہ جشن منانے بھی تو ہمیں اس فاروق اعظم کا جشن منانا چاہیے تھا جس کے صدقے آج ہم [illegible] ایران [illegible] اسلامی سلطنتوں کے [illegible] صحابہؓ کی جان [illegible] اس دور کی جاہلانہ ملوکیت [illegible] ہوتی [illegible] انسانیت کیلئے [illegible] ہوتے۔ انسان انسانوں کا غلام ہوتا۔

ہمارے اسلاف کون ہیں

ہمیں یاد منانی ہے تو اپنے جرنیل سعد بن ابی وقاص کی منانی چاہیے جن کے [illegible] کے سامنے [illegible] ہوا اور ان صحابہؓ کا جن کے [illegible] کے صدقے [illegible] ایوان [illegible] توحید سے گونج اُٹھے۔ ابو عبیدہ اور خالد کی یاد تازہ کیجئے جن کے [illegible] اور صلابت و ہمت کے سامنے روم کے [illegible] پگھل [illegible] گئے۔ اسلام [illegible] اور عہد جاہلیت کے کسی نقش کو تازہ کرنے کا روادار نہیں اور نہ اسلام [illegible] کرتا ہے خواہ وہ ہمارے آباء و اجداد ہی کیوں نہ ہوں۔ خواہ ایسا ایران میں کیا جائے یا [illegible] جیسا [illegible] میں ہوتا ہے یا ہند میں، ہمارے لئے قابل فخر وہی اسلاف ہیں جن کا سب کچھ [illegible] اسلام [illegible] تھا۔ [illegible] ہمارے اسلاف میں سے کسی نے خواہ [illegible] کے ہوں [illegible] اسلام [illegible] اپنی روایت نہیں چھوڑی تو ہم ایسے اسلاف [illegible] نفرت و ملامت کرتے ہیں۔ مسلم کی شان تو یہ ہے کہ: لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔

جاہلیت کی [illegible] نہیں

جاہلیت کی یاد [illegible] مصر کی ہو یا ابو جہل [illegible] قریش کی [illegible] یا [illegible] ہندوستان [illegible]۔

ظاہری یا ذاتی کے نمرود و فارس کے [illegible] کی برخاست قابل تعریف ہے۔ اور ہمیں [illegible] جاہلیت کو دل و دماغ کے ہر گوشہ سے مٹا دینا چاہیئے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ مصر کی فرعونیت اور سندھ کی داہریت پر تو زور دیا جائے مگر ایران کی عجمی جاہلیت کی یاد منانے میں سب ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی سعی کریں

امت مسلمہ میں عہد جاہلیت کی کوئی یاد کوئی نشان اور کوئی نقش ہمارے لئے لائق تقدیس نہیں اور اس بارے میں ہر حق کی تعلیم ہے۔ رسالت مآب کے آنے سے جاہلیت کی کایا پلٹ گئی۔ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے۔ شام کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی۔ بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔ [illegible] بحیرہ طبریہ کا پانی منقطع ہو گیا۔ [illegible] فارس نے [illegible] خواب دیکھا [illegible] اونٹ اور ان کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ [illegible] گئے ہیں۔ یہ جاہلیت اب قیامت تک قدموں میں پامال ہوتی رہے گی۔ ہلاک کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ۔ ہمارے محبوب قائد حضرت عمرؓ نے اس جاہلیت کو ہمیشہ کیلئے زیر و زبر کرنے کے بعد فرمایا تھا آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے۔ تو خدا تمہاری حکومت بھی کسی زبردست کے ہاتھ میں دے دیگا۔

کاش! ایران کے موجودہ حکمران ان دانشمندانہ ارشادات پر کچھ توجہ دے سکیں ——۔

حسینؓ کے شیدائی مگر شہنشاہیت کا جشن

ایران نے دنیا کے پچاس ملک [illegible] ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا [illegible] ایرانی وزیر دربار اسد اللہ علم [illegible] جشن پر [illegible] کروڑ [illegible] ہوئے۔ [illegible]

ہزار مسائل اور الجھنوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جس کا بیت المقدس یہود نے چھینا ہے۔ جس کی صحرائے سینا پر دشمن قابض ہے۔ جس کے خون سے قبرص اور فلپائن میں ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جس کا کشمیر ہندوؤں نے غصب کیا ہے۔ جس کی سرحدات پر غیر قومیں مستعد اور چاک و چوبند کھڑی ہیں۔ اور خرچ بھی ان عجمی شہنشاہوں کی یاد پر جنہوں نے اپنے دور میں اسلام اور داعیٔ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس ملک میں منایا گیا جو شیعانِ حسینؓ کہلا کر حضرت حسینؓ کے نام پر اس لئے فدا ہوتا ہے کہ بزعم ان کے انہوں نے ملوکیت کے خلاف آواز اٹھائی اور جن کے ہاں حضرت معاویہؓ نعوذ باللہ اس لئے گردن زدنی ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں بیعت لی۔ مگر جو شہنشاہیت کا بانی کہلائے اس کی قبر کا طواف کرتا ہے۔ اور شہنشاہیت کو ایسی بے مثال خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔

خلافت اور سوشلزم کے دعویدار
خراجِ تحسین شہنشاہیت

اور ستم ظریفیاں دیکھنی ہوں تو اپنے ہاں کی جماعت اسلامی کو دیکھئے جو حضرت معاویہؓ کو اسی جرم میں ملوکیت کا بانی اور قابلِ ملامت سمجھ کر "خلافت و ملوکیت" کا طوفان اٹھاتی ہے۔ مگر اس عظیم جشن پر ان کا پورا پریس خاموش ہے۔ مصر کے صدر ناصر کو ایک نعرۂ فرعونیت کے الزام پر جو تنقید کا مستوجب تھا، اب تک معاف نہیں کر سکتی مگر دارا اور خسرو پرویز کے اس زبردست خراجِ تحسین پر انہیں نہ صرف سانپ سونگھ گیا، بلکہ لاہور سے ان کے ایک نیم سرکاری ہفت روزہ نے ذوالقرنین کے پردے میں پردہ دری کی سعی بھی کی جو پچھلے ایک شمارہ میں جمہوریت کو اسلام پر واضح الفاظ میں برتری دینے کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ اور ذرا اپنے ہاں مساوات اور سوشلزم کے دعویداروں کے قول و عمل کا بھی موازنہ کیجئے۔ جن کا پورا پریس شہنشاہیت کی یاد منانے میں برابر کا شریک تھا اور جن کے مساوات ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ڈکٹیٹرشپ، شہنشاہیت کے ساتھ ملائیت کو عالمِ اسلام کے زوال کا سبب قرار دیا گیا تھا اور پرچے کے سارے حاشیے جشن کی رنگ رلیوں سے بھرپور تصاویر سے مزین تھے اور جن کے قائدین نے جشن کی ہر شب کو "شبِ قدر" جان کر دل کے ارمان نکالے ہیں ــــ تضادِ قول و عمل کے کیسے کیسے عبرتناک نمونے اس واقعہ میں موجود ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تاریخ اور مظاہر پرستی کی سنگین گرفت

شاہ ایران کی تاجپوشی دھوم دھام اور شاہانہ طمطراق سے ہوئی۔ اور اب تک اخبارات کے صفحات ان تقریبات کی رنگینیوں اور ہزارہا ہزار ہیروں اور جواہر سے مرصع تاج و تخت کے چرچوں سے معمور ہیں۔ ایک امن پسند مخلص اور حلیف فرمانروا کی مسرتوں کا پہلا تاثر تو ظاہر ہے کہ، ہم سب ان کی مسرتوں میں شریک ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ان تقریبات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے ایک نگاہِ حقیقت بین گریز نہیں کر سکتی، کہ تاریخ جدید ہو یا قدیم اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو بیسویں صدی کو بھی دو ہزار سال پیچھے کی طرف لوٹا دے۔ اس کی گرفت اتنی سنگین ہے کہ بیسویں صدی (جو جمہوریت اور سلطانیِ جمہور کا دور کہلاتا ہے) میں کیقباد اور کیخسرو، کسروانِ فارس یا سلطنتِ روما کی الف لیلوی داستانیں دُہرا سکتی ہے۔ "عہدِ جدید کا "متمدن" انسان خواہ قدامت بیزار انگلینڈ کا باشندہ ہو یا جمہوریت پذیر فارس کا، جذبہ شخصیت پرستی کے سامنے آج بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا کہ ہزار سال پہلے تھا۔ اور تو اور مساواتِ انسانی اور اشتراکیت کا دعویدار روس کیا اپنے گلے سے مظاہر پرستی کا پھندا اتار سکا ہے؟ ہرگز نہیں سٹالن اور لینن کے سامنے یہ قوم کتنی بے بس ہے! جو قوم خدا سے کٹ گئی عمر بھر مخلوق کی جبہ سائی اس کا شیوۂ حیات بنا۔ عجز و انقیاد اور تعظیم و تکریم کی وہ کون سی صورت ہے جس کا مظاہرہ خدائے حی و قیوم سے انسانیت کو توڑنے کے بعد جذبۂ پرستش نے ان لوگوں سے اپنے مصنوعی اربابوں کے مجسموں، مقبروں، نشانیوں اور سمادھوں پر نہیں کروایا۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جہاں تمام تکلفات خود ساختہ امتیازات اور تعیشات کا بھی روادار نہیں رہا جن سے دوسروں کی انسانی عظمت اور جذبۂ خودی پامال ہوتی ہو۔

مادہ پرست اسلامی حکومتوں کا فلسفۂ حیات

بحری جہاز کے عرشہ کیلئے عازمین حج کی قرعہ اندازی کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں اس کے مطابق امیدواروں اور کامیاب افراد کا تناسب مایوس کن اور روح فرسا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ضلع پشاور کو لیجئے جہاں تین ہزار افراد نے درخواستیں دیں مگر اس ضلع کا کوٹہ صرف ایک سو نشستوں کا تھا۔ ایک اور تیس جبکہ اس سے بھی زیادہ یہ نسبت ملک کے ہر ڈویژن اور ضلع میں رہی۔ حج بدل یا سہ سالہ اور پنج سالہ امیدواروں کے لئے تھوڑا بہت جو کوٹہ تھا اس میں شرح تناسب اس سے بھی زیادہ رہی۔ بہت سے افراد ایسے تھے جن کا نام قرعہ میں نکل آیا مگر کاغذات میں معمولی کسی سقم کا بہانہ بنا کر انہیں سعادتِ حج سے محروم کر دیا گیا۔ یہی حال ہوائی جہاز کا ہے۔ جن معدودے چند افراد کو ہوائی سفر کی اجازت ہے۔ ان کے ساتھ بھی معاملہ ایک فرض کی ادائیگی میں تعاون سے زیادہ بزنس پیمانے پر ہے اور انہیں بونس واؤچر کے نام دوگنا مصارف ادا کرنے پڑتے ہیں۔ نتیجۃً بوڑھے ضعیف مسلمان اشتیاق دید بیت اللہ میں سسک رہے ہیں۔ سالہا سال سے ملک کا ایک بہت بڑا دیندار اور ذی شعور دردِ دل رکھنے والا طبقہ گنبدِ خضرا کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے تڑپ رہا ہے۔ پورا سال امید و بیم کے جان سوز لمحات میں گذار کر پھر انہی محرومی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو سالہا سال سے ان کے حق میں سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ وقتی طور پر دینی اور اسلامی حلقوں سے کچھ شور بھی اٹھ جاتا ہے۔ تعداد میں چند ایک سو کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ مگر مسئلہ کی نزاکت اور تلخ اثرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہر سال امیدواروں میں اضافہ کے ساتھ ان کی حرمان نصیبی کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور جذبات اندر ہی اندر بھڑکتے ہیں۔ اور تسکین کا سامان نہ پا کر حکومت سے ناراضگی، نفرت اور پورے ملک سے بیزاری کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

یہ صورتِ حال کافی عرصہ سے چلی آرہی ہے۔ اگرچہ حج بیت اللہ کے مقدس اور مبارک فریضے کا مسئلہ ہے کہ "بزعمِ خویش دنیا کی سب سے بڑی نام نہاد اسلامی سلطنت" میں لاکھوں پاکیزہ تمناؤں اور مقدس آرزوؤں کے خون کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ ہر سال لاکھوں دینی احساسات کے آبگینے چور چور ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا کوئی علاج نہیں ہو رہا۔

مان لیا کہ زرِمبادلہ اور سیم و زر کا مسئلہ اس راہ میں سنگِ گراں بنا ہوا ہے۔ مگر کیا اب تک قوم و ملت کو درپیش دوسرے مسائل کی طرح ہم نے اس مسئلہ کو بھی سنجیدہ طریقے سے اور منظم منصوبے کے ذریعہ بھی حل کرنے کی کوشش کی۔ ۲۰ کروڑ روپے سے فیملی پلاننگ بنانے والی حکومتوں نے کبھی اس مسئلہ کے لئے بھی کوئی منصوبہ بندی کمیشن بنایا جو اس کے لئے زرِمبادلہ کی فراہمی اور اضافہ کے لئے کسی پلاننگ پر غور کرے۔ یہاں کروڑوں روپیہ، ثقافتی طائفوں اور اس قسم کی عیاشیوں پر خرچ ہو رہا ہے، کروڑوں روپیہ عورتوں کے سامان آرائش و زیبائش، فلموں اور ٹی وی ڈراموں کی درآمد پر لگ رہا ہے۔ اعلیٰ اور مہذب ہوٹلوں کے نام پر ملک میں انٹرنیشنل قسم کے ہوٹلوں کے نام سے فحاشی کے جزیرے اور سستے قحبہ خانے قائم ہیں۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ان پر کتنا زرِمبادلہ خرچ ہو رہا ہے اور ہوٹلوں سے درآمد ہونے والی شراب کے خطیر مصارف میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔؟ اور کیا ایک ایمانی فریضہ کی تکمیل کا مسئلہ پیٹ کے مسائل سے بڑھ کر نہیں تو اس کے برابر بھی قابلِ اعتنا نہیں۔

دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی وجہ

دراصل ان تمام خرابیوں اور دیگر تمام دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم دین، اخلاق اور اسلام کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ہمارا بنیادی فلسفہ حیات یہی ہے کہ ضرورت و مفاد کی خاطر جتنا بھی چاہے چیخ چیخ کر اسلام کا نام لو۔ اقتدار حاصل کرنا ہو تو اسلام کی دہائی دو۔ اسلام کے نام پر لاکھوں کی لٹیا ڈبو دو۔ اسلامی حکومت کے نام پر ان کی عصمتیں تار تار کر دو۔ جب کفر اور الحاد کو پھیلانا چاہو تو اس پر جعلی اسلامی ٹریڈ مارک کا ٹھپہ لگا دو۔ اور جب مقصد حاصل ہو جائے تو سب سے بڑھ کر خود ہی اسلام کا ایک مذاق اڑانے لگ جاؤ۔

منافقانہ روش ۲۲ سال بلکہ اور بھی پیچھے ہٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ دوڑائیے تو قول و عمل کے تضاد کی ایک ایسی بھیانک تاریخ تمہارے سامنے آجائے گی جس کا ہر باب اور ہر صفحہ غداری، عیاری اور خود غرضی سے داغدار ہے۔ اسلام کا احساس تمہیں اس وقت ہوا جب قدرت کی تلوار نیام سے باہر آئی اور اقتدار یا جنگ زرگری کے اس اکھاڑہ کے وجود کو خطرہ محسوس ہوا یا اس طبقہ کے مادی اور ذاتی مفاد ڈگمگانے لگے۔ یہاں کے لیڈر اسلام کی مالا جپتے ہیں مگر ان کا ذہنی اور اجتماعی کردار اسلام کے لئے ایک گالی ہے۔ یہاں غریب دہقان کے نام پر سوشلزم، مساوات اور اشتراکیت کے نعرہ پر اسلام کو وہی طبقہ پرکھتا رہا ہے جو غریبوں کا خون پینا کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔ یا جو غریب اور بے بس طبقہ کی تہی سے فائدہ اٹھا کر ان کی قسمتوں سے کھیلتا رہا ہے۔ یہاں عدلِ عمرؓ، فراستِ صدیقیؓ اور فقرِ ابوذرؓ کا نام وہ لوگ لے رہے ہیں جن کی ذہنی آبیاری لینن اور کارل مارکس جیسے اعدائے اسلام سے ہو رہی ہے۔ یہاں اسلامی نظامِ حیات اور تحریکِ اقامتِ دین کے علمبردار وہی لوگ پیش پیش ہیں جن کا عملی اور ذاتی کردار اسلام سے کوسوں دور ہے۔ مگر ان کی زبان کی گستاخی اگر اگلتی ہے تو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کا دین اور ایمان جانچنے لگتے۔ وہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ مگر اسلام کے قرونِ اولیٰ عہدِ خلافت کو بھی معاف نہیں کرتے اور ان اسلام کی ایک ایک بنیاد پر تیشۂ تنقید چلانا ان کا محبوب مشغلہ اور تحقیقی مباحث ہے۔ یہاں کی ہر نئی حکومت اسلام کے تحفظ اور فروغ کا پرچار کرتی ہے مگر ان کے عہدِ اقتدار میں بے حیائی کی شرح گھٹتی نہیں ہے۔ روزہ خوروں کی تعداد اور نائٹ کلبوں کی رونق میں ترقی اور دوران روزہ ہوٹلوں میں حتیٰ کہ رمضان کے مشاغل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اخباری رپورٹ کے مطابق اس رمضان کے دوران لاہور کی نائٹ کلبوں میں نیم عریاں رقص اور شراب نوشی نے گذشتہ تمام سالوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔

تلبیس حق و باطل سے لبریز لٹریچر یہاں کے اخبارات نظریۂ پاکستان کی بنیاد اور تحفظ کے بہت بڑے مناد بنتے ہیں مگر بنات جیسا کثیر الاشاعت اخبار فلمی صفحات اور اشتہارات کے نام پر اخلاق اور شرافت کی تمام حدود پھلاندنے کو نظریۂ پاکستان کی تشریح

سمجھتا ہے وہ فلمی ایڈیشن کے صفحۂ اوّل پر کسی فاحشہ عورت کا تقریباً برہنہ فوٹو شائع کرتے ہوئے نہیں جھجکتا۔ (ملاحظہ ہو ۱۷ اکتوبر کا فلمی ایڈیشن) یہی حال اس پایہ کے دیگر اخبارات کا ہے جو رمضان کے مقدس مہینہ میں بھی اپنے قارئین کے کام و دہن کا انتظام فحش تصاویر اور جنسی جذبات کو بھڑکانے والے مضامین سے کرتے ہیں۔ ان کے ایک کالم میں قرآن کی تفسیر اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ ہوتی ہے اور دوسرے پہلو میں اخلاق باختہ یورپ کے غلیظ اور بدبودار ادب کے شہ پارے۔ یہ پوری صورت حال اس پوری قوم، حاکم سے لیکر ادنیٰ رعیت تک، کے نفاق، عقیدہ سے بے تعلقی، نظریہ سے فرار، خود غرضی اور عیاری کی نشاندہی کر رہی ہے اور جب تک ان بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا نہ تو حج کا مسئلہ حل ہوگا، نہ روزے اور نماز کا۔ مگر یاد رکھیے قانونِ مکافاتِ عمل الٰہی دھاندلی ہمیشہ کیلئے برداشت نہیں کرتی۔ قدرت کی تلوار نیام سے نکلنے سے پہلے منافقت، ایمان و یقین اور اس کے ساتھ وابستہ تعلق ترک کرو ورنہ وہ فتنہ آ رہا ہے کہ جس کے شکار صرف مجرم نہیں ہوتے۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً۔

ثقافت کے نام پر فحاشی

ثقافت، آرٹ اور کلچر کے نام پر ملک کو فحاشی اور بے حیائی کے جس جہنم کے کنارے پہنچا دیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ادھر ہم اسلام کے دعویدار ہیں اور "اسلامی انقلاب" کا تہیہ کرنے کے مژدے سنا رہے ہیں۔ ادھر قوم کے اخلاقی زوال کا رونا بھی رویا جاتا ہے۔ ہمارے ٹی وی پر امرتسر کے ٹیلی ویژن کی یلغار کا بھی خوب ماتم کیا جا رہا ہے۔ اخلاقی جرائم کا دور دورہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اخلاقی قدروں کی پامالی اور بربادی کا مرثیہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب عمل تو بڑی بات ارادۂ عمل کے لئے بھی کوئی آواز اٹھاتا ہے تو "نفاق" کی عجیب شرمناک اور گھناؤنی تصویر اپنے سے پردہ حقیقت سرکا کر قوم کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی مظاہرہ قومی اسمبلی میں ثقافت کے نام پر فحاشی سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی قرارداد زیرِ بحث آجانے کے موقعہ پر ہوا۔ قرارداد تو مسترد ہونی ہی تھی کہ اکثریت کے ہاتھوں مٹھی بھر اہلِ حق بے بس تھے گو اتمامِ حجت اور اور کلمۂ حق کی بلندی کا فریضہ ادا ہو ہی جائے۔ مگر قرارداد کی مخالفت کے دوران کھل کر ثقافت کی وہ کون سی عجیب و غریب تعبیر و تفسیر نہ تھی جو قوم کے روشن خیال ماڈرن ارکان نے نہ کی ہو۔ رقص و سرود، گانا، بھنگڑا، لڈو، ثقافتی طائفے تو خیر ایسی خرافات ہیں کہ اس لفظ ثقافت کا لازمہ بن چکی ہیں۔ مگر اب کے سرکاری مقررین کے خیالات سن کر حیرت ہوئی کہ نعوذ باللہ اسلام کی تاریخ عہدِ صحابہؓ اور خلفاء راشدین کی ساری عمارت ہی ناچ گانے اور ایسی خرافات اور منکرات کی اینٹوں پر قائم ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ اندازِ فکر اور اسلام کے بارہ میں یہ منافقانہ روش اب تو ہمارا قومی شعار ہی بن چکا ہے۔ پچھلے ۲۷ سال اسی منافقت اور عیاری کی نذر ہو چکے ہیں۔ مگر اب تو اس دور کا نقطۂ عروج معلوم ہوتا ہے۔ اور عروج کے بعد زوال قدرت کا اٹل قانون ہے۔ جو لوگ طاؤس و رباب اوّل طاؤس و ربابِ آخر۔ اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے فلسفہ پر نہ صرف گامزن بلکہ اس کے داعی ہیں۔ اور جو تہذیبی اقدار کو طوائف کے کوٹھے میں محدود سمجھ کر قوم کو وہاں سے جا کر سیکھنے کی تلقین کرتے[1] ہیں۔ انہیں قدرت کی تعزیروں سے ڈرنا چاہیئے۔ اور حالات سے سبق بھی۔ سودی نظام کے بعد فحاشی سے متعلق قومی اسمبلی کے ہاتھوں قرارداد کا مسترد ہو جانا دوسرا ایک عظیم المیہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ملک و ملت کی حالتِ زار پر رحم فرمادے اور قوم کے کلیدی طبقہ کو ہدایت دے —— (جمادی ۹۴ھ)

---

[1] قرارداد اور بحث کے دوران ایک سرکاری رکن نے کہا کہ اصل روحانیت اور تہذیب نفس طوائف کے کوٹھے سے پائی جاسکتی ہے۔

شکست خوردہ قوم پر

ثقافتی طائفوں کی یلغار

ادھر کوریا کا ثقافتی طائفہ آرہا ہے۔ اُدھر ترکی کے فن کار رخصت ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے طائفوں کی آمد آمد ان طائفوں کے نیم عریاں رقص و سرود اور تھرکتے ہوئے جسموں کی ایک دھوم ہے۔ کراچی سے خیبر تک پورا ملک ان کی زد میں ہے۔ فحاشی، بے حیائی، عریانی اور اخلاق باختگی کا کونسا نمونہ تھا جو اس اسلامی مملکت کے ہر بڑے چھوٹے شہر اور اس کے سینماؤں اور کلبوں میں ان طائفوں یا "طوائفوں" نے پیش نہ کیا ہو۔ نہ صرف کلبوں میں بلکہ بازاروں میں، سٹیڈیم میں پارکوں میں ہزاروں کے سامنے شرفاء اور حکام کے سامنے مردوں عورتوں بچوں کے سامنے وہ سب کچھ کیا گیا کہ شرافت اور حیا سر پیٹ کر رہ گئی اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر نہیں سرکاری اہتمام میں۔ جنہیں دیکھنے کی "سعادت" نہ مل سکی اخبارات اور ٹیلی ویژن انہیں کب محروم رکھتے، وہ بھی محظوظ ہو گئے۔ بلکہ اس پر ہی بس نہیں کی، یہ ثقافتی طائفے اپنی مجالس، انٹرویوز اور گفتگو میں ہماری مردہ غیرت پر تھوک بھی گئے۔ مردہ حمیت کو لاتیں بھی ماریں۔ مگر بے غیرت ضمیر کی نیند اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔

ایک ترکش فنکار نے اپنے پاکستان آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ "آپ لوگ ایک بہت بڑے طوفان (مشرقی پاکستان کی جدائی، کروڑوں کی غلامی، لاکھوں کی قید، رہے سہے ملک کی ذلت و پستی) سے گذرے ہیں، آپ رنجیدہ ہیں۔ ہم آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا چاہتے تھے۔"

مس نادیہ نے کہا کہ کلچر اور مذہب کے معاملہ میں ہندوستانی پاکستانیوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ (بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔) مس قطر بقرہ نے کہا کہ مکمل عریانی کو اپنا کر ہم اخلاق درست کر سکتے ہیں۔ اس طائفہ کو اگرچہ حقیقی تو یہاں کی مذہبی تنظیموں سے،

اور چند حیادار مسلمانوں سے، کہ وہ ہمیں ایسا کرنے نہیں دیتے۔ جو بقول اُن کے خود کو اچھے مسلمان تو کہتے ہیں مگر اچھے انسان نہیں کہتے ——— آگے بڑے پتے کی بات کہی۔ کہ ہمارے ترقی پسند تو سن کر اچھل پڑیں۔ فرمایا خدا کرے آپ کے ہاں بھی کمال اتاترک کے کارنامے کو دہرایا جائے۔

——— جی ہاں! دہرایا جا رہا ہے۔ بہت کچھ دہرایا گیا۔ مگر ترکوں نے بھی اس یہودی ایجنٹ دشمنِ اسلام ملعون و مغضوب کمال اتاترک کے کارناموں کا مزہ چکھ لیا۔ اور پاکستان کا زخم تو ابھی ہرا ہے۔ کچھ کمی ہے تو وہ بھی بہت جلد پوری ہو کر رہے گی۔ ایک اور فنکار مسٹر کمال نے کہا کہ اے لوگو اپنے ان نام نہاد مسلمانوں اور علماء کا محاسبہ کرو جو خلوت کدوں میں ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور اندرونِ ملک انتشار پھیلانے کے ساتھ باہر بھی ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔"

مس نجمہ کا تبصرہ تھا کہ پاکستانی جنسیات کے معاملے میں بڑے زبردست واقع ہوئے ہیں ——— یہ اور اس قسم کے بیشمار رکیک جملے، بے حیائی اور عیاشی کی رغبت اور غلاظت کے ہزار ہا نمونے آپ کو ان طائفوں کے صرف ایک انٹرویو میں مل سکتے ہیں۔ جو ماہناموں میں چھپے اور بکے۔ اور اگر آپ کو ایسی باتوں پر اچنبھا ہے تو ذرا اپنی سب سے بڑی نمائندہ مجلس قومی اسمبلی میں آکر اپنی منتخب سراپا عفت خواتین کے ڈائیلاگ اور تقاریر سن لیجئے۔ یہی زنانہ بیباکی و استدلال یہی جرأتِ رندانہ نظر نہ آئے تو جو سرزنش ہو کر سکتے ہیں۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جو آگ اور خون کے طوفان سے گذری نہیں بلکہ دن بدن ذلت و پستی، رسوائی و تباہی کے گڑھوں میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔ مگر وہ اپنا غم ایسے حیا باختہ پروگراموں میں بھلا کر مٹانا چاہتی ہے۔ پس کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی نصیحت اور عبرت کی ضرورت ہے۔

فہل من مدّکر ———

ہاکس بے کے ساحل پر

قومی شرافت کا جنازہ

کراچی کے ہاکس بے پر جو شرمناک واقعہ رونما ہوا، اخباری اطلاعات کی بناء پر اس سے صدرِ مملکت سے لے کر قوم کے عام افراد تک کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو گئیں اور واقعی سینکڑوں جوان لڑکوں کا سینکڑوں لڑکیوں پر ٹوٹ پڑنا اور بھوکے کتوں کی طرح انہیں نوچنا اور جھنجھوڑنا ایک دوسرے پر ہلہ بولنا، الغرض قوم کی شرم و حیاء کا جنازہ اس شان سے ہاکس بے کے ساحل پر سمندر میں ڈبو دینا۔ خود شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے، مگر کیا واقعی ہماری نگاہیں شرم سے نیچی ہوئی ہیں، یا شاید یہ بھی ایک رسمی حیاداری کا مظاہرہ ہے۔ ہم ہاکس بے کی حیا باختہ نوجوان پود کو کوستے ہیں۔ مگر یہ واقعہ تو پوری قوم کی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ تم انہیں کوستے ہو تو اپنی عقل و خرد کا ماتم کیوں نہیں کرتے۔ تمہیں صرف ان شریف زادیوں سے ہمدردی کیوں ہے۔ جو مادر پدر آزادی پر آمادہ نسلوں کے لئے سامانِ تفریح بننے ہی کیلئے پکنک منانے ان ہی ساحلوں پر جاتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو دونوں کو کوسو اور اگر ہمدردی کے مستحق ہیں تو لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی کہ ہم ہی ان کے اخلاق و شرم و حیاء کے قاتل ہیں ہم ہی نے انہیں ہوسناکی اور حیوانیت کے اس ہلاکت آفریں راستہ پر ڈال دیا ہے۔ شرم سے آنکھیں نیچی کرنے والے بزرگو! ذرا آنکھیں اٹھا کر تو دیکھو تمہارے تعلیمی اداروں میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ اور کن کن عملی تجربات کی لیبارٹریوں سے قوم کی نئی پود گذاری جا رہی ہے۔ ورنہ دیکھو فلم کا پردۂ سیمیں وہ تو قومی ترقی میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ اور وہ جب ٹی وی پر نوجوان پود پرانی نسل کی داڑھیاں نوچ رہی ہوتی ہے۔ تو تمہارا جذبۂ غیرت کہاں مر چکا ہوتا ہے۔ اور تمہاری جبینِ غیرت ریڈیو پر فحش مبتذل گانے سن سن کر اور سنا کر کبھی عرق آلود نہیں ہوتی۔ پھر جب آگ اور پانی کو یکجا کرنے کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے تو تمہاری آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ میری نگاہیں تو اس واقعہ سے

نہیں بلکہ عمائدین اور معززین قوم کے اس اعتراف شرم پر شرم کے مارے جھک گئی ہیں کہ ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اُونچی سوسائٹی کی
گھناؤنی تصویر

ان دنوں اخبارات میں کراچی کی ایک فاحشہ عورت شہناز گل اور ان کے ایک دوست (جنہوں نے خودکشی کی) کے سکینڈل کا چرچا ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں جو تفصیلات سامنے آئی ہیں انہوں نے ہمارے ملک بالخصوص اونچے معاشرہ کی ایک گھناؤنی تصویر ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔ یقین نہیں آسکتا کہ یہ تصویر برطانیہ کی کرسٹائن کیلر کی ہے یا کسی اسلامی مملکت کے سب سے بڑے شہر کی مسلمان سوسائٹی کی —— افسوس کہ جو مملکت اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے نام پر حاصل کی گئی تھی وہاں کے مہذب معاشرہ کے اکثر ذمہ دار افراد ڈاکٹر وارڈ اور کرسٹائن کیلر کا کردار ادا کرنے میں مشغول ہیں مگر اصلاح حال کی صورت سامنے نہیں آرہی —— شہناز گل کیس ایک المیہ اور ماتم ہے، پورے پاکستان کی غیرت و حمیت پر، حکام اور سرمایہ دار طبقوں کی اخلاقی اور ایمانی بے حسی پر، پورے پریس کے ذوقِ اشاعت فاحشہ پر، اور پورے ملک کے اخلاقی زوال پر ——

دشمنی صرف استعمار سے نہیں لادینی نظام سے بھی

پچھلے دنوں مصر کے ایک ممتاز مفکر و مصنف اور ان کے رفقاء کی شہادت کا سانحہ فاجعہ پیش آیا۔ صدر ناصر اور ان کی فوجی عدالت نے انہیں پھانسی پر لٹکایا۔ ان لوگوں نے صبر و استقامت سے دار و رسن کے مراحل طے کئے اور اپنی جانیں رفیقِ اعلےٰ کے سپرد کیں۔ رحمہم اللہ و ارضاہم۔ اس سانحۂ ہائلہ کے حقیقی اسباب و محرکات ابھی تک سامنے نہیں آسکے مگر اتنی بات واضح ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت ان پر لگائے ہوئے الزامات سے مطمئن نہیں ہوسکی۔ جن لوگوں کا وجود عالمِ اسلام کے لئے مشترکہ متاع اور گرانمایہ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ ان کے ساتھ اس طرح کے سلوک پر عالمِ اسلام کا اضطراب ایک لازمی اور طبعی امر ہے کہ مسلمان ہر درد و مصیبت میں ایک دوسرے کے لئے "جسدِ واحد" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (اذا اشتکیٰ عضواً منہ (الحدیث) اگر واقعی یہ لوگ ملکی مصالح سے غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ تو پھر بھی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی بناء پر ضروری تھا کہ ان کا کیس کسی غیر جانبدار یا مشترکہ ٹربیونل میں پیش ہوتا۔ یا کم از کم انہیں اپنی صفائی کا موقع دیا جاتا۔ اگر ایک جماعت یا تحریک برسرِ اقتدار گروہ سے مطمئن نہ ہو اور وہ اسے بدلنا چاہتی ہو تو "جمہوریت" کے اس دور دورہ میں محض اس جرم کی بناء پر اسے گردن زنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ سامراج اور استعمار کے مقابلہ میں صدر ناصر کی کوششیں لائقِ تحسین و تائید ہیں۔ ہم سامراجیت علی الخصوص مغربی استعمار کو اس دور کا بدترین المیہ اور "شجرۂ ملعونہ" سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ خدا فراموش قومیت، مذہب بیزار اشتراکیت یا سیکولرزم کو ہرگز گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ مذہب بالخصوص اسلامی اقدار کے احیاء و فروغ کو استعمار و استبداد کی بیخ کنی کی راہ میں ایک رکاوٹ

سمجھتے ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ قوم و وطن سے بالاتر اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہو کر بھی تو کافرانہ استبداد و استعمار کو للکارا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یورپی استعمار اور سامراجیت کی بندشوں سے کلی طور پر آزاد ہونا عالمِ اسلام کا اقدام اور اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن اگر اس لعنت کی جگہ مصر کی اشتراکیت (خواہ اسے سوشلزم کے معنی میں نہ لیا جائے) یا سیکولرزم یا کوئی اور غیر اسلامی نظام اپنا قدم جماتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ دین اور مذہب کو سماجی، اقتصادی اور معاشی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ تو ہم اس متبادل نظام کو بھی ایک لعنت ہی سمجھیں گے۔ اس صورت میں مغربی سامراج کے جنازہ نکلنے پر ہمیں خوشی تو یقیناً ہوگی مگر وہ صرف سلبی پہلو ہوگا۔ اور محض ایسی خوشی جو ویت نام، کیوبا یا کانگو کی آزادی اور فیڈرل کاسٹرو یا ہوچی منہ اور لومبا کے کارناموں پر حاصل ہو۔

دشمنی صرف صلیبی اقوام سے نہیں صلیبی نظام سے بھی ایک مسلمان کو کامل خوشی تو صلاح الدین ایوبیؒ کے مومنانہ فتوحات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو نہ صرف صلیب کے علمبرداروں کو بلکہ صلیبی نظام کو بھی توڑ کر رکھ دے۔ مصطفےٰ اتاترک کی فتوحات اور کارناموں پر خوشی کا ایوان فروزاں تھا، لیکن تصویر کا وہ روح فرسا اور ایمان سوز رُخ بھی نظروں کے سامنے رہنا ضروری تھا جس کے نتیجے میں ترکیہ سے اسلام اور دینِ محمدی کو جلا وطن کیا گیا اور محمدیؐ اقدار کا نام لینا ناقابلِ معافی جرم قرار پایا، ایک دن خوشی کے نقارے بج گئے، مگر نصف صدی بلکہ آج تک ملتِ مسلمہ ترکیہ میں اسلام کی غربت پر رو رہی ہے۔ افسوس کہ جذبات کی شدت میں یہ تلخ ترین پہلو نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ عالمِ اسلام کی بعض قیادتیں مغربی استعمار سے لڑ رہی ہیں۔ اور بعض مشرقی استبداد (سیکولرزم یا دہریت) سے برسرِ پیکار ہیں۔ مگر جس گرم جوشی سے یہ مقابلے ہو رہے ہیں اس سے زیادہ شوق اور ولولہ سے اپنے دشمن (سامراج یا سیکولرزم) کے معاشی، سماجی اقدار اور ان کی تہذیب و تمدن، نظریات، خرافات و الحاد سے معانقہ کیا جا رہا ہے (ہمارے بعض عرب بھائی تو اس معاملہ میں خاصے تیز ہیں) محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے طرزِ زندگی کو جاہلیت عہدِ حاضرہ (مغربی تہذیب اور مادیت) کے بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ یورپی اقوام

اور بیرونی اقتدار کے تو دشمن ہیں۔ مگر خود سرتاپا انہی کے رنگ میں ملک و قوم کو ڈبو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مصالحت کی رو میں وہ اپنے دینی مسلمات، متوارث اور قطعی اقدار سے انحراف اور اس میں تبدیلی و ترمیم سے بھی نہیں شرماتے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا یوں ایک دوسرے کو مشقِ ستم بنانا، ایک دوسرے کو گردن زدنی قرار دینا ہرگز قابلِ ستائش نہیں ہو سکتا۔ صدر ناصر اگر مغربی استعمار سے برسرِ پیکار ہیں، تو سید قطب اور ان جیسے دیگر علماء و دعاۃ مغربی تہذیب و تمدن سے، ایک سیاسی محاذ پر لڑ رہا ہے۔ اور دوسرا علمی اور دینی محاذ پر۔ اس واقعۂ فاجعہ نے مسلمانوں کے علمی محاذ کو ایک بلند پایہ عالم، محقق، ادیب، مفکر اور داعی سے محروم کر دیا۔ تو سیاسی محاذ پر صدر ناصر کی مقبولیت اور انصاف پسندی کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ اور یہ دونوں باتیں عالمِ اسلام، مسلمانوں، عربوں، حریت پسند اقوام اور سامراج دشمن عناصر کے لئے فالِ نیک نہیں ہیں —— اللہ تعالےٰ مسلمانوں کی حالتِ زار پر رحم فرمائے۔ (دشتہ)

صومالیہ کا شرمناک واقعہ

افریقی حکومت صومالیہ کے دارالخلافہ کے ایک کھلے میدان میں دس مسلمان علماء اور رہنماؤں کو زندہ جلا دینے کی خبروں سے عالمِ اسلام میں تشویش اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی ہے۔ صومالیہ افریقہ کا ایک ایسا ملک ہے جس کی ساری آبادی غیور مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مگر موجودہ اشتراکی حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی صومالیہ کا رشتہ اسلام اور عربی زبان سے کاٹ کر کمیونسٹ ممالک سے جوڑنے کی کوششیں شروع کیں، مساجد میں بھی عربی اور دینی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، دین کے نجی دینی ادارے بھی بند کر دئے گئے، اس پر مسلمان اٹھ کھڑے ہوتے، مگر احتجاج کرنے والوں کو مشقِ ستم بنایا اور اب تازہ اقدام یہ کیا کہ عورتوں اور مردوں کے نام نہاد غیر اسلامی مساوات

کے نام سے نکاح وطلاق کے قطعی عائلی مسائل میں دخل اندازی کی یہاں تک کہ وراثت کے منصوص احکام میں بھی تبدیلی کر کے اس میں مرد اور عورت کو برابر قرار دیا —— یہ قرآنی نصوص میں صریح مداخلت تھی اور جس کی کچھ مثالیں ہمارے ہاں رسوائے زمانہ عائلی قوانین کی شکل میں پہلے سے موجود ہیں۔ صومالیہ کے علماء حق اور غیور مسلمانوں نے اس لادینی اور اشتراکی جسارت پر صدائے احتجاج بلند کی، حکومت نے اندھا دھند گرفتاریاں شروع کیں یہاں تک کہ دس مجاہدین کو ایک کھلے میدان میں زندہ جلا دیا گیا۔ صومالی حکومت کی اس بہیمیت، درندگی، وحشیانہ اور بزدلانہ حرکت پر اسلامی دنیا میں احتجاج ہو رہا ہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ نے بھی اس پر نفرت ظاہر کی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت کو ہر جگہ ایسے مادر پدر آزاد نام نہاد مسلمان حکمرانوں کا سامنا ہے۔ جو کرسی اور مفاد کی خاطر نام تو اسلام کا رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ثقافتی، تعلیمی اور فکری لحاظ سے یورپ یا اشتراکی دنیا کے غلام ہوتے ہیں۔ تجدد اور ماڈرن ازم ان کی بیماری ہے۔ وہ ہر چیز کو مغرب کی دنیا پرست یا کمیونزم کی مادہ پرست نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کی اپنی مسلم شخصیت انفرادی تشخص مٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ حمیت دینی اور اخلاق انسانی اور غیرت ملی سے عاری ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر المیہ یہی ہے کہ دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمانوں کی اتنی بڑی طاقت پر ہر جگہ حکمرانی اور اقتدار اس چھوٹی سی اقلیت کو حاصل ہوتی ہے جو ذہن و فکر کے لحاظ سے قطعی غیر مسلم اور غیروں کا آلہ کار ہوتی ہے انقلاب یورپ کے بعد مسلمانوں پر یورپ مغربیت اور کمیونزم کا جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ وہ یہی کہ یک مختصر سا برسر اقتدار طبقہ جو نام کا مسلمان ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر صرف دنیا کے نہیں مسلمانوں کے دین و شریعت کا بھی فیصلہ کرنے لگتا ہے یہ متجددین، ماڈرن، لبرلسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ ذہن کے نام نہاد مسلمان عالم اسلام کے سب سے بڑی لعنت ہیں اور جب تک دنیا بھر کے مسلمان اس صورت حال سے نجات نہیں پائیں گے۔ صومالیہ جیسے شرمناک واقعات ہوتے رہیں گے۔ دین میں مداخلت بھی ہو گی اور قطعی مسلمات دین میں تحریف بھی، اور مسلمانوں کی بدترین پر مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں دینی، ثقافتی اور اخلاقی قدریں پامال ہوتی رہیں گی۔

فلموں کے ذریعہ دین سے تلاعب

پاکستان کے مرکزی شہر کراچی میں ڈان آف اسلام فلم کا اردو ترجمہ "فجرِ اسلام" سے دکھایا جا رہا ہے۔ جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہدِ رسالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور کچھ بزعمِ خویش "دانشور" اس کے مطابقِ اسلام ہونے کا فتویٰ بھی دے رہے ہیں۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا جنازہ اٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے ـــــ کہ اس طرح شرمناک جسارت کو ایک اسلامی ملک میں کس طرح گوارا کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کی غیرت اب اتنی سرد ہو چکی ہے کہ آقائے دوجہاں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس رفقاء صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؓ کی عصمت اور ناموس کی اس طرح کھلے بندوں تضحیک و توہین پر بھی انہیں جھنجھوڑنا پڑے گا۔ آج سے چند سال قبل انگریز کے عہدِ نامسعود میں صرف حج کے نام پر کوئی فلم جس غیور و جسور قوم کے افراد کو گوارا نہ ہو سکی۔ آج وہ قوم فحاشی اور بےحیائی کے ان فلمی پردوں پر "عہدِ رسالت" کے نقشے دیکھنے پر بھی خاموش ہے۔ جو حیا باختہ ننگِ شرافت نئی عورتوں اور مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اس فلم کے حامی کہہ رہے ہیں کہ کسی مقدس شخصیت کا سایہ تک بھی فلم میں نہیں آنے دیا گیا۔

مگر عہدِ رسالت کے وہ جان نثار صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے غلام و مولا کون تھے جو کفر اور باطل سے برسرِ پیکار رہے اور کفر کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھائیں۔ کیا عہدِ رسالت کو ہم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ سے الگ کر کے اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

فلمی دنیا تماش بینی اور تفریح کی دنیا ہے۔ اس کے بنانے والے نقال جھوٹے بہروپ سوانگ رچانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا حضور نبی کریم علیہ السلام کی ذاتِ پاک بھی اب بہروپیوں اور سوانگ بھرنے والوں کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہے گی۔ بیشک

اس سے بڑھ کر دین اور اقدارِ دین سے تلاعب اور تمسخر نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریمؐ اور صحابہ کرامؓ کو کھیل تماشہ بنانے والوں کے بارہ میں قرآن نے کہا تھا ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب قل ابالله وآياته ورسوله كنتم تستهزءون۔ کیا تم نے اب اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولؐ کو بھی کھیل تماشے کی چیز بنا لیا ہے؟

جس ذاتِ پاک کی عظمت و تقدیس کے ترانے قرآن نے گائے، جس ذاتِ قدسی صفات کی عظمت و ثنا خوانی کے زمزموں سے قرآن معمور ہے اور جس ذاتِ پاک نے اپنے رفقاء اور صحابہ کرامؓ کو نشانہ تضحیک و تمسخر بنانے والوں کو لعنت سے سخت وعیدیں سنائیں اور کہا کہ جس نے انہیں نشانہ (غرضاً) بنایا اور اذیت دی انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی، جس ذات کے اہل بیتؓ کی تطہیر اور تقدیس قرآن نے فرمائی آج وہی ذات اور وہی جماعت ہماری عیش پرست ذہنیتوں کے ہاتھوں فلمی پردوں کی زینت بنائی جا رہی ہے۔

محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام لیواؤ! [illegible] آج تم نے [illegible] تمام نام نہاد مسلمان اخباروں اور رسالوں کی [illegible] برداشت کر لی۔ جو کہ مسلمان نہیں بلکہ اُمت کے اجماعی عقیدہ کی بناء پر [illegible] مرتد اور واجب القتل ہیں۔ تو کیا کل [illegible] اور [illegible] حضرت [illegible] حضرت [illegible] نبی عربی آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ ابوبکرؓ، عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہم کے [illegible]

[illegible]

مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر رحیم و شفیق باپ حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کرام، اہل بیت کی تقدیس اس طرح پائمال ہونے پر وہ کیوں ٹس سے مس نہیں ہوتے ہیں۔

ہمیں موجودہ حکومت کے رویہ سے نہ صرف شکایت ہے بلکہ ہم شدید احتجاج بھی کرتے ہیں کہ جب قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے معتمد علماء نے اس مسئلہ کو اٹھانا چاہا تو حکومت کی طرف سے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ اسے ٹالا گیا اور اس فلم کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی تحریکِ التواء کا سوال زیرِ بحث آنے پر محترم وزیرِ قانون نے تو یہاں تک نمک پاشی کی کہ اگر خواہش ہو تو یہ فلم ارکانِ اسمبلی کو بھی دکھائی جائے گی اور اگر انہیں اعتراض ہوا تو تب اس بارہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔

کیا ایسی قطعی اور صریح غیر اسلامی باتوں پر بھی اسمبلی کی اکثریت سے استصواب کرایا جائے گا۔ یہ حالات اور قوم کی یہ بے حسی قیامتِ کبریٰ کی علامت تو ہے ہی مگر اس سے پہلے ہماری قومی زندگی کے لئے بھی بہت بڑی قیامت کی غمازی کرتی ہے۔ (جنوری ۱۹۷۳ء)

نبیٔ کریم کے نام پر فلم

ہالی وڈ کی فلمساز کمپنی اب لیبیا کے تعاون سے محمد عربی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر فلم بنا رہی ہے اور مسلمان بجا طور پر انسانی تاریخ کی اس سیاہ ترین شرمک سازش پر تڑپ اٹھے ہیں۔ اس لئے کہ یہ محسنِ انسانیت کے خلاف انسانیت دشمن کافروں کی ایک بین الاقوامی گٹھ جوڑ ہے۔ ہم اس سلسلہ میں مغرب کے بے حس حکمرانوں سے کیا، پریس اور بے غیرت عوام سے شکوہ کریں بھی تو کس بنیاد پر کہ جن کے ہاتھوں اپنے انبیاء اور مقدسین کی عظمت سرِ بازار تار تار کی جا رہی ہے۔ جو اخلاق و دیانت مذہب و انسانیت کی

ہر چھوٹی بڑی قدر کی پائمالی کے علمبردار بن چکے ہیں۔ لیکن حیرت تو لیبیا کے مردِ آہن کرنل قذافی پر ہے۔ اگر ان کا انقلابی ضمیر مر نہیں چکا اور اسلامی غیرت و حمیت ختم نہیں ہو گئی تو ہم اسے کم از کم اسلام کی روح اور مزاج سے ان کی بے خبری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

تبلیغ کے نام پر اسلام سے مذاق

لیبیا کے اس سادہ لوح قائد سے کون کہے کہ اسلام کے ہر شعبے کی طرح اس کی دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں۔ تبلیغ کے نام پر اسلام کو بازیچۂ اطفال نہیں بنایا جا سکتا نہ وہ تھیٹروں، فحاشی کے اڈوں، اور بینا بازاروں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہے۔ ان سادہ لوحوں کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ گویا اسلام کا درد اس وقت صرف امریکہ، اسرائیل، اٹلی اور بھارت کو کھائے جا رہا ہے جو اس فلم کی تکمیل میں پیش پیش ہیں۔ اگر ان حکومتوں کو اسلامی تبلیغ کا درد ہے تو اپنے گھروں سے اس کی ابتدا کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ فاحشہ یہودی اور عیسائی عورتوں اور کافر کنجروں کے ذریعہ صحابہؓ و صحابیات کا کردار پیش کرنا اس امت کے زوال اور اس پر خدا کے عذاب کی آخری اتمام حجت ہو گی۔ ہمیں توقع ہے کہ لیبیا کے صدرِ محترم اور دیگر اسلامی ممالک نہ صرف اسے اپنی ریاستوں میں رکوائیں گے بلکہ اپنے وسائل سے اس لعنت کی بھرپور مزاحمت بھی کریں گے۔ رہ گیا یورپ۔ تو مسلمان اگر غیرتِ ملی سے اجتماعی طور پر کوئی فائدہ اٹھا سکتے تو یورپ کو وہ سبق دیا جا سکتا کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ جہاں تک فلموں کے ذریعہ نبی کریم، ازواجات طیبہ، صحابہ کرامؓ کی سیرت اور مشاہیر اسلام کے کارناموں کی تشہیر کا تعلق ہے اجماعِ امت اسے قطعی ناجائز ٹھہراتی ہے۔ مکہ معظمہ کے رابطہ عالم اسلامی، مدینہ منورہ اور ازہر کے شیوخ، مصر کا مجمع البحوث اور دنیا بھر کی اسلامی تنظیمیں اپنے اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ میں اسے حرام قرار دے چکی ہیں۔ خود پاکستان کی وزارت امور مذہبی نے اسلامی احساسات سے ہم آہنگی کا اعلان کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم اپنی حکومت کی اس دو رنگی پالیسی پر حیرت کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طرف وہ لیبیا سے اس فلم کے بارہ میں احتجاج کر رہی ہے اور دوسری طرف اسی ہفتہ خود اسلام کے ایک

عظیم جرنیل طارقؓ بن زیاد پر فلم بنانے کے لئے لیبیا کے ساتھ معاہدہ کر چکی ہے۔ اسلام کے بارہ میں اس غیر یقینی دو رنگی پالیسی کا آخر انجام کیا نکلے گا۔ آج طارقؓ بن زیاد کی باری ہے تو کل ان کھلے ہاتھوں کو حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے بارہ میں کون روک سکے گا۔ ہم فلم "محمد الرسول اللہ" کے بارہ میں ایک طرف اپنی حکومت کے مذہبی ترجمان کے جذبات کی تائید کرتے ہیں تو دوسری طرف حضرت طارقؓ بن زیاد کے بارہ میں فلمی معاہدہ پر شدید احتجاج بھی کرتے ہیں۔

"فلم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد

نبی کریم علیہ السلام، صحابہ کرامؓ اور شعائر اسلام کے بارے میں دشمنان اسلام کی سازشوں سے فلموں کی [illegible] چل پڑی ہے۔ یہ بدعت عالم اسلام کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی نے اپنے اجلاس [illegible] میں متفقہ طور پر اس بات کو حرام قرار دیا ہے اور [illegible] کوششوں کو مقام و منصب نبوت کی توہین [illegible] قرار دیتے [illegible] کیا ہے [illegible] [illegible] اس کو [illegible] [illegible] [illegible] صحابہ کی زندگی کو [illegible] [illegible] خود [illegible]

لا تؤذونی فی اصحابی ومن آذاهم فقد آذانی ومن [illegible] آذى الله [illegible]

نیز ۔ والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ [illegible] ازواج مطہرات، اہل بیت [illegible] [illegible] میں ایسے تمام [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

باب ۳

عورتوں کے حقوق آزادی
اور
بے پردگی کا مسئلہ

عورتوں کے حقوق

آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ

یورپ کی غلامی میں آکر جب عالمِ اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مساواتِ مردوزن۔ تہذیبِ مغرب کا اہم فتنہ

اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادیٔ نسواں اور مساواتِ مردوزن ثابت ہوا، اسلام کے نظامِ ستر و حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقینِ یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپ کو معیارِ حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد مصلحین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانہ تضحیک بنایا۔ مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب اذہان نے مغرب کی لے میں لے ملائی کبھی تعددِ ازدواج کی ہنسی اڑائی گئی، پردے کو مشقِ تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابلِ رحم تصویر بنا دی گئی۔ برصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں۔

بے حجابی کا فروغ

قیامِ پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حجابی میں زبردست اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقامِ حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریبِ خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی رچانے جیسے

مطالبے بھی کیے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادیٔ نسواں اور حقوقِ نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیر اعظم بھٹو کی دعوتِ بے حجابی

مگر اس مسئلہ کا نقطۂ عروج وہ تھا جب پاکستان کے وزیر اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کے استقبالیہ میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہارِ خیال فرمایا اور یہاں تک ہی اس کانگریس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیر اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں۔ انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں سامنے آنا چاہیئے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہارِ خیال نہ تھا بلکہ ایک مسلم اور غیور و جسور قوم کو کھلی دعوت تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آر سی ڈی کے سیمینار میں صدرِ مملکت سمیت کئی اعیانِ سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور بیانات سامنے آرہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا اور رسولؐ کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ہمیں کچھ گذارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیرِ بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظامِ عصمت و عفت سے ہے تو ہر دردمند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کا حق ملنا چاہیئے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیئے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق

اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب اور عجم اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور

دینِ رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

ظہورِ اسلام سے قبل عورت کا مقام ظہورِ اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور ابتذال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک مبتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک نہیں سمجھی جاتی تھی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی کو بڑی بات سمجھے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات عورت کے بارے میں جاہل اقوام کے عجیب و غریب نظریات تھے۔ روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ محلِ نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، بلکہ کتے یا اونٹ کی طرح اس کے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح نہیں۔ اس بارے میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت و بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ بعض اقوام میں شودروں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح دینی عبادات کی بھی۔ کئی قبائل و اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا "سماجی حق" حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسرے لفظوں میں اس جاہل دور میں جسے جاہلیتِ اولیٰ اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے عورت کو محض ایک آلۂ عیش اور ذریعۂ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی بحیثیت مملوکات ایک وقعت اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفادِ عامہ کی ایک مخلوق اور تفریحِ طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فرض ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت

میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے۔ کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاط بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظِ عدل و انصاف اور بالحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں۔ اسے مقامِ انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ۔ حضورؐ نے فرمایا عورتیں مردوں کا جزو و نصف ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے۔ و لیس الذکر کالانثیٰ۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادت میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین، قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ فوزِ عظیم، جناتِ خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا: وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنٰت ... تا قولہٖ، ذلک ھو الفوز العظیم۔

دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حقِ ملکیت تسلیم کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات کا اختیار دیا گیا۔ اسے وصیت کرنے کا حق دیا، میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا: وللنساء نصیبٌ مما ترک الوالدٰن والاقربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے۔ دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات مارنا پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عصمت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے

والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذاب عظیم کی وعید ہے۔ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولہم عذاب عظیم — (الآیۃ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور اس سے الگ ہو سکتی ہے۔ شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا حد قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے، چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور مملوکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری فرقوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری حاصل ہے۔ وللرجال علیہن درجۃ — اور — الرجال قوامون علی النساء کا اس میں بھی عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے مقابلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریات زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی ذمہ دار بنایا ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو بہتر سے بہتر حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا وعاشروھن بالمعروف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارے میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکرم النساء الا کریمٌ ولا اہانہن الا لئیمٌ۔ عورتوں کی عزت و تکریم شرفاء کا اور ان کی

اہانت و تحقیر رذیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعددِ ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اب مرد استطاعتِ مالی کے باوجود بھی چاہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح طلاق میں بے تماشا اسراف اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور ابتذال کو روکنے کے لئے مرد پر طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو، اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر رجوع کی شکل میں اس مبغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقع بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی۔ اسلام نے نہ صرف عقدِ بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضورِ اقدس نے اپنے پہلے نکاح میں عملی نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو باہم مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے فسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور، نظام اور مذہب ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام اسی طرح عورت کی اس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچۂ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ خوشحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عمل و حرکات سے تھے یا نظریاتی یا تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ، ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة فی زاویة خدرها مخدرة، فاذا خرجت استشرفها الشیطان ۔ "بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنسا دوں گا"

مردوں کو انہیں بری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غض بصر کا حکم دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: زنا العین النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزادیٔ نسواں تبرج جاہلیت کا دوسرا نام | مگر آج وہ بے دو آزادیٔ نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اسی مقدس اور محترم صنف نازک کو دوبارہ اسی جاہلیت اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعی مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت آب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر بازار [illegible] عام بن جائے۔ رونق خانہ بننے کی بجائے شمع محفل ہو، آرٹ و صنائع اور تجارتی مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ [illegible] پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، جلوسوں، [illegible] رقص و سرود کی محفلوں، کارخانوں، [illegible] تھیٹروں اور سینماؤں، [illegible] میں اور ریاست کا [illegible] ہوائی [illegible] مردوں کی زینت [illegible] بن جائے اور یہی وہ [illegible] تبرج جاہلیت [illegible] جاہلیت [illegible] ہے [illegible] کرنا چاہتی ہے۔

آزادیٔ [illegible] | [illegible]

[illegible]

سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیتِ اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالا میں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظامِ عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دواعی اور اسبابِ فحش کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دوائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصالح، علل و بواعث اور جبلی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاستِ مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیبِ اخلاق ممکن ہے نہ تدبیرِ منزل کارگر ہو سکتی ہے اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالقِ حکیم خداوند کریم اور بنی نوعِ انسان کے رحمتِ مجسم نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جویائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا منشاء کیا ہے؟

پردہ کے احکام

ارشادِ ربانی ہے:-

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن	اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلی
تبرج الجاہلیۃ الاولیٰ۔	جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک
	کر دو۔

چلنے پھرنے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا۔

ولیضربن بخمرہن علی جیوبہن	اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل ڈالیں۔

دوسری جگہ ازواج مطہرات، بناتِ اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

يدنين عليهن من جلابيبهن	وہ لمبی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

جلباب: مفسرین نے جلباب کی تفسیر میں لکھا ہے:

هو الملاءة فوق الخمار۔ جلباب دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: تغطي ثغرة نحرها بجلبابها تدنيه عليها۔ وہ اپنے سینہ کے اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی یستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے یہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصار کی عورتوں پر خدا رحم کرے۔ انہوں نے حکمِ حجاب سنا تو بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا — شققن مروطهن فاختمرن منها۔ اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر نکلنا پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ۔ فقد كن يحججن ويطفن وهن مستترات الابدان حضورؐ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقع پر جسم کی تمام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکیدی حکم دیا گیا۔ فرمایا:

قل للمؤمنات يغضضن من	مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں
ابصارهن ويحفظن فروجهن	شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنے
ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر	بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ
منها۔ (النور)	مجبوری اور بلا قصد خود نمایاں ہو

جائے۔ اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

بیتِ نبی: واذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے پردے کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر مجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہوگی اور ضرورت بھی پڑے تب

معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا۔

حامیانِ بے پردگی کی مغالطہ انگیزی | اس آیتِ حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کے لئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء اِلّا ما ظہر منہا کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں۔ ایسی روایات کو مخالفینِ پردہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے۔ حالانکہ یہ نادانی ہے یا جان بوجھ کر دجل و تلبیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت، دوسرا ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ کسی کے سامنے نہیں کھول سکتا۔ اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر وہ حصہ اتنا نہیں بلکہ اس سے زیادہ ہے [illegible] رکھنا [illegible] کسی کے سامنے [illegible] خواہ اس کا باپ یا بھائی [illegible] اپنے گھر میں [illegible] سے جو چھپائے رکھے [illegible] بیٹے اور [illegible] سے بھی [illegible] [illegible] [illegible] اسی طرح [illegible]

مردوں سے بھی حصۂ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی۔ یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے پردہ کہ صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا جسم چھپانا ضروری ہے۔ حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر میں ہوتے تو پھر وہ کھلتے ہی نہیں، حجاب کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناءِ جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات میں نوعیت کے متعلق بھی ذکر آتا ہے، جیسے ہمارے ہاں عرفِ عام میں پردہ کہا جاتا ہے [1]

بات چیت میں احتیاطی تدبیر اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پسِ پردہ بھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آ ہی جائے تو ہدایت کی گئی کہ رسیلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ خشکی کا اظہار کرتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے۔ تاکہ کسی بدنیت اور ضعیف الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آ جائے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفا۔ (الآیۃ)

ناگزیر حالات میں باہر نکلنے کی اجازت واویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح گھر میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے۔ حالانکہ آیاتِ قرآنی اور روایاتِ ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عیادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

---

[1] مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید رضا مصریؒ اور قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی تحریرات متعلق مضامین کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جا سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آ ہی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ فرض حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت عمدہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان [illegible] کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر ننگے پاؤں ننگے جسم کے ساتھ [illegible] بھیک مانگتے ہوئے [illegible] اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

[illegible]

[illegible]

عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں جس کی طرف "متلفعات بمروطهن" میں بھی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صف سب سے آخر میں ہو، کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں۔ اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہا و آئمہ نے تو جماعت میں مردوں کے محاذات کو مفسد نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی لگا دی گئیں۔

ام حمید ساعدیہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے صحن میں ادا کرو۔ اور گھر کے صحن میں نماز پڑھنا مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ [illegible] اس نماز کی یہ فضیلت [illegible] مسجد کی نماز [illegible] کی ایک نماز دیگر مساجد کی [illegible] فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز [illegible] [illegible] ان کے [illegible] ہیں۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے۔ ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔ فہی کذا وکذا۔

باہر نکلنے کے دوران یہ تنبیہ بھی لگائی گئی ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بجنے والا زیور پہنے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زیور کا علم ہو سکے یا اس کے بجنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولا یضربن بارجلھن۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں لڑکیوں کو مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حرم میں جانے سے روکا کہ وہ مرد وزن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے اور ایسی تمدنی معاشرت اور تہذیب صاحبِ شریعت کو گوارا نہ تھی عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف حدود نہیں بلکہ زیادہ تر شعوری تحدیدات اسی طرح عورت کی ایسے مناصب و اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط و دوبدو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی ناگزیر ہے۔ حکومت و ریاست و ولایتِ عامہ قضاء اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ حد بندیاں صرف تمدنی، معاشرتی عمل اور عمومی حد تک نہیں بلکہ عبادات و تصورات تک میں حد بندیوں کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضو سے گزر کر عورت تک نہ پہنچ جائے اور جو تمام تطہیرِ ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجبِ آثام نہ بننے پائے۔ جنازے میں امام عورت کے سینے کے قدرے بیچ کھڑا ہو کہ اگر اس پر نظر پڑے تو چہرہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصور ناموس مراکز کی طرف منتقل نہ ہونے پائے۔ نماز جماعت مقتدیوں کے اقتداء کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی [illegible] کی نیت نہ کرے تاکہ نماز تصوراتِ بد کا ذریعہ اور ناجائز حظِ نفس کا موجب

نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا ”مساواتی دور“ میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور جبلی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائشِ زینت اور ذریعۂ فواحش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آ جا سکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزار ہا خطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار تو اصل معاشرتی اور جبلی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں فیکٹری اور کانوں میں پسینہ سے شرابور رہتا نظر آتا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امورِ خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے۔ وہ گھر کی ملکہ، رونقِ خانہ اور نورِ منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر ناجائز جذبات ترحم ابھار کر اسے باہر کی ناقابلِ برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خارزار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سر منڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں، بازاروں اور نائٹ کلبوں میں اپنے لئے ذریعۂ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پردے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال :

نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے

اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشۂ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم، پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور سارے شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسنے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو اپنی اختیار و رغبت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پردہ نہیں بے پردگی خرابیٔ صحت کی باعث ہے

پھر عورتوں کی خرابیٔ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابیٔ صحت کی شرح میں اضافے کے اسباب وہی ہیں جو صرف عورتوں کے نہیں مردوں، بوڑھوں، بچوں اور بچیوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے اکثریت استحصال کنندگان کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی و گرمی سے بچنے کے لئے مناسب لباس، پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے، چاہیئے یہ کہ خرابیٔ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں [illegible] ہم وطنوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا خرابیٔ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آئیے ان غلیظ اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ بقول اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے آئے دن کے ہزاروں نوع بنوع جنسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور

اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاطِ حمل اور متعلقاتِ حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس پر ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

نظر بازی ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف اسی کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے غم اور بیماری کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ وہ جدھر سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے۔ ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کام کرنے والوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھر کے نظام کو بگاڑتی ہے۔ ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان، جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی الجھنیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے بگاڑ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری، جنسی اور اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا اس پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے اور پردہ دار حالات بہرحال تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم قطعی طور پر یورپ کی [illegible] ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا تاکہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجنیئر یا مزدور بنائے۔ اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفاشعار، مہذب اور باحیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا و رسولؐ، شوہر اور خاندان کے

حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اوّلین تربیت گاہ ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ ہاسٹلوں میں گوہر حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحتِ جسمانی و روحانی اور حسنِ سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیمِ نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہورِ اسلام کے بعد حجاب اور عفت وعصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہو گئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم وفنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دُنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجباتِ فحشاء کے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم وفضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیاء عہدِ جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم وفنون اور تعلیم اخلاق وتربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہدِ جاہلیت نے پیش کیا، علم حیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عظمت وحرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم ورواج کی پیداوار۔ اسلام عصمت وعفت کا محافظ ہے وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہو گی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا عصمت وعفت کے پہرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہو گی۔

ماڈرن بننے کے شوقین پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قعرِ مذلت میں پہنچ چکا ہے —— پھر انہیں عالمِ اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیئے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلیدِ یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (مئی ۱۹۷۰ء)

جمہوریت اور سیاست کی دیوی کو

عصمت و غیرت کا نذرانہ

جمہوریت کے قیام اور جبر و استبداد کے خلاف اٹھی ہوئی جارحانہ تحریک کتنی ہی قابلِ تعریف کیوں نہ ہو مگر اس ضمن میں توڑ پھوڑ، اپنوں پر دست درازی، قومی سرمایہ کا ضیاع، ہلڑ بازی اور نہ جانے کیا کیا چیزیں سامنے آئیں جس نے ہمارے روبہ انحطاط معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر سامنے رکھ دی ہے۔ اصول و اخلاق کے دائرہ سے نکل کر بُروں کے ساتھ اچھوں کو بھی مشقِ ستم بنانا کسی باوقار قوم کا شیوہ نہیں، خواہ اس کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے۔ اس ضمن میں ہماری مسلمان خواتین نے بھی کوئی اچھی مثال نہیں قائم کی۔ جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں نامحرم مردوں کے سامنے سڑکوں پر گشت کرنا، اچھلنا کودنا اور عام مجمعوں میں تقریریں کرنا، پھر اخبارات میں اس کے فوٹو چھپوانا کسی لحاظ سے بھی قابلِ تحسین چیز نہیں ہو سکتی۔ سیاسی جدوجہد اور حقوق کی بحالی کے کام سے مردوں ہی کو نمٹنا چاہیئے تھا۔ سیاست کی دیوی پر قومی روایات، ملی احساسات، عصمت و عفت اور غیرت و حمیت جیسی صفات کو نثار کر دینا صحت مند معاشرہ اور اخلاقی و دینی لحاظ سے کسی بہتر مستقبل کی نشاندہی نہیں کر رہا۔

سیاسی سٹیج پر عورتوں کی جلوہ طرازی ہم برائی کا راستہ بند کرنا چاہتے ہیں، مگر دوسری طرف سے بیشمار برائیوں کے بند کھول کر۔ حالانکہ برائی کو ہر لحاظ سے اور ہر حیثیت سے برائی سمجھا جانا چاہیئے۔ اسلام نے بعض انتہائی استثنائی حالات کو چھوڑ کر عورت کو رونقِ خانہ

بنا دیا ہے، وہ اسے کسی حالت میں شمع محفل بننے کی اجازت نہیں دیتا، مگر افسوس کہ حالیہ زلزلے نے مالی اور جانی نقصان کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سے قیمتی اور عزیز معنوی اقدار اور نظریاتی سرحدات میں بھی شگاف ڈال دیئے ہیں۔ ہمیں اس ضمن میں پورے ملک بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقہ کے بعض سیاسی زعماء اور جماعتوں سے خاص طور پر شکوہ ہے جنہوں نے ہوا کے رخ پر چل کر پٹھان جیسی غیور و جسور قوم کی خواتین کو بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ طرازی کا موقع دیا جس سے ہماری اسلامی اور علاقائی روایات غیرت و حمیت خاص طور سے مجروح ہوئیں پختون قوم کی تاریخ پر یہ ایک شرمناک داغ ایسے ہاتھوں سے لگایا گیا ہے۔ جو اس قوم کی خوددار روایات کو محفوظ رکھنے کے نعروں میں پیش پیش ہیں۔

عورتوں کے جلوس

کسی پارٹی کی ناجائز مخالفت کرنا ہمارا شیوہ نہیں مگر ہمیں اس پر سخت حیرانی ہے ایسے کسی قول و عمل پر سکوت کیا جانا جو نہ صرف شریعت بلکہ ہر مسلمان کے دینی و ملی مزاج یا کتاب و سنت کے اصول سے متصادم ہو۔ اس وقت پیپلز پارٹی کے زیر اہتمام مظاہرے نکلے ہیں جن کی تصویریں ہمارے سامنے ہیں جن میں عورتوں کے جم غفیر کو پنڈی اور پشاور کے بازاروں سے گزرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ جلوس مردوں کا نہیں بلکہ عورتوں کا ہے مسلمان پختون جیسی غیور اور جسور قوم کے سرکردہ خاندانوں کی خواتین کا ہے جو قومی و ملی روایات پردہ نشینی کا آبگینہ توڑ کے سر بازار بے پردہ ہو کر گزرتا جا رہا ہے۔ سیاسی شعور اور جذبہ حریت قابل ستائش ہے مگر ہر عمل کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ اور ابھی اس قوم پر ایسی افتاد نہیں آئی جس کی خاطر یا مردوں کی طرح میدان جنگ یا کسی میدان سیاست میں کود پڑیں۔ مسلمان عورت مجسمہ عفت ہوتی ہے اس کی آبرو اور عصمت اس کی پوری زندگی کا سرمایہ عصمت ہوتی ہے جب ایسی قوم جس نے ان روایات کو اب تک اور بھی چار چاند لگا دیئے ہوں ان کے ہاتھوں عورت کا مردوں کے شانہ بشانہ دوڑنے جیسے

ہونے دینا اور سٹیج پر داد خطابت دینا نہایت افسوسناک اور شرمناک بات ہے۔ ہم نیشنل ہارس کے محترم منتظمین سے خالص دینی و قومی بلکہ اخلاقی روایات کا بھی واسطہ دے کر اپیل کرتے ہیں کہ وہ آئندہ اس معاملہ میں محتاط رہیں ورنہ فتنہ کا دروازہ جب چوپٹ کھل جائے گا تو ہمیں خود اپنے ہاتھوں اپنا سر پیٹنا پڑے گا۔ مگر تلافی کا وقت نکل چکا ہوگا۔ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

تقلید پسند خواتین

شاہ فیصل کا مومنانہ فیصلہ

ریاض کے حوالے سے یہ اطلاع آئی ہے کہ سعودی عرب کے شاہ فیصل نے اپنے ملک میں ملکی و غیر ملکی عورتوں کو نیم برہنہ لباس پہن کر بازاروں میں گھومنے پھرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ کیونکہ اس سے اسلامی معاشرہ کی توہین ہوتی ہے اور مغرب زدگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ہم اس مبارک فیصلہ پر شاہ فیصل کو مبارکباد دیتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ خدا انہیں اس فیصلہ کو نافذ کرنے کی توفیق دے۔ یورپی تہذیب اور تمدن جو سراسر تباہی ہے، ہر اسلامی ملک کے لئے خطرناک ہو گیا ہے۔ بالخصوص سعودی عرب تو حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کا دل ہے اور وہاں کی فاسد ذہنی سرایت سے ہر مسلمان کا پریشان اور متاثر ہونا لازمی ہے۔ ہمیں شاہ کے اس مومنانہ فیصلہ سے بے حد مسرت ہے۔ اور ہماری دعا ہے کہ خدا انہیں مرکز اسلام کو ہر قسم کی بے دینی و گمراہی سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

افغانستان مغربیت کی زد میں

دیگر اسلامی ممالک کی طرح افغانستان بھی خارجی اثرات کی وجہ سے بے حیائی، بے پردگی اور آزاد خیالی کی لپیٹ میں ہے۔ شہروں سے تو برابر بے پردگی پھیلانے کی خبریں آ رہی ہیں۔ اور

اب غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ وہاں کے علماء کرام اپنی اپنی مسئولیت اور جذبۂ اعلاءِ حق و ازالۂ منکر کی بناء پر اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور بہت سے اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق ظلم و ستم کا نشانہ بھی بن رہے ہیں۔ بھلائی اور برائی کی آویزش ہماری تاریخ کا ایک مسلسل اور مربوط باب ہے، مگر افسوس کہ کچھ تو وہاں کے شخصی نظام مملکت کی گرفت اور کچھ علماء کی سرد مہری اور سیاسی شعور اور احساس فریضہ کی کمی کی وجہ سے اب تک منکرات کا اتنا مقابلہ نہیں ہو سکا جتنا چاہیئے تھا۔ ورنہ اس ملک میں بے حیائی کی ترویج اور روسی اثر و نفوذ کی نوبت یہاں تک نہ پہنچتی جہاں ایک تصویر ہی امان اللہ خان جیسے مقبول بادشاہ کی معزولی کا سبب بنی۔

آج افغانستان کی نوجوان پود ایک طرف مغرب کی سحر طرازیوں اور مادیت کی زد میں ہے، دوسری طرف روسی دہریت و الحاد کا عفریت اسے ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے یہاں علماء کرام کو منظم اور بھرپور جد و جہد کی ضرورت ہے۔ وہاں ملک کے برسر اقتدار باوقار اور معزز گھرانے کو اپنے دیندار، غیرتمند اور حساس مسلمانوں کی دینی تمدنی روایات اور سنہری تہذیب کو بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ ترقی کے نام سے جو راستہ مسلمان ممالک اور اقوام اپنا رہے ہیں اس کا انجام بہر حال تباہی اور بربادی ہے، جو ملک و قوم کے حق میں بہتر ہے نہ حکمران خاندان کے حق میں۔

عالم اسلام کی تین تصویریں

عالم اسلام کی دینی حالت کیا ہے؟ اس کا اندازہ دنیا بھر کے اکثر حکمران مسلمانوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ سربراہ قوم کی مجموعی حالت کی تصویر ہوتا ہے۔ اس تصویر کے چوکھٹے میں دیکھئے تو کیسے کیسے داغ دھبے نمایاں نظر آئیں گے۔ میرے سامنے آٹھ نومبر ۱۹۷۵ء کی جنگ اخبار ہے۔ ایک تصویر میں امریکی صدر کی رہائش گاہ وہائٹ ہاؤس واشنگٹن میں آپ ایک مسلمان [illegible] کو رقص کرتے دیکھیں گے۔ رقص کس کے ساتھ؟ کسی مسلمان کے ساتھ؟ نہیں بلکہ عالم اسلام کے

سب سے بڑے دشمن اور سامراجیت کے علمبردار ملک امریکہ کے سربراہ صدر فورڈ کے ساتھ کوئی مسلم خاتون بھی نہیں، غیور و جسور عربوں کے اہم ترین ملک مصر کے صدر سادات کی بیوی جہان، مصر کی خاتون اول اور صدر فورڈ کی باہوں میں منہ سے منہ ملائے ہوئے محو رقص ہے انا للہ وانا الیہ راجعون بے حمیتی اور بے غیرتی پر قضا بھی سر پیٹ لیں تو کم ہے، مگر ٹھہریئے دوسرے گوشہ پر بھی نظر ڈالئے۔ خود مصر کے صدر سادات صدر فورڈ کی بیوی کو بھی نہیں بلکہ امریکہ کی ایک مغنیہ پرل بیلی سے ہم آغوش ہو کر ایک عرب خاتون اپنی بیوی کا بدلہ چکا رہے ہیں۔ یہ حالت عالم عرب کے سب سے فعال اور اہم ترین ملک مصر کی ہے جس کے سینہ پر صدر فورڈ کی قوم نے اسرائیل کا خنجر جھونک دیا ہے، اور اب لبنان کی شکل میں دوسری ضرب کاری لگا سکتا ہے۔

پھر یہ حالت صرف عربوں کی تو نہیں، پچھلے سال ہمارے ملک کے قائد عوام بھی تو امریکہ گئے تھے اور یہاں کی خاتون اول بھی ساتھ تھیں۔ یہی کچھ انہیں بھی کرنا پڑا۔ برطانیہ کے ایک پاکستانی اخبار جنگ نے ۲۰ فروری جلد ۴ شمارہ ۲۰۷۸ میں اس تقریب کے فوٹو شائع کیے گئے جس میں ضیافت کی تقریب میں صدر فورڈ کو بیگم نصرت بھٹو سے رقص کرتے دکھایا گیا۔ یہ تصویر ہمارے ملک میں بھی آئی تھی مگر یہاں اس کی اشاعت روک دی گئی۔ بیرون ملک مسلمان پاکستانیوں کی نگاہیں یہ تصویر دیکھ کر شرم سے نیچی ہو گئیں۔ اس اخبار کے تراشے یہاں آئے گویا مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور تہذیب یورپ کے ہاتھوں عالم اسلام، کیا عرب اور کیا عجم، اپنا جنازہ نکال چکا ہے۔ قوم کے زوال کی تصویر یہی ہوتے ہیں اور زوال کے خوش کن لمحوں کو اپنانے والی اوپری قوم ہوتی ہے۔ جب دین اور اخلاق کے ساتھ غیرت و حمیت، شرافت حسب و نسب اور اقدار انسانیت کا بھی خاتمہ ہو جائے تو دنیا پھر کس کس کا ماتم کیا جائے۔

ان تصویروں کے ساتھ ہی اب تصویر کا دوسرا رخ دکھانے والی ایک تصویر بھی ملاحظہ کیجئے جو ۱۲ اکتوبر کے جنگ کراچی میں نمایاں طور پر شائع ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم شہزادہ فہد برطانیہ گئے تو ایئرپورٹ پر برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم ولسن تمام مغربی آداب کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف خود ان کے استقبال کے لئے آئے بلکہ ان کے سامنے جھک جھک کر کورنش

بجا لائے ۔ یہ تعظیم فہد یا کسی مسلمان اور پھر کسی عرب کی نہیں تھی، بلکہ اس لیے کہ مادہ پرست بد طینت اور خود غرض انگریز کو شاہ فہد سے تیل کی بھیک مانگنی تھی اور سعودی عرب اس دولت سے، سونے سے اور زر مبادلہ سے مالا مال تھا۔ پہلی تصویریں مسلمانوں کی بے حمیتی اور ذلت کی منہ بولتی تصویریں ہیں تو یہ تصویر قدرت کی طرف سے مسلمانوں کو خاص طور پر نوازے کا شاہد عدل ہے۔ وہ ذلت ہے تو یہ عزت، وہ بے غیرتی ہے تو یہ وقار و عظمت۔ مسلمانوں نے قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی نہ کی مگر استعمار و استبداد کے علمبردار اسلام دشمن یورپ کو جب پیغام حجازی کے سامنے جھکنا نصیب نہ ہو سکا تو اسی خدائے حجاز و تہامہ نے ان صلیبیوں کو حجاز کی فانی دولت تیل اور سونے کے سامنے جھکا دیا کہ جھکنا تو حجاز کے سامنے ان کے مقدر میں تھا، گر وہ خود حجازی پیغام پر جھک گئے۔ وہ اوج ثریا پہ جا بیٹھے اور جنہوں نے انکار کیا وہ حجازی مال و متاع اور مادی و فانی چیزوں کے سامنے کورنش بجا لاتے ہیں کہ مادہ پرستوں کو مبلغ علم اور معدہ پرستوں کا منتہائے پرواز یہی چیز دنیا ہے۔

عائلی قوانین

[illegible] نام نہاد عائلی قوانین کا [illegible] وہ بدترین جسارت ہے جو اب تک ملت مسلمہ پاکستانیہ نے [illegible] کیونکہ [illegible] سب کے [illegible] اسلامی [illegible] کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ اس کی تجویز اور تنفیذ سے لے کر اب تک علمائے حق اور جمہور مسلمانوں نے متفق ہو کر اس پر احتجاج کیا۔ اس کے غیر شرعی اور غیر اسلامی ہونے پر علمی اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وغیرہ میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو قرآن و سنت اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے فقہی نظام سے متصادم نہ ہو جس کی بنا پر نئی حکومت کی معتدلانہ پالیسی اور عوام کے دینی جذبات کی رعایت کے پیش نظر مسلمانوں کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ صدر یحییٰ خان کی حکومت ان قوانین کو پیش رو حکومت کی طرح نام نہاد تحقیقی کمیٹیوں کے سپرد کر کے ٹالتے رہنے کی بجائے انہیں یک لخت منسوخ کرنے کا فرمان جاری کر دے گی مگر افسوس کہ اس بارہ میں مایوسی کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ حال ہی میں ان قوانین پر غور و فکر اور ترمیم کے لئے جس ایڈوائزری کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے اس سے ان خدشات کو اور بھی سہارا مل جاتا ہے کہ نئی حکومت ان قوانین کے بارہ میں یا تو عوامی احساسات سے آگاہ نہیں یا پھر وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اسے ٹالنا چاہتی ہے۔ تاہم اگر ایڈوائزری کونسل اب بھی ان قوانین کے بارہ میں صاف دل ہو کر ملک بھر کے تمام علماء اور جماعۃ المسلمین کے مسلسل اور ہمہ گیر احتجاج، اختلافی نوٹس اور متبادل تجویز کو سامنے رکھ کر ان قوانین پر غور کرے تو وہ بہت جلد اس کی تنسیخ کے دانشمندانہ فیصلہ تک پہنچ سکتی ہے۔ فیملی لاز پر مسلمانوں کا جو ردعمل اب تک ظاہر ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ایڈوائزری کونسل کو وہ پورا ریکارڈ مہیا کر کے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اسلام نے عائلی اور ازدواجی زندگی کے لئے جو عادلانہ اور منصفانہ اصول مقرر کئے ہیں۔ اگر انہیں صحیح شکل میں نافذ کر دیا جائے تو عائلی مسائل اور مرد و عورت کی باہمی زندگی کی تمام پیچیدگیاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں مگر اس کا مرحلہ تو فیملی لاز کی تنسیخ کے بعد کا ہے۔ عائلی قوانین پر غور کرنے والی [illegible] یہ کہ موجودہ عائلی قوانین کی موجودہ حیثیت [illegible]

[illegible]

خاموش تھے۔؟ بیگم صاحبہ عمر کے آخری دور میں ہیں مگر طور طریقے جوانوں کے سے دکھا رہی ہیں کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ پاکستانی خواتین کے حقوق کے نام پر وہ ان کی عفت اور عظمتوں کا جنازہ نکال رہی ہیں اور دوسری طرف وہ آخر دم تک اپنے قابل احترام شوہر نامدار کی نیک نامی پر بھی چھینٹے ڈالتی رہی ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں محترمہ بیگم آغا محمد یحییٰ صاحب (جنہیں چند ماہ قبل دارالعلوم حقانیہ آمد کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے عائلی قوانین کے غیر فطری اور غیر اسلامی ہونے پر تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر وہ ایسے امور میں بہترین اسلامی کردار ادا کر سکیں تو انہیں تاریخ میں زبیدہ مرحومہ بیگم ہارون الرشیدؒ جیسا مقام حاصل ہو سکتا ہے) سے بھی گزارش کرنی ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں اپنے سلجھے ہوئے ذہن، پاکیزہ احساسات، اور اہم حیثیت سے کام لے کر اس دینی فریضہ سے عہدہ برآ ہونا چاہیئے اور عورتوں کے حقوق کے نام پر "اپوا" کے نام سے جن غیر شرعی اور اخلاقی حرکات کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس کا سدباب کرنا چاہیئے۔ وہ اور ان جیسی چند ذمہ دار خواتین اگر چاہیں تو اپنی مساعی سے خواتین کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے حقوق اور صحیح مقام دلوا سکتی ہیں اور عورت کا صحیح مقام یہی ہے کہ وہ شمع محفل نہ ہو رونق خانہ ہو، متاع عیش و نشاط نہ ہو عفت اور عصمت کا آبگینہ ہو۔ بندگان ہوا و ہوس کے گلے کا طوق نہ ہو۔ ماں، بہن اور بیوی کی شکل میں مرد کی عظمتوں کا تاج ہو۔ ان گذارشات کے ساتھ ہم ایک بار پھر موجودہ حکومت سے مخلصانہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ موجودہ عائلی قوانین کا معاملہ مشاورتی کونسلوں اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی متوقع اسمبلیوں پر نہ چھوڑے بلکہ مردانہ [illegible] اٹھا کر انہیں یک لخت منسوخ کر دے۔

تعدد ازدواج کی افادیت کا اعتراف

ایک دقیق اور سنجیدہ کتاب "علم جدید کا چیلنج" سے ایک اقتباس (صفحہ [illegible]) تعدد ازدواج پر پابندی لگانے والوں کی خدمت میں بلا تبصرہ پیش ہے۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کو نئی تہذیب جدید نے بڑے زور و شور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے۔ مگر تجربے نے ظاہر کر دیا ہے کہ

اسلام کے اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہیں۔ یک زوجیت اور تعدد ازدواج کے قانون کو ختم کرنے کا عمل درحقیقت غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مختلف ممالک کے اعداد و شمار کا تجزیہ کیا گیا۔ اس میں علاوہ شوہر کے مزید بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ کہ بچے اندر سے کم اور باہر سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیچر کا فیصلہ ہے کہ مطابق ان بچوں میں لڑکی بچوں کا تناسب سو فیصدی ہے اور بعض ملک ایسے ہیں جہاں پچاس فیصدی سے زیادہ بچے ناجائز ہوتے ہیں۔ امریکہ میں اس قسم کے بچوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نیچرل صورت حال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں ناجائز بچوں کی پیدائش کا تناسب کم ہے۔ چنانچہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصدی سے بھی کم ہے جبکہ تمام مسلم ملکوں میں شاید سب سے زیادہ بگڑا ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلم ملک جدید کی اس عام روایت سے محفوظ کیوں ہیں۔ اس کا جواب جو رپورٹ مرتب کرنے والے ماہرین نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ مسلم ملکوں میں تعدد ازدواج (POLY GAMY) کا رواج ہے۔ اس لئے وہاں ناجائز اولاد کی تعداد بالکل کم ہے۔ تعدد ازدواج کے اصول نے مسلمانوں کو وقت کے اس طوفان سے بچا لیا ہے (MOVE OUT ……) الجمعیۃ دہلی ۔ ۳ اگست ۱۹۷۰

مسلمانوں کا پرسنل لاء اور سیکولر اسٹیٹ

جب تک مسلمان اپنے معاشرتی اور عائلی قوانین مثلاً نکاح، تعدد ازدواج وغیرہ میں حکومت کی دست اندازی کو اپنے پرسنل لاء میں مداخلت قرار دیتے ہیں ——— اور یہ کہ ایسا کرنا شریعت کے خلاف اسلام کی تردید ہے ——— دنیا کے کروڑوں مسلمان اس حقیقت کی تائید کریں گے کہ یہ محض سیاسی یا انتظامی قانون کا معاملہ نہیں بلکہ اس پرسنل لاء کا سوال ہے

جسے آسمانی وحی، پیغمبرِ اسلام اور اجماعِ امت کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی دخل اندازی خواہ کسی نام نہاد سیکولر اسٹیٹ کی طرف سے ہو یا کسی بھی اسلامی ریاست کی طرف سے ہو دین میں مداخلت صریح ظلم قرار پائے گی۔ بھارتی حکومت کو اس مسئلہ میں مٹھی بھر روشن خیال مسلمانوں کی تقلید کرنے کی بجائے دنیا بھر کے کروڑوں راسخ الایمان مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بھارتی مسلمانوں کی ذمہ داری اور آزمائش کا بھی عجیب حال ہے انہیں اپنے دین اور معاشرت کی حفاظت خود ہی کرنا پڑے گی۔ وہ بے چارے نظر اٹھائیں بھی تو کس طرف؟ کہ جن ہاتھوں میں آج اسلامی ممالک کی زمام اقتدار ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن، تجدد اور اباحیت کے حمام میں وہ پہلے سے ننگے ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں بھارتی حکومت کی اس دھاندلی یا صریح ظلم اور مداخلت فی الدین پر کوئی آواز اٹھے بھی تو کہاں سے؟ بھارتی حکومت کے اس تعزیریہ جواب کے سننے کی سکت کس میں ہو گی کہ یعنی اٹھ کر کوڑے کو اس کے سوا غم کھائے ہماری دعا ہے کہ اس نازک مرحلہ میں بھارتی مسلمانوں کو استقامت اور کامیابی نصیب ہو۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام کو اپنے بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے اور وہ مانوس ــــ اور ان کے بس میں سوائے دعا کے اور رہ کیا گیا ہے ؎

ولو ان قومی انطقتنی رماحهم   نطقت ولکن الرماح اجرت

باب ۴

خاندانی منصوبہ بندی

اسباب و نتائج، اخلاقی شرعی اور سیاسی نقصانات

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

[illegible]

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و اثرات کے علاوہ ایک ایسا پہلو بھی ہے جو ہمارے مسلم معاشرہ کے تمدنی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی کم اہم نہیں کہا جا سکتا۔ موجودہ جنگی حالات میں جو بھارت جیسے عیار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی طاقت پر ہے ایسی سکیموں کو زیر عمل لانا ہماری قومی خودکشی کے مترادف ہے جس سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے بھی اس لعنت کا تلخ تجربہ کیا اور انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا گویا اس زوال پذیر تہذیب پر چھا گئی [illegible] کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاقی اثرات سے دوچار کیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہو گیا کہ قلت آبادی کے جو مسائل اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از زوال ایسا ہر ایک قوم نے [illegible] کے داخل ہونے سے اسے اپنے ملک کے زوال کی بنیادی سبب قرار دیا۔ بڑھانے کے لیے [illegible] شرح پیدائش کے [illegible] سے [illegible] علی الخصوص یورپ کی دیگر اقوام بالخصوص فرانس، جرمنی اور اٹلی نے ضبط ولادت اور تحدید نسل کے تمام آلات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے قابل لحاظ [illegible] کی [illegible] کی امداد کر دی ہیں۔ چنانچہ [illegible] بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یورپ، روس، امریکہ اور ایشیا کی تمام اقوام کی سب [illegible] یہ حقیقت تسلیم ہو چکی کہ اس [illegible] کسی ملک کے استحکام [illegible] کے اسباب میں کثرت آبادی کا بڑا دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم میں [illegible] میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنا دیا۔ آج ہمارے [illegible]

اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین تو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق و برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اقتدار کی ضرورت | مغربی ممالک اپنی گھٹتی آبادی کے مسائل کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے مشرقی اور مسلم ممالک کی شرح تناسب آبادی کو روکا جائے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک چلا کر انہیں اپنی موت آپ مرنے دیا جائے۔ ادھر ہماری غریب قوم کا یہ عالم ہے کہ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان حالات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی ہی نہیں رہا بلکہ موجودہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی طور سے ایک نازک مسئلہ بنا دیا ہے جبکہ پاکستان جغرافیائی لحاظ سے ایسی جگہ میں ہے کہ ہمارا پڑوسی ازلی دشمن آبادی میں ہم سے تین گنا بڑا ملک [illegible] ہے۔ خود بھارت [illegible] جب تک [illegible] ہم [illegible] سے نہیں جیت سکے [illegible] سے چوگنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں اگر حب وطن کا تقاضا ہے کہ اس تحریک کے مضر اثرات سے ملک کو بچایا جائے [illegible] ملی حمیت کے لئے بھی [illegible] کے مترادف ہے اور اسلامی اقوام کا تحفظ [illegible] اس تحریک کی مزاحمت کی جائے اور قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینے والوں [illegible] کے سامنے کھڑے ہیں۔

تحدید نسل کا صحیح راستہ | ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ

ہم اس تحریک منصوبہ اولاد کی تفصیل سے اجتناب کیا جا سکے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھاتے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہو چکی ہوں تو ماضیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہمیں اس ملی و ملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے مذہبی اور اخلاقی تقدس کا استحصال ہو یا جس نے اسلامی تعلیم دیا اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور بااخلاق کردار سے دور ہی نہ کر دے جس سے اس عظیم قوم کی حوصلہ مندی اور غیرت و انداز مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا علما انہی کی بدتہذیب شکل یا تجدد، ترقی اور روشنی کے نعرہ انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں —— ہمارے خیال میں یہی وہ راز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر و تشکیل اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے تناظر میں جناب صدر لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اختیار فرمایا کہ:-

> یہ تحریکات گرمی اور ہیجان کی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں ہیں نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی وہ اصل پیغام اور تعلیمات ہے۔ انشاء اللہ یہی طریق کار ہمارے آئندہ مستقبل کے لئے مشعل راہ ہو گا۔ [illegible]

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تاریخ میں ہمارے ملک کی اپنی منفرد حیثیت و معروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا جائزہ بھی ہونا چاہیے۔ البتہ شاید کہ ہمیں اسلام کی تحقیق کرنے والی ایک تحقیقی ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری ٹیم بھی فتویٰ دے کر اس انسانیت کش

قرآن کے خلاف کھلی دستاویز اور قائد اعظم کے اقوال سے منافی [illegible] ہے — [illegible] [illegible] الاشیء اور جیسے اس خوشنما کے پرچار کے لئے وقف رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس فضا میں اہل حق کی صدائے عزیمت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علی الاعلان [illegible] اس تحریک کے دینی، اخلاقی اور سیاسی عواقب و [illegible] نتائج سے قوم کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ [illegible] یورپ کی جنسیاتی بے راہروی [illegible] ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس بارہ کی دو ایک تحریریں [illegible] اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں [illegible] پھیل رہی ہے۔

> حکومت کے ایک افسر نے [illegible] ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور ضبط تولید کے لئے جو آلات اور گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ [illegible] کی بجائے [illegible] ہوں اور [illegible] کی بیماری پیدا ہو [illegible]
>
> (روزنامہ جنگ [illegible] [illegible])

> [illegible] اس عمل کے [illegible] بیماریوں کا باعث [illegible] کی [illegible] میں [illegible] نتائج [illegible] رہتی ہیں۔ [illegible] کے سیاسی [illegible] کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ [illegible] ایک [illegible] ہیں [illegible] دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت [illegible] شرعی ضرورت کے علاوہ [illegible] کیا گیا ہے۔ (روزنامہ [illegible] [illegible] ۱۹۶۹ء)

اس سے قبل [illegible] خودکشی [illegible] [illegible] ہو چکا ہے [illegible] حکومت نے ان ممالک کی [illegible] اس تحریک کا [illegible] اندازہ آج یورپ کے [illegible] [illegible] کے [illegible] ہیں [illegible] بیان کے [illegible] انسان [illegible] ذیل کے چند [illegible] سے اس [illegible]

لگا دیتے تھے اسی تیزی میں اپنے ملک سے دوسرے نمبر کے ساتھ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲۰ لاکھ ۰۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارا دیا ہے اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے۔ مجموعی طور پر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۰ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس رفتار کو دیکھ کر اس ملک نے تعلیم جدید ارادہ کو ترک کر دیا ——— اب ایک ایسے ملک کا حال سنئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً مکمل آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ العربی رقمطراز ہے:۔

بیروت میں ۷۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ اس کے پیچھے والدین جس سوال سے دوچار ہیں اس میں بھی اس تحریک کے اقتصادی تنظیم کا دخل ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ گئی ہیں۔ مناسب ہے کہ تحقیق رشد و ہدایت کی اس اور الہامی کتاب قرآن مجید سے بات ہے قتل اولاد سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات سے روکا ہے اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا فی نفسہ ہیں بڑا گہرا تعلق ہے۔ واقعات کے باہمی تعلق سے عیاں ہے کہ پہلا جرم قتل اولاد دوسرے جرم (زنا و فحاشی) کا موجب ہے ——— چنانچہ قرآن مجید اس الہامی کتاب کے الفاظ درست و صادق ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقہم وایاکم ان قتلہم کان خطأً کبیرا۔	اور مت کرو قتل اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں گے اور تم کو بھی دیتے ہیں بیشک اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے
بنی اسرائیل ۳۱	

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ ط	اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کیونکہ زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے

صرف اسی مقام پر نہیں دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فواحش اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس طرز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فواحش) پہلے جرم (قتل اولاد) پر [illegible] کا لازمی اور یقینی رد عمل ہے۔ ارشاد ہے:-

ولا تقتلوا اولادکم من املاق	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاہم ولا تقربوا	کے سبب سے ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظہر منہا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ۔	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ
آیت ۱۵۱ ۔ الانعام	ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

(ادارہ)

بے حیائی کی دعوت

تحریک کے حامی [illegible] معاشرت کو تباہ کرنے کے لئے [illegible] منصوبہ بندی کرتے ہیں [illegible] جو ہر قسم کی بے حیائی کو ہوا دیتی ہیں۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"[illegible] ضبط [illegible] ہے کہ ضبط [illegible] کو [illegible] کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اس تحریک کے متعلق شرم و حیا کا پردہ چاک کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں [illegible] شرم و حیا [illegible] کا پردہ چاک کرنے کی یہ دعوت [illegible] میں والدین کی جنسی [illegible] دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ عوام کو اس سلسلہ میں ہر قسم کی آسانیاں [illegible] (۱۹۶۰ [illegible])

امریکی ایک خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی [illegible] پاکستان میں منع حمل کی گولیاں [illegible] کا ارادہ ترک کر دیا جائے گا۔ (نوائے وقت [illegible]) ——— جس تحریک کے لئے قوم و ملت کا دامن سیاہ و عصمت تار تار کیا جا رہا ہے۔ [illegible] [illegible] کہ مانع حمل گولیوں کے استعمال سے عورتوں کی [illegible] میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ معاشی اور سیاسی میدان میں مساوی حقوق کے حصول کے لئے اب عورتیں اخلاقی ہدایات کو پس پشت ڈال کر جنسی معاملات میں بھی مردوں جیسا [illegible] چاہتی ہیں۔ یہ مسئلہ آج کل امریکی یونیورسٹی کے [illegible] ماہرین نفسیات خصوصیت سے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ [illegible] [illegible] [illegible] کہ جب [illegible] اور جب حمل کا خوف ختم [illegible] سے بہت کچھ نکل گیا۔ ———

(ماخوذ از جنگ کراچی ۱۹۷۰ء)

[illegible] [illegible] لڑکیاں [illegible] [illegible] [illegible] (نوائے وقت)

حلال کی ممانعت مگر حرام کی اجازت

[illegible] بتایا گیا ہے کہ [illegible] عنقریب [illegible] باپ بچوں کو پالنے کے لئے [illegible]

خود بتایا کہ پنجاب میں اسلام کی کثرت کی وجہ سے ان کی پرورش کی ضرورت مناسب توجہ نہیں دی جا سکتی۔ بچے جیسا ان میں پیدا نہیں ہوتے ان کی اٹھتی نظروں پر رکھی پائی جاتی ہیں۔ یہ ان پرورش گاہ میں اب کسے ایسے بچوں کے مسائل حل کرتے ہیں اور ان کو وسعت دے گی اور آئندہ وہ پاکستان کے تحریک ثابت ہو سکیں گے۔ (۲۶ مارچ ۱۹۴۰ء الاصلاح)

تجربہ بھی عجیب ہے۔ آخر جب تحریک کی خاطر ان مخصوص بچوں کے سپرد کام ہی مشغول ہوں گے صحافت و ثقافت کے تمام وسائل اس مقصد کے لئے وقف ہوں گے۔ ادب اور سیاست کی تعلیم یہاں اسی مقصد کے تذکرات اور مباحثوں کا بازار گرم رہے گا اور قوم کا ہر شخص اسی پیغام دعوت کی لذت تخیل میں ڈوب جائے گا تو یقیناً اس کا اثر اس ناجائز پیدائش کی صورت میں ہونے لگے گا۔ اب رہا ایک الجھا ہوا جس کا جواب یہ ہے جس پر خاص طور پر یہ عوام پیدا ہونے لگے تھے تاکہ انہیں آگے چل کر مستقل کے تحریک پاکستان کے سانچے میں ڈھالا جا سکے۔ یہ سلسلہ اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ بچہ باپ اور ماں کی تربیت کی بنا کے ذریعہ وہ تربیت صحیح طریق سے حاصل ہو سکے بلکہ کوشش ہو کہ وہ [illegible] سے نہیں بچ سکے [illegible] دکھا سکیں۔ اگر قوم ایسی پرورش گاہ کی اہمیت محسوس کرتی ہے تو یہ ایک بڑا کام نہیں ہے کہ [illegible] عام اور آبادی میں ایسی پرورش گاہ قائم کی جائیں [illegible] قائم ہو چکی ہیں۔ اس طرح ایک سے دوسرے کی مدد [illegible] سبحان اللہ [illegible] پاکستان کا [illegible] مثال پیدا [illegible] آگے سے [illegible] [illegible] (زہ [illegible])

مذاہب عالم کا امتزاج

[illegible] کے باوجود اسلام [illegible] اس تحریک کے [illegible]

میں پوپ کے کیتھولک عقیدہ عیسائیوں کے مذہبی پیشوا کی حیثیت سے تحدید نسل یا ضبط ولادت کی مخالفت اور مصر کی جامعہ ازہر کے ایک ممتاز مذہبی رہنما شیخ الجامعہ کا احتجاجی بیان اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام تو اسلام (جو ہر لحاظ سے مکمل اور فطری مذہب ہے) دنیا کا کوئی فرقہ یا مسخ شدہ مذہب بھی اس غیر فطری فعل کی تائید نہیں کرتا۔ مگر اس تحریک کی غیر معقولیت پسند اصحاب عالم کا اتفاق ہے؟
([illegible])

اسلام سے لاتعلقی

مرکزی وزیر تعلیم قاضی انوار الحق صاحب نے قومی اسمبلی کے ایک سوال کے جواب میں ایک عجیب شان بے نیازانہ میں فرمایا کہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہرگز علماء یا مشاورتی کونسل کی رائے معلوم نہیں کرے گی کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق صحت سے ہے علماء اور اسلام سے نہیں۔ قاضی صاحب وزیر تعلیم ہیں اور پھر قاضی بھی اسی شاہانہ رنگ میں یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ تجارتی اور صنعتی بینکنگ، سود، ملکی بیمہ وغیرہ مسائل کا تعلق تجارت اور صنعت سے ہے۔ معاشرتی امور، طلاق، نکاح، عورت کا تعلق معاشرہ سے ہے۔ حکومت، وزارت اور قیادت کا تعلق سیاست سے ہے۔ علماء اور اسلام سے نہیں اور ہم اس بارہ میں علماء سے استصواب نہیں کر سکتے۔ کسی کی مجال ہے کہ لب کشائی کر کے یہ پوچھ سکے کہ اس نقطۂ نظر سے اسلام اور پاپائیت یا عیسائیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ جہاں مذہب کو ملک اور معاشرہ کے ہر شعبہ سے نکال کر چند فرسودہ اور خود ساختہ اعتقادات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس دلیل سے برتھ کنٹرول تو کیا شراب اور سور کو بھی صحت کے لئے مفید قرار دیا جا سکتا ہے کہ مذہب کا صحت اور بیماری سے کیا تعلق۔ مگر یاد رکھئے جب سوال ملک کی حفاظت اور مدافعت کا پیدا ہو تو پھر علماء کو برسر منبر ہونا ہے کہ وہ اٹھ کر مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کریں اور اسلامی مملکت کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے ہر شہری اور فوجی کو محاذ جنگ اور صحیح اسلام بتا دیں کہ پاکستان میں اسلام کا صحیح طریقہ ضرورت کے وقت مسئلہ جہاد کا بیان کرنا مطلوب ہے یا پھر وہ اطاعت و تسلیم کی تعلیم کہ با عزت زندگی گزار سکتا ہے۔ ([illegible])

اسبابِ حیات و ممات میں تلبیس

خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ایک استدلال ملاحظہ ہو جو عرصہ سے کافی کثرت سے اونچی سٹیج سے دہرایا جا رہا ہے۔

"برتھ کنٹرول کے مخالفین شرحِ پیدائش پر کنٹرول کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف قرار دیتے ہیں تو کیا مختلف امراض کے لیے ڈاکٹروں کے پاس جانا خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف نہیں ہو سکتا؟"

بظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے مگر جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو ایک عجیب شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ان اسباب و تدابیر کے استعمال کا حق دیا ہے جو انسانی آرام و راحت اور فلاح و بہبود کے کام آ سکیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کی تکالیف اور بیماریوں کا ازالہ کریں۔ اسے ٹریفک کے حادثات سے بچانے کے لیے ٹریفک کنٹرول کے ذرائع استعمال میں لائیں۔ وبائی امراض کا انسداد کریں۔ قحط اور گرانی ختم کرنے کے اسباب سوچیں اور برتیں۔ مگر کیا اسباب کے نام سے ہم وہ امور بھی اختیار کر سکتے ہیں جو انسان کے اجتماعی یا انفرادی مفادات پر اثر انداز ہوں یا جو ہمارے ملی و قومی کردار کو مجروح کریں۔ کیا ہم ایک شخص کو محض اس بنا پر قتل یا دنیا میں آنے سے روک سکتے ہیں کہ ہمیں اس کو وبا اور دیگر مہلک امراض اور دریا میں ڈوبنے، آگ میں جلنے سے بچانے کی سعی کا حق حاصل تھا ——— ظاہر ہے کہ جو اسباب نوعِ انسانی کے حق میں مفید ہیں (اس کو مؤثر حقیقی نہ جانتے ہوئے) اس کے استعمال کا حکم تھا۔ مگر جو اسباب نوعِ انسان کے کسی فرد یا طبقہ کے قومی، سیاسی اور اخلاقی مفادات کے لئے ضرر رساں ہوں گے۔ ہمیں اس کی اجازت ہرگز نہیں اور نصوص و شواہد اور قطعی تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی موجودہ ہمہ گیر تحریک کسی قوم کے لیے اخلاقی دیوالیہ اور ملی خودکشی کا سبب بن سکتی ہے جبکہ کثرتِ نسل اجتماعی، قومی اور اقتصادی لحاظ

سے علیحدہ مسئلہ کے لئے فوقیت کا باعث ہے۔ یعنی اس عمل ولادت اور تولید کی نوع کشی کا [illegible] وجہ سے نتیجہ یہ نکلتا کہ ہم اولاد کی شرح اموات کم کرنے کے جواز میں [illegible] منطقی تجزیہ کے لیے ہم کو یہ کہنا ہے کہ ہمیں تحدید نسل اولاد کی نوع کشی کا اس وجہ سے حق حاصل ہے کہ ہم انسان کو دوسرے جانداروں کی طرح [illegible] سکتے ہیں یا ہم لوگوں کی پیدائش پر شرح اموات بڑھا سکتے ہیں کیونکہ ہمیں اولاد کی شرح اموات کم کرنے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں یہ استدلال کتنا مضحکہ خیز ہوگا۔ [illegible]

ارزاق کا کفیل

آپ نے اس پر کبھی غور کر کے سوچا ہے کہ [illegible] میں ایک شمار کے مطابق [illegible] ہزاروں نوزائیدہ بچے پیدا ہوتے ہیں —— شرح ولادت کے اس اضافہ پر جبکہ ان کی کامیابی پر [illegible] قدرت کی طرف سے یہ ایک طمانچہ ہے۔ ان لوگوں کے منہ پر جو محدود معاش کی کہانیاں اس کائنات کے خالق سے [illegible] بہتر [illegible] ہیں۔ خدا کے لئے اس واقعہ پر [illegible] کا [illegible] سے قبل کے [illegible] بچے پیدا ہوئے کیا آسمان سے [illegible] بارش ہوئی کہ تم ان کا [illegible] یقین ہے کہ جس ذات نے ان بچوں کو روزی کی اتنی فراوانی [illegible] اپنی مخلوق کے [illegible] کیا وہ عالم فانی کے تمام جانداروں کو تم سے زیادہ اور اچھا رزق نہیں دیتا؟ پھر کیا تم نے حضرت سلیمان کا وہ واقعہ نہیں پڑھا کہ انہوں نے ایک بار تمام مخلوق کو ایک دن کھانا کھلانے کی [illegible] چاہی اور [illegible] اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے [illegible] گئے تھے یہ دعوت سلیمان [illegible] حضرت سلیمان کی تمام [illegible] بلکہ ذخیرہ [illegible] خوراک کی [illegible] کیا گیا حضرت سلیمان کی طرف سے [illegible] مخلوق کی [illegible] سے [illegible] کی [illegible] چند لقموں میں [illegible]

صاف کرتے ہوئے وہ مرے سے مرے نکل گئی۔ پھر بھی دل میں مزید پکارنے لگی کہ سلیمان علیہ السلام مجھے کچھ کھلا دیجئے کہ بھوک کے مارے میرا حال برا ہو رہا ہے۔ ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام حیران و ششدر کہ سب کچھ تو ختم کر گئی ہے اب اور کس کو کیا کھلاؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے مچھلی کو کوسا کہ تو نے سب کچھ کھا لیا اور کیا مانگ رہی ہے۔ مچھلی نے جواب میں کہا اے سلیمانؑ میرا رب مجھے ہر روز دن میں کئی بار اتنا کچھ کھلاتا ہے۔ آج تم نے میرا وظیفہ خزانہ غیب سے بھی بند کرایا اور مجھے سیر بھی نہ کر سکے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور اللہ کی عظمت کا ترانہ زبان پر جاری ہوا کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے خلائق کو غیب کے خزانوں سے رزق پہنچاتا ہے۔

سبحان المتکفل یا رزاق الخلائق من حیث لا یعلمون۔ (اگست ۶۶ء)

عذاب کی شکل میں قدرتی منصوبہ بندی

مشرقی ترکی میں زلزلہ آیا اور کتنی ہولناک تباہی و بربادی ساتھ لیتے آیا۔ بیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ سینکڑوں بستیاں پیوند خاک ہوئیں صرف ایک شہر وارتو میں دو ہزار لاشیں بوقت تحریر ملبے سے نکالی جا چکی ہیں اور مزید لاشیں مل رہی ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ سے مٹ گئے۔ زمین جگہ جگہ سے دھنس گئی۔ مواصلات اور امدادی کام کا نظام درہم برہم ہوا اور آخری خبروں تک زلزلے کے جھٹکے آ رہے ہیں ——— یہ داستان عبرت نہ تو قوم عاد و ثمود کی ہے اور نہ اوراقِ سدوم کی بستیوں کی بربادی کا ذکر کیا جا رہا ہے بلکہ اس ہفتہ کے اندر ایک اسلامی ملک کا جہاں ہمارے مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں اور اس سے پہلے پاکستان اور بھارت میں زلزلہ آیا۔ یوگوسلاویہ اور جاپان بھی لرز اٹھے۔ تاشقند کی زمین تو ایسی لرز اٹھی ہے کہ سکون کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ حال تو قدرت کے تازیانے (زلزلے) کا ہے ورنہ ہلاکت آفرینیوں کا ایک تانتا ہے جس نے سارے کرۂ ارض کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ کا منظر عیاں ہے مگر ہائے ہماری غفلت کیشی کا یہ حال کہ پتے تک نہیں۔ قدرت کے قانون مکافات عمل سے جتنی بے پرواہی اس "حیوانی دور" میں برتی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کی سرکش اور طاغی قوموں میں شاید اس کی مثال نہ

ئے۔ ہم اپنی بربادیوں کے رشتے اسباب و علل سے جوڑتے ہیں مگر مسبب الاسباب پر نظر نہیں پڑتی حالانکہ اس تمام خانماں بربادی کا سرچشمہ ہم خود ہی تو ہیں۔ یہ ہمارے اعمال ہی کا ظہور ہی تو ہے۔ "وہ" جن کے لئے اسلام نے ایک فرد کی موت کو بھی سب سے بڑا واعظ قرار دیا تھا ان کے سامنے قوموں کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہیں مگر عین عذاب کے وقت بھی توبہ کی طرف نہیں بلکہ سینماؤں کی طرف دوڑتے ہیں۔ ترکی میں صبح کے بعد شام کو پھر زلزلہ آیا مگر اس وقت بھی سینما ہال بھرے ہوئے تھے اور صرف ایک ہال میں ۲۰۰ افراد زلزلہ سے تباہ ہوئے۔ کیا صبح کا تازیانہ بھی انہیں جھنجھوڑ نہ سکا۔؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شقاوت اور بدبختی کے تسلط کا اگر یہی عالم رہا تو شاید اسرافیل کی سیٹیاں بھی ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار نہ کرسکیں اور یہ زلزلے اور طوفان تو مخبرِ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق قیامت کے لوازم ہیں۔ قدرت کی تلوار جب نیام سے باہر آجائے (والعیاذ باللہ) تو دنیا بھر کے ہلال و صلیب کی سوسائٹیاں اور امدادی ادارے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ تلوار چلانے والے کے دامن میں پناہ لو ورنہ بالآخر تمہارا نام و نشان تک اس عالمِ خاکی سے مٹا دیا جائے گا۔ جابر اور قاہر قومیں تم سے پہلے یہاں آباد تھیں مگر اب ان کی بھنک بھی کانوں میں نہیں پڑتی۔

وکم اھلکنا قبلھم من	ہم نے ان سے پہلے کئی جماعتیں
قرنٍ ھل تُحِسُّ منھم من	ہلاک کیں۔ تم ان میں سے کسی
احدٍ او تسمعُ لھم	کی آہٹ پاتے ہو، یا سنتے ہو
رکزا۔	ان کی بھنک۔

سنا ہے انہیں دنوں ترکی کا ایک وفد پاکستان کا دورہ اس غرض سے کر رہا ہے کہ یہاں "خاندانی منصوبہ بندی" کے کام کا جائزہ لے کر اسے اپنے ہاں اپنائے مگر قدرت کی طرف سے اس عذاب کی شکل میں خود یہ بندی ہوئی ——— کاش! اس قدرتی پلاننگ سے ہماری آنکھیں کھل جائیں اور وفد جن لوگوں سے سبق سیکھنے آیا ہے سکھانے بیٹھے والوں کو خود اس حادثہ "فاجعہ" سے سبق مل جائے کہ قانون "پاداش عمل" سب سے بڑی منصوبہ بندی ہے ——— اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے

(ستمبر ۶۶ء)

باب ۵

عالم اسلام میں تجدد (ماڈرن ازم) کی تحریک

ریسرچ و تحقیق اور فتنۂ استشراق

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

(اقبال)

اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

اکبریت کا نیا روپ

الحمد للہ کہ قافلہ اسلام منزل بہ منزل کوچہ بکوچہ بعثت نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی، اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت وفلاح کا یہ کبریت احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان کچھ عجیب وغریب ہے۔ ہماری تاریخ دعوت وعزیمت اور جہاد وقربانی کی ایک داستان مسلسل ہے۔ اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص ووفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر وسموم کی تند وتیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا۔ جو اللہ تعالی کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد وزندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رسی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی حفاظت دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے

---

[1] سابق صدر ایوب کی سرپرستی میں تجدد اور الحاد کا فتنہ تحقیق وریسرچ کے نام پر بڑے زور وشور سے چل رہا تھا۔ اس مضمون میں اکبرؒ کے نام سے "اکبریتؒ" کے اس نئے روپ اور ماڈرن ازم کے خدوخال کو نمایاں کرنا مقصود تھا۔ "س"

جیسا کہ اولین عہد سعادت میں رہا۔ المحجۃ البیضاء لیلہا کنہارہا۔

دین کی غربت کا عبرتناک زمانہ

اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ "اکبر عہد" دین کی غربت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہدِ اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو اہل دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک پہنچنے پر ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جا سکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و تفنگ، ہمہ گیر تحریکات، منظم پروگرام اور ہاتھوں کی رہین منت ہے ——— آج کی فرصت میں ہم اکبر کے "دین الٰہی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے زوال پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے جدید دین ترجمان

اور اسلام کے بارے میں ان لوگوں کے عزائم بالکل واضح ہو جاتے ہیں جو اس وقت مغل اعظم اکبر کے اس [illegible] پر [illegible] تاویل پیش کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ:

> "اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو مقتدر بنانا تھا جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے، حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس "ہوس اقتدار" کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ ملا می خواہند کہ فرمانروائی و کار گزاری شریک بادشاہی باشند (ملا چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہو جائیں ——" (فکر و نظر ص ۳۴۴ ج ۴ اسلام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں

کا کوئی اثر باقی رہا ہے۔ جس کا مشاہدہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی اور ان کے متبع اہل حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشأۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عوامل کا بھی اظہار ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کس اکبر اور کس قسم کے حالات کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزو مند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے اہل حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اور کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جاں نثاری اللہ تعالیٰ کی سنت الٰہیہ اور عادت جاریہ کا مظہر تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبر کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم ربانی ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) کی ان چشم دید شہادت کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے عہد اکبری کی کتاب منتخب التواریخ میں جمع کی ہیں جو ہمارے زمانہ کے بعض بے جا متعصب محققین و مؤرخین کی نظروں سے [illegible] کتاب کے بارے میں [illegible] استناد کی تردید کی [illegible] دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالے کے بعد ہمارا اعتماد [illegible] کے مضمون پر ہے مختلف کتب سے عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش [illegible] اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری پر [illegible] حضرت مجدد الف ثانی جیسے [illegible] کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہو گا کہ ایک [illegible] کے پچاس سال کی تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے تمام ارتقا تک پہنچا دیا گیا اور جدید بدعت و شرک اور تقلید ہندی کے عناصر کی آمیزش سے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے بدعت و شرک تو کیا معاذ اللہ الوہیت تک کا دعویٰ ہو جاتا ہے۔

منصبِ اجتہاد سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ شیخ مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل و فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو مجتہد اور دینی مسائل میں بنی آدم کی معاشی اور دنیوی بھلائیوں کے مد نظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور

... سے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان فیصلوں اور احکام کی پابندی لازمی ہے۔ اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا "مرکز ملت" قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔ (ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ۔ منتخب التواریخ ص ۲۷۱)

سلف کی بے حرمتی اکبر کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور فقہائے دین امت کی بہ سرعام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر فقیہ کوتہ، خشک ملا اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے، تباہ و متعصب ہونے کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ دربار اکبری کا نابغہ "محقق" ابوالفضل فقہاء کرام اور مجتہدین امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی، کفش دوز اور فلاں چرم فروش کی باتیں کیسے مانوں۔ (منتخب ص ۳۰۰)

صحابہ کی بے وقعتی سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرأت نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آگھیرا۔ ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفائے ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکالی گئیں جن کو زبان پر نہیں لایا جا سکتا (منتخب)

شان رسالت پر دست درازی اب خاکم بدہن شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضورؐ کے لائے ہوئے احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان و عبادات تک کو رفتار زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ اسلامی تعلیمات و شعائر سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، آئمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پرستی اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادثات اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو، لٹ مار تھے۔ ارکان اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ جبراً ساقط کیے گئے ص ۲۵۱۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے ص ۲۱۵

روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو تقلیدات کہا جانے لگا ص۲۸۸ یعنی غیر معقول باتیں، "روایت پسندی" اور "دقیانوسیت" ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص۲۹۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کردی جاتی تو الف ثانی کا یہ "محرم اعظم" یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ —— یہ ملاؤں کی باتیں ہیں، مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو ص۳۰۰

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں عمومی طور پر بداعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے لیے ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع پر "تیشۂ تحقیق" چلایا جانے لگا جس پر خدائی دینِ اسلام کی ساری عمارت استوار تھی۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونیؒ —— ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ اس کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوین عالم، حشر و نشر وغیرہ کے تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔ ص۲۱۳ پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشقِ سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ اور عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جانے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ کلمہ جس سے اسلام کا توڑ ہوتا اسے نص قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو جہل نامعقول، نو پیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی ہوئی چیز سب خیال کیا جاتا ص۲۹۱

نبوت اور اخبار غیب سے انکار مصدر شریعت اور سرچشمۂ اسلام نبوت کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی بیہودہ کوششیں برابر جاری رہیں اور بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں حضور رسالتمآب علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جن، فرشتے، معجزات، تواتر قرآن اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ ص۲۱۲ ——

معجزات سے استہزاء معجزات نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراج رسولﷺ کی ہنسی اڑاتے

تھا اور کہتا کہ جب میں دوسری مرتبہ اٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو اس رات ایک شخص کیسے آسمان سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں، اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا —— جنس کی کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا۔[١]

شانِ رسالت میں بے تمیزی اس گستاخی نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام بھی بدل ڈالے جن میں احمد و مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص ۳۱۱ ج ۲ —— یہاں تک کہ غیرت و حمیت سے عاری اس مغل اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سرعام شان رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر جگر شق ہو جائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز و اکرام سے نوازا اور اپنے بیٹے شہزادہ مراد کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند سبق پڑھ لو۔ ص ۲۹۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) اپنے خیال میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کی اضمحلال اور رسالت و عہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے نزدیک ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھالے اور پرانے دین کے، جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا، ایک نئے دین، نئی شریعت اور نئے نظام کی ضرورت آن پڑی کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ اب اسے آیا نبوت و رسالت تک (معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو سکتی تھی مگر کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول [illegible] اس خیال سے اس نے اپنے دین کو "الٰہی مذہب" کا نام دیا اور گو کہ نبوت کا دعویٰ نہ کرتے تھے مگر منصب رسالت تشریع و تبدیل، نسخ، احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا —— اب پورے طور پر وہ دین الٰہی کی تدوین، اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام و شعائر کی بربادی و بیخ کنی میں لگ گیا۔ حلال و حرام کو الٹ دیا، حدود و احکام تک منسوخ کر دیئے، اور [illegible] ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی تدوین و تنقیح کا کام کیسے کم کرتے یہ کہاں ممکن تھا کہ وہ پیچیدہ تھا۔ بہر حال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے دو شخص [illegible] نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار و نخوت کے پندار میں اکبر اس مقام انانیت پر براجمان ہو گئے

اسلامی شعائر کی تنقیص اور تحقیقی ادارے | مختلف مذاہب فرقوں و نحل و ادیان کے
مرجع بنے۔ نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ [illegible] تحقیقی مجالس قائم
کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح "اسلامی تحقیق" اسلام کا آزادانہ سائنٹفک ریسرچ کے لئے
قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب
کی کتب کے ترجمے کے لئے دفتر قائم کیا گیا۔ اور اس کے مہتمم آزاد خیال شیخ ابوالفضل اور
فیضی اور [illegible] خود [illegible] کی نگرانی کی ۔ یہ تحریک زندیقیت کی تحریری تصدیق
[illegible] ۔۔۔ [illegible] بدایونی نے [illegible] کی اس
[illegible] کونسل کے ارکان کی تعداد [illegible] ہے۔

[illegible] | [illegible] میں ست
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

اس تحقیق میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے خلاف تنقید [illegible] میں فیصلہ کیا جاتا [illegible]
کے ثبوت [illegible] پایا جاتا [illegible] ۲۴
اس تحقیق [illegible] ابوالفضل [illegible] مجتہدین کے کام میں [illegible]
[illegible] اسلامی عبادت کے متعلق [illegible]
[illegible] تحقیقات [illegible]

تاریخ الفی کی تصنیف | اسی روشن خیالی اور آزاد روی کے تحت ہزار سال کے ایک گروہ کو حکم دیا
گیا کہ تاریخ الفی کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو [illegible]
[illegible] تاریخ [illegible] سن رحلت کو [illegible]

اس کا مقصد [illegible] اسلامی [illegible] دینی تعصب
[illegible] سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ
[illegible] پورا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تغییر کا شکار ہو کر
ناقابل اعتماد ٹھہرایا گیا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو

۔ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور نام نہاد دانشور اور تجدد زدہ طبقہ بھی انہی کا [illegible] کرتا ہے۔

کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ص۲۱۱ گویا عجمی سازش قدامت۔ اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابلِ عمل اور غیر معتبر بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم و روایات کی جن جن طریقوں سے حوصلہ افزائی کی گئی ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الخیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے تھی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ ص۲۵۹

اکبر کی رواداری کا نتیجہ بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس غریب دین کی ساری باتیں مہمل، نامعقول، نو پیدا اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ "روادار اکبر" جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب القتل اور راندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیہ (ملّا) کا نام رکھ دیا جاتا ص۲۲۹۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے "رواداری" (جو ہمیشہ سے الحاد و لادینی کا مبدا اور سرچشمہ ہوتا ہے) مساوات ادیان اور آزادیٔ رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث اور ابنیت مسیح کی بیان کریں اور ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے ص۲۷۰

فرنگی ثقافت اور کلچر فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص۲۱۲ اور یہ تھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی "دانشِ افرنگ" ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے —— جشن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و دستد کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجددؒ)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے —— آتش پرستوں نے اکبر زردشتی دین کی حقیقت بیان کی ص۳۰۸ —— پھر کیا دیر تھی اس وسیع النظر روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ ص۳۰۹

سیاست یا الحاد ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر

نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ غرض کہ ان سے اسلام کا رابطہ اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ ہندو رعیت کے ساتھ اکبر کی ذاتی دلچسپیوں کا کیا عالم ہوگا؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ پر کا ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور پڑھوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم کریا پورا کیا۔ سر، داڑھی مونچھیں منڈا کر، ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوتے (منتخب التواریخ ص ۸۹/۱ بحوالہ تزک جہانگیری از مولانا محمد میاں) غرض ان سے یہ دین الٰہی اکبر کے لئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا خوشنما نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام غرض اکبر کی یہ رواداریاں اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزادانہ سائنٹفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور "ملت جدیدہ" کا ظہور ہوا جس نے عقائد، اخلاق، دیانت و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض "قدیم اسلام" کے ایک ایک شعبہ میں جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان الحفیظ۔ ہندوستان کے اس "فتنہ اکبری" نے بزعم خود ملت مسلمہ کی جڑیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس "ایمان و شہادۃ" کا مکلف ٹھہرایا جاتا ص ۲۴۲۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے "میں دلی شوق سے رواجی دین اور باپ داداوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں" ص ۲۱

تمغے اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت "فرسودہ روایات" کے خول کو توڑ کر آزادی و نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے

درباریوں سے "شبیہ" کے نام سے ایک تحفہ حاصل کر لیتے تھے

دینے فروختند وچہ ارزاں فروختند

یہ تمغۂ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانی حامیان تجدد کیلئے باعث رشک ہے۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفا شعاروں کو دے دی جاتی تھی وہ ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے تھے[۲۳] دنیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ایسی بات تصویر کی نقاب کشائی اور ٹکٹوں تک محدود ہے۔ — بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکے سے درشن کراتے۔ پردے سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس "معبود" اور "اللہ اکبر" کے سامنے سربسجود ہو جاتے تھے[۲۳۹]۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا تھا[۲۶۵]

اکبر کی افتاد طبیعت اور اکبر کے "دین الٰہی" پر اس اجمالی اور اصولی تبصرہ کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "دین اکبری" کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی ترجیحات اور شرعی احکام و فروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں تاکہ دین کے اضمحلال و انحطاط کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت ہے۔ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اکبری عقائد و عبادات

اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ لگ چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا[۲۶۱]۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا تھا[۱۱] آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا تھا[۲۲۲] طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا تھا[۱۱] اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر جلت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا تھا[۲۱] کواکب پرستی بھی

کی جاتی تھی اور یہاں تک کہ معاذ اللہ، بادشاہ کو اللہ کا مظہر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے
معاد، حشر نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا گیا۔
اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجا لایا کریں۔
آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا جاتا

یہ اس مذہب کے معتقدات اور اس تحقیقی علم الکلام و العقائد کے چند شہ پارے ہیں جنہیں ایک نئے مذہب کی صورت توحید الٰہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل نے مذہب کے علاوہ معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلائے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت کی دنیا مبہوت رہ گئی۔ مشتے نمونہ از خروارے جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

ریس کورس، لاٹری اور سود کی حلت | سود اور جوا حلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سود پر قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کیلئے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (ریس کورس) قائم کیا گیا۔

شراب حلال ہے | دربار اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و تقویت کے لئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر لوگوں پر زیادتی کرنا اور دنگا فساد ممنوع ہے۔

ٹھیکہ آبکاری | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک دکان دربار کے سایہ میں قائم کی گئی۔ نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی تھی۔

جامِ صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لنڈھائے جاتے۔ شراب سے ایک دوسرے کے جامِ صحت تجویز ہوتے۔ دربار اکبری میں تجدد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام "ملاؤں" کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔

شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور داڑھی منڈوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

غسل جنابت منسوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ غسل جنابت واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے (تذکرہ مجدد الف ثانی ص مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

عائلی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لاء میں رد و بدل

کیا گیا۔ نئے "عائلی قوانین" کی بعض دفعات یہ تھیں۔

۱۔ چچا زاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح ناجائز۔ کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ بیگانوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف نہ شود۔ گویا جو چیز بعد میں "سارداایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔ ۳۔ یہ کہہ کر "خدا ایک زن یکے" ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو مغالطہ ہے اس کا کریڈٹ بھی "اکبر اعظم" ہی کو حاصل ہے —— عائلی آرڈی ننس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔ ۴۔ آئسہ عورت (جس کی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہوگی۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کر کے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (منتخب التواریخ)

آزادیٔ نسواں | پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۲۶۱

مخلوط کلب، زنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے زنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی۔ "متعہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر "شیطان پورہ" کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ، پولیس اور داروغہ ہوتا۔ جس کا جی چاہتا آ کر باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لے جاتا[۱] گویا یہ زنا بالرضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی —— نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے —— کیا صدیوں کی جمی ہوئی یہ تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہرحال تاریکی ہے۔ بیسویں صدی کی ہو یا عہد اکبری کی۔ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا

بہتا پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے لے باندھ دیا جاتا ص۳۰۲ اگر تدفین ہوتی تو حکم تھا قبر ایسی بنائی جائے کہ مردہ کے پاؤں مغرب کی جانب اور سر مشرق کی جانب ہو ص۳۰۵ یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ حجازی کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خوابگاہ بھی اسی طرح بنائی تھی۔

ختنہ پر پابندی بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگا دی گئی ص۳۰۶ اور پختگی عمر کے بعد مشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔

سونا اور ریشم حلال مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

سور اور کتوں سے دلچسپی بزعم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا ص۳۰۶ —— بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی سینکڑوں کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے ص۳۰۶

سگ پرست تہذیب آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شغف اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جائیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس سگ پرست تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے دین الٰہی کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

ذبیحہ گاؤ پر پابندی کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا تو اس کی بیوی بیوی نہ رہتی۔ حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

[illegible] [illegible] یہ سب کچھ ان چند بادشاہوں کے دور میں ہوا جو کسی مذہب کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بلکہ سارا زور [illegible] مذہب اسلام کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مسلمانوں کی [illegible] [illegible] اور تمدنی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مسلمانوں کو [illegible] [illegible] جائے۔

اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معاہد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ کمال کا رہا ——— اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی غربت اور بے کسی، دینی معاہد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈالنی چاہیے ——— قرآنی زبان کو بے اثر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا

عربی زبان سے دشمنی دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا مثلاً عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہنا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی

(تذکرہ مجددؒ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

اسلامی علوم کی کسمپرسی اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوا دی گئی۔ فقہ، تفسیر اور حدیث پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ ص۲۳ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بیکار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بیکار اعضاء تھے اور اکبر کی اصلاحات اور تجدیدات کی تحسین کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور آپس کی زبان میں ان کا کام ہی فتنہ و فساد و انتشار پیدا کرنا تھا۔ یہ اکبر کے "ترقیاتی پروگرام" میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے [illegible] کی باتیں کرتے تھے ——— اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت، حساب، ہندسہ و تاریخ، افسانہ رائج و مروج کئے گئے۔ ایک شاہی سرکلر جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ غریبہ نجوم، حساب، طب، فلسفہ پڑھا کرے ص۲۱۲ نصاب تعلیم کے اس نظریہ جدید کے ساتھ ساتھ ایک اہم کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کی کتابیں دھڑا دھڑ فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے اور کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے ادارے قائم کئے گئے ص۲۴۲

دینی اداروں پر پابندیاں علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

محکمہ قضا کا خاتمہ بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اسلامی شعائر میں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات ۱۹۵/۱) قضاء اور دعوت تو بڑی بات ہے مذہبی اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رویت ہلال کمیٹی عید کے چاند میں اختلافات ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد ص ۹۴) ایسے ہی ایک موقع پر ابوالفضل حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزے سے تھے ابوالفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین ست اعتبار ندارد۔

اوقاف سرکاری تحویل میں علماء و مشائخ آئمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چلی آ رہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ ص ۸۷) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ بدایونی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ "مدارس اور مساجد ویران اور اکثر ملا جلا وطن کر دیئے گئے۔" (منتخب التواریخ ص ۲۱۰)

حضرت مجددؒ کی شکل میں رحمت حق کا ظہور دین اور شعائر دین کی یہ بے عزتی اور بے کسی دیکھ کر یکایک رحمت حق جوش میں آ گئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قامع بدعت آبروئے محمدی دین اللہ کا روشن چراغ، اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول الملقب بدرالدین ابوالبرکات مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ اور حساس کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے مجسم امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت و اصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر فقیر بے نوا مگر اقلیم فقر و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اہل حق اور علماء ربانی کے سرید سرخیل دین ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر [illegible] تھے۔ روئے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمین لرز اٹھی، آسمان تھرا اٹھے خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے۔

دین کی بیکسی کا ماتم | مجددی جہاد و دعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں ——— کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورت نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب ۱۳۱ دفتر اول صفحہ ۲۰۲) اکبری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا بھیانک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

غربت اسلام نزدیک بیک قرن بنحوے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرائے احکام کفر بر ملا در بلاد اسلام راضی نمے شوند مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، کار تا آں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد۔

ایک قرن میں اسلام کی غربت اس حد کو پہنچ گئی کہ کفار صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ علی الاعلان کفر کے احکام اسلامی بلاد میں جاری ہو جائیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹ جائیں اور اسلام و مسلمانوں کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام کو پہنچایا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا ظہور | ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ نے [illegible] اکابر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھیر میں پڑنے لگے، [illegible] اور باطل مذاہب کے لوگ [illegible] اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے [illegible]

یہ تھا اس [illegible] اور ملت بیضا کے [illegible] کی حقیقت [illegible]

[illegible]

[illegible] | [illegible]

الحاد اور تحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں ———

یہ ہے مغل امپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصرِ حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ ناز "ہیرو" کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، مخالفِ اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کو بٹھا دیا اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھریرا لہرانے لگا ——— آج اکبر کے الٰہی مذہب کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے ———

والحق یعلو ولا یعلیٰ) ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید۔

ماڈرن علمی تحقیقاتی اداروں

کا

اسلاف کے علمی کارناموں سے موازنہ

قومی اسمبلی کے ایک وقفہ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلامی مشاورتی کونسل کو قائم ہوئے پانچ سال گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں کونسل کے پچپن اجلاس ہوئے اور ممبروں کی تنخواہ، الاؤنسوں اور سفر خرچ وغیرہ پر پانچ لاکھ ۲۲ ہزار نو سو تیرہ روپے خرچ ہوئے۔ (نوائے وقت ۲۸ مئی

مگر سوال یہ ہے کہ ان خطیر اخراجات کے نتیجہ میں کتنے دینی و علمی مسائل منقح ہوئے؟ کتنے مسائل تھے جن کا کوئی شرعی حل اور تحقیقی جواب اسلامی و فقہی ذخائر میں موجود نہ تھا مگر کونسل نے ان کی شرعی حیثیت کو واضح کیا؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ کونسل کی کتنی سفارشات تھیں جنہیں عملی جامہ پہنایا گیا۔ کونسل نے اگر دو ایک فقہی حوادث و نوازل از قسم بنکنگ نظام، انشورنس یا بیمہ وغیرہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں دیانتدارانہ رائے اور متبادل اسلامی صورتیں پیش کی ہوتیں تو بھی یہ بھاری زر [illegible] اپنی کچھ اہمیت منوا لیتا مگر یہاں تو کسی مسئلہ کے ابہام و اغلاق رفع کرنے اور حرام و مشتبہ حیثیت دور کرنے کی بجائے انہیں اسلامیانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور سود و شراب جیسے قطعی مسائل اب تک کونسل کے لئے مشق تحقیق بنے ہوئے ہیں۔ در اصل سلف کے تمام تحقیقی اور علمی اور اپنے عہد نتائج میں سراسر اخلاص و دیانت، خوف و للہیت، علمی تبحر و بصیرت، دینی تصلب و تفقہ، صائب رائے، صحت عقائد، اعتماد علی اللہ، تقویٰ اور خشیت، احترام و سلف اور پورے اسلامی ورثہ کے تقدس و عظمت پر مبنی رہے، نہ کہ فکری نیز علمی بے بضاعتی، غیروں کی ذہنی غلامی اور تقلید فرنگ، طمع و لالچ، بھاری بھر سرکاری بجٹ اور امراء و حکام کی سرپرستیوں پر۔

بے سروسامان اسلاف کے محیر العقول علمی کارنامے

اپنی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالئے

ملت محمدیہ (جس کا وصف خصوصی اور شانِ اعجازی علم و معرفت ہی ہے) کے کتنے قابلِ فخر امام اور فرد فرید فرزند ہیں جو تنہا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور جو اپنے پیچھے علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور اجتہادات اور استنباطات کی ایک دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر ان کے یہ نادرہ روزگار کارنامے نہ تو کسی انجمن اور اکیڈمی کی رہین منت تھے اور نہ کسی ہسٹاریکل سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے۔ ان کی پشت پر نہ تو کوئی عظیم و خطیر شاہی دولت ہوتی تھی۔ نہ علوم و فنون سے معمور لائبریریاں اور تحقیقاتی ادارے بلکہ یہ ان مذکورہ اوصاف عالیہ ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ ان علماء اور مصنفین میں سے کئی ایک نے وہ وہ علمی کارنامے صحیفۂ عالم پر ثبت کئے کہ اپنی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے اکیلی جان پر پوری امت کہلانے کے مستحق بنے جن کے علمی و استنباطی نقوش سے آج بھی زمانہ کی ستم کاریوں کے باوجود دنیائے علم اور مشرق و مغرب کے خزانے معمور ہیں۔ امت محمدیہ کے ایک فرد فرید شیخ سیبویہ کے استاد نے ایک ہزار سے زائد جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ ابوبکر نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تو صرف سورۂ کہف تک اسی جلد مکمل ہوئے۔ اگر ان کی عمر نے تکمیل کا موقع دیا ہوتا تو شاید ایک ہزار جلدیں ہو جاتے اور اس میں تعجب کیا جبکہ ان ہی شناورانِ بحرِ قرآنی کے ایک مایۂ ناز فرد امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ سے دس ہزار مسائل نکالے جا سکتے ہیں۔ ان والا تبار افراد میں سے ایک امام سرخسی ہیں جو اہل اقتدار کی تمام نوازشوں سے نہ صرف محروم بلکہ معتوب تھے۔ جنہوں نے زندان کے تہ خانہ سیاہ میں بیٹھ کر اوپر بیٹھے ہوئے اپنے شاگردوں کو ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہزارہا جزئیات کی وسیع علمی، قانونی اور فقہی کتاب مبسوط املا کرائی جو کسی بڑی سوسائٹی اور اکیڈمی کے بس میں نہیں۔ ابن جریر طبری نے قلم برداشتہ اسی جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند کے لئے دو سو جلدوں کا تخمینہ لگایا اور امت محمدیہ کے فرزند جلیل کی تصنیف کے لئے چالیس کاتب متعین ہوئے۔ یہ ان لوگوں کی کسی ایک تصنیف کی مجلدات کی تعداد ہے۔ پھر ان میں سے کتنے ہیں کہ جن کی ضخیم تصانیف کی تعداد دہائیوں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہیں۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ ہیں اور یہ ہمارے قریبی عہد کے حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جن کی بلند پایہ علمی تالیفات کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

نبی امّی کے شانِ اعجازی کے کرشمے

پھر علم و فن کی یہ فتوحات صرف علوم دین و شریعت اور ان کے سینکڑوں شعبوں تک محدود نہ تھیں بلکہ دنیا بھر کے علوم از قسم طبیعیات، الٰہیات، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ، طبقات الارض، معاشیات، معاشرت، تدبیرِ حساب، حکمت و طب، کیمیا، ہندسہ و ہیئت، سیاست، عمرانیات، تجارت و حرفت، تعمیرات و انجینئرنگ، سائنس و فلسفہ وغیرہ کے مرتب و مدون بلکہ اکثر کے موجد تھے۔ یہ سب نبی امی (علیہ السلام) مگر علم الاولین والآخرین کے شانِ اعجازی کے کرشمے تھے۔ انہی کے فیض انہی کا پرتو، مگر جب غور و فکر کے رشتے اس سرچشمۂ علوم اور منبع معرفت سے کاٹ دیئے گئے، ذہن اوروں کے غلام ہو گئے اور نگاہیں غیروں پر جم گئیں تو علم و حکمت کے وہ سوتے خود انہی نے خشک کر دیئے۔ روح القدس نے اپنی مدد کھینچ لی اور اب ہمارے سکالر، محقق اور دانشور صرف غیروں کے نقال و ترجمان بن کر رہ گئے۔ ان بے جان لاشوں کا مصرف یورپ کی مداحی اور بس ہے اولئک کالانعام بل ہم اضل ـــــ والناس میتٌ واھل العلم احیاء ـــــ ریاست و سطوت کے ساتھ ملکت و معرفت اور اقتدار و حکمت کے ساتھ علم دین کی دولت بھی چھن گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

طے شدہ مسائل کو مشقِ تحقیق بنانے کے مخفی مقاصد

کلوکسیم اور کانفرنسوں کی حقیقت

اخبارات میں خبریں آ رہی ہیں کہ عنقریب حکومت ملائشیا کے زیر اہتمام رویت ہلال پر اسلامی ممالک کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے جس میں پاکستان کے علاوہ اکثر مسلم ممالک کے مندوبین بھی شریک ہوں گے۔ اس کانفرنس کے ایجنڈے پر بہت سی چیزوں کے علاوہ کئی ایسے امور بھی شامل ہیں جن نے راسخ العقیدہ مسلمانوں اور اسلام کی ابدیت پر یقین رکھنے والے اہل علم کو بجا طور پر چوکنا کر دیا ہے ـــــ عید الفطر، عید الاضحی اور رمضان المبارک کی ابتدائی اور آخری تاریخوں کا

تعیین زکوٰۃ و صدقۃ الفطر کی وصولی کا طریقہ کار اور مصرف کا تعین، سود اور بنکاری، تجارت اور کاروبار، عائلی قوانین، شادی اور طلاق، خاندانی منصوبہ بندی، قانون وراثت اور وصیت، اسلامی نقطۂ نظر سے بیت المقدس کا جائزہ اور کئی دیگر مذہبی موضوعات — پاکستان کے وزیر خارجہ نے اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایجنڈے کے ان امور کے پیش نظر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کانفرنس کے پس پشت کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ بھی ہے۔

تجدد اور ذہنیت کے مظاہر

اگر ہمارے اس ایجنڈے کے یہی موضوعات ہیں تو اتحاد و اشتراک کی سطح پر دشمن عزم کی غمازی کر رہے ہیں۔ عالم اسلام کے ذلت و ادبار کے محرک بیشمار مسائل اور مغربی تہذیب کی پیدا اور بیشمار قباحتیں۔ بے پردگی، مخلوط تعلیم، سینما، فحاشی، مذہبی اقدار سے بغاوت، اسلامی علوم سے گریز اور اس قسم کے لاتعداد قابل توجہ امور کو چھوڑ کر صرف انہی امور اور مسائل کو زیر بحث لانا جو عرصہ سے مستشرقین یورپ اور ان سے متاثر نام نہاد اسلامی سکالروں اور محققین نے ایک خاص نقطۂ نگاہ سے مشق تحقیق بنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ چیز اس امر کی نشاندہی نہیں کر رہی کہ ملائشیا کی اسلامی کانفرنس کی اسٹیج پر یہ تازہ ڈرامہ کسی خاص مقصد کا آئینہ دار ہے۔ اسلام ان تمام امور کی شرعی اور قطعی حیثیت کے بارہ میں واضح اور دوٹوک فیصلہ کر چکا ہے۔ ان میں سے نہ تو عائلی اور معاشرتی قوانین قابل تبدیل ہیں اور نہ زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف تغیر پذیر ہیں اور نہ نماز روزہ کو اپنی شرعی حیثیت سے گھٹایا یا بڑھایا جا سکتا ہے نہ تو سود اور سودی بنکاری شریعت کی نگاہ میں قابل برداشت ہو سکتی ہے اور نہ اسلام، زکوٰۃ اور وراثت جیسے طے شدہ امور میں کسی کمی و بیشی کی اجازت دے سکتا ہے بحث ہونی چاہیئے تو یہ کہ تجارت، معاشرت اور تمدن پر مسلط غیر اسلامی طریق کار سے گلو خلاصی کی صورت اور اس کا متبادل حل کیا ہے۔ اسلام کے قانون وراثت کی پوری رعایت اور نگہداشت کیسے کی جا سکتی ہے؟ نہ یہ کہ ہم عصری تقاضوں سے اسلام کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ان مسلّمہ اصول اور مسائل پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔ مغربی اقوام اور ان کے اہل علم، علمی ادارے فاؤنڈیشن، ریسرچ انسٹی ٹیوشن اور مستشرقین کی شکل میں ایک بہت بڑی مضبوط اور منظم طاقت ابتداء سے اس کوشش میں مصروف ہے کہ علمی تحقیق، نظریاتی غور و فکر اور تحقیق و ریسرچ کے نام سے

اسلامی اقدار اور دینی روح سے مسلمانوں کا رشتہ کس طرح کاٹ دیا جائے۔ اس کا اندازہ یورپ کے اونچے پایہ کے مستشرقین گولڈ تسیہر، اسمتھ، شاخت اور مارگولیتھ کی "تحقیقات" اور اسلام کے بارہ میں "انکشافات" سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے طرز فکر پر سوچنے والے ہمارے ہی ان لوگوں کے پروردہ تلامذہ کے اب تک کے کارنامے اس کے مزید شاہد عدل ہیں۔

اسلامی تحقیقات اور اسلامی فاؤنڈیشن

ان لوگوں کو ہمارے ہاں کام کے آدمی اگر مل سکتے ہیں تو فضل الرحمٰن قسم کے لوگ اور قابل امداد معلوم ہوتے ہیں تو "اسلامی تحقیقات" قسم کے ادارے جنہیں اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق لاکھوں روپیہ یورپ کے ایک فاؤنڈیشن نے امداد کے طور پر دیا۔ یہ فاؤنڈیشن امریکہ کے رسوائے زمانہ خفیہ جاسوسی سی آئی اے کے زیر نگرانی کام کر رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں تجدد اور لادینیت کی راہ ہموار کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کے دینی تصلب کا اندازہ لگانے کے لئے مختلف وقفوں سے اس قسم کے کولوکیم اور کانفرنس منعقد کرائے جاتے ہیں جس کا ایک نمونہ ہمارے ہاں چند سال قبل لاہور کے اسلامی کولوکیم اور پچھلے سال راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ ایسی کانفرنسوں کے غور و فکر کا محور صرف ایک ہی رخ ہوتا ہے۔ اگر کانفرنس کی عام فضا ان کے لادینی عزائم سے ہم آہنگ ہوجائے تو اس کے مباحثات اور مذاکرات کو خوب اچھالا جاتا ہے اور اگر دو چار متصلب، پختہ علم اور راسخ العقیدہ علماء حق کی وجہ سے منتظمین اپنی اغراض خبیثہ میں شکست کھا جائیں تو ایسی مجالس کے تمام زیر بحث امور اور فیصلوں کو پردہ خفاء اور گوشہ گمنامی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس اس کی واضح مثال ہے جس کی اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی اصل حقیقت اور اس کے اصل محرکات تو تب ظاہر ہوں گے جبکہ اس کے فیصلوں اور بحث و مباحثہ کے پس منظر میں اس میں شرکت کرنے والوں کی علمی اور دینی حیثیت سامنے آجائے۔ ملائشیا کی موجودہ سیاسی حیثیت پھر پچھلے دنوں بعض سیاسی امور کے بارہ میں اس کی پارلیمنٹ اور عدالتوں کے غیر اسلامی انداز فکر اور عالمی پیمانہ پر زیر بحث مسائل پر ایک ہی انداز میں غور و فکر کی بنا پر ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ کانفرنس بھی اسلام کو لادینی مغربیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرانے کی سعی نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی ہر سعی بالآخر بے کار اور لاحاصل ہی ثابت ہوگی کہ اس قسم کی ہر سعی بالآخر لاحاصل ہی ثابت۔

ہوگی کہ اس قسم کی کانفرنسیں خواہ کتنی ہی "عظیم اور لامثال" کیوں نہ ہوں اسلام کی ابدیت اور قطعیت پر ہرگز ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ اسلام کے حفاظت کے لیے خداوند کریم کی غیبی امداد کی بنا پر ایک گونہ اطمینان ہے کہ مصر کے مجمع البحوث اور راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی طرح یہ کانفرنس بھی متجددین اور ملحدین کی شکست اور اسلام کی سچائی اور ابدیت کے اعلان کا ذریعہ بن جائے گی کہ جس ذات نے اسلام کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ ہر دور میں "فتنہ اور شر" کے ایسے ہی مواقع سے "خیر" کا پہلو برآمد کرتا آیا ہے۔

(ج ۴ ش ۱۱ مارچ ۱۹۶۹ء ذی الحجہ ۸۸ھ)

تجدّد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

○ راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس ○ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماءِ حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالمِ اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلۂ خیال اور عالمِ اسلام کو درپیش مسائل پر غور و بحث، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابلِ تحسین قرار پاتا ہے مگر تصویر کا دوسرا رخ وہ ہے جسے ادارۂ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور "تحقیقی شاہکاروں" کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جا رہا ہے۔

عالمِ اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جس کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و فلسفہ کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی اس تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو بچاتے ہوئے قرآن و سنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصرِ حاضر کے درپیش مسائل کی شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریات اسلام کی

اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعتِ اسلامیہ سے میل نہ کھاتیں انہیں بلا تامل یکسر خیرباد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور متصلب مسلمان کی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور بر و بحر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیاتِ زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علوم و فنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے کہ اسلام کے اور نظریہ یا علماءِ حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم الغرض تجدد و اصلاحِ مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت، تعلیم و تربیت، ذاتی و سیاسی مصالح، مغربی تہذیب و تمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آ رہے ہیں ان سب چیزوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی نظام کو مغربی تہذیب و تمدن اور مادی افکار و خیالات میں ڈھالنا اور اسلامی نظام کو مغربی ممالک کے نقشِ قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو دینی تصورات اور شرائط و لوازم اور قیود و حدود حائل ہو سکتے ہیں ان کی منصوبہ بند تنسیخ کی جائے [illegible] سے دور کر دیا جائے۔

آوازۂ تجدید یا تقلیدِ فرنگ اور مختصراً یہ کہ اس طرح حقیقی خد و خال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو ”مغربیت“ کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورتِ حال ہے جس سے تجدد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبال رو چکے ہیں ؎

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

علماء اور مسلمانوں کی تشویش اور یہی وہ تشویشناک صورتِ حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مرنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس ضمن میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگِ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر علماء کرام کے سوادِ اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اِن تجدد اور مغرب زدہ طبقے کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا ساتھ دینے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا جائے نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کی بجائے ایئرکنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ، اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولر، کولڈ سٹوریج اور فریجیڈیئر کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ [illegible] کی بجائے [illegible]

سے بڑھنے لگا۔ انسان تیر و سنان کی بجائے توپ و تفنگ اور بندوق و ریوالور کی بجائے ایٹم و میزائل بنانے پر قادر ہوا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے میل نہیں کھاتا؟ جینے کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال و جان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو جو بنیادی ضروریات تھیں عصر حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتداد زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل و تکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رہ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی پابندیوں کو عصر حاضر کا تقاضا نہیں کہا جا سکتا | ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضرورت سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم و فنون مراد نہیں بلکہ وہ یورپی تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک زہریلے سرطان اور مہلک جذام کی شکل میں پوری انسانیت کا جسم کھائے جا رہی ہے۔ اور آپ اسلام کا جوڑ اس مغربی طرز معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جنسی بے راہ روی، اخلاقی آوارگی، مرد اور عورت کا آزادانہ ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، جوا، نمائش حسن، سول میرج، گرل اور ادائے فریبندہ، الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود و اصول سے بغاوت ہے۔

اسلام کا جمود و تعصب | تو یقین جانیے کہ اسلام اس بارے میں قطعی جامد و متعصب ہے اس میں ہرگز عصر حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے "ترقی یافتہ" اور "مہذب" لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تعصب خود تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کو مغربیت کا لباس اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے جرأت مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیر باد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنائیں مگر اسلام بیچارے کو مشق ستم نہ بنائیے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کی حقیقی فلاح و بہبود کا اسی نسخہ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصر حاضر کی فطرت

مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخۂ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور استہزاء اور یہ تعصب و عناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہوگی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف

اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں ہر زمانہ کے حوادث و نوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنائیے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیر بحث لائیے۔ اور انہیں آزمائیے۔ حجاب، بے پردگی، اور مخلوط معاشرت کو کھینچ تان کر اسے اسلام میں داخل کرانے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچیئے۔ معاشرتی حقوق کی پامالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ پیدا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدد ازدواج پر پابندی لگا کر یا اسے معاشرتی مسائل کا باعث قرار دے کر ممنوع کر دیں۔ معاشی ناہمواری، غیر منصفانہ تقسیم دولت، طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظام اقتصاد [illegible] معاشی [illegible] [illegible] دیں۔ نئے حوادث و مسائل کا قرآن و سنت اور آثار صحابہ اور فقہ سلف کی روشنی میں [illegible] نئے [illegible] کے حل نکالئے تاکہ آپ [illegible] [illegible]

بھی دینی فکر کے عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس و ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں، مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیرِ کائنات بالفاظِ دیگر شکم پروری کی تدبیروں کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبرؐ کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیقِ انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبر کا نچوڑ سمجھ بیٹھیں۔ اور تعلیماتِ قرآنی کے حقیقی مقصد عبدیتِ خداوندی، حصولِ مرضیاتِ الٰہی اور فلاحِ آخرت کو ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام، اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف جسم اور پیٹ کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدریں پامال ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرح آپ مذہب کا نام ہی لے سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے بھی بچ جائیں گے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء کی مثال بمشکل مل سکے گی۔

ہمارے خدشات کی تائید ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہلِ تجدد یقیناً اسے سوءِ ظن، ہماری تنگ نظری اور رجعت پسندی قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارۂ تحقیقات اور اس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا۔ ادارۂ تحقیقات اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریکِ تجدد اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے تحقیقی شاہکار بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے ہیں کہ ہم ان خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال کر کس طرح اسلام تصنیف کیا جا رہا ہے۔ یہ تمام "جواہر پارے" ادارۂ تحقیقات کے ترجمان "فکر و نظر" میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین تصنیف "اسلام" (مطبوعہ ویڈن فیلڈ اینڈ نکلسن لندن ۱۹۶۶ء) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ :۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کے بعض ملحدانہ خیالات

۱۔ قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے اصول اور مقاصد ابدی ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جو بجائے خود ازلی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں گو ان کی شکل بدل کر ظاہر ہوں، اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے روزہ حج میں بھی اسی اصول سے ترمیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔

الف۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ اور اگر موجودہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔

ب۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی۔ مگر اب عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔

۲۔ شریعت اسلامیہ غیر متبدل ہمہ گیر اور ابدی نہیں ہیں۔

۳۔ وہی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔

۴۔ وحی الٰہی اور رسولؐ دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۵۔ قرآن کریم کے فیصلے اور حضورؐ کی احادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوۂ نمونہ اور مثال ہیں۔

۶۔ قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ وہ وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ ان میں بھی تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ وحی ایک وجدانی علم اور نبی کے ضمیر کی آواز ہے۔

۹۔ جبرئیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری صدی کی پیداوار ہیں۔

١٠۔ حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔

١١۔ پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔

١٢۔ معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدۂ مسیح سے مستعار لیا گیا۔

١٣۔ قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

١٤۔ حدیث کا اکثر ذخیرہ خود ساختہ اور وضعی ہے۔

١٥۔ اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

١٦۔ حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے اوقات کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی، پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور بعد کی اختراع ہے۔

١٧۔ سنتِ نبویؐ کا اکثر حصہ قبل از اسلام کی روایات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات سنت کے رنگ میں داخل کر دی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے ضمن میں ملحقہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں۔

١٨۔ عہدِ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلق سود حرام نہیں۔

١٩۔ صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے، اس کے علاوہ نبیذ وغیرہ تمام اقسام حلال ہیں۔

٢٠۔ نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔

٢١۔ یہی حال شفاعت اور ظہورِ مہدی کے عقیدہ کا ہے۔

٢٢۔ اسلام کا نفاذ مغرب کی رہنمائی ہی سے بہتر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقینِ یہود کی تحقیقات سے تیار ہوا ہے اور جو مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

اور یہ ہے وہ اسلام جس کا ہیولیٰ سر سید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طٰہٰ حسین کے اظہارِ معذرت، جوزف شاخت اور گولڈ تسیہر کی تشکیک و تلبیس اور وغیرہم جیسے یہودیوں کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدد اصلاح کے دعووں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہلِ حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون فیاللاسلام وللغیبۃ المسلمین۔ اللّٰھم انا
نسئلک الثبات والاستقامۃ والتوفیق والسداد والعافیۃ۔
واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی[1]

کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انتھک قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں نثار کر کے بھی سرمست و شاداں تھے کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈھانا چاہے یا اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو ہرگز برداشت کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا جو ملکی حدود میں نقب لگا کر قومی اتحاد کا مجرم بنے!

ملتِ حنیفیہ کی اخوت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امتِ مسلمہ کا وہ شیرازہ اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ ساری دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملتِ حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشتِ اوّل

---

[1] ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات نے بھی بعض سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے علماء اور اہلِ دین کے خلاف مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں آئے دن زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینے کے بیانات بھی آ رہے تھے۔ اس مضمون میں اس نظریہ اور متجددین کا تعاقب کیا گیا ہے۔ (س)

معمارِ اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دل کا سکون اور راحت کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہی تھیں۔ اوذیت فی اللّٰہ مالم یوذ احد کما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس معمار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی نجات و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال، جان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالمِ خاکی سے رخصت ہوئی تو دین کا یہ قصر ایک حسین و جمیل، کامل و مکمل مربع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور اٹل بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادی ستونوں پر قائم ہے جسے ہم ارکانِ خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور جسے حضور اقدس ؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ا صفحہ ۱۲۱ بحوالہ مصنف عبد الرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ڈھا دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اگر کوئی خود غرض شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو ثابت یہ ہوتا ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اگر ان ستونوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے

جو پس پردہ اس کل پرزے کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدس ؐ نے ایک سیدھی سادی مثال سے ذہن نشین کرادی اور بار بار فرمایا جسے بلا شبہ صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا	ستونوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول الله واقام الصلوٰة	کی وحدانیت اور رسالت محمدیؐ کا
وایتاء الزکوٰة والحج	اقرار، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

[عن عبد اللہ بن عمر۔ بخاری
مسلم۔ ترمذی۔ نسائی]

کہیں ان ارکان کو ارکان اسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مقامات احکام و اوامر و نواہی قصص و امثال و مواعظ و حکم کی تفصیل میں یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان پر دین و آخرت ترغیب و ترہیب کا مدار ہے اور ان کا باہمی ربط و تعلق بھی قدرتی ہے کہ اس مجموعہ دین کی بقاء ان ارکان کی مرکزی حیثیت پر منحصر ہے جو ہر مسلمان کے لئے اسی طرح لازم ہیں جیسے محل کے ستون ہوتے ہیں کہ اگر ان میں ایک ستون بھی قائم نہ رہے تو محل کی عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے ترک کر لیا جائے یا کسی حیثیت اساسی میں تبدیلی کی جائے تو اس سے خواہ وہ ایمان بالحشر ہو یا نماز زکوٰۃ حج یا روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا [illegible] ہے کیا [illegible] ان ارکان کو مضبوطی سے [illegible] ہے جس طرح آپ نے پایا بیان کی ذہنی ہم آہنگی عمارت بنا کر اساس کا نقشہ بنایا۔ اس سے ان ارکان کو یہ باہمی ربط و تعلق اور ان کی اہمیت کی ان الفاظ میں تجدید کی کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(ایمان باللہ کے بعد) چار چیزیں ہیں جن کو
اربع فرضهن الله في الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا

فمن جاء بثلاث	ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
لم یغنین عنہ	اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
شیئاً حتی یأتی بہن	ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ	بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں
وصیام رمضان وحج البیت	آسکتیں جب تک سب کے سب
(ترجمان السنہ بحوالہ طبرانی)	نہ کرے (یعنی سب پر ایمان رکھے مترجم)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اسی وجہ سے) قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے ساتھ آتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔ روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص زبان کا اقراری ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس شکل میں تبدیلی و ترمیم کی صدا بلند کرتا ہے جو اس کے معمارِ اول نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس تحریک میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوئے ایمان قابلِ التفات ہے خواہ وہ ہزار بار دین کے استحکام و تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور اس عقیدے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنتِ رسول اور صحابہ کرام خلفائے راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ پس
فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ	اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
فخلوا سبیلہم (توبہ)	زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک

وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اظہار کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے انہیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ :-

لا خیر فی دین لا صلاۃ فیہ	بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا :-

من لم یزک فلا صلاۃ لہ	جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

(ترجمان السنۃ ص [illegible])

چنانچہ اسی لئے سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ :

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ	خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی فرضی حیثیت سے انکار کرے گا) میں اس سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی

عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض قبائل مثلاً بنو عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اسلامی نظام اور زکوٰۃ عبادت کے مختلف اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت ذرا بھی نرمی کی گئی اور یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر جب باقی منافقین، مانعین اور مرتدین کے ہاتھوں یہ پوری ملت ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم الدنیا) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو ختم کر دیا ـــ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین ـ

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کے نفاذ کی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے خلاف اقدام کرنے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لیے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ

انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ ۔

ان الایمان اسم لالتزام	بتاتے ہیں کہ ایمان نام ہے پورے
الدین من غیر فرق بین	دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز
الصلاۃ والزکاۃ۔ فمن لم یلتزم	اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے گویا
بالکل [illegible] لم یلتزم بالکل	وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور
فهو کافر قطعا	جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ
(فیض الباری [illegible])	شخص قطعی کافر ہے ۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی یہ بات محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ صراحت سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بات پر کھل گیا اور خود حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قول و عمل مان لیا اور اس طرح ایک رکن اسلام زکوٰۃ کی قطعیت پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوا اور ایسا اجماع جس کے خلاف کسی ناصبی یا خارجی کی طرف سے بھی اختلاف نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ میں اہم غلطی کیا تھی

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب و عوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے خلاف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت بات کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے الٹا منکر ہو گئے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری فرماتے ہیں۔

وانما [illegible]	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک
مثل الجبایۃ [illegible]	مالی ٹیکس ہے جیسا کہ بادشاہ رعیت
[illegible]	رعایا سے کسی طرح کے ٹیکس وصول
فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ	کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں
وسلم فی عهده [illegible]	تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا

فحين ولاة من تسقط
وبقيت كسائر الجبايات
حتى وراء السواحل۔
(مبسوط السرخسی ص ۱۰ ج ۱)

اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
حاکم بن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

لیجئے چودہ سو سال بعد قرنِ اوّل کے مانعینِ زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکانِ اسلام سے بغاوت کا داعیہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی ادبی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں: معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے۔ (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۳ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا: قرآن حکیم میں مسلمانوں پر مملکت کی طرف سے ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے جو زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی اور اس لئے ضرورت کے لحاظ سے حکومت کی تمام ضروریات پوری کرتے ہوئے معاشرہ کی سماجی ترقی بشمول تعلیمی، رفاہی اور دیگر ضروریات سول سروس، ٹرانسپورٹ اور میدانِ جنگ وغیرہ پر بھی لایا جائے۔ ؟

کیا خوب فرمایا آنحضرت صاحب نے: خدا نے قرآن میں زکوٰۃ کے فرض کے لئے صرف حکم نازل فرمایا۔ رسول نے اس کے نصاب اور مقدار مقرر کئے اور اس کے تقسیم و ترتیب واضح کی۔ ابو داؤد میں ہے کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم کسی نبی مرسل یا فرشتہ تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں — ورنہ نہیں۔ (ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق"

کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لیا جائے گا۔ امام ابو یوسف کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم، پاکباز، منصف مزاج، متدین اور خود رائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے جان کی حقوق اور مال و جان کی محافظ ہوگی۔ اسی طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فئے جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا۔ معادن اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اسی طرح اوقاف، اجارہ یا سرکاری آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاشت کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف عشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور اس کے مصارف اور مخارج بھی مقرر اور متعین ہیں۔ اس کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک کے ان تاجروں کے اموال پر اسی قسم کی ڈیوٹی لگنے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کردی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور، نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الغصب وغیرہ کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر

عہدِ حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل و تلبیس اور تحریف و تبدیل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبرِ اعظمؐ نے قدموں کے نیچے پامال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کی منحوس دلیری کی وہی روحِ بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطانی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالتِ محمدی کی بنیاد "ختمِ نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصبِ رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے زیرِ اثر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدت، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس عہد کی یہی اس باغی روح نے مسلمانوں کے پورے "اقتصادی ڈھانچہ"، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالمِ اسلام کی ہیئتِ حاکمہ اور قوتِ نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظامِ اخلاق و کردار، تمدن و طرزِ معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اسی کی بدولت مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور بس۔ الاسلام غریباً وسیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج

ان حالات میں اگر امتِ مسلمہ پھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر تیشہ زنی کا یہ دور یونہی چلتا رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے بھیانک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو ختم کر دیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاعِ وقت (نمازِ پنجگانہ) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی

دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی اقتصادی حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کی دولت اور ریاست کا زر مبادلہ ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے! (العیاذ باللہ) الغرض جب اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو اس کی قباحت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ دھونے پڑیں!

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچی ارباب فکر و نظر کی تیشہ زنی کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوءِ ظن، ہٹلیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کی موجودہ "جاہلیت" کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطۂ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس کشمکش نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا آئیڈیل مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں بنتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے کبھی سرے سے سنتِ رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماحول یا اشخاص کے ذہن و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام دے دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء   گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے
فتخطفه الطیر او تهوی به   پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا

الریح فی مکان سحیق (حج پ۱۷ ع۱۱)   یا ہوا کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی ان نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا ان تحریفات و تلبیسات پر سر پیٹتی ہے کہ کس بیدردی کے ساتھ یہ دیوانہ پن اور جہالت اپنے تجدد و تحقیق کا شوشہ چھوڑ رہے ہیں اور کس طرح دین کو بازیچۂ اطفال بنا رہے ہیں کہ

ملت مسلمہ کا المیہ | آج ملت مسلمہ کا سب سے بڑا مسئلہ [illegible] میں ہے یہ ہے کہ اس کی سرحدوں اور دین کو اعداء و اغیار کی دست برد سے بچانا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس ملت کا ہر فرد خواہ وہ حاکم ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدر اپنے تمام اغراض و مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی جرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس نوعیت کی تحریفات پیدا کرنے کی سعی کرے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت بحث و تمحیص کا نہیں بلکہ جہاد کا ہے۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام

دل آزار کتاب اور حکومت کا تجاہل عارفانہ

قومی اسمبلی میں مولوی فرید احمد صاحب کے ضمنی سوال کے جواب پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی کتاب "اسلام" اور اس کی نہایت دلآزار مباحث زیر بحث آئے۔ مولوی فرید احمد نے استفسار کیا کہ کیا حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کتاب نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور لوگوں میں وسیع پیمانے پر برہمی پائی جاتی ہے۔ اس پر وزیر قانون نے کہا ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں لیکن ہم اس بارہ میں یقیناً غور کریں گے۔ مگر اس کے فوراً بعد وزیر قانون نے اس سوال کی توثیق کی کہ اس کتاب کے یہی حصے ماہنامہ فکر و نظر کے بعض شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ وزیر صاحب کا یہ تجاہل عارفانہ اور عوام کے جذبات سے لاعلمی کا اظہار نہایت قابل افسوس ہے۔ پھر تحقیقات کی اس دعوت سے زیادہ کتاب کی ذمہ داری سے حکومت کیسے سبکدوش

ہو سکتی ہے؟ جبکہ ؎

بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے "نظریات" کا تعلق ہے مسلمانوں کو اس بارہ میں زیادہ دیر تک مغالطہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ جب معاملہ دین اور اس کے اساسی معتقدات کا ہو تو اس کی حفاظت کا مسئلہ ہر شخصی، معاشرتی اور قومی و ملکی ضرورت سے مقدم ہو جاتا ہے اور بحمد اللہ مسلمان دین کے تحفظ کے بارہ میں ابھی تک حساس ہیں جس کی مثال اسی کتاب "اسلام" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ الحق نے اپنے ایک شمارہ (مارچ ۶۸ء) کے ادارتی نوٹ میں مذکورہ کتاب اور دیگر مضامین سے ڈاکٹر صاحب کے بعض لادینی نظریات کی ایک جھلک پیش کی تھی خدا نے الحق کی یہ حقیر آواز دور دور تک پہنچا دی۔ ملک کے ہر طبقے نے ان نظریات پر نہایت حیرت اور افسوس کا اظہار کیا۔ بالخصوص مشرقی پاکستان میں تو اس کا ردعمل اور بھی شدید ہے۔ وہاں کے آئے ہوئے بعض خطوط اور اطلاعات کے مطابق اب تک لاکھوں افراد کے اجتماعات میں اس کتاب اور ادارہ تحقیقات کے خلاف احتجاج اور پورے صوبہ میں غم و غصہ کا اظہار ہو رہا ہے۔ وزیر قانون یا حکومت کو اگر اس وسیع پیمانے کی برہمی کا علم نہیں تو کم از کم راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس میں ایمانی جذبات کی روح پرور مناظر تو ان کے سامنے ہیں۔ پھر کیا وزیر قانون صاحب اس کانفرنس کی بعض خاص مجالس کو بھی اتنا جلد فراموش کر بیٹھے جس میں ان کے سامنے بعض مندوبین نے ڈاکٹر صاحب اور ادارہ تحقیقات کے نظریات کو کھول کر رکھ دیا تھا۔

جولائی ۱۹۶۸ء ربیع الثانی ۸۸ھ

شاگرد کو استادوں کی شاباش

ایک ثقہ معاصر راوی ہے کہ برطانیہ کے شہرۂ آفاق علمی و استشراقی ششماہی مجلہ بلیٹن آف دی سکول آف اورنٹیل اینڈ افریکن اسٹڈیز کے ج ۲۹ (۱۹۶۶ء) حصہ دوم کے صفحہ ۳۹۵ - ۳۹۶ پر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ پاکستان کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی انگریزی کتاب ([illegible]) پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے، جو نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی کے نامور پروفیسر شاخت ([illegible]) کے قلم سے ہے۔ کتاب میں اجتہاد و سنت اور اجماع ایسے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جن پر بہت سے مستشرق اور الحاد زدہ محققین اپنی ساری عمارت اٹھانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں تحریف سازی کے فکر کا ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ قدیم اسلام کی مطابقت جدید رجحانات سے پیدا کی جائے اور قدیم اور راسخ العقیدہ طبقہ سے اپنی جدید تحقیقات کسی حد تک تسلیم کرائی جائیں۔ یہاں ہمیں ان مسائل و نظریات سے بحث نہیں۔ اس کا کچھ تذکرہ ذکر الحق کے صفحات پر آرہا ہے۔ قابل توجہ و قابل تحسین و آفریں ہے، جو کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم، ایک متعصب اور غالباً ایک یہودی پروفیسر نے موصوف کتاب کی بارگاہ میں پیش کی ہے۔ اسلام کے نامور ترین مخلص محقق علماء الحدیث، والی اور فاترس راسخ العقیدہ مسلمان تشخیص کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے حواریین کو اس سے کیا؟ کہ یہ تو راسخ العقیدہ گروہ اور جماعت سے اختلاف پیدا کرنے والوں کا ایک نمونہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے تو یہی خوشی کا مقام ہے کہ ان کی داد و ستائش کے چرچے میکگل یونیورسٹی اور کولمبیا کے پروفیسروں میں ہو رہے ہیں۔ وہ پروفیسر جو بقول ڈاکٹر صاحب سائنٹفک طریقہ تحقیق اور جدید تجزیاتی و تنقیدی انداز فکر میں ان کے امام ہیں جس کے بغیر تعمیری اسلامی تحقیق کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پروفیسر شاخت کی اس مدح سرائی کا حال سن کر قرآن کریم کی اس آیت پر ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:-

ولن ترضی عنک الیھود	اور یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز ہرگز
ولا النصاریٰ حتی تتبع	راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ پوری
ملتھم۔	طرح ان کی ملت کے پیرو نہ بن جائیں۔

اہل تجدد کے لادینی جھٹکے

ان دنوں علمی اور دینی حلقوں میں بلا تکبیر و تسمیہ مشینی ذبیحہ کے بارہ میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کا فتویٰ زیر بحث ہے۔ سود اور قمار کے جواز، خمر و میسر کی حلت، برتھ کنٹرول کو مستحسن اور زکوٰۃ کو ٹیکس اور نصوصِ شریعت کی بجائے صرف عقل کو ابدی قرار دینے کے بعد اب "جھٹکے" کی حلت اور متروک التسمیہ ذبیحہ کی اباحت کا مسئلہ ہے انا للّٰہ۔ مگر سوال صرف کسی ایک حرام کو حلال ٹھہرانے کا ہوتا تو بحث و تحقیق کے ذریعہ اس کا احتساب کیا جاتا۔ اب تو یہ معمول بن چکا ہے کہ ہفتہ عشرہ میں اس ٹکسال سے ضرور کوئی ایسا فتویٰ برآمد ہوتا ہے جس سے پاکستان کی پرسکون فضاء انتشار و افتراق کا شکار ہو اور بالآخر پاکستان کی غیور و متصلب اکثریت کے دینی احساسات اور لادینی جھٹکوں کے سامنے مجبور و بے بس اور نیم جاں ہو کر رہ جائیں۔ جب سوال پورے دین کا مسئلہ بنانے اور تمام محظورات شرعیہ کو حلال ٹھہرانے کا ہو تو پھر ادارہ تحقیقات کو کسی مسئلہ میں ائمہ دین اور فقہا کے باہمی اختلاف یا قریبی دور کے کسی معتبر فقیہ یا محقق عالم کی علمی رائے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے، جس طرح جی چاہا ہے فتویٰ داغ سکتی ہے۔ کون ہے جو اس کی آڑے آئے؟ رہے علماءِ حق اور دین و شریعت سے باخبر لوگ تو ان کا مصرف یہ رہ گیا ہے کہ کسی ڈیری فارم کا انتظام سنبھال لیں یا کوئی مرغی خانہ کھولیں یا شہد کی مکھیاں پال کر اور اسکواش بنا کر پیٹ پالنے کی فکر کریں تاکہ قوم کا کروڑوں روپیہ بچایا جا سکے۔ فتویٰ، دینی تعلیم و تربیت اور حلال و حرام کی تمیز کرانے کا کام اب ادارہ برمالیہ کے سپرد ہے۔ پھر علماء کو کیا حق ہے کہ بقول ایک ممتاز اور ذمہ دار کے ادارۂ تحقیقات کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان کو "تنبیہ" کر کے اس سے [illegible] کی رو میں [illegible] قربانی کا بکرا بنا لیں۔ آہ! یہ نہیں سمجھتے کتنا مظلوم و بے تمیز ہے کہ اسے قربانی کا بکرا بنا سکیں [illegible] ہے — اس غریب مدیر کو تنہا کرنے کی مہم تو محض مصلحت اور وقت کا تقاضا [illegible] کی بنا پر کسی کا حرفِ شکایت [illegible] بے تمیزی اور انتشار پسندی ہو۔ رہا نفس مسئلہ تو حق یہ ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے۔ ([illegible])

قربانی کی بجائے قیمت

ہمارے ملک اور بعض اسلامی ممالک میں دین کی روح سے نابلد ایسے روشن خیال اور تجدد زدہ افراد کی کمی نہیں جو آئے دن اپنی تحقیق و اجتہاد کی چھری اسلامی شعائر اور قطعی و متواتر احکام و عبادات پر چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر ایسے شوشے شوشے چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ قربانی کرنا جانوروں کی ضیاع ہے۔ اس سے قومی سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔ اور بجائے قربانی کے اس کی قیمت کو رفاہی کاموں میں لگانا چاہیے۔ علمائے اسلام نے تفصیل سے ایسے شبہات اور وسوسہ اندازیوں کے معقول جوابات دیے ہیں۔ اس دفعہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اجلاس ۲۹ [illegible]ھ کے ذکر میں الجزائری اخبار الشعب مجریہ جمادی الثانی [illegible]ھ میں شائع شدہ ایک الجزائری فتوی لایا گیا ہے جس میں حج کے موقعہ پر قربانی کی بجائے اس کی نقد قیمت تقسیم کرنے کا کہا گیا تھا۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک فتوی میں اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا کہ قرآن و سنت کے واضح نصوص نبی کریم علیہ السلام کے اعمال، قولی و فعلی ہدایات اور عہد نبوت سے لے کر اب تک صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کے تعامل سے ثابت شدہ مسائل و عبادات میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، تقرب الی اللہ خود ساختہ طریقوں سے یا کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے میں ہے کسی کام کے اقتصادی اور معاشی مصالح کے پہلو تب تلاش کیے جا سکتے ہیں جہاں امت کے اجماعی فیصلوں اور نصوص قطعی پر زد نہ پڑے اس لیے استبدال ذبائح بالثمن جیسے بیہودہ مباحث اور ان کا رواج ابتداع اور مداخلت فی الدین کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ جدید قرارداد جہاں اسلامی نقطۂ نظر اور جمہور اہل سنت کے عقائد کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور وہاں یہ قرارداد عالم اسلام کے راسخ عقیدہ مسلمانوں کے لیے اطمینان قلب و زیادت ایمان کا باعث ہے وہاں مغرب سے متاثر اذہان کو کڑی تنبیہ ہو جاتی ہے کہ ایسے مسائل میں عالم اسلام کی اکثریت کسی بھی ان خیالات کی روادار نہیں۔

مشاورتی کونسل اور قانونِ وراثت و ارتداد

اسلامی مشاورتی کونسل نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ ملک میں موجود قانونِ وراثت کی بجائے اسلامی قانونِ وراثت نافذ کیا جائے اور مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کو آبائی جائداد سے محروم کر دیا جائے اور اسلامی احکام کے مطابق انہیں موت کی سزا دی جائے۔ کونسل نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ملک میں ایسے منظم افراد یا اداروں کا فوری محاسبہ کر کے انہیں سخت ترین سزائیں دی جائیں جو مسلمانوں کو نت ہتھکنڈوں کے ذریعہ مرتد بنانے میں مصروف ہیں۔ کونسل نے اپنی سفارشات میں جو صدرِ مملکت کو پیش کر دی گئی ہیں اس امر پر اظہارِ تشویش کیا ہے کہ ملک میں منظم طور پر مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے کا کام جاری ہے جس کا سدِ باب نہیں کیا جا رہا، حالانکہ اسلام میں مرتد بنانے والے بھی قابلِ تعزیر ہیں۔ کونسل نے یہ بھی کہا کہ ایک اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔ جہاں تک سفارشات کا تعلق ہے تمام اسلام پسند حلقے اس کی تحسین و تائید کریں گے۔ بشرطیکہ حکومت ان سفارشات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اب تک اس قسم کی تو سفارشات سے زیادہ مقام نہیں پا سکے۔ اگر اس ضمن میں کونسل نے ارتداد کے واضح مفہوم اور اس کی حیثیت پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو اچھا ہوتا کہ اب تک مرتد کو مرتد نہ بنائے اسے سزا کیسے دی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں وسیع پیمانے پر ارتداد کا کام جاری ہے۔ ہماری اکثریتی قوت عیسائیت اور قادیانیت کی گود میں جا رہی ہے۔ کونسل جیسے ذمہ دار ادارہ کو ایسے تمام منظم اور غیر منظم افراد و اداروں سے بھی پردہ اٹھانا چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کو تنبیہ ہو جاتی اور سفارشات کا کوئی ثمر تو نکل آتا۔ کونسل کی سفارشات کا کوئی ثمر تو نکل آتا۔ کونسل کی سفارشات میں اسلامی قانونِ وراثت رائج کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس ضمن میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کونسل کی مراد ان قوانین سے امتِ مسلمہ کے متوارث اور آئینی قوانین ہیں یا وہ "اصلاح یافتہ" قوانین جن میں پوتے کی وراثت جیسی دفعات بھی شامل ہیں جن کے لئے پوری اسلامی تاریخ میں کوئی سند اور نظیر نہیں ملتی۔ اگر معاملہ دوسرا ہے تو جس طرح رائج الوقت قانون بقول کونسل کے قرآن و سنت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا اسی طرح اسلامی قوانین کے ترمیم شدہ ایڈیشن سے بھی خرابی دور نہ ہو گی۔ معاملہ سلجھنے کا نہیں بگڑتا چلا جائے گا کہ انسانی مفادات اور تقاضوں کو سب سے زیادہ جاننے والا اس کا خالق ہی ہے۔

تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

سابق مرکزی وزیر قانون و پارلیمانی امور مسٹر ایس ایم ظفر نے ہیری بینجمن اور آر ای ایل ماسٹرز کی لکھی ہوئی کتاب دی پراسٹیٹیوٹ ان سوسائٹی کی اشاعت کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ جس میں سرور کونین کے بارہ میں قابل اعتراض مواد موجود ہے۔ مرکزی وزارت داخلہ کے نام ایک خط میں انہوں نے ایسی کتاب پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے جس میں آنحضور کی ذات گرامی پر بدترین حملے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ شر انگیز اور ہتک آمیز کتاب سخت ترین مذمت کی مستحق ہے۔ غیر مسلم اقوام کی ایسی ذہنی اور شرمناک حماقتوں پر حقیقی معنی میں افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات ایک مدت سے جس اعتراض کی خاطر یہ دعوائے [illegible] ہے کہ اصل مسلمان [illegible] نہیں۔ مسلم قوم تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب کی عظمت و احترام پر مجبور ہے اور یہ اس کا جزو ایمان ہے۔ [illegible] اگر مسلمان قوم بھی یورپی اقوام کی طرح مذہب و اخلاق کے [illegible] کے تنزل سے دوچار [illegible] مسلمان [illegible] حضرت [illegible] نام [illegible] علیہ السلام [illegible] انبیاء کی [illegible] شان کی [illegible] سے [illegible] کا ذکر [illegible] سکتی ہے۔ [illegible] بار اتنے مضبوط اور محترم و ایمان [illegible] کہ ایسی کتاب [illegible] سے نکال سکتا۔ [illegible] کی آنکھیں [illegible] سکتے ——— سابق وزیر قانون کے احتجاجی بیان کی صرف [illegible] تائید کرتے ہوئے ہم اپنی اس حیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ موصوف نے اس تازہ اور کچھ عرصہ قبل کے طرز عمل کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ موصوف کے وزارت کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمان نے بھی ایسی ہی ایک دل آزار کتاب لکھی تھی اور اپنی جرأت رندانہ سے پوری ملت کو شدید اذیت پہنچائی تھی۔ نبی کریم کی شان اقدس میں کیا کچھ نہیں کہا تھا جو اس بیہودہ شخص نے نہیں لکھا تھا۔ ہم نے [illegible] کانفرنس کے دوران مرکزی کابینہ کے ایک بند کمرہ میں وزیر موصوف

کی زبان سے بھی ڈاکٹر صاحب کے بارہ میں نہایت غلیظ ریمارکس سے نکلتے مگر چند دن بعد اخبارات کے صفحات پر اچانک وزیر صاحب موصوف ڈاکٹر صاحب کے وکیل صفائی بن کر ظاہر ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کی مدافعت اور برأت میں پورا زورِ وکالت صرف کیا تھا۔ اس تضاد کی توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ موصوف کا وہ جذبۂ ایمانی اور حمیت اسلامی اب پابند قید اقتدار نہیں رہا جس کی گرفت میں آ کر لبا اوقات انسان کی ایمانی حس مصلحت پرستی اور حب جاہ اور خوف و لالچ کے دبیز پردوں میں دب کر رہ جاتی ہے مگر مقام عزیمت تو یہی ہے کہ قعر دریا میں رہ کر بھی انسان اپنے دامن کو تر دامنی سے بچائے رکھے۔ (رحمت ش ۵ فروری ۱۹۶۰ء)

شانِ رسالت اور مستشرقین کی غیر شریفانہ جسارت

حال ہی میں ہندوستان میں حضور نبی کریم فخر کائنات رحمت العالمین کی اعلیٰ و ارفع شان میں مشہور مورخ ٹوائن بی کی گستاخانہ حرکت پر مظاہرے ہوئے۔ بلاشبہ ناموسِ رسالت پر مٹنے والوں کا جان و مال سے بے نیاز ہو کر میدان میں کود پڑنا تقاضائے دین و ایمان ہے اور کوئی مسلمان ذلیل یورپ کی آئے دن کی ایسی کمینہ حرکات پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ ٹوائن بی اسلام کے حق میں مغربی علماء میں وسیع الظرف، حقیقت پسند اور صاف گو مشہور تھے مگر بالآخر اس کی اسلام دشمنی اور بد طینتی سے بھی مصنوعی پردہ سرک گیا اور حقیقت ظاہر ہو گئی کہ یورپ کا کوئی سکالر اور بڑے سے بڑا مورخ بھی اسلام اور نبی کریمؐ کے بارہ میں مخلص اور بلند حوصلہ نہیں ہو سکتا خواہ اس کا علم و تحقیق اسے اعتراف حق اور حق شناسی پر اسے بارہا مجبور کیوں نہ کر چکا ہو ٹوائن بی کی اس غیر شریفانہ جسارت نے اس کی علمی ساکھ کو جو دھکا لگایا ہے اب وہ عمر بھر اس کی تلافی نہیں کر سکے گا۔ ٹوائن بی کے اس تقابلی مضمون کو ہندوستان کے ایک ہندو اخبار نے شائع کیا کہ اسے تو اپنے لیڈر گاندھی کی شخصیت اچھالنے کا ایک موقع ہاتھ آیا تھا لیکن کیا ہمارے بعض سرکاری حلقوں کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو سیاسی سٹنٹ کے طور پر استعمال کریں۔ ایسی باتوں کا وزن، عمل اور کردار کی کسوٹی پر معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس معیار پر ہم خود کیسے

اترتے ہیں؟ تو ہمارے ہاں حضور سرور کائنات علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کتنی محفوظ ہے ہمارے قلوب میں کیا ان کی ذات، ان کی نبوت، ان کی سیرت اور ان کی سنت کی اعلیٰ و ارفع اور تشریعی حیثیت پر دست اندازی کرنے والوں کا ہم خود کچھ محاسبہ کر رہے ہیں؟ یا انہیں مختلف طریقوں سرکلر، پریس نوٹ اور سرکاری نوٹسوں کے ذریعہ تحفظ دے رہے ہیں؟ کیا ہم حضور نبی اولین و آخرین کی قبائے افتخار، ختم نبوت کی عصمت و حرمت کو مجروح کرنے والوں کو کلیدی مناصب سے نہیں نواز رہے؟ کیا ہمارے ہاں نبوت کے لوازم حیات، وحی، اس کی عصمت اور کلام اللہ کی اعجازی حیثیت پر ریسرچ اور تحقیق کے نام سے ہاتھ نہیں چلایا جا رہا؟ کیا فضل الرحمان، غلام احمد پرویز اور بیسویں صدی کے مرزائی دجال سے بڑھ کر توہین رسول کا مرتکب بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ عیسائی یا کوئی دوسرا غیر مسلم اگر گستاخی کرے تو اسے شرک اور کفر کی وجہ سے اس کے عناد پر محمول کیا جائے گا، مگر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر علم و تحقیق اور اسلام دوستی کی کمین گاہ میں بیٹھنے والے ڈاکوؤں سے ہمارا سلوک کیسا ہے۔ اگر کسی مسلم قوم اور کسی اسلامی مملکت ہاں حضور کی عظمت اسلام کی حرمت اور اس کے بنیادی حقائق محفوظ نہیں رہا تو اسے کب زیب دیتا ہے کہ ایسی غیر مسلم حرکات پر چیخ و پکار کرکے اپنی سیاست کا سکہ جمانا چاہیے جبکہ خود اپنے ہاں ایسی بے باکانہ جرأتوں کو نہ صرف یہ کہ کھلا چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ سرکاری سطح تک ایسے لوگوں کی سرپرستی کی جاتی ہو۔ اگر ہمارے قلوب عظمت نبوت اور مقام رسالت کے احترام سے معمور ہیں تو آج تو کیا اگر ہماری جان و مال اور پوری متاع حیات بھی ناموس نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے تو اس سے اہم فریضہ اور اس سے بڑھ کر سرمایہ سرخروئی اور کیا ہو سکے گا؟

برطانیہ کا اسلامی ثقافتی جشن

خبر گرم ہے کہ اپریل سے برطانیہ میں ایک خالص اسلامی ثقافتی میلہ "ورلڈ آف اسلام فیسٹیول" کا انعقاد ہو رہا ہے جو اگست تک جاری رہے گا اور اس میں عالم اسلام کی تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر، خطاطی، نوادرات، قدیم و جدید مطبوعات کی نمائش کی جائے گی اور اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مذاکرہ بھی ہوگا۔ کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین تعارف کا ذریعہ کہتے ہیں اور کوئی اسے اسلامی اور مغربی دنیا کے باہمی ارتباط اور قرب کا موجب کہتا ہے۔ ہمیں اس عظیم اور وسیع کثیر المقاصد منصوبہ کے پس پردہ محرکات، عوامل اور رجال کار کا تفصیلی علم ابھی تک نہیں ہوا اور نہ ہم قبل از وقت کسی اچھے یا برے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں خدا کرے یہ مہرجان اسلامی یورپ میں اسلام کے صحیح تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ رویہ، مستشرقین یورپ کی طویل سازشوں اور ملی ادوار میں زیر پردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹیول کے بارہ میں متردد ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ جو ذرائع خبر رساں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم منصوبہ کا محرک اور منتظم تیس سالہ پال کیلر نامی ایک غیر مسلم ہے جو آرٹ و کلچر کا دلدادہ ہے۔ برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات بھی اس جشن کے تعارف میں پیش پیش ہیں۔ لندن ٹائمز اور فنانشل ٹائمز خصوصیات پر مبنی رنگین ضمیمے بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس مہرجان عظیم کا افتتاح ملکہ الزبتھ کر رہی ہیں۔ منتظمین کی طرف سے مطبوعہ اصل پروگرام ہمارے سامنے ہے۔ اس میں علم و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی، رقص و سرود، مصوری اور تصویر سازی پر مبنی کئی پروگرام بھی شریک ایجنڈا ہیں۔ اسلامی دنیا میں پائی جانے والی موسیقی کو پہلی دفعہ مکمل شکل میں کئی ہالوں میں پیش کرنے کے انتظام ہیں۔ مغل شہنشاہوں کے دور کی عریاں تصاویر اور جہانگیری آرٹ متعارف کرانے کا پروگرام ہے۔

یہ اور ایسی کئی باتیں ہیں جو اس پروگرام کے بارے میں خدشات کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ہمیں اتنا خوش فہم کبھی نہیں ہونا چاہیئے کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا یا اس نے اسلام کی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیرخواہوں کے لئے چوپٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایک ایسا معجون مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا قوام نام نہاد آرٹ و کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر و مجسمہ سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہلِ خیر اور اربابِ علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے ہیں، ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان ہر علمی و اسلامی ادارے سے اس معاملہ پر گہری اور عمیق نگاہ رکھیں کہ مبادا کہیں یہ حیلہ اور منصوبہ یورپ کی شاطرانہ چالوں میں سے ایک چال نہ ہو۔ یہودیت اور استشراق حالات اور تقاضات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچلی بدلتی رہتی ہے۔ اور ایسی خبریں آتی رہی ہیں۔

مستشرقین کے نئے حربے

پچھلے سال عالمی استشراق نے اپنی انیسویں کانفرنس میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کانگریس کو ایشیا اور شمالی افریقہ کی انسانی علوم کی کانگریس سے پکارا جائے گا۔ یعنی جو مقاصد اب تک استشراق کے نام سے حاصل کئے جاتے تھے اب انہیں اور ناموں سے پورا کیا جائے گا۔ فرانسیسی جریدہ لی موند نے اس اعلان کو استشراق کی موت سے تعبیر کیا ہے۔ ایک مستشرق جیک برک نے کہا کہ اس طرح استشراق کا دور ختم ہو گیا۔ مگر درحقیقت دام ہم رنگ زمین کو نیا رنگ دینے اور سانپ کا لباس بدلنے والا معاملہ ہے۔ اور ایک ایسا ہی اعلان ہے جیسا کہ [illegible] میں مسیحی مبلغ ڈاکٹر زویمر نے تبشیری سرگرمیوں کو ختم کر دینے کے بارہ میں کیا تھا مگر ساتھ ہی آگے چل کر اس کی تشریح اس طرح کی کہ اب ہمارا مقصد مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں۔ البتہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نکال دیا جائے۔ اور اب یہ کام ثقافت و کلچر اور صحافت کے ذریعہ ہونے لگا ہے۔ گویا یہ تبشیر زدہ دور کی سرگرمیوں کی ایک مرحلہ کی تکمیل اور دوسرے مرحلہ کا آغاز تھا۔ یہی انداز استشراق و

استعمار کا ابتداء سے اسلام کے بارہ میں رہا ہے۔ ان کا طریق کار نہایت گہرا، طویل المیعاد اور دور رس نتائج پر مبنی رہا ہے۔ بے شک مسلمانوں کو علمی اور ثقافتی کاموں میں تنگ دل اور متعصب نہیں ہونا چاہیئے مگر دشمن کے عزائم، طرزِ عمل اور چالبازیوں سے یکسر آنکھیں بند کر دینا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں نہ مسلمان کو اتنا وسیع الظرف اور وسیع المشرب ہونا چاہیئے کہ آزاد خیالی کی لگن میں وہ اپنی ثقافت اپنا ورثہ اور اپنا اسلامی تشخص بھی ہاتھ سے دھو بیٹھے۔ نئے دور میں اسلام اور صلیبیت کی محاذ آرائی توپ و تفنگ کے دائروں سے نکل کر قلم و قرطاس اور علم و فن کے مورچوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اور اب اسلام کو فولاد و ایٹم سے نہیں علم و تحقیق کے اسلحہ سے نیست و نابود کر دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں جنگ کے ان نئے طور طریقوں میں بھی محتاط رہنا چاہیئے۔ اور پہلے کی طرح اس محاذ پر بھی دشمنانِ اسلام پر اسلام کی ابدی صداقت و حقانیت کی ابدی مہر لگا دینی چاہیئے۔

ماڈرن ازم

یا

باطنیت کا نیا روپ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارعؑ نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصر بعد عصر ملتِ مسلمہ میں تواتر اور تسلسل سے چلے آ رہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد۔ اجماع و قیاس۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENTION) کر دی جائے کہ یورپ کی دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی رقص و سرود، ثقافت و کلچر، زناکاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساوات مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جا سکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصرِ حاضر کے نام نہاد متجددین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آ چکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:۔

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبولِ عام عمل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کا ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقادیر اور مصارف میں ردّ و بدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربٰو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر و نظر")

قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت

انہی حضرات کے یارانِ تیز گام منکرینِ حدیث اور ان کے ہم خیال مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے سے امتِ مسلمہ کا نصب العین قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے[1] ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن کے بیشتر معانی و مفاہیم چند تصورات اور عقائد کی شکلیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے[2]۔ مسلمانوں کو ان تصورات سے الگ کرنے کا علاج اس امام الضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین ہو جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہوتا رہتا یا بدلتا جائے گا[3]۔"

ان کی بدبختی کہ اس منحوس لکیر ہی کا کام بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تخیلات میں بھی اپنے ان اساتذہ یہودی مستشرقین شاخت وغیرہ کے ریزہ گر ہیں۔

باطنیت کی تجدید جس کی اسلام دشمنی کو قرآنِ کریم بار بار صریح الفاظ میں واضح کرتا ہے اور دجل و تلبیس ہی کا نتیجہ ہے ویسے ہی جیسے ومن الذین ھادوا یحرفون الکلم۔

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۲۶

[2] اسباب زوال امت ص ۱۷

[3] قرآنی فیصلے ص ۲۶۶

متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک جدید سلطنت فاطمیین ۲۹۷ھ تا ۵۶۷ھ کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمالِ شریعت و سنت سے تمسخر و استہزاء ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی۔ نواسوں کو اور اولادِ اُنثیٰ وراثت سے بالخصوص لڑکوں کو مزید دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الحاکم بامر اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ الحاکم کی تجدد ظالمانہ دراصل ہوا غالب و غالی ہے — یہاں تک کہ خدائے دین کے سچے شیدا خاندان کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا انہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔[1]

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہو گا کہ اس فتنہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققینِ انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورثِ اعلیٰ عبید اللہ مہدی یہودی تھا۔

قاہرہ سے متجددین کے منہ پر طمانچہ

مجمع البحوث الاسلامیہ (قاہرہ) کی دوسری اسلامی کانفرنس میں شرکت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (قائد جمعیۃ العلماء اسلام) نے اپنے بیان میں یہ ایمان پرور انکشاف کیا کہ چالیس ممالک کی اس کانفرنس کے ایک سو مندوبین نے اسلام کے منافی رجحانات اور تحریفات کی بیخ کنی کے سلسلے میں متعدد اہم قرار دادیں منظور کیں۔ ان تمام علماء نے متفقہ طور پر اس حقیقت کی وضاحت کی کہ زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے۔ اسے ٹیکس قرار دینا اس کی شرح میں ترمیم کرنا اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ بنک کا سود کم ہو (مفرد) یا مرکب (سود در سود) دونوں حالتوں میں حرام ہے۔ کانفرنس نے از روئے اسلام ایک سے زائد بیویاں رکھنے (تعددِ ازدواج) کو

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الخطط والآثار مقریزی اور الصواعق المرسلہ لابن قیمؒ)

بھی جائز قرار دیا۔ اور یہ کہ کوئی حکومت اس شرعی اجازت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں دخیل نہیں ہو سکتی۔

گو یہ تمام امور از روئے قرآن و سنت پہلے سے طے شدہ ہیں۔ مگر عالم اسلام کے ممتاز علماء کے ان توثیقی اور اجماعی قراردادوں سے ان تجدد پسندوں کی حوصلہ شکنی اور مایوسی ضرور ہوگی جو اپنے ملحدانہ عزائم کی بناء پر اسلام کو مشق تحریف و تلبیس بنانا چاہتے ہیں۔ اور ان ذلیل مقاصد کے لئے خلق اسلام[1] کے نئے نئے فتنے کھڑے کر رہے ہیں۔ ان فیصلوں سے یہ خوش آئند نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ بحمد اللہ عالم اسلام کے تمام علماء حق (زمین کے جس حصہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں) دین کے بارہ میں زمانہ اور حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ ان کے نزدیک اسلامی اقدار اٹل ہیں۔ حالات کو بدلنا چاہئے اسلام کو نہیں۔

مغرب زدہ طبقہ کا غلط سہارا ان قراردادوں کا دوسرا مفید رُخ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مغرب زدہ طبقے بسا اوقات اپنے غلط نظریات و تحریفات کے لئے علماء ازہر کے اقوال کا غلط سہارا لیتے ہیں۔ ان قراردادوں نے ان کا یہ غلط سہارا بھی چھین لیا ہے کہ ایسے غلط اقوال اور فتوے بعض ٹیڑھے اذہان اور کمزور قلوب کی پیداوار ہوتے ہیں متبحر اور جمہور علماء کے نہیں اور غلط یات کے لئے ہمارے ہاں بھی استدلال ہو اسے غلط ہی کہا جائے گا۔ مجمع البحوث کی ان مومنانہ قراردادوں کی منظوری پر ہم تمام مندوبین کو عموماً اور پاکستانی وفد کے ارکان کو خاص طور سے مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ ان کے مساعی کا ان قراردادوں منتج ہوا ہے۔

---

[1] [illegible]

باب ۴

اسلام اور سائنس

عصر حاضر کے خلائی اور تسخیری کارنامے

سَنُرِيهِمْ ءَايَاتِنَا فِي الْآفَاقِ
وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ
أَنَّهُ الْحَقُّ

اسلام اور عہدِ حاضر کے

سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم و تحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمۂ خلائی تحقیقات نے "لونا نہم" کو سطح چاند پر اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ ستارہ پر بھی کمند ڈالنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظام شمسی کے اس دوسرے ستارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔

اکتشافات کا عہد | موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی و فنی ایجادات اور اکتشافات کے لحاظ سے بجا طور پر تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے اکتشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور اکتشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابل فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے، وہاں بعض حلقوں میں اس پر حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک و شبہات کے شکار ہوئے۔ کہ سائنس کے ان نت نئے اکتشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربات میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ ارتقائی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں؟ اور اس عالم کائنات و مادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا مخالف نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو اکتشاف و تسخیر کے کسی کارنامہ سے زد میں آتا ہو؟ — آج کی نشست میں ہم اس نقطۂ نگاہ سے تسخیر

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ ایک طرف ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساسِ کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُرفریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کرکے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدودِ کار | جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تصادم کے خدشات اور وساوس کا تعلق ہے۔ عقل و فہم کی اس کج روی اور فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرۂ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہو سکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس کی تحقیق اور علم و اکتشاف کا سروکار اس عالمِ محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدہ میں آ سکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الوراء ہے، وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے جہاں تک ہمارے عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس | مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے جن کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں درماندہ اور واماندہ ہو جاتی ہیں۔ عالم کی حقیقت کیا ہے۔؟ اس کارخانۂ ہست و بود کی یہ ہنگامہ آرائیاں کیا بالآخر تباہ ہوں گی۔؟ اس عالمِ آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے۔؟ کیا اس کائنات کی وہ جوہرِ ہستی "جسے ہم" انسان کے نام سے پکارتے ہیں، جسم و روح کے ان عناصر اور قدرت کے ان اختلافی خزانوں پر کیونکر تسلط پا سکتی ہے۔؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ قوت و طاقت جسم و جان سے بنے ہوئے اس بظاہر چھوٹے عالم (انسان) کے ہاتھوں میں کیوں اور کس مقصد کے لئے ودیعت کی گئی ہے۔؟ عقل و فکر ان سوالات کے

جواب دینے سے قاصر ہے۔

سائنس کی درماندگی اور سائنسدانوں کا اعتراف

سائنسی تحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی عجز و درماندگی کا اعتراف ہے۔ اور اکتشافات و انکشافات کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اور موجد، اسباب و مسببات کے نتیجے تلاش کرنے والا بڑے سے بڑا محقق بھی بہانگ دہل اپنے قصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے۔

"کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے۔ اس کے بعد ذرہ اور ان دونوں سے الگ الگ ہے۔" (فرانس کا مشہور ماہر سائنس پروفیسر لیتر)

اس دنیا کا ایک دوسرا مشہور ماہر ڈبلیو این سلیوین کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے، سائنس اس کی کیفیت، نوعیت اور ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے:

"اور انسان کے بہت سے مسائل سائنس کی حد سے باہر واقع ہیں۔ سائنس تو محض ایک تجزیاتی کوشش ہے۔ اور اس کی تمام سچائیاں مشروط ہیں۔" ([illegible])

"بہت سے سائنسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔"

تھامس ہنری ہکسلے مزید وضاحت سے عقل و سائنس کے اس بے دست و پا ہونے پر روشنی ڈالتا ہے۔

"جب ہم پیچھے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس عہد کی کیفیت پر قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔"

اس کے ہم نام جولین ہکسلے کو اقرار ہے کہ:

"ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک سائنس کا حقیقت کا تعلق ہے۔ بالآخر صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے۔"

سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول ومبادی غیر متغیر ہیں۔ اس میں حذف واضافہ وترمیم کا ہر وقت امکان ہے۔ (برہان ص۲۴ ج ۶ ش ۱)

ہکسلے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال وفلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول ومبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں، پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات ومبادی سے کسطرح ممکن ہے۔؟

کائنات کی حقیقت اور سائنسدانوں کا اعتراف عجز

سائنسی اصول ونظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارہ میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا، جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ:

"ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کیفیت کا نہیں

(پروفیسر کیلیے برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے محدود خیالات کا تعین کیا اور کہا کہ:

"بجنسہ یہی حال واقعات وحوادث فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کار فرما ہے۔ اور ایک خزانۂ قوت ہے۔ اس مشین اور ذخیرۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات وحوادث انہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانۂ عالم کی یہ "اندرونی مشین خود کیا ہے۔" یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا ——؟ اور اس کی حرکت دینے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔"

(مذہب، مناظر احسن گیلانی صـ۲۰)

اور یہ کہ عالم سائنس کے جو شہباز آج خلا کو مسخر اور نظامِ شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں، مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور جن سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے، گو مذہب نہیں، ان کے تسلی بخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراعات اور ایجادات کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ:

> "سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اوّل تا آخر بتائے جا سکتے ہیں، کیونکہ انسان کا علم اس سے بھی تاویل و توجیہہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔" ([illegible])

جن لوگوں نے عالم سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلہ علت و معلول، ایٹم و الیکٹرون سالمات (اجزاء لا یتجزیٰ) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی، مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے برملا اپنی کتاب "اصول و نتائج" میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

> "وجود کی علت اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں جتنی بھی بہترین تصانیف پڑھنے کا موقعہ مجھے ملا ان میں سب سے بہتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغاز عالم کے متعلق مختلف خیال کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے مجاہدات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔" ([illegible])

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے غیب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی درماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں و موافقت سے اس کے فرار و گریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں۔ ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحب دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو

سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔

غرض آج جن لوگوں کو سائنس کے کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور زندگی معدوم ہو رہی ہیں، یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے ؎

بہ چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

اقلیم مذہب کی حدود اور وسعتیں مشاہدات و محسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمتٌ بعضها فوق بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی پہنائیاں لامحدود ہیں۔ اور جس کی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹے ہوئی ہیں، جہاں ظلم و جہل نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت و فطرت کے اٹل اصول و لازوال مبادی کی تابانیاں ہیں۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پر محسوسات و مشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگرداں چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیق کائنات اور انسانی پیدائش کے مقصد سے روشناس کراتا اور شکوک و شبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب و اذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

تسخیر کائنات میں مذہب کی رہنمائی زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارہ میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہئے اور قدرت نے تسخیر و غلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے۔ اسے کن مقاصد میں لگانا چاہئے؟ مذہب کہتا ہے کہ مشاہدات و محسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے، جس کی بنا پر عالم کے اس جرم صغیر انسان کو پوری کائنات پر سبقت دی گئی اسے اشرف المخلوقات یہاں تک کہ اسے خلافت ربانی کے آخری

مقامِ عروج پر فائز کیا گیا۔ مذہب کہتا ہے کہ اس زندگی کو جس کے ادراک سے تمہاری سائنس و عقل قاصر ہیں، آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کرو جس کا ولولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب تمہیں ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو تمہاری سرشت میں قدرت کے دستِ فیاض نے رکھی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو، آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو، پہاڑوں کو چیر سکتے ہو، ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو، زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو، تیز رفتار اور دیو ہیکل بے جان اجسام و خلائی سیارے و جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو، کائنات کے عناصرِ اربعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو، یہاں تک کہ اس کائنات سے ایٹمی توانائی کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگر شق کر دو اور خلائی پہنائیوں کو چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے علاوہ زہرہ و ماہتاب اور نظامِ شمسی کے دیگر سیاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ——— اور یہ بھی ممکن ہے کہ دورِ جدید تہذیب کے کمال ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صنعت درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے احیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ۔

جنت سے وعدوں کی تائید و توثیق

مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ سب کچھ کر سکو کہ اس کے جنت سے وعدوں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی کارناموں پر موقوف ہے۔ اس وقت عالمِ غیب اور رجالِ غیب کے وہ سارے ثبوت اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں، جنہیں تم اپنے ناقص دل و دماغ اور محدود ذہن کی بنا پر ناممکن و محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارقِ عادات جن کا مظاہرہ اس کائنات کے خالق نے غیبی صداقت کی منادی و تصدیق میں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کرایا تھا، تم آج سائنس اور صنعت و آلات اور میزائل کے سہارے خلاؤں کے میدان میں اتر رہے ہو۔ ہم نے ان رہنما صداقتوں کی کدو کاوش کے بعد آج تمہاری رسائی خلاء سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے

رسولِ کریمؐ اور عروج و پرواز کی منزلیں مگر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں خلافتِ الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہر انسان نے "محمد عربی فداہ ابی و امی" کی شکل میں عروج و پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطہ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور مخلوق کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ جہاں دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریلؑ امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ مگر انہیں کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ اس عالم مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج و ارتقاء کی جیتی جاگتی تصویر محمد عربیؐ کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی۔ تسخیرِ کائنات کا اتنا قدیم تصور اور اس کے دائرہ امکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب، نظریہ اور عقیدہ نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ غلامانِ تجربہ و حس اور بندگانِ عقلِ نا تواں اب تک اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز و انجام کے خلاف نزولِ وحی کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ۔

تسخیرِ مخلوقات معرفتِ خالق کا ذریعہ الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے اس کائنات سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا۔ کہ زندگی کے فطری تقاضوں میں جو بھی رکاوٹ تمہارے سامنے آئے اسے زیر و زبر کر دو ـــــ مگر ہاں۔ زندگی کے کسی لمحہ اور کسی ثانیہ میں اس حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی "غیر" کی کرم نوازیوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک وراء الوراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل و خرد کی نعمت سے نوازا اور تسخیر و تصرف کے یہ راستے سمجھائے۔ اس نے اپنی بے مثال فضل و کرم سے تمہیں خیال کی دولت دی، استنباط و استخراج کی نعمت سے نوازا جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی جولانی اور تصرف کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقل انسانی اور شعور و ادراک کا یہ "جوہر"

انہی کا عطا کردہ ہے جس کے ذریعہ تم عناصر اربعہ کی باہمی تحلیل و ترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پر قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض و کرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی جوہر ”عقل و فہم“ سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر و ناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل و خرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم و ضخامت کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں پھر بھی رب ہی تو ہے جس نے عقل و خرد اور خلافت ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نواز کر اس کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم	اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت
فی البر والبحر ورزقناھم من	دی اور خشکی و تری دونوں کی قوتیں
الطیبت وفضلناھم علی کثیر	اسکی تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی
ممن خلقنا تفضیلا۔	ہیں اور اچھی چیزیں اسکی روزی کے

لئے پیدا کیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے اکثر پر اس کو برتری دی۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض	اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین
جمیعا۔	کی کل ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔

تسخیرِ کائنات اور قرآن غیب کی رہیں سمجھانے والا یہ آخری صحیفہ غیب کہتا ہے کہ یہ تو خدا ہی ہے جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی مالکیت عطا فرمائی اور سفلیات تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیر کر دئے۔

اللہ الذی خلق السموت والارض	خدا وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین
وانزل من السماء ماء فاخرج	اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے
بہ من الثمرت رزقا لکم و	نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور
سخر لکم الفلک لتجری فی البحر	مسخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس
بامرہ وسخر لکم الانھر وسخر	کے حکم سے دریا میں چلے اور کام میں
لکم الشمس والقمر دائبین	لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو
وسخر لکم الیل والنھار وآتکم	اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام

من كلّ ما سألتموه وان تعدّوا	کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے
نعمة الله لا تحصوها ان الانسان	لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر
لظلوم كفّار ۔	چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو

اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگار میں لگا دیا۔

الم تروا انّ الله سخّر لكم ما	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں
فی السمٰوٰت والارض واسبغ	میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب
علیكم نعمه ظاهرةً وباطنةً	کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا
(پ۲۱ آیت ۲۰)	رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور

باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ: مولانا احمد علی لاہوری)

والانعام خلقها لكم فیها دفء	اور اس نے تمہارے لئے چوپائے
ومنافع ومنها تأكلون ولكم	پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم
فیها جمال حین تریحون و	کرنے والی پوشاک اور طرح طرح
حین تسرحون وتحمل	کے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے

۱؎ نیز ملاحظہ ہو — وسخّر الشمس والقمر كلّ یجری لاجل مسمّٰی پ۲۳۔ وسخّر الشمس والقمر لیقولنّ الله پ۲۱ آیت ۶۔ الم تر انّ الله سخّر لكم ما فی الارض والفلك تجری بامره پ۱۷ ع۱۸ وسخّر لكم الانهار پ۱۳۔ وسخّر لكم اللیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخّرات بامره ان فی ذلك لاٰیات لقوم یعقلون پ۱۴ آیت ۱۲۔ وهو الذی سخّر البحر (ای فوسه) لعلّكم تشكرون پ۱۴ آیت ۱۴۔ وسخّر الشمس والقمر كلّ یجری الی اجل مسمّٰی وان الله بما تعملون خبیر پ۲۱۔

اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ	بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری
الا بشقِ الانفس ان ربکم	نگاہوں کیلئے جمال وزینت بھی ہے
لرؤف رحیم (الی قولہ)	جب تم انہیں صبح وشام لوٹتے
ویخلق مالا تعلمون ۔	پھرنے چھوڑتے ہو۔ اور یہی جانور

تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں کہ تمہارے بس میں وہاں پہنچنا تھا مگر بڑی مشقت کے ساتھ بے شبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم والا ہے ۔ الخ اور وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں ۔

یہ آیت کا آخری ٹکڑا ویخلق مالا تعلمون ۔ انکشافات حاضرہ اور موجودہ دور کی نت نئی اختراعات کیطرف اشارہ نہیں کرتا ؟

نعمت تسخیر کا حق اور تقاضا

ان آیات بینات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں ۔ اور نہ اسلام تمہیں اس سے روکتا ہے بلکہ جابجا غور اور تدبر و تفہم کی تعلیم دیکر اس کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے ۔ اور چاہتا ہے کہ تم اس عالم مشاہدات کے نفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور اس کے قرب اور اسکی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بناؤ ۔ تمہاری یہ نئی دنیائیں اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بننی چاہئیں ۔ ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و دریافت کے وقت تمہاری زبان اسکی کبریائی کے ترانے گانا چاہئے کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے سبھی نعمتوں کو ٹھکانے لگا دو ۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و کرامات کا ایک ذرہ ہے ۔ اور اس طرح اس عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح ۔ دائمی امن اور بقا کا وسیلہ بننا چاہئے نہ کہ تمہاری یہ تخلیق و تحقیق اس کی عظمتوں سے غفلت و انکار ، اور اسکی نافرمانی و سرتابی ، اس دنیا کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بہیمی و حیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں

بلکہ :

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو۔ اور
سبحان الذی سخر لنا ھذا	کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے
وما کنا لہ مقرنین وانا الی	اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم
ربنا لمنقلبون۔	ہرگز اسکو اپنے قابو میں نہ لا سکتے

تھے۔ (اگر اسکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلک سخرنا ھا لکم لعلکم	اللہ نے انہیں تمہارے لئے ایسا
تشکرون۔	مسخر کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔
کذلک سخرھا لکم لتکبروا	اس طرح انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ
علی ما ھدکم۔	تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے

تمہیں ہدایت کی ——— (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف

الغرض سائنس کا زمانہ یا چاند اور سورج کی تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو۔ سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں وہ نسخۂ یونان یا بطلیموسی علم ہیئت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن و سنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں، گنبدگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل و بروج پر تقسیم ہونا ثابت ہے۔ اکابرین سلام بن حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے۔ کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر سمیت قندیل معلقہ (لٹکے ہوئے فانوس) کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں[1]۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات

باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

---

[1] النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ۔
(روح المعانی ج ص ۱۵/۳۰)

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات وتاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً و اثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالم سماوات وکواکب، عناصر اربعہ اور اجسام مرکبہ ومفردہ سے بحث ہوتی ہے۔) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علوم غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پر ہیں۔

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پر سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان کمی اذہان پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الآفة الثانية نشأت من صديق	طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی
للاسلام جاهل ظن ان الدين	ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض
ينبغي ان ينصر بانكار كل علم	نادان دوست فلسفہ اور علماء طبعیات
منسوب اليهم فانكر جميع علومهم	کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے
وادعى جهلهم فيها حتى انكر قولهم	ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت
في الكسوف والخسوف وزعم انّ	سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ
ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع	میں سورج گرہن، چاند گرہن تک کے بارے
ذلك سمع من عرف ذلك	میں ان باتوں کو خلاف شرع اور مذہب
بالبرهان القاطع لم يشك في	سے متصادم ہو کر ٹھہرا دیتے ہیں۔ اس کا اثر
برهانه ولكن اعتقد انّ الاسلام	جو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات
مبني على الجهل وانكار البرهان	انکشافات کی صداقت کے قائل ہوتے

القاطع فیزداد للفلسفۃ حبًا و للاسلام بغضًا ولقد عظم علی الدین جنایۃً من ظن ان الاسلام ینصر بانکار ھذہ العلوم ولیس فی الشرع تعرض لھذہ العلوم بالنفی والاثبات ولا فی ھذہ الامور تعرض للامور الدینیۃ۔

ہیں۔ اور مضبوط دلائل سے ان کے ہاں یہ چیزیں مسلّمہ ہوچکی ہوتی ہیں۔ ان کا عقیدہ خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہوجاتا ہے۔ (اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد جہل اور مشاہدات کے انکار پر ہے۔ پھر بجائے سمعیات کے انکار کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم و تحقیقات میں دینی امور کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالی ص [illegible])

حسن و قبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامہ کا مذہب کے کسی پہلو پر زد نہیں پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دین فطرت ——— جو اپنے بنیادی اصول و ارکان روح اور مزاج اور مقاصد میں ذرہ برابر ترمیم و تبدیلی کا روادار نہیں۔ جس کے مبادی اور اساس عقل انسانی اور اس کے حکم و قوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملت حنیفیہ سائنس و علم اور نظریات کے کسی نتیجہ کو قبول نہ کر سکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں بنیادی مقاصد و مبادی اور انجام سے بے فکری کا باعث نہ بنے اور تم وسائل و ذرائع کو زندگی کا مقصد نہ ٹھہرا لو یہ چیزیں بذات خود نہ خیر ہیں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فوز و فلاح انسانیت کی باہمی خیرخواہی و ہمدردی حقیقت انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصول آخرت کا وسیلہ بنتی ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ مادی و ظاہری کارنامے دنیا کے مختلف ممالک کی تباہی اور بربادی عامہ کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشانی میں ایک دوسرے کو مغلوب و مقہور کرنے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں ——— اور جیسا کہ

دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف اس جذبہ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریت کا ظہور ہے جو خدا اور خواہش فطرت سے غفلت و انکار مادیت کو منتہائے حیات ماننے کے بعد انسان کا جسموں کو وحشی درندوں اور چوپایوں سے بھی ذلیل و خوار بنا دیتا ہے۔ اولٰئک کالانعام بل ہم اضلّ۔ اگر تمہارا مقصد ان خلائی فتوحات سے زمین کے بستے بستے چین و سکون کو تباہ کر کے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے۔ تو کائنات کی فطری طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پر لعنتیں بھیجتی ہیں۔ اور پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں :-

تو کار زمیں را نکو ساختی　　کہ با آسماں نیز پرداختی

پھر خدا کے نزدیک اس خلائی اور ایٹمی دور کے وحشی انسان اور آدم خور درندہ سے قرون اولیٰ کا وہ غیر مہذب انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا۔ مگر اس کا دل انسانیت کے احترام و عزت اور خدائی اقدار کی عظمت و تقدیس سے معمور تھا۔

ایٹمی خطرات اور بربادی عالم | ہیروشیما کی دلدوز داستان یہ ہے کہ جنگ کے دوران صرف ایک دن (۶ اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا عظیم الشان شہر ہیروشیما خاک ہو کر رہ گیا۔ ہیروشیما کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ سینکڑوں میلوں تک فضا ایٹمی ذرات سے زہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا۔ ان کے بال گرتے رہے۔ اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت کے منہ میں جا گرے (ترجمہ از خبر عالم۔ ماخوذ از فرانس کے مشہور رسالے — پیرس میچ) — جس میں اس تباہی کی داستان آنکھوں دیکھی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ حیات ۱۰ مارچ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی یہ چند لمحوں میں پانی میں بہہ گیا۔

یہ وہ پہلا ایٹم بم تھا جو بنا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا۔ آج کے بیس میگا ٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پر گرایا جائے

جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائیگی برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیویارک جیسی گنجان آبادی پر یہ ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام اپنی ایسی دور مار میزائیل کا دعویٰ کر رہے ہیں جس سے براہِ راست چین اور روس کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ حکومت روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگاٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

تہذیبِ جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں

تہذیبِ جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ہے

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی   موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے۔ غیر ارادی اور تکنیکی طور پر ان چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے۔ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے ایک دار الخلافہ ٹوکیو میں پے در پے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز بحیرۂ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح اس درندگی و بہیمیت کو بھی نگاہ میں رکھئے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی ہستی انسانیت پر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر ہز ٹلیان نے جنگِ عظیم کے بعد کہا تھا کہ "جنگِ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارے میں میری تمام توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجینئری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جا سکتی تھی اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور سنگ دلی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہیمیت میں ان آلات سے بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ تخریب و بربادی کے عظیم الشان ایٹم بم جاپان

سے اخذ کئے : ان ترقیات کی پرفریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پر اڑتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم و ہمت پر تحسین پیش کرنے لگتے ہو لیکن ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضائے آسمانی سے نہتے انسانوں پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا پھیلانا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں یا شیطانوں کے۔ انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا و تزھق انفسھم وھم کٰفرون۔ الآیۃ ھل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق اللہ خالق کل و مولانا الکریم۔

* * *

چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے۔ امریکی خلائی جہاز اپالو دہم ی حالیہ تجربہ اور ۲۰ر جولائی ۱۹۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے۔ مذہب ر سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبیعاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و بہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی شنی ڈالی جاتی ہے۔

فطرتِ انسانی کے تجسس کا قابلِ تسلیم جواب

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانۂ عالم اپنی تخلیق و بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ ایٹم، الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارے میں جو تجسس اور بے چینی ۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ علماء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبیعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تذبذب اور بالآخر ز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات

پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جو اب تک ہمارے

علم و ادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کھربواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرمؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرا دیا اور مذہب کی تائید و تصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا عالم ہے؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزو اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹلیس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں۔ ہلکی دوربین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصد گاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا قول ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرّات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر ان ستاروں کی درمیانی مسافت اور کرۂ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے۔ پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشانوں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۶ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق و انکشاف کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ رہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس

پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہو جاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے، دو لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی یہی وہ چیز ہے جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اس کی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خود خدا تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا:-

ولو ان ما فی الارض من	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور
شجرۃ اقلام والبحر یمدہ	سمندروں کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی
من بعدہ سبعۃ ابحر	سیاہی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیقی
ما نفدت کلمات اللہ۔	کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

عالم غیب یہ تمام بات تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور حسی محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے باہر اور عقل و خرد کی ترک تازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالم غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے۔ اس کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ مادی عالمی کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے ہیں اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے ہیں جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دار و مدار ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد اور تسخیر کائنات کے قرآنی تقاضے دوسری اہم بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس جہان آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور عبث [illegible]

نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اول روز سے علمی قوتوں سے مالامال کیا۔ (وعلّم آدم الاسماء کلھا) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبّر کرنے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے امحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالمِ آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالقِ کائنات کی پہچان اور اس کی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو۔ اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامانِ تعیش کا ایک گنجِ گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس ربِ کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر، تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے (ویخلق مالا تعلمون) اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی ن جاؤ اور تمہارا روال روال اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک اضح نشانی بن جائے۔

ثم تذكروا نعمة ربكم	پھر جب اس پر مکمل تسلط ہو جائے
اذا استويتم عليه وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو
سبحان الذی سخر لنا ھذا	کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو
وما كنا له مقرنين وانا الى	ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
ربنا لمنقلبون ۔	رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون اکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علی ما ھداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ س نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

مذاہب اور سائنس کے سرحدات اور سرچشمے | اس وسیع کائنات کا صرف انسان

کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اوّل تا آخر غور و تدبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ اٹھا کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے ـــ تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی قوت پرواز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے۔ خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الٰہیات ہیں۔ وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل، فطری حقائق نوامیس خداوندی، آخرت، حساب و کتاب اور قانون مکافات عمل، زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص ع فاین الثریا و این الثریٰ۔

سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں

پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات معاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہوگا۔

حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم و فہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اولین تعلیمات سے ملا ہوگا —— اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ نا قابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا اولین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہٗ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالم آخرت و حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو سائنسی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کراتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہو۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارے میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج کہ یہ تو حج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت اور حقیقت زمین سے اس کی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی۔ کیمیا، نجوم، رمل اور ریاضی کی نہیں

الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم وفہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

راہِ اعتدال پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کارنامے سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی اکتشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

چاند کی تسخیر میں اسلام کا مؤقف۔

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلاشبہ قرآن و حدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف، صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال لبعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں[1]۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت

---

[1] یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار و اطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعت کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں بیان ہیں جنہیں تاویل کے ذریعہ عصری ایجادات کے لئے پیشن گوئی قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا لحاظ کیا گیا اور جو دن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق و مصدوق کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

یا غیر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

نظامِ فلکی اور آثارِ سلف

پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثاغورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبد اللہ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضرہ کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظامِ فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ، عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مداروں میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے، ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تردید کی ہے اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ فلا یعول علیہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ١٧-١٨-٣٠) اور دیگر تفاسیر ـــــ قرآنِ کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمانوں کو ایک محفوظ چھت قرار دے کر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔

آسمانوں کا وجود

رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقتِ ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود، ان کا تعدد، ان کا ذی جرم ہونا، ان میں دروازوں اور نگرانوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان محدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے، کائنات کی ایک حقیر مقدار و معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعوے کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی

تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر سے گزرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلاء ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو کیا تمام سیارے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اسلام نے کبھی بھی سائنسی اور مادی ترقیات سے نہیں روکا

کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترک تازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا الزام لے جا کے اسلام کے سر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکی سے اب اس اسلام کا سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی و فکری اور عملی رشتہ صدیوں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علماء اور راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام ان بے مایہ ادیان اور مذاہب، عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کے لئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا بلکہ وہ ہر دور کے چیلنج کا مجسم جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چودہ سالہ تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پا بجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔

مسلمانوں کے تخلف کے اصل ذمہ دار

پس طبیعاتی علوم میں مسلمانوں کا تخلف اگر ہے تو اس کی ذمہ دار یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسہ گدائی لے کر ہم صرف ان نوالوں کے چبانے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آقایان مغرب اگل کر ہمارے سامنے پھینک دیتے ہیں۔ اگر مذہب واقعی ہمیں ان ترقیات سے

روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملینِ مذہب کو ازکار رفتہ قرار دے کر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خراد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، مستریوں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے ہمیں ذہنی آزادی یورپ کی مرعوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایجاد و اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آئی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی لڑائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جلنے والے اور آگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس وہ کونسا نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ریت کے ذرات کے برابر ستاروں

کے ہوتے ہوئے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جاکر ختم ہوگا؟ کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن وسکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے۔ گویا خدا کی دی ہوئی شہادت اب پوری ہوا ہی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے۔

لا یجلیہا لوقتہا الا ہو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ
([illegible])

سائنس یا سامانِ ہلاکت

یورپ کے خلائی تسخیری کارناموں اور سائنسی ترقیات، پھر اس کے ساتھ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ اور اس جذبہ کے تحت اسلحہ کی بے تحاشا دوڑ ـــــ یہ سب چیزیں نگاہ میں رکھیے اور پھر ذیل کی تازہ خبر پڑھئے کہ ان ہلاکت خیزیوں اور تباہ کاریوں کا تجربہ لگا ہے جس کی طرف زمین کے باشندے ان کی ترقیات کی بدولت دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ امریکہ کے بیس میگاٹن بم کے بارے میں خود امریکی سائنس دان لینس پالنگ کا کہنا ہے کہ اس کی تباہ کاری ایٹم بم سے سینکڑوں درجہ شدید ہے۔ اس کے موجودہ ذخیرہ کا عشر عشیر ۱/۱۰۰ حصہ چشم زدن میں ستر کروڑ انسانوں کو متاعِ حیات سے محروم کرسکتا ہے۔ ان بم کے پھٹنے سے تقریباً سو سو کلومیٹر کی دوری تک زمین آگ اگلتی نظر آئے گی اور بالفاظ دیگر زمین خود جہنم بن جائے گی۔ (۱۰ [illegible])

پستی اور بلندی

تصویر کے دونوں رُخ ایک ہی صفحہ پر

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم   ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

- خلا بازوں نے چاند پر اتر کر تجربات شروع کر دیئے۔
- چاند کو دوسری بار اشرف المخلوقات کی قدم بوسی کا شرف۔
- ہم بالکل ٹھیک ہیں، زمین کے قریب ترین کرہ پر اترتے ہی امریکی خلا بازوں کے خوشی کے نعرے۔
- دونوں خلا باز آج پھر چاند پر چہل قدمی کریں گے۔

یہ ۱۹ نومبر ۶۹ء کو چاند کی سطح پر اترنے والے امریکی خلابازوں کی دوسرے فاتحانہ کارنامے کی خبروں کا متن ہے۔ یہ گرجدار سرخیاں یہ مستانہ نعرے اس بے پناہ خوشی کے غماز ہیں جو بجا طور پر "اشرف المخلوقات" کے اس عظیم کارنامہ پر بنی نوع انسان کو حاصل ہو رہے ہیں۔ بیشک مادی دنیا میں بلندی کی یہ انتہا ہے، مگر کیا واقعی انسان بلند ہو گیا؟ اور اس نے ترقی کر لی؟ اس کا جواب قدرت نے اسی دن کے اخبارات میں بلندی کی فاتحانہ خبروں کے پہلو بہ پہلو دے دیا —— میرے سامنے جنگ ۲۱ نومبر کا پہلا صفحہ ہے۔ فخر و مسرت، غرور اور تکبر سے لبریز اس خبر کے بالکل مقابل تھوڑا سا نیچے اخبار کی دوسری بڑی سرخی پڑھیے کہ بلندیوں کا پورا اندازہ پستیوں کو دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ امریکیوں نے (جی ہاں چاند کو دوسری بار قدم بوسی کا شرف دینے والی اشرف المخلوقات نے) جنوبی ویت نام کے ایک گاؤں کے ۵۶۷ نہتے مردوں، عورتوں اور بچوں کو مشین گنوں سے اڑا دیا۔" انہوں نے گاؤں کے تمام لوگوں کو مکانوں سے باہر نکالا اور ایک میدان میں جمع کر کے تمام

دیہاتیوں کو بھون ڈالا۔ پختہ مکانوں کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا، لکڑی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ امریکی فوجی جب گشت پر نکلتے ہیں تو دیہات کی عورتوں کو اغوا کر کے ان کی جبری آبروریزی کرتے ہیں اور مزاحمت کرنے والوں کو یا تو قتل یا ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک کرتے ہیں ــــ اور یہ تو ایک ہلکی سی جھلک ہے ورنہ پوری تصویر تو آئے دن پورے اخبارات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اتنی بلندی اور اتنی پستی؟ اللہ اکبر ــــ ایسی قوم اشرف المخلوقات نہیں ارذل خلائق ہے۔ انہوں نے چاند کو شرف قدم بوسی نہیں بخشا بلکہ اسے اپنے ذلیل ترین قدموں سے آلودہ کر دیا۔ یہ قدم وہاں اس لیے پڑے ہیں تاکہ مستقبل میں درندگی کا ذلیل کھیل چاند کی پنہائیوں میں بھی کھیلا جا سکے۔۔ ۲۱ نومبر کے اخبارات کے ایک ہی صفحہ پر امریکی قوم کی تصویر کے دونوں رخ آ گئے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ اسے مبارک باد کہتے ہیں یا اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (دسمبر ۶۹ء)

برٹرینڈ رسل کا معنی خیز مشورہ

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹرنڈ رسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:-

یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے...... ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچیں۔

لارڈ رسل نے ایک معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو کیونکہ خلائی سفر جیسے بہت مہنگے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو (اگست ۶۹ء)

انسانیت دشمنوں کی کمندیں چاند تاروں پر

جن قوموں نے اس عالمِ سفلی کو اپنے شر و فساد سے بھر دیا تھا۔ اور پوری انسانیت جس کی ہلاکت آفرینیوں سے نالاں ہے۔ اب وہ اپنی کمندیں چاند اور ستاروں پر ڈال رہی ہیں۔ امریکی خلائی سیارہ ۸ کا تازہ کارنامہ سائنسی اور فنی لحاظ سے کتنا بھی اہم اور قابلِ تحسین کیوں نہ ہو؟ مگر جن لوگوں نے پوری زمین کو اپنی لیڈری اور قیادت کی خاطر جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ ان کی یہ کامیابی حقیقی مسرت کی سزاوار اس وقت تک نہ ہو گی جب تک اس خلائی تسخیر کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امنِ عالم کا ذریعہ بنا دینے کی ضمانت نہ ہو۔ بظاہر تو خطرہ ہے کہ یہی کھیل جو علم و حکمت سے زیادہ دولت اور سیاست کے بل بوتے پر کھیلا جا رہا ہے پوری انسانیت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ سائنس اور ایٹمی کارناموں ہی کے سہارے یورپی اقوام کی اب تک کی تاریخ غمازی کر رہی ہے۔ کہ غالباً خلائی تسخیر کا یہ حیران کن مرحلہ ارشادِ خداوندی اِقتربت الساعۃ وانشق القمر، کا ظہور ہو گا۔

دل کا اپریشن

آج کل کے اخبارات میں جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کے ایک مریض مسٹر لوئی واشکانسکی کا چرچا ہے جس کا مریض دل ڈاکٹروں نے نکالا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اس کے سینہ میں ایک نوجوان عورت کا دل نصب کیا گیا۔ بلاشبہ سائنس اور سرجری کی تاریخ میں یہ ایک انوکھا واقعہ ہے۔ مگر اتنی بڑی خوش گمانی کا مستحق نہیں کہ گویا انسان نے موت پر قابو پا لیا ہو۔ ہماری

علم حکمت کی یہ تمام کامیابیاں اسباب کے زیرنگیں ہیں اور اسباب کا موثر ہونا موثر حقیقی کے ہاتھ میں ہے اور جب اجل موعود اور وقت مقررہ آجائے تو تمام کوشش بےکار اور اسباب جلوۂ سراب بن کر رہ جاتے ہیں بقول کسے ؎

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

جس وقت تک خدا نے چاہا تو لوئی وشکانسکی زندہ رہا اور یہ زندہ رہنا علم و سائنس کا منت پذیر نہ تھا جب دلوں کے مالک نے چاہا تو سائنس و حکمت کی تمام جدوجہد کے باوجود اٹھارہ روزہ کشمکش موت و حیات کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ انسان آج بھی موت کے ہاتھوں ایسا ہی مجبور و بےبس ہے جتنا آغاز تخلیق میں تھا۔ بڑے سے بڑا سائنس دان اور فلسفی اس راہ میں عجز و تقصیر کے اعتراف پر مجبور ہے۔ سینکڑوں برس پہلے امام الفلاسفہ ابن سینا نے اسی حیرت کے عالم میں کہا تھا ؎

از قعرِ گلِ سیاہ تا اوجِ زحل کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل
بیروں جستم ز قیدِ مکر و حیل ہر بند کشودہ شد مگر بندِ اجل

بےنور دلوں کا علاج

کیا اچھا ہوتا اگر یورپ کی سائنس اور سرجری مردہ قلوب میں روحِ حیات دوڑانے کی بجائے عصرِ حاضرہ کی تاریک دلوں کو انسانیت اور ایمان سے روشن کرنے میں کچھ مدد دے سکتی۔ دورِ جدید کا انسان تو گویا تھیٹر کا تماشہ رہ گیا ہے۔ سچائی اور صداقت، انسانی اقدار اور روحانی حقیقتوں سے تہی دامن اور ایمان کی روشنی سے خالی دل زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ مغربی تہذیب کا اپنا دیس تو عجیب مخمصے میں ہے۔ وہ خود بلکہ اس کے ہاتھوں پوری انسانیت خودکشی اور موت کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ وہ چوراہا جسے چاروں طرف سے مادیت اور درندگی، حرص و شہوت خود غرضی اور لالچ، بےچینی اور اضطراب، مایوسی اور زندگی سے فرار نے گھیر رکھا ہے۔

انسانیت کو خودکشی سے بچائیے

“لوئی وشکانسکی کے دل پر خوشیاں منانے والو تم نے ان ظالم اور مظلوم دلوں پر بھی کوئی توجہ دی جس کا ذکر انہی دنوں اخبارات میں آیا۔ ان میں ایک تو ٹوگولینڈ کی ایک شخص قصاب ال معتی جس نے اپنے تین سالہ بچے کا دل نکالا اور ٹماٹر میں اسے پکا کر کھا لیا (جنگ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۷ء) اور دوسرا برطانیہ کا

علاقہ ڈیلوئر کا السفان نامی عاشق تھا جس نے محبوبہ کو ورغلا کر اسے قتل کیا۔ اس کی لاش سمندر میں بہا دی اور اس کا دل المونیم کے برتن میں جلایا۔ جب دل پوری طرح جل کر خاک ہو گیا تو اس نے دل کا سرمہ آنکھوں میں استعمال کیا۔ اور یہ کیوں؟ پولیس کو بیان دیتے ہوئے ملزم ایڈورڈ رینڈ نے کہا میں نے سنا تھا کہ اس طرح سرمہ استعمال کرنے کے بعد عورتیں دیوانہ وار میری طرف بھاگی آئیں گی (جنگ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۲ء) یہ وحشت اور بربریت، یہ سنگدلی، یہ ہوس کی جولانی یہ قتل و غارت، یہ شراب و زنا کاری کیا تمہاری سائنس و حکمت اس کے سامنے بالکل لاچار اور بے بس ہے ـــــــ!

یورپ کے دانشورو! ممکن ہے تم آکسیجن و الیکٹرک کے ذریعہ مردہ دلوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحرک رکھ سکو۔ مگر انسانیت اور روحانیت سے عاری ان بے نور دلوں کا تمہارے پاس کوئی علاج نہیں اور یہ اس لئے کہ خود تمہارا باطن بایں ہمہ علم و دانش تاریک اور مضطرب ہے۔ ایمان و یقین اور تصور آخرت ہی سے مردہ دلوں کی مسیحائی ہوتی تھی اور اجڑے ہوئے دل آباد اور معمور ہوتے تھے۔ اس دولت کو تو تم نے پامال کر دیا اور تمہاری ہی تقلید میں دنیا کی دوسری قومیں اور مسلمان تک بھی اس دولت سرمدی کو کھو رہے ہیں اور اب ایمان و یقین کی روشنی سے خالی دلوں کا انجام تمہارے سامنے ہے کہ تمہاری ایک ہی ریاست مغربی جرمنی میں ہر گھنٹے ایک شخص خودکشی کر رہا ہے اور سال بھر میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے (۱۲ دسمبر ۱۹۶۷ء کے اخبارات بحوالہ رومن کیتھولک نیوز ایجنسی) اور مجموعی حیثیت یورپ کے مجموعی قوموں میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ لوئی وشکانسکی کے دل کو بدلنے والو! کبھی تم نے سوچا کہ تمہاری اس فنون و ترقی پر اتنی تعداد میں اپنے ہاتھوں دلوں کو چیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

مسخ باطنی کے بعد جسمانی مسخ

یورپ کے بعض دانشوروں نے تہذیب جدید کے سلسلہ میں یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ عنقریب [illegible] انسانوں کی بجائے بندر اور خنزیر [illegible] اور

بندر کو انسانی قلوب سے زیادہ مناسبت ہے۔ اس کے ساتھ بعض ڈاکٹروں کا یہ تاثر بھی موجود ہے کہ نئے دل کا انسان کی نفسیات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ انسان کا رشتہ تخلیق بندر سے ملانے کا سہرا بھی یورپ کے سر تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع میں انسانوں کو بندروں کی اولاد قرار دیا۔ چودھویں صدی کی تہذیب نے اپنے حیوانی فلسفوں اور طور طریقوں سے انسان کے باطن کو سؤر اور بندروں کے سانچہ میں ڈھال دیا اور اس مسخ باطنی کی رہی سہی کسر اس ظاہری اور جسمانی مسخ سے پوری ہو جائے گی۔ بیسویں صدی کا انسان جسے فیاض ازل نے احسن تقویم اور کرامت عقل کی دولت سے نوازا تھا اپنے اعمال و کردار کے ہاتھوں دوبارہ اسفل السافلین کی طرف لوٹ رہا ہے۔

انسان نما حیوان اور سؤر و بندر کے دل

مغرب کے انسانی قلوب کا سؤر اور بندروں سے مناسبت کے بارہ میں ڈاکٹروں کی رپورٹ کی تائید مغضوب اور ذلیل اقوام کی تاریخ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی سرکشی، دنیا طلبی اور حق دشمنی نفسیاتی خواہشات کی پیروی اور حیوانیت جب حد سے تجاوز کر گئی تو خدا نے انہیں بندروں اور سؤروں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا اور انہیں شیطان کا غلام بنا دیا تھا جس کی خبر خدا نے ان الفاظ سے دی ہے وجعل منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت اولئک شر مکانا واضل عن سواء السبیل (اور ہم نے ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا اور بعض کو سؤر اور طاغوت کے بندے۔ یہ لوگ بدتر ہیں۔ درجہ میں۔ اور بہت بھٹکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے) کیا آج کی مادہ پرست قومیں اخلاق و کردار کے لحاظ سے سؤر اور بندروں سے بڑھ کر نہیں ہیں؟ اور کیا انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا رب نہیں بنایا؟ کیا وہ زندگی کا مقصد صرف حیوانی خواہشات کی تکمیل نہیں سمجھتیں؟ پس جبکہ ہر انسانی مجد و عزت سے محروم کرنے اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی چیز طاغوت ہے تو ان کے عبد الطاغوت ہونے میں کونسا شبہ رہ گیا ہے اور جبکہ اغراض حیوانی کی تکمیل میں حلال و حرام، شرم و حیا، عفت و عصمت، عدل و انصاف اور دیگر تقاضوں کا لحاظ نہ کرنا سؤروں اور بندروں کی صفت ہے تو ان کے اعضاء اور مزاج سے عہد جدید کی ترقی یافتہ انسان کے جسم اور مزاج کی مناسبت کیوں نہ ہو گی؟

جنوبی افریقہ اور یورپ میں آج کل دل کی تبدیلی کے آپریشن ہو رہے ہیں۔ اس معاملہ کی شرعی حیثیت سے قطع نظر جہاں تک سائنسی ترقیات، متنوع انکشافات اور سرجری کے محیر العقول کارناموں کا تعلق ہے۔ اگر ان کے استعمال سے کسی شخص کے دینی، اخلاقی اور جسمانی یا مادی حقوق پائمال نہ ہوں اور وہ حقیقی معنوں میں انسان کی خدمت کا ذریعہ بنیں تو اسلام کو ایسی سائنس و تحقیق پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ وہ مسلمانوں کو اس میں کمال حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

سائنس سے اخبارِ غیب اور معجزات کی تائید

آج کی سائنس درحقیقت عالم غیب کے بارہ میں اسلام کے ان اعتقادات کی تائید اور معجزات و کرامات کے ان خرقِ عادت مثالوں کی تصدیق کر رہی ہے جس کا ظہور انبیاء کرام اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں ہوا اور علوم نبوت اور تعلیمات اسلام سے بے بہرہ عقل اور مادہ کی پرستش کرنے والے حضرات اب تک اس کے ماننے پر تیار نہ تھے۔ مثال کے طور پر اسلام نے اعتقادات کا یہ مسئلہ پیش کیا کہ قیامت کے دن انسان کے تمام اعضاء اپنے اپنے اعمال و افعال کی شہادت دیں گے۔ لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی مگر آج کے گراموفون اور ٹیپ ریکارڈر نے بندگانِ مشاہدہ کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ اگر لوہا اور سیاہ رنگ کا فیتہ بول سکتا ہے کہ جس خدا نے زبان کو گویائی کی طاقت دی۔ وہ بدن کی کھال اور ہڈیوں کو بھی گویا کر سکتا ہے۔ امت مرحومہ کے عقیدہ معراج جسمانی سے مادہ پرستوں کی عقل اٹکا کرتی رہی۔ آج کے خلائی اور سیاراتی کارناموں، جہاز، راکٹ اور میزائل نے تصورِ معراج کو تجربہ اور مشاہدہ کی حدود میں لا کھڑا کیا۔ اسی طرح اسلام کے وزنِ اعمال کا مسئلہ کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال و اقوال تولے جائیں گے۔ آج کے سائنسی اوزان اور ترازوؤں کے ذریعے لطیف سے لطیف اشیاء حرارت، برودت اور ہوا تک کو تولا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جرمنی میں انسانی اخلاق اور تصورات معلوم کرنے کے آلات بھی ایجاد ہو چکے ہیں اور وزنِ اعمال کا مسئلہ عقل و فہم کے قریب آ چکا ہے۔

اور حضرت عمر فاروقؓ کی آواز کا سینکڑوں میل کی مسافت پر پہنچنا مستبعد رہے تو ہزاروں میل سے ریڈیو، وائرلیس، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اصوات اور نقش و پیکر کے منتقل ہونے سے

اس کرامتِ فاروقیؓ کی تصدیق ہو جاتی ہے یہی حال حضورؐ کے معجزۂ شقِ صدر کا ہے۔ حضورؐ کا سینہ مبارک چاک کئے جانے کے واقعہ سے بعض معترضین فلاسفروں کو اگر اچنبھا ہو سکتا تھا تو آج کی سرجری دل، جگر، گردوں اور دیگر اعضائے رئیسہ کے آپریشنوں کے ذریعہ حضورؐ کے شقِ صدر کے بارہ میں صحیح اخبار اور دیگر غیبی معانی اور حقائق کی تسلیم پر دنیا کو مجبور کر رہی ہے۔ گو مسلمانوں کے نزدیک ان غیبی حقائق کی تصدیق اور ایمان کے لئے کسی سائنس اور مشاہدے کی ہرگز ضرورت نہیں جس ذات نے حقائق و خواص اشیاء کی پردہ دری کی۔ صلاحیتیں انسان کو عطا فرمائیں۔ کیا وہ خود اس کائنات اور اس کی مخلوقات میں تمام اسباب و عادات کو توڑ کر ہر قسم کے تصرف پر قادر نہیں؟

غیر انسانی اور غیر اخلاقی

تبدیلیٔ دل کے آپریشن پر تاثرات اور ردعمل کے ضمن میں بعض ماہر ڈاکٹروں نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ مرنے والوں کا دل ایسے حال میں نکال دیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی کی رمق اور آثار قائم رہتے ہیں۔ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا ڈاکٹر برنارڈ نے بھی دبی زبان سے اعتراف کیا ہے تو یہ کارنامہ سرجری کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہونا چاہیئے۔ زندگی ایک لمحہ کی کیوں نہ ہو، بہرحال زندگی ہے اور ہر انسان کو دوسرے کے ہزار سال سے اپنی زندگی کا ایک لمحہ عزیز ہوتا ہے۔ ایک کی متوقع زندگی کے لئے دوسرے کی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ جلدی سے بجھا دینا ایک غیر اخلاقی اور خود غرضانہ حرکت ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو اس مقصد کے لئے مردہ دلوں کو کام میں لایا جاتا ہے تو شرعی حیثیت سے قطع نظر بھی انسانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ معاملہ غور طلب ہے مگر "اخلاقیات" نام کی کوئی شے اہل یورپ کی لغات میں عنقا ہے۔

باب

فرق باطلہ کا تعاقب

علمی و دینی فتنے

قادیانیت

منزل بہ منزل تعاقب

قادیانیت

ایک شجرۂ خبیثہ

"قادیانیت" مسلمانوں کے لئے ایک ایسا "شجرۂ خبیثہ" ہے، جس کی جڑیں کبھی بھی عقل و دانش کی زمین میں جگہ نہیں پکڑ سکیں لیکن دجل و تلبیس، ملمع سازی اور فریب کے بل بوتے پر اس کی شاخیں کبھی کبھی پھیلنے لگتی ہیں اور خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ دینِ قیم کے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے یہ خاردار جھاڑیاں اور کانٹے راہِ حق سے بھٹکنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ چند دنوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام (بابانا ھو و امنا) سے بغاوت اور ملتِ محمدیہ کو اپنے مرکز سے ہٹانے کی یہ تحریک ایک بار پھر پر نکال رہی ہے۔ اس کی سرگرمیاں ملک و بیرونِ ملک میں تیز تر ہو گئی ہیں۔ اس انگریزی نبوتِ کاذبہ کا پرچار پمفلٹوں، کتابچوں اور رسائل کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ، دینی ادارے اہم شخصیات اور تعلیمی مراکز اس لٹریچر کا خاص نشانہ ہیں۔ خود ہمارے ہاں پچھلے دو ایک ہفتوں میں اس قسم کے چالیس پچاس رسائل اور پمفلٹ موصول ہوئے جو اول سے آخر تک اس جھوٹی نبوت کی تبلیغ اور بالفاظ دیگر کفر و ارتداد کی دعوت اور مرزا "قادیانی" کے دعاوی باطلہ سے لبریز ہیں۔

یہی حال عصری کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے۔ پشاور یونیورسٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کفر و ارتداد کا یہ مسلم آزاد لٹریچر نہ صرف لائبریریوں بلکہ کلاسوں اور مختلف ہاسٹلوں تک پہنچ کر خالی الذہن اور سادہ لوح طالب العلموں کے ذہنی انتشار، فکری بے چینی اور دین و عقیدے کے تذبذب کا باعث بن رہا ہے۔ اس ملک کے باشندے جو عمل و کردار کی ساری خامیوں کے باوجود ذاتِ رسالتمآب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

والہانہ عشق رکھتے ہیں۔ اور جن کا ایمان ہے۔ کہ دامنِ مصطفیٰؐ کا چھوٹ جانا ضیاعِ دین و ایمان اور سراسر ہلاکت و خسران ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ اس دانائے سبل ختم رسلؐ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا ایسا سہارا نہیں مل سکتا۔ جو انہیں ابدی مسرتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کی ضمانت دے۔ اگر اس رحمۃ للعالمین کی ذات کو بیچ سے ہٹا دیا جائے تو یہ دنیا تو سراسر شیطنت۔ سرتاپا ظلم اور سراپا اندھیر رہ جائے گی۔

خدا سے بھٹکی ہوئی انسانیت پھر اس وقت جہنم کے دہانے پر کھڑی ہے۔ یہ انسان نما درندے، یہ تہذیب نما حیوانیت۔؟ یہ بظاہر خوش رنگ مگر درحقیقت سراسر لامذہب تہذیبِ مغرب؟ یہ ظلمتکدۂ عالم؟ ـــــ اللہ اکبر

ظاہر ہے، اگر خدائے لایزال کی وہ آخری روشنی جو محمد عربی علیہ السلام کی شکل میں چمک رہی ہے، وہ ہدایت کا سراجِ منیر، تعلیماتِ ربانی کا نیرِ تاباں اور انسانی فلاح و نجات کا منارہ، اگر دنیا اس نورِ مبین کی کرنوں سے محروم ہو جائے تو پھر اس دنیا کی ظلمت و بہیمیت اور چنگیزیت کا کیا عالم ہوگا۔؟ پھر کون سا ذی شعور اور حساس مسلمان ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے دامنِ عاطفت سے نکال کر کسی مسیح دجال کسی ابوجہل اور ابولہب کے رحم و کرم پر چھوڑ دے کہ ع گر باو نرسیدی تمام بولہبی است۔

محمدؐ ہمارا ایمان، محمدؐ آبروئے ہر دو جہان، محمدؐ ہماری شان اور آن ہے (صلوات اللہ علیہ) دین و دنیا کی سرخروئی اور شہنشاہی قیامت تک اسی کی چوکھٹ کی غلامی سے وابستہ ہے۔ اگر کسی کو اس کی غلامی سے عار ہے تو اس کے سر پہ خاک ؎

محمدِ عربی کہ آبروئے ہر دو سراست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

مسلمان کا شیوہ ہے اور تاریخ اس پر شاہد، کہ جان جائے تو جائے مگر مدنی آقاؐ کی شان پر حرف نہ آئے۔ وہ محمد عربیؐ کی ناموس پر متاعِ ہر دو عالم قربان کرتا ہے اور پھر بھی اس سودائے عشق کو سراسر نفع ہی سمجھتا ہے کہ ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اس آبروئے کائنات کے چشم و ابرو پر دنیا و مافیہا نثار کر دیتا ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات اس کے اعمال و افعال اس کی تعلیم و کردار کی حفاظت اس کی زندگی کا مقصدِ اولین و آخرین ہے۔ وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بے نیاز ہو کر تلواروں کے وار جان و جگر پر سہتا ہے کہ علمِ محمدی سرنگوں نہ ہونے پائے۔ وہ جب تک اپنے آپ کو خواجۂ یثربؐ کی عزت پر کٹ مرنے کو تیار نہیں پاتا اپنے ایمان کو ناقص سمجھتا ہے۔ ان احساسات اور جذبات کے ہوتے ہوئے جن کا اندازہ بدترین دشمنوں کو بھی ہے، کوئی مسلمان اپنے نبیؐ کی اس حریف و رقیب جھوٹی نبوت پر کب خاموش رہ سکتا ہے، جسے انگریز نے محض سیاسی اغراض کے لئے مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔

پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ نبوتِ محمدی علیٰ صاحبہا السلام کے متوازی ایک باغی نبوت کو اپنی سرگرمیوں کے لئے کھلے بندوں آزادی دے دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ایمان و اسلام پر ڈاکے ڈالتی پھرے، وہ مسلمانوں ہی میں رہتے ہوئے ان کی غیرت و حمیت کو للکارتی رہے اور سادہ لوح غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دے کہ رحمتِ عالمینؐ کے سایۂ رحمت سے نکل کر ایک خود ساختہ متنبی کذاب کا طوقِ غلامی پہن لو اور پھر یہ گروہ غیر مسلم اقوام کے سامنے اپنے مسلم آزادی تحریر کے ذریعہ رسول اللہؐ اور دیگر انبیاء کرام کو کرشنا، گوتم بدھ، کنفیوشس اور زرتشت کے برابر ایک روحانی رہنما کر کے پیش کرے[1]، اور اس طرح وہ علی رؤوس الاشہاد دنیا بھر میں ہمارے آقائے رسالتؐ کی عظمت و برتری کو مجروح کرنا چاہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو لندن سے شائع ہونے والا تحریک احمدیت کا آرگن "مسلم ہیرالڈ" بابت نومبر ۱۹۷۱ء بحوالہ البعث الاسلامی۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اسلام تمام ادیان کے بقاء اور وحدت اور باہمی مفاہمت کی تاکید کرتا ہے۔ اس پرچہ میں سر ظفر اللہ خاں کی ایک تقریر بھی انہی امور پر مشتمل درج ہے، جو انہوں نے عبادت گاہ تفناہم کا افتتاح کرتے ہوئے کی۔

پھر اس "عیارانہ نبوت" کے علمبرداروں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ بھرے جلسوں میں وہ مسلمانوں کے محبوب رہنماؤں اور ناموسِ محمدی ﷺ کے جان نثار سپاہیوں پر آوازے کستے ہیں اور اپنی مذبوحی حرکات میں مسلمانوں کی غیرت کو للکار کر کہتے ہیں کہ[1]۔

> "کہاں گئے تمہارے عطاء اللہ شاہ بخاری، ثناء اللہ امرتسری، ابوالحسنات اور مجلس احرار جو ہماری مخالفت کیا کرتے تھے۔ وہ سب ختم ہو گئے اور ہم باقی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سچے ہیں"۔

مگر ان بے مایگان عقل و خرد کو کون سمجھائے کہ کسی عقیدہ کی حقانیت اور سچائی کا معیار کسی کی ہمیشگی اور خلود نہیں۔ سچائی کسی راست باز انسان کے مر جانے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ پھر تو دنیا میں کسی سچائی کا وجود باقی نہ رہے گا ——— مرنا تو سب ہی کو ہے کیا انبیاءؑ، کیا اولیاءؒ، کیا صدیقینؓ اور کیا شہداءؒ ——— اور کیا فرعون و ہامان اور کیا ابوجہل و ابولہب اور کیا امت محمدی ﷺ کے دجالین و کذابین۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کی موت پر ملاءِ اعلیٰ میں بہار آ جاتی ہے، انوار و برکات کے دریا موجزن ہو جاتے ہیں، ملائکہ اور حوروں کے جھرمٹ میں اس کی بارات آسمانوں تک پہنچتی ہے اور کسی کے مقدر میں اس وقتِ موعود کے لئے کوئی غلیظ بیت الخلاء ہوتی ہے کہ فرشتے بھی اس کی بدبودار روح کو نکالتے ہوئے الامان والحفیظ کی صدائیں لگائیں۔ ——— اشخاص فانی ہیں، مگر سچائی زندۂ جاوید ———

کیا مسلمانوں کے دل سے عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت ختم ہو چکی ہے؟ کیا جمہور اہل اسلام مرزا آنجہانی کو پیغمبر تو کیا مسلمان تک ماننے لگے ہیں؟ یا مرزائیت سے نفرت کا جذبہ مسلمانوں کے دلوں سے نکل چکا ہے؟ ہرگز نہیں۔ گو آج انور شاہ کشمیریؒ، عطاء اللہ شاہ بخاری اور

---

[1] معاصر "خدام الدین" راوی ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ قادیانیوں کے رسوائے عالم لیڈر سر ظفر اللہ خان نے قادیانیوں کے حالیہ سالانہ جلسہ منعقدہ ربوہ میں کہے۔

ثناء اللہ امرتسری ہم میں نہیں مگر مسلمانوں کے منبر و محراب، ہر مدرسہ و خانقاہ، ہر مجلس و محفل سے ان اکابر کی روح بول رہی ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل میں وہ آگ سلگ رہی ہے جسے ان اکابر نے روشن کیا تھا یہاں ہم اس دریدہ دہن کی خدمت میں صرف یہ شعر پیش کرنے پر اکتفار کریں گے ؎

مت سوچ بخاری تمہیں ارباب وطن میں   یہ دیکھ فضا شعلہ فشاں ہے کہ نہیں ہے
جو آگ سلگتی رہی اس شیر کے دل میں   اس آگ سے ہر روح تپاں ہے کہ نہیں ہے
(بادنیٰ تغیر)

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے، قادیانیوں کے ان مساعی کی جن سے وطنِ عزیز کے استحکام اور اتحاد کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، یہ ملک جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہم اسے ہر لحاظ سے مستحکم اور متحد دیکھنا چاہتے ہیں اس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے انتشار و افتراق اور ملک کو نازک حالات سے دوچار کرنے والی ان سرگرمیوں سے محفوظ رکھا جائے۔ ہماری خیر خواہانہ التجا ہے کہ کفر و ارتداد کی اس دعوت و تحریک کو فوری طور پر روک دیا جائے تاکہ وطنِ عزیز کسی آزمائش سے دوچار نہ ہو۔ (مارچ ۶۶ء)

مطالبۂ اقلیت کا ایک سرسری جائزہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین یعنی آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتہ بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازۂ حق سے گونج اٹھی، باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارتِ ایمانی اور حمیتِ ناموسِ رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلانِ حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیانِ پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ——— اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبد القیوم خان کو بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموسِ رسالت پر مر مٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمنِ دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ——— آزاد کشمیر کی حکومت اس "جرم" کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملتِ مسلمہ کا جذبۂ فدائیت اور ناموسِ رسالت پر مر مٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبد القیوم خان کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیرِ داخلہ خان عبد القیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ "دراصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے"۔

بہرحال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں، صرف برِ صغیر کا نہیں، نہ صرف عالمِ اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربی ﷺ کے ہر نام لیوا امتی اور دربارِ رسالت کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے۔ "قادیانی مسئلہ نزاع" جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصورِ ایمان اور تصورِ رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت، رسولِ عربی سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس "نبوتِ کاذبہ" کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربی ﷺ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار [illegible] بہاں وہ اسلام کے، اور خدا کی نگاہ میں ان کی قیمت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے برابر بھی نہیں جس نے نبی کریم ﷺ کی دل آزاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو تہ تیغ نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

—— تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں "اقلیت قرار دینے" کا کمتر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آیئے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں —— جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان

قادیانیوں کا بحیثیت ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت، دین و دنیا ہر شعبۂ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے" —— (تشحیذ الاذہان جلد ۶ ص ۲۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی ص ۱) ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ —— مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (ص ۱) ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے (ص ۵) ایسے لوگ خدا و رسول کے نافرمان اور جہنمی ہیں (ص ۱۱) اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا کیسے پاکیزہ القاب سے نواز کر کہتا ہے: "کل مومن یقبلنی الا ذریۃ البغایا" —— میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہو گئے ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ ص ۵۳) ہمارا فتح

قائل نہ ہونے والا ولد الزنا ہے، حلال زادہ نہیں ــــ

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲ء)

قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم ــــــ مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن سر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (فتاویٰ بانی قول و فعل ص۲۲) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ: غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ (ص۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصویب کی ــــ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ــــ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرزِ عمل تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دینی و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی کوشش نہ کی ہو۔

عبادات کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (فتاویٰ بانی قول و فعل ص۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز

جائز نہیں (ص ۲۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص ۱۳) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی مسلمان تھا (ص ۱۳۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص ۲۲۳)

معاشرتی معاملات

یہ تو عبادات کا حکم تھا۔ معاشرتی معاملات کو دیکھئے۔ مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص ۲۰) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص ۲) خود خلیفہ کے الفاظ میں ——— دینی تعلقات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے سب کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز نہ ہو۔ سلام کہنا بھی جائز نہیں (ص ۱۱) الغرض مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چندہ دیا (ص ۹) مرزائیوں سے اختلافات کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حمیت "مسلمانوں" کے منہ پر خود مرزائیوں نے اپنا خلیفہ تھپڑ اس طرح مارتا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں: "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" (خطبہ مرزا بشیر الدین۔ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال

مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور۔
(ایضاً ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء)

مسلمانوں سے دینی و معاشرتی برتاؤ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جماعت کو تشخص کی ان ترکیبوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے نمایاں کرنے کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو میری امت سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا جیسے

کو امہات المومنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امتِ محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی نشست کا موضوع نہیں کبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہوگی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہنے والوں کی ”رگِ اسلامیت“ پھڑک اٹھتی ہے اور واویلا مچ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی لبادہ میں مارِ آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ ”امت“ کو انگریز ہی کی ذہنی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت

اب تک مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ گمراہ کن پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضورؐ کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ وہ حضورؐ کو ضرور خاتم النبیین کہیں گے مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے۔ مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے تو نہیں لکھے۔ (عدالت گورداسپور میں بیان، شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص ۲۰)

۴۲:- مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعوائے نبوت ۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو کاذب، کافر، بدبخت، دشمن قرآن، بے شرم اور [illegible] قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص ۲۵، تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۳ وغیرہ) مگر جب نبوت کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۰۲) رسول اور نبی مہدی اور محمد (الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل وغیرہ بن گئے۔

۴۳:- مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ "محمد الرسول اللہ" سے مراد میں ہوں اور محمد رسول خدا نے مجھے کہا ہے (الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہی (الفضل ۹ اگست ۱۹۱۶ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے ——

اب [illegible] محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (پیغام صلح جلد ۲ ص ۲۲) اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص ۱۲) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہمیں نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے کوئی جدا چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد الرسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت ہوتی۔ (کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۴ ص ۱۵۸)

۴۴:- مرزائی جو آج کل تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جب کہ مرزا [illegible] آپ کو ان کے خلاف معلوم ہو گیا تو لیجئے ان کے عقائد [illegible] کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے کہا [illegible] ہے کہ ہم

غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر خدا کے نزدیک مسلمان نہیں۔ انہیں تیرے میرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔

(مرزا بشیر احمد ص۲۱)

اور وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں ان کا مسلمانوں کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور۔

۱۴۔ انبیاء سے علیحدگی ہیں

اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ کو کہلائے کلمہ شہادت کو شبانہ روز ورد بنا دے مگر دین کے کسی قطعی عقیدہ یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرزِ عمل مرزا محمود احمد نے غیر قادیانی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں مگر مسلم کے لئے توحید، تمام انبیاء، ملائکہ، کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہوئے (الفضل جلد ۲ ۲۹ جون ۱۹۱۴ء)

خود مرزا نے ایک دفعہ کسی کو جواب دیا کہ صوم و صلوٰۃ کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر نماز یا روزہ کا انکار کر دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۱۶ جون ۱۹۱۱ء)

یہی حکم ہمیں تمام مسلمانوں کو مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام قرآن حدیث، ارکانِ اسلام شعائر اسلام، نبی کریم، روح و نصوص سے رشتہ کی وحدت بخشت نبوت ختم نبوت امام النبیین کے بعد کسی نئے نبی کا تسلیم کرنا ہے جتنا اسے کافر بنا دیتا ہے وہ اسلام کے تعلق کی رشتے کافر اور مرتد ہو گا۔ اس لئے کہ انبیاء سے فرق ہے۔ عیسائی حضرت موسیٰؑ کی نبوت توراۃ اور تمام احکام کو تسلیم کرتے

ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت تسلیم کرلی۔ مسلمان حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ ان کی کتابوں، ان کے دین اور ان کی تعلیمات کی ہزار دل و جان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدی مسلم کہلاتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلام اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

"پس اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملتِ مسلمہ کے اتحاد پر ضربِ کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے۔"

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کے فدایانِ محمد عربی اور پوری امتِ اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جیسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:۔

> "ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لئے کیوں مضطرب ہیں؟ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو

شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں ــــــــ"

(اسٹیٹسمین کے نام خط ۱۰ جون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومتِ وقت کے طرزِ عمل کو جھنجوڑتے ہوئے مزید فرمایا:۔

"اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے ــ"

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ متبعین کو ہندو، سکھ، عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعوئے نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ت.ح ش ۹ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ جون ۱۹۷۳ء)

بھرپور تعاقب کی ضرورت

قادیانیوں کی روز افزوں سرگرمیوں کی وجہ سے پاکستان کو جن خطرات کا سامنا ہے اس سے قبل ہم نے اس پر مختصر روشنی ڈالی تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ملتِ مسلمہ مرزائی سازشوں اور کوششوں کی وجہ سے افتراق و انتشار کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک مستقل تحریک، مستقل مذہب، مستقل تشخص کی بنا پر اور پھر اپنے ماننے

والوں نے کے سوا پورے عالمِ اسلام کو قطعی کافر، ملحد اور جہنمی سمجھنے کی وجہ سے، وقت کی اولین ضرورت ہے کہ اسے مسلمانوں سے قطعی الگ ایک اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے۔ اور ہر اسلامی ملک کے آئین میں ایک الگ واضح اور غیر مبہم تشخص اور تعریف کی جائے۔ یہ مسئلہ پورے پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام، سربراہانِ اسلام اور دنیا کے تمام دینی اداروں اور افراد کے غور و فکر کا محتاج ہے۔ اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو اس شجرۂ خبیثہ کے بارے میں فوری اقدامات کرنے ہیں جس کی وجہ سے افریقہ کے دور دراز ریگستانوں، عرب کے صحراؤں اور یورپ کے سبزہ زاروں میں مسلمان کود کود کر آگ کی اس بھٹی میں جا رہے ہیں۔ یا پھر تبلیغ اور دعوتِ اسلام کی سنہری اور پُر فریب دامِ زریں میں آ کر اسلام کے شیدائی ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں پھنس جاتے ہیں۔ اس میں ہماری کوتاہ دستیوں اور بے ہمتیوں کا جتنا حصہ ہے وہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لیکن بہر حال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ نہ صرف پاکستان کی سطح پر بلکہ پورا عالمِ اسلام اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنے دائرہ سے باہر یورپ اور غیر مسلم ممالک، افریقہ وغیرہ میں قادیانیت کے تعاقب اور لوگوں کو اس کی خباثت سے باخبر کرنے کی ذمہ داری سنبھالے۔ پھر پاکستان جو ایک عظیم اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام بشمول اسرائیل و یورپ کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور قادیانیت ہی ان اقوام کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ ان کے خلاف نہایت مؤثر اقدام کرتے ہوئے قادیانیوں کو قطعی کافر قرار دے کر اسے اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اس کی دعوتی اور تبلیغی اور زیرِ زمین نیم فوج کی تنظیموں اور سیاسی قسم کے مشاغل پر پابندی لگا دی جائے۔ مرزائیوں کو تمام اہم مناصب بالخصوص فوج کی کلیدی آسامیوں سے الگ کر دیا جائے۔ کہ نہ تو وہ جہاد کے اہل ہیں نہ اسے جائز سمجھتے ہیں نہ مسلمانوں کو مسلمان، اور نہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست۔ اس طرح بحیثیت ایک مسلمان حکومت کے ضروری ہے کہ عالمِ اسلام کے تمام ذمہ داروں اور سربراہوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے اور جہاں اس کے

مشن کام کر رہے ہیں، اس کی تحقیق کی جائے۔ اسلامی ممالک کے سفراء کا بھی بحیثیت مسلمان فرض ہے کہ قادیانیت کے بارہ میں پوری معلومات سے اپنے ممالک کو آگاہ کر دیں۔

اس ضمن میں یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پاکستان سے اسلامی ممالک لیبیا، مصر وغیرہ کے لئے جن پاکستانیوں کی بھرتی کی جاتی ہے۔ ان کے بارہ میں پوری تحقیق اور تسلی کرائی جائے کہ کیا وہ مسلمان کے روپ میں کوئی غیر مسلم قادیانی تو ملازمت کے سہارے جا کر ان ممالک کو قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہیں بنائے گا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی اہم اور اولین ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔

پاکستان میں جو اسلامی ادارے، انجمنیں اور ختم نبوت سے دلچسپی رکھنے والے ذمہ دار علماء حضرات ہیں۔ ان اس سلسلہ میں ان سفارت خانوں کو ضروری معلومات سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ان ممالک میں جانے والے جن حضرات کے مرزائی ہونے کا علم ہو جائے اس سے بھی اپنا فرض دینی ادا کرتے ہوئے حکومت پاکستان اور متعلقہ سفارت خانوں کو بروقت آگاہ کرنا چاہئے۔ الغرض ملک کی سالمیت کا نہایت اہم تقاضا ہے کہ مرزائیت کو اپنے غور و فکر اور جدوجہد کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اسی میں ملک و ملت کی فلاح ہے۔ اسی میں آقائے ختم المرسلین کی خوشنودی ہے۔ اور یہی خداوند کریم کی رحمتوں کا ذریعہ ہے۔

جمعیت نہیں حکومت سبقت کرے

اس ضمن میں حکومت صوبہ سرحد پر ایک خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کو وزارت علیا کے منصب پر فائز کر کے ایک

آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ نہایت تدبر و تحمل، احساس ذمہ داری اور دیانتداری سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں اخلاقی اور سماجی اصلاحات ہو رہی ہیں بتدریج و تبصیر حکمتِ اسلامی کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالا جا رہا ہے۔ تو قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں بھی جمعیت اور نیپ کی حکومت پورے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ شراب اُم الخبائث ہے مگر قادیانیت پوری ملت مسلمہ کے لئے اس سے ہزار درجہ اخبث الخبائث، وہ اعمال کی دشمن یہ عقائد کی دشمن، وہ جان لیوا تو یہ ایمان سوز۔ اس لئے شراب کی طرح اولین فرصت میں صوبہ سرحد کی حدود میں مرزائیوں کی سرگرمیوں پر قطعی پابندی لگا دینی چاہیئے۔ انہیں ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہماری صوبائی اسمبلیاں مرکز سے بھی اس سلسلہ میں قراردادوں کے ذریعہ مطالبہ کر سکتی ہیں۔ یہاں مرزائی لٹریچر کو ضبط کیا جا سکتا ہے۔ الغرض ہر لحاظ سے ان کے ساتھ کافر، مرتد یا کم از کم اہل ذمہ جیسا سلوک کیا جانا چاہیئے۔ یہاں یہ اقدامات ہوں تو انشاء اللہ پورے پاکستان سے اس کی تائید میں آوازیں اٹھیں گی۔ اور اردو کی حمایت اور شراب پر پابندی کی طرح اس کی پیروی سارے صوبوں میں کی جائے گی۔ خداوند کریم نے ایک موقعہ جمعیۃ العلماء اسلام کو عطا فرمایا ہے۔ تو ایک جرأتِ مومنانہ کے ساتھ آقائے دو جہان سرورِ کائنات ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لئے میدان میں اتر کر ہر ممکن اور حتی المقدور قدم اٹھانا چاہیئے اس طرح حضور ﷺ کی خوشنودگی شامل حال ہو گی۔ اور خدا کی رحمتیں بھی۔

نیپ کے اولوالعزم قائد خان عبدالولی خان اس سلسلہ میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ناموسِ ختمِ نبوت کا علم اٹھایا اور پاکستان کے وجود کو اس شجرِ خبیثہ سے نجات دلانے کے لئے یہاں جمعیۃ العلماء اسلام کا ساتھ دیا تو پورا پاکستان انہیں سر آنکھوں پر اٹھائے گا۔ اور ان کی قیادت کو چار چاند لگ

سکیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قابلِ فخر رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنے دائرۂ اختیار میں ان معروضات پر فوری غور فرما دیں گے۔ جولائی ۱۹۷۲ء

خدا کے گھر میں ایمان کے ڈاکو

سعودی عرب سے واپسی پر کئی ثقہ حاجیوں نے یہ افسوسناک انکشاف کیا کہ اس سال کئی قادیانیوں کو حرمین الشریفین میں داخلہ اور مناسک حج کی ادائیگی میں شرکت کا موقعہ دیا گیا۔ اس سے زیادہ دلدوز خبر یہ ہے کہ مرزائیوں کے عالمی مبلغ اور صفِ اول کے قائد ظفر اللہ خان بھی سرزمینِ حجاز اور مسلمانوں کے اس روحانی اور عالمی اجتماع میں گھومتے پھرتے رہے۔ یہ بھی افواہ تھی کہ ہسپتالوں میں کئی ایک قادیانی ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ ان اطلاعات کے عواقب، اور نتائج کے تصور سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا اب بیت اللہ اور جوارِ رسول مہبطِ اسلام بھی ان شرمناک ریشہ دوانیوں، سازشوں اور فسادی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن جائیں؟ جس کا مظاہرہ قادیانی جماعت ملک و بیرونِ ملک شب و روز کر رہی ہے۔ سرزمینِ طیبہ میں روضۂ اطہر کی چوکھٹ سے مسلمانوں کو ہٹانے کی کوششیں؟ معاذ اللہ والی اللہ المشتکی۔

عہد نبوت سے لے کر اب تک مسلمان اس معاملے میں بڑے حساس رہے ہیں۔ حرمین الشریفین میں یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم اقوام کے داخلے پر پابندی رہی۔ حضور علیہ السلام نے مرض وفات میں جزیرۃ العرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک رکھنے کا فرمان جاری کر کے معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا۔ اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب المدینۃ گویا عالمِ اسلام کا قلب اور مسلمانوں کا دل (حرمین الشریفین) غیر مسلموں کی فتنہ پردازیوں کا شکار نہ ہونے پائے کہ دل کے متاثر ہونے سے سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکمران ملک فیصل سے پیشتر شاہ سعود کے عہد تک اسی معاملہ میں نہایت برتی گئی کچھ عرصہ قبل چند

قادیانی خفیہ طور پر داخل ہوئے انہیں فوراً پکڑ پکڑ کر نکال دیا گیا۔ موجودہ حکومت سے اس معاملہ میں غفلت ہوئی یا اس روشن خیالی اور ترقی پسندی کی وجہ سے ایسا ہوا ایمان سوز اثرات نے آج حرمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ معاملہ بہرحال ہیں نظرثانی اور غور و فکر کا مستحق ہے۔ بے شک موجودہ سعودی حکومت حجاج کے آرام و راحت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔ تمام ممکنہ اصلاحات کر رہی ہے جس پر وہ پورے عالم اسلام کی طرف سے شکریہ و تحسین کی مستحق ہے ـــ مگر یاد رہے کہ عالم اسلام کے لئے حجاز کی اصل دولت اور سرمایہ وہاں کی مذہبی برکات اور روحانی اثرات ہیں۔ مسلمان خدا فراموش مادیت اور زندگی کے جھمیلوں سے گھبرا کر اس آستانہ عافیت اور مرکز سکون کی طرف لپکتے ہیں۔ اگر روئے زمین پر خدا کی اس ایک ہی روشنی کے گرد بھی مادیت کا حصار کھچا جاتا ہے، عصر جدید کی نام نہاد ترقیات سے وہاں کا تقدس آفریں نورانی ماحول بدلا جاتا ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن آزادی اور فحاشی و عریانی تعیش و ترفہ کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے۔ اور خدا اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے دشمن یہود و نصاریٰ، ہندوؤں اور قادیانیوں کو وہاں آنے جانے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ پورے عالم اسلام کے ساتھ ناانصافی ہوگی کہ حرمین الشریفین تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقامات ہیں۔ اور خدا کے گھر میں دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے نقب لگانے پر کوئی مسلمان خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بدقسمتی سے ہماری حکومت قادیانیوں کے پاسپورٹ پر غیر مسلم یا قادیانی ہونے کی مہر نہیں لگاتی ـــ اور سعودی عرب کے بعض ذمہ دار حضرات کا یہ عذر معقول ہوتا اگر انہوں نے کم از کم ظفر اللہ خان کو روک دیا ہوتا کہ اس کی مرزائیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ یہ دشواری پچھلی حکومتوں کو بھی پیش آئی ہوگی، پھر بھی انہوں نے تفتیش اور تحقیق کرتے ہوئے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا، اور اگر کسی طرح معلوم ہوا کہ دھوکہ اور فریب سے ایک کوئی قادیانی داخل ہوا ہے تو اسے اسی وقت نکال باہر کیا ـــــــ

سعودی عرب کے موجودہ حساس اور بیدار مغز انسان شاہ فیصل سے ہماری مخلصانہ

التجا ہے کہ وہ ان امور میں اپنے خاندانی و روایتی تصلّب کو برقرار رکھتے ہوئے حرمین کے معاملہ میں دنیا بھر کے نام لیوایانِ محمد علیہ السلام (آبائنا وارواحنا) کے احساسات کا خیال رکھیں۔ یہ ناموسِ محمدیؐ کا سوال ہے جو آپ اور ہم سب کا مشترکہ معاملہ ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور ناگفتہ بہ اور نامناسب منکرات اور خرابیوں کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے جو مشاہدات پر مبنی ہیں۔ مگر ہم آج صرف ناموسِ محمدی علیہ السلام اور تقدسِ حرمین کے نام پر مرزائیوں کے معاملہ میں نظرِ ثانی کی درخواست کرتے ہیں ؎

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ج ۲ شمارہ ۸ محرم ۱۳۸۱ھ مئی ۱۹۶۱ء)

تقدّسِ حرمین کا تقاضا

یہ خبر پائی خبر پڑھئے اور ایک اسلامی مملکت (جو محافظِ حرمین شریفین کہلاتی ہے) کی مذہبی بے حسی اور بے حمیتی کا جی بھر کر ماتم کیجئے۔ "پچھلے دنوں مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد نے یورپ کا جو دورہ چوہدری ظفر اللہ خان کی معیت میں کیا۔ اور اس دورے کو "تبلیغِ اسلام کے لئے جہاد" کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس دورے کی فلم بطورِ خاص سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر دکھائی گئی۔" (المنبر لائلپور)

ادائیگیِ حج کے نام سے مرزائیوں کا سرزمینِ حجاز میں داخلہ۔ پھر وہاں اونچی سطح پر کانفرنسیں۔ اور اس کے بعد یہ تیسری لرزہ خیز خبر اس سرزمین کے بارے میں ہے جس کی فضاؤں میں نبیِ آخر الزمان کی زبانِ مبارک سے انا خاتم النبیین لا نبی

بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) کی صدائیں گونجیں اور جس مملکت کی موجودہ دارالحکومت کے گردونواح میں خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک لشکرِ جرار کے ذریعہ کذابین کے سرخیل مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ گمراہی اور منکر ہر جگہ قابلِ نفرین ہے خواہ ارضِ حجاز میں ہو یا مصر و شام میں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ "ستمبر کے مجرم" تو یہود و نصاریٰ تک کی صفوف میں کھڑے کیے جائیں۔ اور مرکزِ اسلام میں ناموسِ محمدﷺ سے کھیلنے کی جسارت پر سانپ سونگھ جائے[1] اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہمیں کہنے دیجیے کہ سعودی حکمرانوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے شیوہ کو چھوڑ کر ملک کو مسیلمہ کذاب کی راہوں[2] پر ڈال دیا ہے۔ اور پورے عالم اسلام کو فتنے کے آغاز ہی میں سختی سے ان امور کا نوٹس لینا چاہیے۔

(ج ۲۔ ش ۱۔ ۱ جمادی ثانی ۱۳۸۸ھ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

بیرونِ ملک تعاقب

پاکستان میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں سے اکثر حضرات واقف ہوں گے مجلس نے بیرونی ممالک میں بھی ختمِ نبوت کی اشاعت اور مرزائیوں کے تعاقب کا کام شروع کر دیا ہے۔ مجلس کے ایک اعلامیہ کے مطابق مشہور

---

[1] ان دنوں ایک خاص طبقہ بالخصوص جماعت اسلامی کے ہاں مصر اور اس کے صدر ناصر (حاشیہ بقیہ ص ۲۵۳) مخالفت کا بازار گرم تھا۔ مرحوم کو بعض رسائل میں یہودیوں کا ایجنٹ تک کہا گیا مگر یہی لوگ اس وقت سے عربوں کے ایک خاص سیاسی بلاک کے بارہ میں ہمہ [illegible] اس صورت حال کی طرف اشارہ ہے ——— "س"

[2] بعد میں حق تعالیٰ کی توفیق سے سعودی عرب کو مسیلمہ پنجاب کے فتنہ مرزائیت کے استیصال میں نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہوا ——— "س"

مناظر اور مبلّغ مولانا لال حسین صاحب اختر نے ان دنوں انگلینڈ میں صداقتِ اسلام اور تردیدِ مرزائیت کے بارہ میں تقاریر، اہم شہروں میں تحفظِ ختمِ نبوّت کی تنظیم اور رکن سازی کا کام شروع کر دیا ہے اور حوصلہ افزا نتائج ظاہر ہو رہے ہیں، اس کام کی بہت پہلے سے ضرورت تھی۔ ہمیں مجلس کے اس اقدام سے بڑی خوشی ہے۔ اس وقت ختمِ نبوّت کی اشاعت اور دفاع کے لئے ملک و بیرونِ ملک وسیع پیمانے پر کام کی شدید ضرورت ہے۔ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ (دسمبر [illegible])

قادیانی، اسرائیل، بھارت
اور
بنگلہ دیش کا قیام

ایک اطلاع کے مطابق بھارت کے قادیانیوں نے نام نہاد بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی تمام پالیسیوں کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں "قادیان" کے مقام پر احمدیہ فرقہ کے ایک اجلاس میں بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی پالیسی کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مالی امداد دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔ اور بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بنگلہ دیش تسلیم کرے اجلاس نے اپنے فرقہ کے تمام افراد کو ہدایت کی کہ وہ بنگلہ دیش کی تحریک میں ہر ممکن تعاون کریں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس تعاون کی اپیل صرف بھارتی قادیانیوں سے کی گئی ہے یا دنیا بھر کے تمام قادیانیوں سے کیونکہ قادیان ہے مرکز کی "تقدیس" دنیا بھر کے قادیانیوں کے لئے نظر انداز کرنی مشکل ہے جس کی خبر

پر اپنی طرف سے کیا حاشیہ آرائی کر سکتے ہیں۔ ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔[1] اور اس کے ساتھ سعودی عرب کے موقر جریدہ البلاد ۱۷ ستمبر کی یہ اطلاع بھی پڑھئے جو ایڈیٹر نے پرجوش ایمانی جذبہ میں ڈوب کر اپنے ایڈیٹوریل میں دی ہے کہ محمود قائم نامی مجیب الرحمٰن کے کسی نام نہاد ساتھی نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ اسرائیل نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور باقاعدہ وفد کیساتھ دوبارہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، انہوں نے بڑی گرمجوشی سے بنگلہ دیش کے موقف کو سراہا اور بیت المقدس میں اس کے لئے پریس کانفرنس کا انتظام کرایا گیا — اسرائیل — بھارت — اور اس کے ساتھ قادیانیت کیا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تو نہیں ہیں۔ قادیانیت اسرائیل کو اپنا سرپرست بھی سمجھ رہی ہے۔ قادیانیت بنگلہ دیش کے لئے امداد کی اپیل بھی کر رہی ہے۔ اور قادیانیت پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کی واحد علمبردار بنی ہوئی ہے۔ یا للعجب۔ کیا تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف ایسی دھاندلی کی کوئی اور مثال بھی مل سکتی ہے۔؟ (اکتوبر سنہ)

منکرینِ جہاد سے دفاعِ سرحدات کی امیدیں

سنا ہے دو جرنیلوں کو ترقی دے کر لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا ہے۔ جن میں سے ہر جنرل کور کمانڈر ہو کر دو سے تین ڈویژنوں کی کمان کرتا ہے۔ اور یہ دونوں مصدقہ طور پر مرزائیت سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام مسلمان کافر ہیں اور عقیدہ جہاد رکھنا حرام ہے

---

[1] پھر مستقبل نے [illegible] کے ساتھ سقوط مشرقی پاکستان کی شکل میں دکھا دیا (بقیہ حاشیہ صفحہ) اور بنگلہ دیش کے قیام میں بھارت، روس، اسرائیل اور مغربی اقوام کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا درپردہ کردار بھی دنیا کے سامنے آ گیا۔ (مرتب)

پھر کیا ایسے نازک معاملہ میں ہماری خاموشی ملک و ملت سے غداری نہ ہوگی۔ ایک ابن علقمی اور دوسرے متنبی کذاب کے ہونے کی وجہ سے ملک کی نیا ڈوب گئی اور جو خاموش تھے انہیں آج کلمۂ حق نہ کہنے پر بزدلی کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ پھر کیا آج بھی یہی مصلحت کیشیاں ہمیں لے نہیں ڈوبیں گی کیا قوم مزید تجربوں کے متحمل ہے؟ کیا اس معاملہ میں اظہارِ حق ملک کی خیر خواہی ہے یا سکوتِ مجرمانہ؟ —— (فروری ۷۱ء)

ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ

صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ خلافِ معمول عدالتی کارروائی شائع نہ ہونے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید وہ ان دنوں قائم مقام صدر[1] کے فرائض بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ ملزم شریف، پابند صوم و صلوٰۃ اور دینی جذبات و احساسات رکھنے والا بتایا جاتا ہے اور اس نے اقبالِ جرم کر لیا ہے۔ اخبار جنگ کی اطلاع کے مطابق ملزم کے بیان کو اس لئے انتہائی صیغہ راز میں رکھا جا رہا ہے کہ اس کی اشاعت مفادِ عامہ کے خلاف ہے۔ گویا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق مفادِ عامہ سے ہے تو پھر عوام کے لئے دلچسپی کی چیز ہے۔ مگر معاملہ چونکہ عدالت میں ہے اس لئے ہم [illegible] کی بنا پر اپنی رائے ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں، اگرچہ قادیانیوں نے اپنے اخبار الفضل کے بارہ میں خود آرائی کر کے اس جرم کو مذہبی رنگ دیا۔ حقائق [illegible] کے منتظر ہی رہیں گے۔ کاش! [illegible] کے پردہ چاک ہو جانے سے پہلے [illegible] ہو گئی۔ فیصلہ [illegible]۔ (اکتوبر ۷۱ء)

---

[1] صدر یحییٰ کے باہر جانے پر انہیں قائم مقام صدر مقرر کر دیا گیا تھا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا [illegible] صدارت پر [illegible] جانے اور [illegible] کے بجائے [illegible] آ گئے۔

قاتلانہ حملہ کے بعد عدالت میں بیان

پاکستان کے ثقہ دینی حلقوں اور بعض مقتدر رہنماؤں کی طرف سے دبی زبان ہی سہی مگر مختلف وقفوں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان کے ایک اہم کلیدی منصب سے مرزا غلام احمد قادیانی متنبی کذاب کے پوتے مسٹر ایم ایم احمد کو برطرف کر دیا جائے وہ کافی عرصہ سے نہ صرف صدرِ محترم کے اقتصادی مشیر ہیں بلکہ اقتصادیات کا سیاہ و سفید بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسے اہم منصب پر ان کا تقرر ان کی "اعلیٰ قابلیت" اور "فنی مہارت" کی وجہ سے ہے تو اس نااہلیت کا خمیازہ پورے ملک کو اس شدید بحران کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو اصلاً اقتصادی ناہمواری اور عدم توازن کی پیداوار ہے۔ یہی چیز مشرقی و مغربی صوبوں میں نفرت اور دوری کا باعث بنی اور ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ پچھلے دو ایک سال سے مشرقی خطہ کا ایک اہم سنجیدہ طبقہ اس کا ذمہ دار ایم ایم احمد کو ٹھہرا رہا تھا۔

یہ معاملہ عام مسلمانوں کی طرح دینی تقاضوں کی بناء پر ہمارے لئے بھی مدت سے محلِ نظر بنا ہوا ہے۔ مگر ملک جن نازک ترین حالات سے دوچار ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایسی کوئی بات مزید پریشانیوں کا سبب بن جائے۔ ہمیں قومی یکجہتی، اور ملکی سالمیت بیحد عزیز ہے۔ ہم ایسے نازک لمحات میں حکومت اور رعایا کے درمیان مکمل اتحاد و اعتماد کی فضاء برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے اور مارشل لاء کے آہنی حصار کے باوجود ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کے بعد کئی ایسی باتیں کچھ تخمینوں اور کچھ قرائن و آثار کی بناء پر مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں جس سے حکومت اور رعایا کا باہمی اعتماد مجروح اور پیمانہ صبر لبریز ہو سکتا ہے ـــــ تو دینی مسئولیت کے علاوہ ملک اور ارباب حکومت کی خیر خواہی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس معاملہ میں براہ راست صدر یحییٰ خان تک اپنے گذارشات پہنچائیں۔ ایسے حالات میں کہ عدالت میں ذہن کی نوع

جمع ہوں۔ اگر شبہات اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہیں اور صدرِ محترم کو "سب ٹھیک ہے" کے دائرہ میں رکھ کر عوام بالخصوص دینی و اسلامی حلقوں کی بے چینی سے بے خبر رکھا جائے تو نتیجہ ملک و ملت کے حق میں بہتر نہیں ہو سکتا۔

ایم ایم احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا اور کوئی سنجیدہ اور حقیقت پسند شخص اس انتہائی اقدام کی تحسین نہیں کرے گا۔ ملزم گرفتار ہوا۔ ایم ایم احمد کی نزاعی شخصیت کی وجہ سے فطری طور پر تمام مسلمانوں کو اس کیس سے دلچسپی ہوئی وہ عدالت کی تفصیلات کو جاننا چاہتے تھے بجائے اس کے کہ مقدمہ سول عدالت میں آتا فوجی عدالت میں چلا گیا۔ جبکہ اس سے قبل قائدِ ملت لیاقت علی خان کی شہادت اور غالباً پشاور میں صدر ایوب خان پر قاتلانہ حملہ جیسے اہم کیس بھی سول عدالت میں پیش ہوئے۔ اس سے عوام کے شکوک بڑھتے گئے کہ شاید قتل کا یہ اقدام دینی و ملی جذبات پر مبنی ہے۔ پھر اخبارات میں یہ بھی آیا کہ چونکہ زیر بحث مسائل کا تعلق اہم قومی مفاد سے ہے۔ اس لئے کارروائی خفیہ رکھی جا رہی ہے۔ اس سے شبہات کو اور بھی ہوا ملی۔ مگر پھر بھی ملک کے موجودہ حالات اور بحران ختم کرنے کے لئے صدر صاحب کی مخلصانہ مساعی نے قوم کو اس معاملہ میں ضبط اور بردباری قائم رکھنے پر مجبور کیا ورنہ انگریز کے دور میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ملزم اگر قانوناً غلط کار بھی ہوتا مگر دینی و ملی حمیت اور اسلامی جذبۂ قربانی سے مجبور ہو کر پوری مسلم قوم اس کے دفاع میں کھڑی ہو جاتی مگر اس معاملہ میں قوم اربابِ اقتدار پر اعتماد کرتے ہوئے خاموش تماشائی بنی رہی نہ تو کسی نے ملزم کے خاندان سے ہمدردی ظاہر کی نہ ان کے دفاع میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور غالباً ان کے وکیل تک کو بھی کسی دینی ادارہ اور دینی حلقوں نے اپنی خدمات کی پیش کش نہیں کی۔

گو اسے بعض لوگ ہماری حمیتِ ملی اور جذباتِ ناموسِ ختم نبوت کے سرد ہونے پر محمول کر سکتے ہیں، مگر ہم اسے ایک ایسے منظم اور باوقار قوم کے حسنِ ظن اور اعتماد پر بھی محمول کر سکتے ہیں جو آخر وقت تک اپنے حکمرانوں پر بھروسہ کرتی ہے اور اسے بجا طور پر یہ امید بھی ہے کہ سوادِ اعظم کے محبوب معتقدات اور نظریات کی پوری رعایت رکھی جائے گی۔

مقدمہ فوجی عدالت میں ہے اور ہمارے دلوں میں ہر قسم عدالتوں کا پورا پورا احترام ہے قوم کی نگاہیں عدالت کی تفصیلات پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر مسئلہ کا تعلق ملزم اور مقتول کے کسی ذاتی اور نجی معاملہ سے ہے (جبکہ بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا ورنہ تو معاملہ فوجی عدالت میں پیش نہ کارروائی خفیہ رکھی جاتی) تو یہ فریقین تک محدود رہے گا لیکن اگر تعلق دین کے اساسی اعتقادات اور بنیادی اصولوں سے ہے۔ تو ہم جانیں یا نہ جانیں۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالے تمام نام لیوا جنکے قلوب بقول صدر پاکستان عشقِ نبوت سے سرشار ہیں اس معاملہ میں دلچسپی لیں گے۔

مگر کوئی حتمی رائے تفصیلات سامنے آنے پر قائم کی جاسکے گی۔ آج کی فرصت میں ہم بہت افسوس کے ساتھ حکومت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتے ہیں جو ایک افواہ اور پھر افواہوں سے بڑھ کر خطوط اور تحریرات کے ذریعہ گردش کر رہی ہے اور صدرِ محترم سے بادب اسی معاملہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کی اپیل کرتے ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ :-

> ایم ایم احمد صاحب نے جن پر حملہ آور اکرم قریشی کے مقدمہ میں بیان دیتے ہوئے کہا میرا عقیدہ ہے کہ میرا دادا نبی تھا اور جو شخص اسے نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ اور اس بناء پر چوہدری ظفر اللہ خان نے قائدِ اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ میں اپنی مرزئی تنظیم کو مالی امداد دیتا ہوں جو باہر ملکوں کو بھیجی جاتی ہے بشمول ہندوستان کیونکہ مجھے علم ہے کہ ہندوستان میں مقیم احمدی جماعت نے بنگلہ دیش کی حمایت کا اعلان کیا ہے میں نے اس سلسلہ میں انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ جس ملک میں احمدی بستے ہیں اسی ملک کے ہی وفادار ہوتے ہیں۔ میری کوشش رہتی ہے کہ اگر جماعت زندہ ہے یا دشمن جان میں اپنے نظریات کسی سے نہیں چھپایا"۔

ہمیں معلوم نہیں کہ واقعی ہوا ہے یا نہیں لیکن ہم ذمہ دار منصب پر فائز شخص کی جانب سے بیانات کے ریکارڈ سے اگر تصحیح حذف نہ کی گئی ہو تو یہ صورتِ حال معلوم کی جاسکتی ہے۔ چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا مخفی ذریعہ رسل و رسائل نہیں کہ ہم یہ افواہیں صرف صدرِ پاکستان تک پہنچا سکتے اور وہ اس کا تدارک فرماتے۔

ہم اس مرحلہ پر حکومت سے کچھ کہے بغیر ایم ایم احمد صاحب سے اتنی گذارش کرتے ہیں کہ یہاں کی سواد اعظم حضور سرورِ کائنات علیہ السلام کو خاتم النبیین سمجھتی ہے اور نہ صرف آپ کے دادا بلکہ ہر مدعی نبوت کو دجال، کذاب اور کافر سمجھتی ہے۔ اور بقول آپ کے یہ عقیدہ رکھنے والے سب کافر ہیں۔ پھر آپ کو اس کافر ملک کی خدمت کا روگ کیوں کھائے جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنی خدمات ایک اسلامی مملکت کی بجائے ہندوستان یا اسرائیل کے سپرد کر دیں تو آپ کے دادا کی تحریک کی طرح شاید آپ کی پذیرائی بھی وہاں زیادہ ہو جائے۔ آپ بیشک شوق سے ہندوستان مرکز تنظیم کو اپنی امداد دیتے رہیں مگر اس صورت میں کہ آپ ملک کے خزانہ اور اقتصادیات پر قابض ہیں۔ قوم بجا طور پر خطرہ محسوس کر سکتی ہے کہ کہیں ہمارے خون پسینہ کی کمائی قادیانیت اور بنگلہ دیش کی تبلیغ و تعمیر میں تو خرچ نہیں ہو رہی۔ اس لئے قوم آپ سے نہایت درد مندانہ التجا کرتی ہے کہ ایسے حالات میں آپ از خود اس منصب جلیلہ سے سبکدوش ہو جائیں تاکہ آپ کی ذات ایسے نازک موقع پر حکومت اور رعایا کے درمیان بے اعتمادی یا کم از کم شکوک و شبہات کا ذریعہ نہ بنے اگر اس ملک کی اکثریت آپ کے عقیدہ میں کافر ہے تو آپ سے کسی خیر خواہی کی توقع کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے ان افواہی باتوں کی فوری تردید نہ کی تو یاد رکھیں کہ پاکستان کے غیور مسلمان آپ کو اپنے سینہ پر مونگ دلنے کا مزید موقع نہیں دیں گے۔ (نومبر [illegible])

دوسرے ربوہ کا منصوبہ

مرزائی ربوہ کو ویٹی کن کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ پھر بلوچستان کو قادیانستان بنانے کی جدوجہد ہوئی۔ ربوہ کو ریاست اندر ریاست بنایا گیا۔ وہاں کی پوری سرکاری مشینری کو اپنی [illegible] نما تنظیم حکمرانوں کے اختیار سے خارج کر کے رکھ دیا گیا۔ پورے پاکستان کے اہم سول اور فوجی کلیدی مناصب پر قبضہ جمایا گیا یا منصوبے بنائے پوری دنیا میں سامراج صیہونیت اور قادیانی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں قادیانی اڈے قائم ہوتے چلے گئے۔ اب قادیانیوں کا نشانہ شمال مغربی سرحدی علاقے ہیں جہاں اب تک

قدم نہیں جمایا جا سکا۔ مفتی محمود صاحب کی حکومت سے قبل ایبٹ آباد کے نواح میرپور منڈیاں میں مرزائیوں کی ہائی کمان نے سو ڈیڑھ سو کنال زمین خرید لی۔ جہاں خلیفہ کا گرمائی محل مسجد اور دارالتبلیغ کے علاوہ چھوٹا سا شہر بسانے کا منصوبہ بنایا گیا، تعمیرات شروع ہوئیں تو مسلمانوں کو پتہ چلا تو غم و غصہ کے آثار پیدا ہو گئے۔ مقامی حکام سے فریاد رسی کی مگر جیسا کہ مذہب بیزار اور مادر پدر آزاد حکام کا شیوہ ہوتا ہے۔ عوام کو رواداری اور "دیگر مذاہب" کے احترام کا وعظ کیا گیا۔ اور وسیع الظرفی کی تلقین کی گئی جبکہ خود ان کی تنگ ظرفی پر ان کی غیرت ایمانی بھی ہمیشہ شکوہ کناں رہتی ہے۔

الغرض اشتعال بڑھتا گیا، سرحد کے وزیر اعلیٰ مفتی محمود صاحب کو علم ہوا تو فوری طور پر تعمیرات روکنے کا حکم دیا۔ ڈی سی نے شاید تعمیل کی۔ پھر بھی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لئے کہ یہ کنٹونمنٹ ایریا ہے۔ جو صوبائی دسترس سے باہر ہے۔ اور مرکز ایسے امور میں بھی اپنے دائرہ اختیار میں دخل در معقولات گوارا نہیں کرتا۔ اور خود اگر چاہے تو رسوائے زمانہ ثقافتی طائفوں کی پوری فوج ظفر موج دوسرے صوبوں پر مرضی بغیر ٹھونس دیتا ہے[1]

بہر حال ایبٹ آباد کے غیور جسور مسلمانوں کی حمیت و غیرتِ ایمانی کا لاوا پھٹ گیا۔ جلوس نکالے گئے، جلسے ہوئے، ۲۰-۲۵ ہزار افراد نے سر ہتھیلی پر رکھ کر عہد کیا کہ سرحد میں دوسرا ربوہ نہیں بننے دیا جائے گا۔ اس آتش فشاں کے پکنے کی خبر تک بھی کسی اخبار میں نہیں آنے دی گئی۔ اس لئے کہ ڈیفنس آف پاکستان رولز اب صرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اور دجالینِ امت کے دفاع و حفاظت کے لئے رہ گیا ہے۔ لاوا پکتا جا رہا ہے۔ صوبائی حکومت اپنی حد تک کوشش کر رہی ہے۔ اور اسے سب کچھ داؤ پر لگانا بھی پڑے تو اس کا فرض ہے کہ ناموسِ ختم نبوت پر ہزاروں حکومتیں قربان کی جا

---

[1] سرحد میں مفتی محمود گورنمنٹ کے دوران ایک بیرونی ثقافتی طائفہ کو صوبائی حکومت کے بار بار انکار کے باوجود سرحد بھیجا گیا اور ثقافتی مظاہرے کرائے گئے۔

سکتی ہیں۔ مگر افسوس اور تعجب تو مرکزی حکومت پر ہے کہ وہ ایسے معاملات میں کیوں اتنی سرد مہری برت رہی ہے۔ کیا وہ نام لیوایانِ ختم المرسلینؐ کی غیرتِ ایمانی ایک بار پھر آزمانا چاہتی ہے۔

پچھلے دنوں ایسی خبریں بھی گشت کرتی رہیں کہ مرکزی حکومت ایبٹ آباد کو تربیلا ایریا میں شامل کر کے اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ یہاں تک کہ وزیراعلیٰ مفتی محمود صاحب، کو اخبارات میں بیان دینا پڑا کہ حکومت نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو سرحد کی حکومت مستعفی ہو جائے گی۔ ہمیں تعجب تھا کہ آخر حکومت کو اسلام آباد سے ۷۰ میل دور واقع ایک شہر کو نیشنل ایریا میں شامل کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ مگر مرزائیوں کے اس "دوسرے ربوہ کے منصوبہ" نے یہ معمّہ بھی ایک حد تک حل کر دیا۔ شاید مرکز کو یہ احساس نہ ہو کہ سرحد کے غیور مسلمانوں کی حسِ ایمانی اس معاملہ میں اتنی سرد نہیں ہوئی اور اگر ضرورت پڑی تو یہاں کے مسلمان ثابت کر کے دکھا دیں گے کہ وہ اس گئے گزرے دور میں بھی ناموسِ ختم نبوت پر ساری متاعِ کائنات نثار کر سکتے ہیں۔

مرزائی مسجد میں دولتانہ کا اظہارِ وفا

"قیامِ پاکستان کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر مسجد فضل لندن میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی جس میں پاکستان کے سفیر میاں ممتاز محمد خان دولتانہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا قیام نظریۂ جمہوریت کی بنا پر ہوا ہے۔ اور اسی میں ہماری کامیابی اور ترقی کا راز ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ نوجوان نسل کو نظریۂ پاکستان اور اس کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا جائے۔ تقریر کی ابتداء میں انہوں نے کہا کہ میں لندن مسجد میں تجدیدِ وفا کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں کیونکہ آج سے ۴۶ برس قبل جب میں پہلی بار یورپ آیا تو میری "مغربی زندگی" کے ابتدائی ایام اسی مسجد کے زیرِ سایہ گزرے۔ یومِ پاکستان کی اس تقریب میں سینکڑوں پاکستانیوں نے شرکت کی۔ مسجد فضل لندن کی طرف سے اس موقعہ پر ایک دعوتِ عصرانہ کا اہتمام کیا گیا ——— "روزنامہ جنگ لندن ۱۷ اگست ۱۹۷۲ء کا اقتباس ہے۔ دولتانہ صاحب!

آپ نے پاکستان کی سفارت اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ کا جاتے ہی خوب حق ادا کر دیا؟ —— (اکتوبر ۱۹۷۲ء)

مرزا ناصر کے منصوبے

ربوہ میں مرزائیوں کے موجودہ امام مرزا ناصر احمد نے جماعت کی سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزائیوں نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کے ہزاروں نسخے نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، زیمبیا اور دیگر افریقی ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کئے ہیں اس کے علاوہ انگریزی، جرمنی اور دیگر زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کروا کر یورپی ممالک میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بھی جاری ہے۔ اس مقصد کے تحت ابتدا، میں یورپ میں قرآن پاک کے تیس ہزار نسخے تقسیم کئے جائیں گے۔

یہ تو مرزا صاحب کے منصوبوں کی ایک جھلک تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے بلوچستان کے تحریف شدہ نسخوں کی طرح اگر محرف نہ ہوں تو پھر مرزائیوں کو اس کی اشاعت کا فائدہ ہی کیا ہے ——

تحریفی سرگرمیاں

مرزائیوں کی ایسی تحریفی سرگرمیوں کی ہزاروں مثالیں اب تک سامنے آچکی ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھیوں کی تصانیف میں جا بجا درج آیاتِ قرآنی میں لفظی تحریف کی بھی نشاندہی اخبارات و رسائل میں آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ رہ گیا معنوی تحریف و الحاد تو وہ اس تحریک کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ قرآن کریم کے تراجم میں ان کی تحریف کا نشانہ تھا ہی کہ اب کلمہ طیبہ میں بھی ان کی غلط تحریف کے شواہد سامنے آ چکے ہیں یہاں تک کہ ان باتوں کی صدائے بازگشت صوبائی اسمبلیوں سے ہوتے ہوئے اب تک قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھی شد و مد سے سنی گئی مگر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ جناب محترم وزیرِ اطلاعات کوثر نیازی صاحب نے نہ صرف ان باتوں کی تردید کی بلکہ بلوچستان

میں تقسیم شدہ مرزائی نسخوں میں بھی ہر قسم کی تحریف کی تردید کی جس پر پاکستان کے علمی و دینی طبقے عموماً اور بلوچستان کے دینی حلقے بجا طور پر محوِ حیرت ہیں کہ کیا واقعی ہمارے وزیر اطلاعات ان تمام حقائق سے بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انہوں نے اتنے ذمہ دارانہ مقام پر فائز ہوتے ہوئے یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے۔ ہمیں علمی حلقوں کی طرح جناب کوثر نیازی کا تعلق خاطر عزیز ہے۔ مگر قرآن کریم اور حفاظت ناموسِ ختم نبوت کے تقاضے اس سے بڑھ کر گراں خاطر اور عزیز ہیں۔ اگر مولانا بھی مسلمانوں کے ایسے متفقہ اور مسلمہ جذباتی مسائل میں یہ انداز اختیار فرمادیں گے تو ہمارے دردوں کی ٹیس اور احساسِ الم اور بھی شدید ہوگا۔ قرآن کریم کی تصحیح کے سلسلہ میں مولانا نیازی کے اعلانات اور مساعی سے ہمیں خوشی ہوئی تھی۔ مگر مرزائیوں کے قرآن کے بارہ میں ایسی شرمناک جسارتوں پر مولانا کے اس تبرائت بے جا سے ہماری مسرتیں اب اندیشوں میں بدل گئی ہیں۔

بہرحال یہ تو برسبیلِ تذکرہ بات تھی، اصل بات مرزا ناصر کے اس پروگرام سے متعلق تھی۔ حقائق و تفصیلی شواہد کی رو سے یہ نسخے تحریفِ قرآن کے نسخے ہوں گے۔ اس میں مرزا غلام احمد کو نبی عربی محمد مصطفیٰ ﷺ کے لبادہ میں پیش کرنے کی سعی کی جائے گی محمد کو احمد بتا کر غلام احمد کے پیرایہ میں متعارف کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دیگر بے شمار قطعی معتقدات کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔ مگر بہت سے مسلمان اور نام نہاد نام لیوایانِ محمد عربی ﷺ نہ صرف یہ کہ ٹس سے مس نہ ہوں گے بلکہ ان کے مذہبی مسائل و [illegible] [illegible] دو وقت [illegible] سے ہی لگائیں گے۔ مگر اپنی بے حسی فرائض سے غفلت اور بے حمیتی کا احساس بہت ہی کم لوگوں کو ہوگا۔

ثانی ربوہ کچھ عرصہ قبل صوبہ سرحد کے اہم مرکزی شہر ایبٹ آباد اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کے متصل قادیانی فرقہ کے ایک مخصوص کالونی کا منصوبہ مسلمانوں کے اشتعال اور صوبائی گورنمنٹ کی مداخلت کی بنا پر روک دیا گیا تھا۔ اب پھر یہ تشویشناک خبر بھی آ رہی ہے کہ [illegible] میں اس دوسرے ربوہ کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ درحقیقت مرزائیوں کے اسلام کش ثانوی ہیڈکوارٹر اور بالآخر ان کی عالمی ریشہ دوانیوں کا مرکز ثابت

ہوگا۔ اس بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کی نزاکت اور احساسات کی شدت کا حکومت کو
پوری طرح علم ہے۔ مگر جان بوجھ کر اس رواداری اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ مسلمانوں کی غیرت کو
للکارنے کے مترادف ہے۔ یہ سرحد کے غیرت مند دیندار مسلمانوں کو خصوصاً اور پاکستان کے
تحفظ ناموسِ رسالت کے جذبے سے سرشار تمام مسلمانوں کا عموماً فریضہ ہے کہ اس منصوبہ کو
کسی حال میں کامیاب نہ ہونے دیں اور اگر حکومت دوراندیشی سے کام نہیں لیتی تو مسلمانوں
کو اپنے طور پر عالمی صیہونیت اور سامراجیت کے علمبردار اس دشمنِ اسلام و رسول قادیانی ٹولہ
کے ان عزائمِ خبیثہ کو خاک میں ملا دینا چاہیئے۔ ناموسِ رسول کے تحفظ اور مسلمانوں کو ان
کے دشمنوں سے بچانے کی تمام کوششیں عنداللہ مقبول و محمود ہوتی ہیں۔ اس راہ میں ذرہ برابر
غفلت و مداہنت یا کوئی مصلحت بینی اور رواداری ایمان و اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔
ربوہ میں کسی غیر مرزائی کو ایک مرلہ جگہ نہ دینے والے گروہ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی جا سکتی
کہ وہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے میں اپنے اڈے قائم کرے۔ اس بارہ میں پاکستان کی
ایک عدالت (محمد نسیم صاحب سول جج رحیم یار خان) کا ایک حکم امتناعی بھی موجود ہے کہ
مرزائی کسی سنی آبادی میں ہرگز اپنا مرکز قائم نہیں کرسکتے۔ —— (جمہوری [illegible])

قادیانیت اور مکہ معظمہ

کی

اجماعی قرارداد

قادیانیت کے بارہ میں حال ہی میں مکہ معظمہ سے عالمی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قرارداد کی شکل میں جو آواز اٹھی ہے۔ وہ قادیانیت کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کے متفقہ اور تازہ اجماع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مآخذ شریعت قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے کبھی بھی قادیانیوں کا کافر مرتد اور خارج از اسلام ہونا کوئی متنازعہ بات نہیں رہی اور اس اجماع کا اظہار متعدد ادوار سے ہوتا ہے مگر حال ہی میں ۱۴ ربیع الاول سے لے کر ۵، دن تک مسلسل جاری رہنے والی تمام دنیا کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کی متفقہ قرارداد سے اس فرقۂ خبیثہ کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کی اجتماعی طور پر بھی اجماع کی ایک صورت ظاہر ہو گئی۔

اس کانفرنس کی یہ قرارداد ملتِ مسلمہ کے لئے جتنی اہم ہے بدقسمتی سے خاص حالات کی وجہ سے ہمارے ملک میں اسے اتنا ہی نظر انداز کیا گیا تاکہ کعبۃ اللہ کی حرکت سے وابستہ اسلامیانِ پاکستان اس خبر سے باخبر نہ ہو سکیں۔ ہمیں سعودی عرب کے پریس سے اس قرارداد اور کانفرنس کی تفصیلات کا علم ہوا ہم اس قرارداد کا اصل متن اور اس کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے حکومت پاکستان اور عالمِ اسلام کے رہنماؤں اور حکومتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس قرارداد کے مندرجات پر لبیک کہتے ہوئے ملتِ مسلمہ کو اور عالم اسلام کو فتنۂ خبیثہ مرزائیت اور اس کی سازشوں سے بچانے کی اجتماعی تدابیر اختیار کی جائیں یہ آواز فضا کی پہنائیوں سے بلند ہوئی۔ اور ہم اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہی نہیں بلکہ اسے اپنے دلوں کی دھڑکن سمجھتے ہیں۔ اور ناموسِ ختم نبوت کے پاسبان تمام مندوبین

رابطۂ عالمِ اسلام، شرکاءِ کانفرنس کو اور بالخصوص خادم الحرمین الشریفین ملک فیصل کو نہایت خلوص سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاول ۹۴ھ بمطابق ۸ ر اپریل ۱۹۷۴ء کی شام کو مکہ مکرمہ کی مقدس فضاؤں اندر بیت اللہ الحرام کے سایہ میں دنیا بھر کے ایک سو چوالیس ۱۴۴ علمی اور اسلامی تنظیموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا جس میں اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں، نمائندوں، علم و فضل کے لحاظ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر علماء، ادباء، صحافی اور اہلِ قلم و اربابِ فکر نے متفقہ طور پر عالمِ اسلام کے بڑے مسائل کے علاوہ علمی اور دینی لحاظ سے الحاد و ارتداد کی تحریکوں اور فتنوں کو بھی موضوعِ بحث بنایا۔ قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، فری میسن اور اس کی ملحقہ تنظیمیں، عیسائی مشنریاں، کمیونزم، دہریت، مغربیت، اور الحاد وغیرہ کے انسداد پر غور ہوا۔ ان غیر اسلامی اور باطل فتنوں میں سرفہرست قادیانیت کا مسئلہ تھا، جو اب بحمد اللہ عربوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بنتا جا رہا ہے اور سعودی عرب کے شاہ فیصل اور رابطہ عالمِ اسلامی کے مساعی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابلِ تحسین ہیں۔

باطل مذاہب کے بارہ میں قرارداد مرتب کرنے والی کمیٹی کے چیئرمین محمود صواف نے قرارداد پیش کرنے سے قبل قادیانی فتنہ کا مفصل تعارف کرایا۔ اس کے تاسیس کے سامراجی محرکات اور غیر اسلامی افکار و آراء اور عالمِ اسلام اور ملتِ مسلمہ کے خلاف مرزائیوں کے سیاسی کردار، سازشوں اور منصوبوں کو خشت از بام کیا۔ قادیانی ازم جو حقیقتاً اُمتِ مسلمہ کے اتحاد کے لئے پوری دنیا میں ایک ضربِ کاری بنی ہوئی ہے کا پس منظر بیان کرنے کے بعد قرارداد نہایت جوش و خروش سے منظور کی گئی۔ قرارداد میں اسلامی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مرزائیوں سے ہر قسم کے عدم تعاون کا برتاؤ کیا جائے، بلکہ انہیں کسی بھی اہم کلیدی منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان مندوبین میں سے یہ نیک بختی اور سعادت صرف پاکستان کے ایک مندوب ٹی۔ ایچ ہاشمی کے حصہ میں آئی جس نے قرارداد کے اس حصہ سے

غیر جانبداری اختیار کر کے حق و باطل کے اس معرکہ میں ایک عالمی سٹیج پر پاکستان کیلئے ذلت و رسوائی کا سامان فراہم کیا ہے پاکستان کو رسوا کرنے والے اس شخص کی نہ صرف مذمت کرتے ہیں بلکہ اس کے اس شرمناک رویہ پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ایسے لوگوں کو بین الاسلامی اجتماع کا مندوب منتخب کرنے پر ذمہ دارانِ حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس طرح مٹھی بھر قادیانیوں اور یہودیوں کو خوش کر کے پورے عالم اسلام کے شبہات اور خدشات مول لینا اور دنیائے عرب کے اسلامی جذبات اخوت کو مجروح کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

بہرحال یہ ایک ہاشمی قسم کے دینی حیثیت سے عاری صرف ایک شخص کے غیر جانبدار رہنے سے قرارداد کی اہمیت اور اجماعی حیثیت اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ علماء کی کتابیں، اہلِ قلم کے مضامین، خطباء کے خطبوں، اہلِ تحقیق کی تصانیف، مفتیوں کے فتووں، عدالت کے فیصلوں، اور بعض اسمبلیوں کی قراردادوں کے بعد اب مرکزِ اسلام ام القریٰ مکہ معظمہ میں جمع ہونے والی اور دنیا بھر کے اسلامی فکر و نظر کی نمائندگی کرنے والی کانفرنس کی نگاہوں میں بھی قادیانیت کفر، دجل و تلبیس، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور سامراجیوں کی کٹھ پتلی ایک اسلام دشمن تحریک ہے۔ دیکھئے اب اس اجماع کے بارہ میں مرزائیوں کے کذاب علیحین کیا کہتے ہیں؟ مگر اس سے قطع نظر اسلامیانِ عالم اور اس کے محور و مرکز حرمین شریفین سے اٹھنے والی یہ آواز گونجتی رہے گی کہ تاجدارِ مدینہ کی عظمتِ ختم نبوت کو تار تار کرنے کی سعی ناکام کرنے والے ذلیل و مذبذب تک دنیائے اسلام کی غیرت کو للکارتے رہیں گے۔

اس تاریخی قرارداد (جس کا عربی متن آگے آ رہا ہے) میں قادیانیت کو عالم اسلام کے لئے سب سے مہلک اور بدترین خطرہ قرار دیا گیا ہے اور جسے کانفرنس کے ایجنڈا میں پہلے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرارداد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اغراض خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان[illegible]وں سے واضح ہے:۔

الف:۔ اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب:۔ قرآنی آیات میں تحریف

ج:۔ جہاد کے باطل ہونے کے فتوے دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف و تبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مثلاً۔

الف:۔ دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

ب:۔ مدارس، سکولوں، یتیم خانوں اور امدادی کیمپوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج:۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔

ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ:۔

دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام درپردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالم اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(الف) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقاماتِ مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکے گی۔ مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، مالی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناطے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(ب) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(ج) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشاندہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا انسداد کیا جائے۔

ہم اس اہم قرارداد پر ایک بار پھر جلالۃ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور کانفرنس کے تمام شرکاء اور منتظمین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد کو یہاں کے چند "ملاؤں کی بڑ" قرار دینے کی بجائے اس کی اہمیت، دور رسی اور گہرائی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (۲۴ مئی - ج ۹ - ش ۲۰ - ۷ مئی ۱۹۷۴ء ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ)

"رابطۂ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن"

"نداء من مكة المكرمة تنادي المسلمين"

نحلة هدامة تتخذ من اسم الاسلام شعاراً لستر اغراضها الخبيثة ابرز مخالفاتها للاسلام:

(ا) ادعاء زعيمها النبوة۔

(ب) تحريف النصوص القرانية -

(ج) ابطالهم للجهاد -

القاديانية ربيبة الاستعمار البريطاني ولا تظهر الا في ظل حمايته .. تخون القاديانية قضايا الامة الاسلامية وتقف موالية للاستعمار والصهيونية تتعاون القاديانية مع القوى المناهضة للاسلام وتتخذها هذه القوى ذريعة لتحطيم العقيدة الاسلامية وتحريفها وذلك بما ياتي -

ا - انشاء مساجد تمولها القوى المعادية ويتم فيها التبشير بالفكر القادياني المنحرف -

ب - فتح مدارس ومعاهد وملاجئ للايتام وفيها جميعا تمارس القاديانية نشاطها التخريبي لحساب القوى المعادية للاسلام -

ج - تقوم القاديانية بنشر ترجمات محرفه لمعاني القرآن الكريم بمختلف اللغات العالمية واللهجات المحلية بامكانية القوى المعادية ولايقاف هذا النشاط التخريبي للاسلام يقترح ما ياتي -

١ - تقوم كل هيئة اسلامية بحصر النشاط القادياني في مساجدهم ومدارسهم وملاجئهم وكل الامكنة التي يمارسون فيها نشاطهم الهدام في منطقتها وكشف القاديانيين والتعريف بهم للعالم الاسلامي تفاديا للوقوع في حبائلهم -

٢ - اعلان كفر هذه الطائفة وخروجها على الاسلام وهي لهذا تمنع من دخول الاراضي المقدسة -

٣ - عدم التعامل معهم ومقاطعتهم اقتصاديا واجتماعيا وثقافيا وعدم التزوج منهم ودفنهم في مقابر المسلمين ومعاملتهم ككفار -

٤ - مطالبة الحكومات الاسلامية بمصادرة كل نشاطات الجماعات وتصفية المنتمين القاديانيين وعدم توظيف اي قادياني او السماح له بتسنم اي عمل -

٥ - نشر مصورات لكل التحريفات القاديانية في القرآن الكريم مع حصر ترجمات القاديانية لمعاني القرآن والتنبيه عليها - (ندوة مكة المكرمة - ربيع

سرحد اسمبلی کی

قابلِ تحسین قراردادیں

قرارداد نمبر ۱ جو صوبہ سرحد اسمبلی میں مورخہ ۴-۵-۷۲ کو مولانا حبیب گل ناظم جمعیت علماء اسلام پاکستان نے پیش کی اور بھاری اکثریت سے منظور ہوئی —

"یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ صوبہ سرحد میں فلم ڈان آف اسلام جس کی نمائش سے مذہب اسلام کی توہین ہوتی ہے کی درآمد پر پابندی عائد کرے نیز مرکزی حکومت سے بھی اسی امر کی استدعا کی جائے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس مذموم فلم کی نمائش فوراً بند کر دے۔"

قرارداد نمبر ۲ جو مولانا عبد الصمد رکن مجلس شوریٰ جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد نے پیش کی اور جو متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

"یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں تمام اسلامی احکامات کو قانونی شکل دے کر فی الفور نافذ کرے۔"

قراردادوں کے بارہ میں مولانا حبیب گل صاحب کی پیش کردہ قراردادیں قابلِ تحسین اقدامات ہیں۔ آجکل جبکہ ہم ان نہایت اہم قراردادوں کی تحریک پر محرکین قرارداد اور قرارداد کے منظور ہونے پر ارکان اسمبلی کو دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں مسلمانان سرحد کے جذبات دینی و ایمانی غیرت پر بھی ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اتفاق اور اختلاف دونوں صورتوں میں جذبہ ایمانی اور اخلاص کی حق تلفی نہیں ہو جاتی۔

(ہفت روزہ ش ۱۰-۱۸ اگست ۱۹۷۲ء)

قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف

— مسلم اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے —

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتبِ فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیئے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور ملل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد تشکیلِ پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستینِ اسلام نما ملحدوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزبِ اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز "مرزائیت نوازی" اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرینِ حدیث پرویزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر

مسئلہ غلط ڈال کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن یہاں مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکرِ خدا و رسول کیمونسٹ جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و زور بھی ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزب اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے ان کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے۔[1]

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی تعبیر کر رہا ہے جبکہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعہ اتحاد ختم نبوت میں شگاف ڈالنے کی ناکام سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ بگڑ رہے ہیں، جبکہ ان کے پیر و مرشد متنبی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر، مرتد، جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ اولئک ہم الکافرون حقا کا مصداق بنا ہو، اپنے نہ ماننے والے تمام عالم اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا حرام سمجھتا ہو اور جو لوگ اس جرم انکار میں بانی پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحق جنازہ و دعا نہ سمجھتے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور تشخصات کا طلبگار رہا ہو۔ ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ

---

[1] قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کی آڑ لے کر تعریفِ مسلم کے مطالبہ کو معرضِ التوا میں ڈالنا چاہا مگر علمائے کرام نے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنا لیا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ — "س"

کی تصانیف رسائل الفضل، آئینہ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر)

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس واویلا میں قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کیونکر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بقائے پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش ہو سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درونِ خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے کامیاب ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطۂ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے زیرِ منت بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً جہاد کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی ابتری سے ملک کا دیوالیہ ہوا۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسہ گدائی لے کر یورپ کی دریوزہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر اربوں روپے کا بوجھ لادا چلا گیا۔ دوسری طرف چینی سفیر بذاتِ خود ربوہ کی یاترا کرنے جا رہا ہے روس کا فرسٹ سیکرٹری خفیہ طور پر ربوہ جا چکا ہے۔ خفیہ سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ باخبر لوگ اس اجتماعِ ضدین پر محوِ حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیرِ زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا؟ حکومت ان سب باتوں سے باخبر ہو گی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمان جیسا سلوک ہے۔ کم دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزائیت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں

ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہتے ہیں۔ ادھر مرزائی کن کن طریقوں سے اس احسان کا بدلہ چکائیں گے۔؟ اخبارات میں آ چکا ہے کہ لائل پور کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے افضل رندھاوا کے حق میں "بوگس ووٹ" بھگتانے کے لئے ربوہ سے بھاری تعداد میں عورتیں آئی تھیں (جنگ یکم جون ۱۹۷۰ء) ان عورتوں کو ایک عورت کے مقابلہ میں پی پی پی کے نمائندہ سے دلچسپی تھی تو کیوں —؟ یہ سب باتیں قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ اور ملتِ مسلمہ کے شجرِ طوبیٰ کے لئے یہ آکاش بیل دن بدن خطرۂ ہلاکت بنتا جا رہا ہے ایسے حالات میں اگر اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے کے لئے آئین میں "مسلم" کی واضح حیثیت ظاہر کرانے پر زور دیا جائے تو آئینی کمیٹی اور پورے ایوان کو بجائے مخالفت کے اس ملک کے مفاد میں اس کا خیر مقدم کرنا چاہئیے۔ مرزائیت اور اسلام کے الگ الگ تشخص آج کا مسئلہ نہیں ہمارے نقاد و بصیر مفکر علامہ اقبالؒ نے اس وقت بھی ان خطرات کو محسوس کر کے واضح طور پر مسلمان کی تعریف پر زور دیا تھا جب کہ اس کی ہلاکت آفرینی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے لکھا تھا کہ :-

> "اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاءؑ پر ایمان اور رسول کریمؐ کی ختمِ نبوت پر ایمان ——— دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔
>
> (حرف اقبال ص ۱۳۶)

اس دجل و تلبیس اور ملت کو اضطرابی کیفیت، اور ارتیاب و نفاق کے خطرات سے نکالنے کا علاج بھی علامہ اقبالؒ نے ہی بتا دیا تھا کہ :-

"میرے سامنے قادیانیوں کے لئے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید

کریں یا پھر ختمِ نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو پوری قوم کے ساتھ قبول کریں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔" (حرفِ اقبال ص۱۳۳)

یہ مفادات اسی سے وابستہ ہیں کہ مرزائیت اسلام کے لئے دام ہمرنگِ زمین [illegible] بنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب نفی میں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا ہے:

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے، بانیٔ تحریک نے ملتِ اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملتِ اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام، مسلمانوں کے قیامِ نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندوؤں کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔" (حرفِ اقبال ص۱۳۷)

اس علیحدگی اور مقاطعہ و متارکہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسنِ سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شرپسندی ہو۔ ان دو طرفہ مفادات کی آخر وہ ملتِ مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتے ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبروئے دنیا و دین متاعِ اولین و آخرین روحِ کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ردائے ختمِ نبوت اور خلعتِ ختمِ المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملتِ مسلمہ کی غیرتِ ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملت کے قلعہ میں رہ کر باش باش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخدلی سے صلہ دیا جا سکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے۔ اور کیا حصارِ اسلام میں پے در پے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت

مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمائیوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آزردہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبال ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری نشست پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

"میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار کر رہی ہے۔"

(حرف اقبال [illegible]) ([illegible])

قومی اسمبلی

اور

قادیانیت

معزز اراکینِ اسمبلی![1]

ملت اسلامیہ تقریباً نوے سال سے مرزائیت کے ستم سہہ رہی ہے۔ اس مذہب کی طرف سے اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں کاٹنے کی جو طویل مہم جاری ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کی دھجیاں بکھیری گئی ہیں۔ قرآنی آیات کے ساتھ کھلم کھلا مذاق کیا گیا ہے۔ احادیثِ نبوی سے تلاعب کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام، صحابہؓ کے مقدس گروہ، اہل بیت عظامؓ اور اسلام کی جلیل القدر شخصیتوں پر علانیہ کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ اسلامی شعائر کی برملا توہین کی گئی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جیسے کردار کو اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ”پہلو بہ پہلو“ کھڑا کرنے بلکہ اس سے بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے جس کے مقامِ عظمت و رفعت کے آگے فرشتوں کا سرِ نیاز بھی خم ہے جس کے نامِ نامی سے انسانیت کا بھرم قائم ہے۔ اور جس کے دامنِ رحمت کی فیاضیوں کے آگے مشرق و مغرب کی حدود بے معنی ہیں۔

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

---

[1] قومی اسمبلی میں زیر بحث تمام مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق زیر غور قرارداد کی حمایت میں مشتمل ”ملت اسلامیہ کا موقف“ کے نام سے جو کتاب اسمبلی میں پڑھ کر سنائی گئی اس کتاب کا اختتام ہے۔ اس [illegible] گزارش کیا جا رہا ہے

مرزائیت اسی رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شیدائیوں کے خلاف نوّے سال سے سازشوں میں مصروف ہے۔ اس نے ہمیشہ اسلام کا روپ دھار کر امتِ مسلمہ کی پشت میں خنجر گھونپنے اور دشمنانِ اسلام کے عزائم کو اندرونی اڈے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں فرزندانِ توحید کے قتلِ عام اور مسلم خواتین کی بے حرمتی پر گھی کے چراغ جلائے ہیں اور اس نے اپنے آپ کو ملتِ مسلمہ کا ایک حصہ ظاہر کر کے اسلام دشمنوں کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو اس کے کھلم کھلا دشمن انجام نہیں دے سکتے تھے۔

ملتِ مسلمہ نوّے سال سے مرزائیت کے یہ مظالم جھیل رہی ہے۔ انہی مظالم کی بناء پر تمام مسلمانوں اور مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے اپنے زمانے کی انگریز حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی مذہب کے تبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں مسلمانوں کے جسدِ ملّی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک ایسی حکومت کے دور میں پیدا ہوئے تھے جس نے مرزائیت کا پودا خود کاشت کیا تھا۔ اور جس نے ہمیشہ اپنے مفادات کی خاطر مرزائیت کی پیٹھ ٹھونکنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ لہٰذا پوری ملتِ اسلامیہ، اور خاص طور سے علامہ اقبالؒ کی درد میں ڈوبی ہوئی فریادیں ہمیشہ حکومت کے ایوانوں سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ مسلمان بے دست و پا تھے۔ اس لئے وہ مرزائیت کے مظالم سہنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

آج اسی مصوّرِ پاکستان کے خوابوں کی تعبیر پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ہم اب کسی بیرونی حکومت کے ماتحت نہیں تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ ستائیس سال گزرنے کے بعد بھی ہم ملتِ اسلامیہ کی اس ناگزیر ضرورت اس کے دیرینہ مطالبے اور حق و انصاف کے اس تقاضے کو پورا نہیں کر سکے۔ اور اس عرصے میں مرزائیت کے ہاتھوں سینکڑوں مزید زخم کھا چکے ہیں۔

معزز اراکینِ اسمبلی!

اب ایک طویل انتظار کے بعد یہ اہم مسئلہ آپ حضرات کے سپرد ہوا ہے۔ اور صرف

پاکستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ الحمدللہ آپ نے دیکھ رہی ہے اور ان تمام [illegible] مسلمانوں کی روحیں آپ کے فیصلے کی منتظر ہیں جنہوں نے ختم نبوت کے راستے میں مرزائیت کے بچھائے ہوئے کانٹوں پر جانیں دے دی تھیں — [illegible] آپ نے ان کی قربانی رائیگاں نہ ہونے دی اور ہندوستان میں مسلمان اس اسلامی ریاست کی طرف دیکھ رہے ہیں جس نے آزادی کے خواب کی تعبیر ہے۔ جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے۔ اور جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی پناہ گاہ کے طور پر حاصل کی گئی ہے۔

معزز اراکین اسمبلی۔

مسئلے کا حل صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مطالبہ پر [illegible] قادیانی امت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے جس نے اسلام کے مسلّمہ عقیدہ ختم نبوت کی تنسیخ کی ہے جس نے اسلام کے تصور اتحاد کو مجروح کیا ہے جس نے دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے اور جن کے لئے [illegible] تحت [illegible] سے الگ کیا جائے۔ ان کی جماعت اپنے مسلمانوں سے الگ ہیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے دونوں طرف سے ناجائز سمجھے جاتے ہیں اور [illegible] غیر [illegible] قرار دیتے ہیں۔ مسلمان مرزائیوں کے اور مرزائی مسلمانوں کے جنازے میں شرکت جائز نہیں سمجھتے اور ان کے [illegible] تمام مذہبوں کے ساتھ تمام معاشرتی رشتے کٹ چکے ہیں۔ لہٰذا اسمبلی کی طرف سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کوئی انوکھا یا غیر معمولی اقدام نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ ایک ایسی ظاہر و باہر حقیقت کا سرکاری سطح پر اعتراف ہوگا۔ جو [illegible] عالم اسلام میں اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز کوئی ایسی تجویز نہیں ہے جو کسی کی عداوت یا سیاسی ضرورت نے وقتی طور پر کھڑی کر دی ہو۔ بلکہ یہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ارشادات کا۔ امت کے تمام صحابہؓ و تابعینؒ اور فقہاء و علماء کا۔ تاریخ اسلام کی تمام سلطنتوں اور حکومتوں کا۔ مذاہب عالم کی پوری تاریخ کا۔ دنیا کے موجودہ تمام مسلمانوں کا۔ [illegible] کے ابتدائی مصوروں کا۔ خود مرزائی پیشواؤں کے اقراری بیانات کا اور ان کے [illegible] کا فیصلہ ہے۔ اور اس کا انکار عین دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔

چونکہ مرزائی جماعتیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے امت مسلمہ کے مفادات کے خلاف

کہ مرزائی اپنی سرشت میں متشدد ہیں۔ اس لئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت منافرت و عداوت کی ایسی فضا قائم ہے جو دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ نہیں ہے۔ اس صورت حال کا اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ مرزائیوں کو باقاعدہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے تاکہ جیسے دوسری اقلیتوں کی طرح مرزائیوں کے جان و مال کی حفاظت بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انتہائی فیاضی اور رواداری کا سلوک کیا ہے۔ لہٰذا مرزائیوں کو باقاعدہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد ملک میں ان کے جان و مال کا تحفظ یقینی ہوگا۔ اور منافرت کی وہ آگ جو وقتاً فوقتاً بھڑک اٹھتی ہے، ملک کی سالمیت کے لئے بھی خطرہ نہیں بن سکے گی۔

لہٰذا ہم آپ حضرات سے ہم پیغمبر آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے نام پر، قرآن و سنت کے نام پر، صحابہ کرام کے نام پر، عدل و انصاف، دیانت و صداقت کے نام پر، دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے نام پر، آزادی ہند کے مقدس مجاہدین کے نام پر اور پاکستان کے لئے جان دینے والوں کے نام پر یہ اپیل کرتے ہیں کہ آپ حضرات ملت اسلامیہ کے اس مطالبہ کو پورا کرنے میں کسی قسم کے دباؤ سے متاثر نہ ہوں، اور جو اختیارات آپ کو حاصل ہیں انہیں ملت کی خدمت کے لئے استعمال کرتے ہوئے اس کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کریں جن کی شفاعت ہی کل میدان حشر میں ہمارا آخری سہارا ہے۔ اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا تو ملت اسلامیہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اقتدار و منصب ڈھل جاتا ہے لیکن غلط فیصلوں کا داغ موت کے بعد تک نہیں مٹتا۔ — اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے — اللہ تعالیٰ آپ کی دستگیری فرمائے۔ آمین۔ (تحریری قرارداد [illegible] اراکین قومی اسمبلی)

۲۴؍ اگست ۱۹۷۴ء

۷ ستمبر کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام کو ان آنکھوں نے قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ کا جو عظیم اور مبارک فیصلہ ہوتے دیکھا اس کے تاثرات اور احساسات کے اظہار سے قطعی طور پر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں۔ میرے سامنے وہ نازک لمحات گزر رہے تھے جن کا تقریباً پون صدی سے ملتِ اسلامیہ انتظار رہا۔ کتنے اہل اللہ تھے جن کی نیندیں مسیلمۂ پنجاب علیہ ما علیہ کی فتنہ سامانیوں کو دیکھ کر حرام ہو گئیں تھیں۔ کتنے اکابر علم و فضل اور مردانِ بحث و تحقیق تھے جن کی علم و فکر کی ساری قوتیں اس راہ میں خرچ ہوئیں۔ کتنے اصحاب عشق و عزیمت تھے جنہوں نے شہنشاہِ دو عالم کی بارگاہ میں سرخروئی پانے کے لئے اپنی جانیں لیلائے ناموسِ ختم نبوت پر نثار کیں۔ کتنے اربابِ جہد و جہاد تھے جنہوں نے کھلے دل اور کشادہ پیشانی سے اس راہ کی قید و بند کی صعوبتوں کو گلے سے لگایا۔

روئے کشادہ باید و پیشانئ فراخ آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ مے زنند

کتنے اعاظمِ صدق و صفا تھے جنہوں نے وصیتیں کیں کہ اگر ایسا یوم مسعود اور فتح مبین ...... دیکھنا نصیب نہ ہو جائے تو ہماری قبروں پر آکر مژدہ سنا دیا جائے۔ آج علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ارواح خوشی سے جھوم اٹھی ہیں۔ وہ دیکھو اقبالؒ، ظفر علی خانؒ اور الیاس برنیؒ کتنے شاداں و فرحاں ہیں۔ ثناء اللہ امرتسریؒ کی سرخروئی میں اور بھی اضافہ ہو چکا ہے۔ پیر مہر علی شاہؒ اور محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہیں جگمگا اٹھی ہیں۔ حبیب الرحمنؒ

ختمِ نبوت کا منطقی مطالبہ

جبکہ وہ خاتم النبیّین ہیں تو سارے ادیان و ملل، احکام و فرامین اور دساتیر و قوانین کا بھی انہی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہی ختمِ نبوت کا مطالبہ ہے۔ اب ساری تہذیب، سارے اِزم اور سارے تمدن اسکے مدنی تمدن کے سامنے مٹ چکے ہیں۔

آج کے اس عظیم اور بے مثال فیصلہ پر پوری ملت کی طرح میری خوشیوں اور مسرتوں کی انتہا نہیں۔ میں اپنے آپ کو اس احساسِ حمد و ثنا اور ان جذباتِ مسرت و ابتہاج کے اظہار سے قطعی عاجز پا رہا ہوں، پھر بھی جذبات کے طوفان میں رُواں رُواں خدائے رب العالمین کا احسان مند اور شکر گزار رہنا چاہیئے۔

میرے عزیز قارئین! خدارا مجھے بتائیے، میں ان لامحدود اور غیر فانی مسرتوں کو اپنے محدود اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں۔؟

الحمد للّٰہ الذی نصر عبدہ وانجز وعدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ وکفیٰ باللّٰہ شھیدا ۔ اللّٰھم لک الحمد ملء السموٰت والارض لا نحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

الصلوٰۃ والسلام علیک یا امام المرسلین یا قائد الخیر یا نبی الرحمۃ یا نبی الانبیاء یا امام الرشد والھدیٰ نفدیک بآبائنا و ولدنا وارواحنا یا سید المرسلین۔

واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۱۱ رمضان سنہ ۹۴ھ

محمد علی جالندھری، احسان احمد شجاع آبادی، لال حسین اختر، محمد حیات، [illegible]
ہیں۔ دیوبند، لکھنؤ، لدھیانہ، میرٹھ اور [illegible]
کی ساری کائنات محمد عربی کے [illegible] ہے۔ [illegible]
نہیں ہوتا تھا [illegible]

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

۶ ستمبر پاکستان کی جغرافیائی سرحدات کا یوم دفاع تھا تو ۷ ستمبر [illegible] عالم اسلام کی نظریاتی سرحدات کے ناقابل تسخیر ہونے کا اعلان ہے۔ ۷ ستمبر [illegible] عظیم المرتبت [illegible] کا دن ہے ۔۔۔ [illegible] عالم اسلام [illegible] محمد عربی کیلئے [illegible] اور [illegible] گئی ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ یہ فیصلہ [illegible] علماء اور طلباء [illegible] کے لئے اہل دانش اور اہل قلم کے لئے [illegible] اور اس کے تمام ارکان کیلئے [illegible] کیلئے اور اس کے [illegible] سب اپنی [illegible] کے مطابق [illegible] مصطفیٰ اور خوشنودی ربانی کے [illegible]

مسلمانو! یہ فیصلہ ہمارے ذمہ ایک قرض تھا۔ محمد عربی علیہ السلام کا [illegible] ہو سکتے تھے۔ مغربی سامراج کا [illegible] سے دیکھ کر [illegible] وہ سامراج کا پروردہ تھا اور ہم سامراج کے [illegible] اس لئے مجبور [illegible] ہیں۔

۱۴ اگست نہیں بلکہ ۷ ستمبر!

تو اے لوگو! جشن آزادی منانے والو! اب [illegible] ۱۴ اگست کی بجائے ۷ ستمبر کو جشن آزادی منایا کرو [illegible] استعمار ۱۴ اگست کو نہیں ۷ ستمبر کو مرا تھا۔ انگریزی مقاصد ۷ ستمبر کو خاک میں مل گئے [illegible] کی متعفن لاش ٹھکانے لگانے کے ساتھ ۷ ستمبر کو ہی استعمار کی گرفت سے نجات ملی۔

غرض اس کے ساتھ ہوشیار بھی رہئے کہ یہ ضرب کاری استعمار و صیہونیت اور پورے عالم کفر کے لئے ناقابلِ برداشت ہے وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں نہیں سہے گا۔ اس کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اور بھی بڑھ جائیں گی اور منصوبے اور بھی گہرے ہو جائیں گے ہمیں بھی اس سے بڑے تدبر و فراست ذہانت اور اتحاد و یکجہتی سے کام لینا ہوگا۔ اور ملتِ مسلمہ کے تمام افراد کو اس کی فتنہ سامانیوں سے ہوشیار رکھنا ہوگا۔ پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں اس فتنہ کا تعاقب اور احتساب ۷ ستمبر کے فیصلے کا منطقی تقاضا ہے۔

مسلمانو! یہ فیصلہ ملتِ محمدیہ کی تاریخ کا ایک سنہری فیصلہ ہے مسیلمہ پنجاب مر چکا ہے، اور عالم اسلام پر نبوت محمدی علیہ السلام کی ابدیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کی رسالت و شریعت کی ہمہ گیری اور عالمگیری کا اعلان چودہ سو سال بعد بھی ہو چکا ہے۔

یہ فیصلہ ارشادِ خداوندی — هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله — کا ایک اظہار ہے۔ یہ سب کچھ اس ذاتِ کبریا عز وجل کی ان رحمتوں کا منطقی نتیجہ ہے جو اس کے آخری نبی کے لئے مخصوص ہیں جس نے اپنے محبوب کو ورفعنا لك ذكرك سے مخاطب کیا اور جس نے انہیں وكان فضل الله عليك عظيما — اور — ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ۔ کی بشارتیں دیں حضور محمد عربی فداہ ابی و امی علیہ السلام آخر اور دائمی نبی ہیں ان کی نبوت و رسالت دائمی ابدی اور سرمدی ہے۔

اے اقوامِ عالم مرکزِ ثقل سے وابستہ ہو جاؤ

پس اے اقوامِ عالم! دیکھ لو چودہ سو سال گزر جانے پر بھی محمد عربی علیہ السلام کے سر پر تاجِ ختم نبوت کیسا جگمگ کر رہا ہے اور ان کی ذات پر قبائے تکمیلِ دین کتنی خوبصورت ہے۔ خلعتِ تمامیتِ دین کتنی زیبا ہے کہیں اقوامِ عالم و تاریخ ادیان و ملل میں اس ابدیت اور دوام کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے؟ اگر نہیں تو آؤ اس ابدی صداقت، لازوال حقیقت یعنی ختم نبوت کے مقامِ معراج و انسانیت کے مرکزِ ثقل سے اپنے آپ کو وابستہ کر لو اور اس کا دامن تھام لو۔

قومی اسمبلی کے اقلیتی فیصلہ پر

نذرانۂ عقیدت

ماہنامہ الحق اس شمارہ سے اپنی حیاتِ مستعار کے دسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ زندگی کے اس مختصر یا طویل سفر میں جو کٹھن مراحل آئے یا جن سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا یہاں ہم اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نہ کوئی شکوہ ہے نہ شکایت کہ یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ نہ کبھی جادۂ حق کا سفر مادی اور ظاہری آسائشوں اور سہولتوں کا منت پذیر رہا ہے۔ لیلائے حق و صداقت اپنے متوالوں کو اگر بلاتی ہے تو کسی کی زبان میں یہ کہتے ہوئے دعوتِ وصال دیتی ہے۔ کہ ؎

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

الحق نے اپنی نویں منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ فتح و شادمانی اور قرب و وصال حق اور حصولِ مقصود و مطلوب کی ایک ایسی نعمت سے سرشار ہوا جس کا شکریہ کسی بھی ناتواں مخلوق کے بس میں نہیں نہ اس نعمت کی تازگی و مسرت کبھی زائل ہو سکتی ہے انشاء اللہ عزوجل اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں رائیگاں نہیں گئی ہوں گی۔ دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکریہ کے طور پر ہم آقائے نامدار حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیینؐ کی بارگاہِ اقدس میں تاج و تختِ ختم نبوت اور ناموسِ ختم المرسلینؐ کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا

نذرانۂ عقیدت[1] پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ پر مشاہیر علم و فضل اور زعماء ملک و ملت کے جذبات و تأثرات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گلہائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارہ الحق اور تمام قارئینِ الحق کے لئے قیامت کے دن شافعِ محشر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بضاعۃ مزجاۃ بارگاہِ ایزدی سے پروانۂ نجات نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید ہی زادِ راہ اور سرمایۂ آخرت ہے۔ یہ مجلہ الحق کا خصوصی حصہ بارگاہِ ختم المرسلین ﷺ میں اس التجا کے ساتھ پیش ہے کہ وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یحب المتصدقین۔

خراج عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کئے بغیر ہم نے بلا لحاظ مشرب و مسلک ملک و ملت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتبِ فکر کے زعما، علماء، اہلِ قلم اور اربابِ فکر کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ حزبِ اقتدار اور اختلاف میں تفریق کیا نہ اپنوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمتِ کائنات کی رحمتِ کریمانہ کا امیدوار اور طلبگار ہے۔ اور تقریباً سب نے مسئلہ ختم نبوت ﷺ میں حتی المقدور حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم خلوصِ دل سے ان تمام حضرات کے شکرگزار ہیں جنہوں نے گوناگوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور نگارشات سے نوازا اور کسی نے واقعی اعذار کی بنا پر معذرت کی اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جن کے جوابات کے لئے ہم چشم براہ ہیں۔ مگر انتظار کی وجہ سے پرچہ کی اشاعت میں مزید تاخیر قارئین کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اب بھی موجودہ جوابات شامل کرانے کی وجہ سے اتنی تاخیر ہو چکی ہے کہ ہمارے محبوب قارئین کا پیمانۂ صبر بالطبع لبریز ہو چکا ہے۔ گو اس تاخیر میں اس عذر کے علاوہ کتابت کی دشواریاں طباعت اور دیگر بے شمار مسائل کا بھی حصہ ہے

---

[1] ادارہ نے مسئلہ کے آئینی حل پر ممتاز مشاہیر علم و فضل کو ایک سوالنامہ بھیجا کہ اس فیصلہ کے بارہ میں آپ کے تاثرات کیا ہیں اور مستقبل میں اس فیصلہ کے تقاضوں کو عملاً کیسے پورا کیا جا سکتا ہے اور مسلمانوں کو تعاقب و تحفظ و احتساب کس طرح جاری رکھنا ہے۔ اس سوالنامے کے جو جوابات موصول ہوئے انہیں الحق کے اکتوبر، نومبر، دسمبر کے شمارہ میں شائع کیا گیا۔ اس مضمون میں الحق کے اسی نذرانۂ عقیدت کا ذکر ہے۔

مگر اس شمارہ کی نامناسب حد تک تاخیر اسی وجہ سے برداشت کرنا پڑی کہ اکثر حضرات کے جوابات آنے میں بتاخیر ہوئی جو بھی مضمون آیا اسی وقت اس کی کتابت کیا گیا تا ہم نسبت کے باب میں اس نمبر میں حضرات[1] کی ترتیب بھی مضامین پہنچنے کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس لئے بعض جگہ فرقِ مراتب ملحوظ نہیں رکھا جا سکا۔ اور ہم ایسے تمام حضرات سے اسی مجبوری کی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جانے پر عفو و تسامح کے امیدوار ہیں۔

قادیانی اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذباتِ مسرت نہیں بلکہ اپنے نئے بھی ہیں ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا گیا، خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ پر مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلہ کے ذیلی تقاضے بڑھ ہی گئے ہیں۔ جو فوری طور پر توجہ طلب ہیں اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں، مسلمانوں، علماء، بالخصوص مجلسِ عمل کے فوری کرنے کے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کئے بغیر ہم امتِ مسلمہ کے تمام طبقات، حکومت، عوام، دنیا بھر کے مسلمانوں اور بالخصوص اپنے ہاں کی مجلسِ عمل اور مجلس تحفظ ختم نبوت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور کر کے انہیں عملی شکل دینے کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فتح مبین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری غفلتوں کی وجہ سے شکست سے زیادہ خطرناک صورت میں نہ بدل جائیں۔

نومبر ۱۹۷۴ء

---

[1] بعض بزرگوں کے جوابات اتنی تاخیر سے ملے کہ اس شمارہ کی ترتیب کے بعد موصول ہوئے، وہ آئندہ شمارہ میں شائع ہوں گے۔

مرزائیت اور آئین کی توہین

حکومت کو بارہا توجہ دلائی جا چکی ہے کہ مرزائی دستور ساز اسمبلی کے ۷؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کے متفقہ آئینی فیصلے کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اب جبکہ قادیانیوں کے سرکاری آرگن الفضل ۷؍ مارچ ۱۹۷۵ء نے علی الاعلان اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ اعلان نوائے وقت لاہور ۲۲؍ مارچ ۱۹۷۵ء میں بھی آ چکا ہے۔ ادھر ظفر اللہ قادیانی نے بھی اپنے حالیہ مضامین میں اس آئینی ترمیم کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو اب یہ وضاحت کرنا حکومت کا فرض ہے کہ ایسے اعلانات اور سرگرمیاں دستوریہ کی توہین اور آئین سے غداری اور بغاوت کے زمرہ میں آتی ہیں یا نہیں؟ اور اب یہ فیصلہ بھی کہ بھٹو صاحب پاسبانِ ختمِ نبوت ہیں یا نگہبانِ مرزائیت، ایسے اعلانات کے بارہ میں بھٹو صاحب کے ردِ عمل اور آئندہ اقدامات پر موقوف ہے —— (اپریل ۱۹۷۵ء)

قادیانی فیصلہ کے عملی تقاضے

الحمد للہ قادیانی مسئلہ کا آئینی فیصلہ تو ہو گیا مگر عملاً قادیانیت اپنی ظاہری اور پس پردہ سرگرمیوں کے لحاظ سے اب تک ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک فتنہ بنا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی خطرہ صرف آئین میں دو چار ترمیموں سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جیسا کہ ہمارے سوا امہ کے ارباب بینش تمام اہل بصیرت نے بھی لکھا کہ آئین کے تمام قانونی اور ذیلی تقاضے پورے کئے بغیر آئینی ترمیم کے بعد قادیانیت مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ اب اسے آئینی تحفظ اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے پردہ میں ملتِ مسلمہ کے خلاف اپنی تمام حسرتیں نکالنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اب جب کہ خود

قومی اسمبلی پر طویل غور و خوض اور مکمل بحث کے بعد قادیانیوں کی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی آشکارا ہو گئی ۔ اور اسی چیز نے آئینی ترمیم پر اسمبلی کو متفق کرا دیا تو یہ نہایت بے بصیرتی اور ناعاقبت اندیشی کی بات تھی کہ سانپ کو زخمی کر دینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کے زخموں کا اندمال کیا جائے ۔ دشمن کے عزائم ، کردار ، سرگرمیاں اور اس کی پوری تاریخ سامنے آ جانے کے باوجود بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک ، رواداری یا وسیع الظرفی نہیں بلکہ قومی و ملی خودکشی یا ملک و ملت سے غداری کہلائی جا سکتی ہے ۔ اس لئے آئینی ترمیم کے فوراً بعد اس کے تقاضے پورے کرنا چاہیئے تھے ۔ مگر ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود نہ تو اب تک ترمیم کے تحت قانون سازی کی گئی (جبکہ اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں اس کام کی تکمیل کی توقع تھی) نہ قادیانی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ملت کے جذبات کا عملاً کوئی احترام کیا گیا مگر کریڈٹ اور ڈس کریڈٹ کے سوال کو بڑی اہمیت دی گئی اور "قائد عوام" کے جلسے بھی محافظ ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگے مگر ختم نبوت کی حفاظت کے لئے عملاً اب تک کیا ہوا ہے ۔ ؟

مرزائی ملک کے سول اور فوجی کلیدی مناصب پر نہ صرف یہ کہ فائز ہیں بلکہ سننے میں آتا ہے کہ کئی اہم پوسٹوں پر انہیں مزید ترقی بھی دی گئی ہے ۔ مرزائی منکرِ ختم نبوت اور اسلام کے قطعی عقائد ، اصطلاحات اور شعائر کی کھلم کھلا توہین کر رہے ہیں ۔ اور یہ سب کچھ تبلیغ اسلام کے نام پر ۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو سچا مسلمان کہلانے پر بضد ہیں ۔ بلکہ ان کے تمام لٹریچر ، مجلات اور رسائل میں وہی زہریلا مواد چھپتا ہے جو ان کا سرمایۂ ثقافت ہے ۔ مرزائیوں کا موجودہ امام مرزا ناصر اور ان کا پریس پوری قوم کی نمائندہ اسمبلی کے فیصلہ کو مسترد کر چکا ہے مگر اس کھلے بندوں بغاوت اور غداری کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی ۔ اندرون ملک ان کی "تبلیغی سرگرمیوں" کا اندازہ ان کی تازہ ربوہ کانفرنس کے انتظامات اور [illegible] سے لگایا جا سکتا ہے ۔ وہ عالمی سطح پر بشمول بھارت اپنے چیدہ افراد کو بلا [illegible] بھیج رہے جبکہ ان کے غور و فکر کا محور حالیہ آئینی فیصلہ کا ردِ عمل ہی ہو سکتا ہے ۔ مگر حکومت [illegible] کے بارہ میں ابھی سابقہ ڈگر پر چل رہی ہے اور اس حد تک عجیب ہے کہ ملک کی [illegible]

خود مختار اسمبلی میں بھی مرزائیت کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتی۔ قومی اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ربوہ کانفرنس پر تشویش ظاہر کی اور اسے تحریکِ التوا کے ذریعہ زیرِ بحث لانا چاہا تو مفادِ عامہ کی اس جدوجہد کو "مفادِ عامہ" کے خلاف قرار دے کر سختی سے اس بحث کو روکا گیا۔ مرزائی مسئلہ کے بارہ میں داخل کئے گئے سوالات جوابات دیئے بغیر باہر ہی باہر سے مسترد کر دیئے گئے۔ صمدانی[1] رپورٹ کو زیرِ بحث لانے کی تحریک بھی مسترد ہو گئی۔ رجسٹریشن کے سلسلہ میں بھی یہی حالت ہے۔ ووٹوں کا اندراج مکمل ہو چکا ہے۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ جاری ہو رہے ہیں۔ مگر ان تمام چیزوں سے آپ مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ ربوہ عملاً اب تک قادیانی سٹیٹ کی راجدھانی ہے۔ سر ظفر اللہ ملک کے باہر اپنی حسرتیں نکالنے کے بعد اب ملک میں آکر اپنے ملک دشمن اور اسلام دشمن عزائم میں مصروف ہے۔ بھارت سمیت کئی بیرونی ملکوں سے ان کے نامہ و پیام کی خبریں آرہی ہیں۔ مرزائیوں کی فوجی اور نیم فوجی تنظیموں پر پابندی نہیں لگائی گئی۔

الغرض جب قادیانی مسئلہ جوں کا توں ہے تو معلوم نہیں حکومت کس منہ سے اسے اپنی اسلامی خدمات کا ایک کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اور جب حکومت مرزائی جماعت کی سرگرمیوں سے کوئی کھٹکا تک نہیں اور نہ عملاً اس کی ملک اور اسلام دشمنی کو تسلیم کرتی ہے تو پھر انہیں کاغذی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا یہ صرف سستی شہرت کی خاطر ہوا یا محض سوادِ اعظم کے وقتی جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دینے کے لئے۔ یہ سب چیزیں مجلسِ عمل اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ مجلسِ عمل بھی (اور کافی حد تک ایسا محسوس ہو رہا ہے) اگر یہ سمجھتی ہے کہ وہ یومِ تشکر اور جشنِ فتح منا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکی ہے تو یہ اس کی

---

[1] فسادات ربوہ کے بعد مسلمانوں کے اشتعال و غصہ پر حکومت نے جسٹس صمدانی کی سربراہی میں تحقیقاتی کمیشن بٹھایا مگر جب صمدانی رپورٹ کے منظرِ عام پر آنے کا وقت آیا تو حکومت نے اس کی اشاعت روک دی۔

بہت بڑی بھول ہو گی۔ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلسِ عمل کے جذبۂ اتحاد اور جوش و خروش میں کمی سے فتح کے نتائج شکست سے بدل جائیں مجلسِ عمل کا ملک کے بیرونِ ملک قادیانیت کے تعاقب اور قطعی استیصال کے بغیر مطمئن ہو جانا خدا اور اس کے رسولؐ کی نظروں میں ناقابلِ معافی جرم ہو گا۔ حکومت کا بھی اس بارہ میں سرد رویہ پورے عالمِ اسلام کے لئے حیرت اور اضطراب کا موجب بن سکتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مجلسِ عمل نے اپنی ذمہ داری کا کچھ احساس کرتے ہوئے راولپنڈی میں منعقدہ اپنے حالیہ اجلاس میں ایک طرف اگر طویل غور و خوض کے بعد اس صورتِ حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ اسمبلی میں نمائندہ ارکان کو مامور کیا کہ وہ یہ مسئلہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں تو دوسری طرف مجلسِ عمل نے اپنے اجلاس سے جوشِ عمل اور باہمی اتحاد برقرار رکھنے کا بھی ثبوت دیا۔ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر مجلسِ عمل کی بقا کتنی ضروری ہے۔؟

الحمد للہ کہ اس کا احساس مجلسِ عمل میں شامل جماعتوں کو بھی ہے اور کسی صاحبِ بصیرت کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بہر حال قادیانی مسئلہ کے بارہ میں ابھی تک عملی صورتِ حال مجلسِ عمل اور عام مسلمانوں کو نگاہ میں رکھنی چاہیئے۔ اور حکومت کو بھی اب وہ تمام تقاضے جلد ہی پورے کر دینے چاہئیں۔ جو اس مسئلہ میں اللہ، رسولؐ، اسلام، آئین جمہوریت، اخلاق، سیاست اور عقل ہر لحاظ سے تقاضائے تکمیل کرتے ہیں۔

پاکستان اور ابوظہبی
کے
مبارک اقدامات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے ۷ ستمبر کے فیصلہ کے بعد فوری ضرورت اس فیصلہ کے اجراء اور اس کے مطابق قانون سازی کی ہے۔ مگر افسوس کہ حکومت نے اسے اب تک درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور نہ مجلسِ عمل نے اس بارہ میں گرمیٔ عمل کا ثبوت دیا۔ اب ہفتوں بعد یہ مسرت انگیز خبر سامنے آئی کہ صدرِ پاکستان نے ایک حکم کے ذریعہ سینیٹ کے انتخابات میں حصہ لینے والے مسلمان امیدواروں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اس مضمون کا حلف اٹھائیں گے کہ وہ حضور اقدس کو اللہ تعالےٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ کسی ایسے شخص کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے جو حضور کے بعد کسی ظلی یا بروزی نبوت کا دعویدار ہو۔ شناختی کارڈوں کے لئے جو نئے فارم سامنے آچکے ہیں ان پر بھی حلف نامہ کی ایسی عبارت صاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے قبل اب تک جاری شدہ شناختی کارڈوں کے بارہ میں بھی ایسی ہی کارروائی کی جائے اور ہر کسی مرزائی کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر کاغذات میں واضح طور پر اس کا مرزائی ہونا درج کر دیا جائے تاکہ کسی بھی مسلمان ملک کو مغالطہ اور فریب کا شکار نہ ہونا پڑے۔

قادیانیت کے بارہ میں متحدہ عرب امارات کی ریاست ابوظہبی کی عدالتِ شرعیہ کے اس ایمان افروز فیصلہ کا متن بھی سامنے آچکا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

> "مذکورہ بالا امور کے پیشِ نظر میں حکومت کے ذمہ داروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو یک بینی و دو گوش متحدہ عرب امارات سے ملک بدر کر دیا جائے۔ ہماری حکومت کو قادیانیوں کے پاسپورٹ میں لفظ قادیانی

نوٹ کر لینا چاہئیے۔ ان کا لٹریچر ضبط کر لیا جائے اور پڑھنا پڑھانا ممنوع۔ نیز حکومت کو لازم ہے کہ قادیانیوں کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کرنے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو کہ قادیانیت ایک الگ مذہب اور اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ کہ قادیانی غیر مسلم اور مرتد ہیں۔" (احمد بن عبدالعزیز آل مبارک رئیس القضاۃ ۲۹/۵/۱۳۹۵ھ)

ہم ابوظہبی کی اسلامی عدالت کو تہ دل سے اس مومنانہ فیصلہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دیگر اسلامی ممالک سے اس کی تقلید کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ (رجب [illegible])

رابطہ عالم اسلامی

کی

احتیاطی و انسدادی تدابیر اختیار کرنے کی اپیل

رابطہ کی اہم قرار دادیں مکہ معظمہ کی رابطہ عالم اسلامی نے محل وقوع کے تقدس اور عالم اسلام کے دینی فکری اور سیاسی مسائل میں گہری دلچسپی لینے کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں ایک وقیع مقام حاصل کر لیا ہے۔ رابطہ نے اپنی مجلس تاسیسی میں عالم اسلام کے معتمد اور جید علماء کو جمع کر لیا ہے۔ اس وقت جب کہ انفرادی اجتہادات کی گنجائش نہیں، عالم اسلام کو درپیش دینی اور سیاسی مسائل میں ایسے نمائندہ اجتماعی فیصلوں سے بڑی تقویت ملتی ہے۔ اور عالم اسلام کو ضروری ہے کہ رابطہ کے اہم فتوؤں اور قرار دادوں کو لائق اعتناء سمجھے۔ اس سال بھی رابطہ نے ۱۵ ذیقعدہ سے یکم ذی الحجہ [illegible] تک رابطہ کے طویل اجلاسوں کے اختتام پر اسلامی دنیا سے متعلق نہایت اہم قرار دادیں پاس کیں جن میں سے چند ایک قرار دادوں سے مسلمانان پاکستان کی آگاہی بھی ضروری ہے۔

قادیانیت قرار داد نمبر۱ کا تعلق قادیانیت سے ہے۔ اس مسئلہ میں رابطہ کا کردار ابتداء سے نہایت شاندار رہا ہے۔ اب ایک بار پھر اس مسئلہ میں رابطہ کی مجلس تاسیسی نے دنیا بھر

کی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قراردادوں کی تائید و توثیق کی ہے۔ اور قادیانی فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیتے ہوئے اسلامی ممالک سے کہا ہے کہ وہ پاکستان، ملائشیا اور نائجیریا کی طرح اسے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اور اپنے ہاں انہیں کافروں جیسی حیثیت دے اور ایسے واضح قوانین مرتب کر دیں جس کی رو سے کوئی قادیانی مسلم افواج یا دیگر اہم مناصب پر فائز نہ ہو سکے۔ غیر مسلم ممالک میں واقع اسلامی اداروں اور تنظیموں سے بھی کہا گیا ہے کہ اسی نہج پر قادیانیت کے خلاف سرگرمیاں تیز تر کر دی جائیں۔ اس کے علاوہ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں قادیانیوں کی قلعی کھولنے اور ان کے غیر اسلامی کردار اور عزائم سے متعارف کرانے کے لئے مذاکرات اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے۔ (مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ)

رابطہ کی اس قرارداد پر سب سے زیادہ توجہ پاکستان کو دینی چاہیئے، اس لئے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دینے سے ہماری مسئولیت ختم نہیں ہو جاتی نہ عالمِ اسلام کا یہ مارِ آستین ایک رسمی فیصلہ سے ختم ہو سکتا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد دنیائے اسلام میں قادیانیوں کی سرگرمیاں نہ صرف یہ کہ بڑھتی جا رہی ہیں، بلکہ آئے دن منصوبہ بندی کے اعلانات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ربوہ کی حالیہ سالانہ کانفرنس میں مرزا ناصر نے "جہاد" کا بھی اعلان کیا ہے۔ یہ جہاد کس کے خلاف؟ قادیانیوں کے محسن یا عیسائیوں کے خلاف؟ یا جہاد ان یہودیوں کے خلاف جنہوں نے روزِ اول سے مرزائیوں کو خاص مراعات سے نوازا ہے۔ اور اسرائیل میں مرزائی مشنوں اور مراکز کے قیام کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یا پھر یہ جہاد اپنے ولی نعمت مربی مغربی استعمار کے خلاف؟ اس سوال کا جواب خود مسلمانوں کو تلاش کرنا ہے۔

صیہونیت اور قادیانی صیہونیت سے قادیانیوں کے خفیہ اور اعلانیہ روابط کا ذکر بار بار آ چکا ہے اور اب حال ہی میں نوائے وقت لاہور مؤرخہ ۹ دسمبر ۱۹۷۶ء نے ادارہ پال مال لندن سے شائع ہونے والی ایک یہودی پروفیسر آئی ٹی نومانی کی تصنیف "اسرائیل اے پروفائل" کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل نے پاکستانی قادیانیوں کو اپنی فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ۱۹۷۲ء تک نہیں بلکہ ۱۹۶۹ء تک اسرائیلی فوج میں ۶۰۰ پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ یہود اور صیہونی دستوں نے قادیانیوں کے

شانہ بشانہ اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔ بہائی فرقہ جیسے برطانیہ اور یہودیوں نے روز اول سے خاص عنایت سے نوازا۔ حیفہ میں مقیم برطانوی گورنر نے عبدالبہا کو خلعت اور اعزازات دیئے یہاں تک کہ آج بہائی تحریک کا بین الاقوامی ہیڈ کوارٹر اسرائیل کے حیفہ میں واقع ہے جب کہ مرزائیوں کا اہم اسرائیلی مشن بھی حیفہ ہی میں ہے۔ قومی اسمبلی کے اقلیت قرار دینے کے فیصلہ کے بعد بہائیوں نے یکایک اپنے کام کو تیز تر کر دیا اور ملک میں جگہ جگہ ختم نبوت کے خلاف لٹریچر کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ صیہونیت کے ساتھ بہائیوں کے گہرے ربط و تعلق کو دیکھ کر پچھلے سال عرب ممالک کی مقاطعہ کمیٹی نے بہائیوں پر مکمل پابندی لگا دینے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے ہاں مرزائیوں کی طرح بہائیوں کو کھلی چھوٹ ہے۔ اور اب اسلام اور خاتم النبیینؐ کے خلاف کام بین الاقوامی یکجہتی امن پسندی اور انسانی یکجہتی جیسے اصولوں کے نام پر ہو رہا ہے۔

اسرائیلی فوج میں مرزائیوں کی بھرتی ادھر حیفہ میں بہائیوں اور مرزائیوں کے مراکز اور طریق کار اور اصولوں میں یگانگت یہ سب باتیں کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔ پاکستان اسلامی بلاک کا اہم رکن ہے۔ اور اسرائیل عالم عرب اور عالم اسلام کا بدترین دشمن۔ لبنان کے حالیہ واقعات میں اسرائیل کا گھناؤنا کردار کس سے مخفی ہے۔ کیا واقعی پاکستان کے قادیانی اسرائیل کے دست و بازو ہیں جو عالم عرب کے دل میں اسرائیل کے بعد ایک اور خنجر پیوست کرنے میں مصروف ہے اور جس کی ذلیل نظریں اب مدینہ طیبہ پر لگی ہوئی ہیں —— یہ اعداد و اخبار اگر کبھی حقائق بن کر سامنے آ گئے تو اسلامی برادری میں پاکستان آنکھ اٹھانے کے قابل رہ سکے گا؟

مرزائیوں کی لاہوری جماعت کی حقیقت

ایک استفتاء اور اسکا جواب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ کل مورخہ ۸ ستمبر بوقت ۱۱ بجے دن سابق امام مسجد ووکنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں پڑھا

گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ جبکہ چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا۔ تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام ووکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لئے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کما حقہ مطلع فرمائیں۔

تینوں شاہدوں کے دستخط

الجواب مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ اپنے دعاوی باطلہ کے قرآن و سنت کے واضح اور بدیہی نصوص اور اجماع امت کی بنا پر قطعی کافر اور مرتد ہے انہی وجوہات کی وجہ سے مرزا کے اپنے معتقدات کو اپنانے والے یا اس کی اتباع کرنے والے یا اس کی تصدیق و تائید یا کسی طرح بھی تاویل کرنے والے قطعی کافر اور مرتد ہیں۔ یعنی کذاب مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ان کے متبعین کی ایک جماعت نے جو لاہوری مرزائی جماعت کہلاتی ہے۔ جس کی قیادت مولوی محمد علی لاہوری نے کی، مرزا کے واضح بدیہی اور غیر مبہم دعاوی کے باوجود اس کی تکفیر کرنے کی بجائے جو ہر مسلمان کا لازمی عقیدہ ہونا چاہیئے۔ ایسے تمام دعاوی اور اقوال کفریہ کی تاویل شروع کردی جبکہ وہ خود اپنے دعووں میں بلا رکے کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تشریعی بھی اور غیر تشریعی بھی۔ سارے انبیاء بشمول حضور خاتم النبیین پر اپنی برتری کا دعوی کرتا رہا۔ اپنے منکر تمام مسلمانوں کو جہنمی اور کافر قرار دیتا رہا۔ مگر مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی پارٹی نے مرزا صاحب کو کافر سمجھنے کی بجائے اسے مجدد، زمانہ کا مصلح اکبر، مجدد اعظم اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود تک مانا رہا۔ (ملاحظہ اس کی تفسیر بیان القرآن حصہ اول ص۳۱۰ ریویو آف ریلیجنز ص۳۱۲ ج ۱۲ ص۲۰۵ وغیرہ)

محمد علی لاہوری کے تحریفات قرآنی کے چند نمونے

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات پر تحریف معنوی۔ اور ایسے تلاعب سے کام لیا جو الحاد کا دروازہ کھولتا ہے۔ مغرب زدہ کج فہم تعلیم یافتہ طبقہ کی طرح محمد علی لاہوری بھی ذہنی مرعوبیت میں مبتلا رہے معجزات اور مافوق الفطرۃ واقعات کو ان کا ذہن قبول نہیں کر سکتا تھا تو انہوں نے قرآن کے بیان کئے ہوئے معجزات و خوارق کی اس طرح تشریح کرنی چاہی کہ یہ چیزیں عصر حاضر کے مادی نظریات سے متصادم نہ ہوں اس راہ میں انہوں نے عربی ادب اور قواعد عرف و استعمال کی اور صحابہؓ کی تشریح متقدمین کے تفاسیر غرض ہر ایسی بات کو تحریف کے خراد پر چڑھایا جو ان کے مادہ پرست مغرب زدہ ذہن و فہم سے جوڑ نہیں کھا سکتا تھا۔ اس تحریف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) آیت واضرب بعصاک الحجر کا ترجمہ: اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ ج ۱ ص ۶۹

(۲) واذ قتلتم نفساً۔ آیۃ میں سیاق و سباق قواعد عربیت کے بالکل خلاف آیت کو حضرت مسیح سے متعلق کیا گیا۔ ج ۱ ص ۷۹

(۳) معجزہ عیسیٰ خلق طیر کی آیت میں طیر سے عالم روحانیت میں پرواز کرنے والے انسان مراد لئے گئے۔ ج ۱ ص ۲۶۱

(۴) حضرت سلیمانؑ کے منطق الطیر کی آیت میں منطق سے وہ نامہ مراد ہے جو پرندہ لے کر جاتا ہے۔ ج ۳ ص ۲۰۹

(۵) اگلی آیت میں وادی النمل کی تشریح ایک عرب قبیلہ کی وادی اور نملہ سے ایک انسان مراد لیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۲۱۱

(۶) سورۃ سبا کی آیت فلما قضینا علیہ الموت میں دابۃ الارض کا معنی حضرت سلیمانؑ کا ایک بیٹا اور منساۃ کا مطلب سلطنت کے عصا کا کھا جانا اور بربادی سے بیان کیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۵۲۶

(۷) ہُد ہُد سے متعلق آیت میں اس سے خبر رسانی کا ایک شخص مراد ہے۔

(۸) "آیاتِ جن" میں "جن" کی تشریح انسانوں ہی سے کی گئی ہے۔ ج ۳ ص ۱۱۹۳

یہ چند نمونے ہیں ورنہ محمد علی کی تفسیر کے تینوں ضخیم جلد ایسے ہی تحریفات سے بھری ہوئی ہے۔

لاہوری جماعت کے اعترافات

نبوتِ مرزا سے انکار اور مصلح و مجدد کہنے کا بھی راستہ جان بوجھ کر نفاق و تلبیس اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اختیار کیا گیا ورنہ درحقیقت لاہوری اور مرزائی ہر دو پارٹیوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو پیغامِ صلح ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء جو لاہوری پارٹی کا ترجمان ہے۔ اس میں مرزا کو رسول ماننے کا اعلان موجود ہے۔ اپنے رسالہ ریویو ج ۲ ص ۱۱، ۱۰، ۱۲ میں نہ صرف مرزا کو رسول اللہ اور نبی بلکہ سارے رسولوں سے افضل کہا۔

محمد علی لاہوری کے ایسے اقوال اور مضامین سے ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے جس میں اس نے نہ صرف نبوت و رسالت مرزا کا اعتراف کیا بلکہ وہ نبوت و رسالت کے تمام لوازمات بھی ثابت کرتے رہے۔ (ریویو آف ریلیجنز جس کے وہ ایڈیٹر رہے ہیں) تو انہوں نے احمدیت اور اسلام میں اس طرح حدِ فاصل کھینچ دی ہے جس طرح عیسائیت یہودیت سے بالکل ایک الگ مذہب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

یعنی احمدی تحریک اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ تھا (مقتبس از مباحثہ راولپنڈی ص ۲۴۰) نمونہ کے چند مزید اقوال اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔

ص ۱۶۲

"آپ کے تابعینِ کامل کے لئے نبوتوں اور رسالتوں کا دروازہ بند نہیں ہوا" (ریویو ج ۴)

"ہم تو اس پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا صاحب) وہ صادق تھا خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔"

(تقریر محمد علی مندرجہ الحکم ۱۸ مارچ ۱۹۰۸ء بحوالہ فرقان قادیان جنوری ۱۹۴۲ء)

لاہوری جماعت کے ترجمان پیغامِ صلح ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں پوری لاہوری جماعت کا

حلفیہ بیان شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ:-

> "ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے ہم حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں"

ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ لاہوری اور قادیانی جماعتیں عقائد میں ایک ہیں، مگر اصل جھگڑا جو اختلاف کا باعث بنا سیاسی اختلاف یعنی گدی نشینی کا ہے اور علیحدگی کی صورت کو کچھ خوب صورت بنانے کے لئے سابقہ عقائد سے رجوع کئے بغیر مرزا کے لئے نئے القاب و اصطلاحات شروع کئے گئے ورنہ درحقیقت دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بہرحال اگر حقیقت حال یہ ہوتی کہ وہ مرزا کو صرف مصلح و مجدد سمجھتے تب بھی ان کی تکفیر میں کوئی پس و پیش نہ ہوتی، کیونکہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کو ماننا اور سچا ماننا اور واجب الاطاعۃ جان کر مسلمان سمجھنا بھی قطعی کفر ہے۔ کہ اسے مسیح مہدی اور مصلح موعود سمجھا جائے۔

ضروریات دین میں تاویل و تحریف کفر ہے

برصغیر کے محقق علماء خصوصاً علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے اس فریب و نفاق کا پردہ بھی قطعی دلائل سے چاک کیا۔ اور لاہوریوں کی تکفیر کے ضمن میں "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس میں واضح فرمایا کہ قطعی یقینی اور متواتر عقائد اور ضروریاتِ دین میں تاویل و تحریف اور انکار قطعی کفر ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے والا خود اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ اور اہل قبلہ میں سے اپنے کو سمجھے اور سارے ارکانِ اسلام عبادات وغیرہ ادا کیوں نہ کرے۔

مسلمانوں کے لئے تو مرزائیوں کا لاہوری فرقہ دوسرے قادیانی جماعت سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ عام مسلمان انہیں نمازوں وغیرہ میں شرکت کرتے دیکھ کر اپنا سا سمجھ لیتے ہیں اور بالآخر ان کے مکر اور خباثت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کی زبانی مرزا قادیانی کے الہام اور مناقب سن سن کر ان کے بارہ میں بھی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں جو ضیاع دین و ایمان کا باعث ہے۔

الحاصل لاہوری مرزائی بھی قطعی کافر ہیں۔ نہ تو کسی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے

کی دلیل بن سکتا ہے۔ نہ ان کا یہ کہنا کہ ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے۔

قادیانیوں کا تقیہ

اور اب تو قادیانیوں کی جماعت ربوہ کے امام نے بھی ازراہِ تقیہ مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دینے کی خاطر اپنے متبعین کو مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے اور معاشرتی و سماجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا ان کا اس طرح کرنے سے وہ مسلمان کہلا سکیں گے؟ اگر مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہیں تو کیا وہ دائرۂ کفر سے نکل سکیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ جب تک مرزا کے بارہ میں اپنے عقائدِ کفریہ سے رجوع نہ کیا جاوے اسلام انہیں کافر، مرتد، واجب القتل اور جہنمی قرار دے گا۔ آپ نے اپنے سوال میں جس شخص (سرکاری امام خواجہ قمر الدین) کا ذکر کیا۔ اگر انہوں نے غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے لاہوری مرزائی کی اقتداء کی یا اسے مسلمان سمجھتا رہا تو اسے نادم اور تائب ہو کر اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اور اگر اب بھی وہ لاہوری مرزائیوں کے بارہ میں اپنی رائے پر مصر ہے تو اسے منصبِ امامت سے ہٹانا اور معزول کرانا ضروری ہے۔

واللہ اعلم (سمیع الحق مدرس دار العلوم حقانیہ و مدیر ماہنامہ "الحق" رمضان المبارک [illegible])

باب

فتنۂ انکارِ حدیث

سنت اور عصرِ حاضر کے جاہلانہ تصورات

فتنۂ انکارِ حدیث

منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری کو یکایک کیا سوجھی کہ ۱۲ مئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۂ انکارِ حدیث کے سرخیل جناب غلام احمد پرویز کی مدح سرائی اور وکالت کا بیڑا اٹھایا اور اس زور و شور سے کہ پرویز کو افکارِ اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہ رسالت کی سرخروئی اور فدایانِ امت کی صف میں جگہ پانے کی بشارتیں بھی دیں۔ مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کر دکھایا اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک "خوشگوار تبدیلی" محسوس کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحابِ علم و تقویٰ اور اربابِ تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب جبکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیئے کہ وہ پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں۔" اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے۔ معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی مواقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جرأت، ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے دو ٹوک جہاد اور جرأت مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور

ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبہ حمیت کی وجہ سے ان "سیئات" سے درگذر کرتے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اجلہ علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی بایں ہمہ دجل و تلبیس قرآن وسنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور ختم نبوت کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسول ؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے، تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث کی اس زور و شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جسارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور "خوشگوار انقلاب" میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین و ایمان ہے۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی، جذبہ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ——— اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ کالتی نقضت غزلہا من بعد قوۃ انکاثا۔

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی علامت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسول ؐ کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دفاع میں حسانی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہوگی کہ وہ ایک

والشعراء یتبعہم الغاوٗن الم تر انہم فی کل واد یہیمون ویقولون مالایفعلون ——
کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالتِ جنگ میں اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی و علمی طبقوں اور ناموسِ رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتتِ اعداد کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسرِ پیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بدقسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب و شتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

فتنہ انکارِ حدیث

لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہرحال ان تمام دینی و علمی افراد کا دینی تقاضا ہے جو انکارِ حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموسِ رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے زہرِ ہلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکارِ حدیث کی تاریخ، محرکات، دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور اسلام اور منصبِ نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفۂ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تاریخ کے ہر دور میں اہلِ الحاد و زندقہ نے اور پھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے منصبِ نبوت میں دجل و تلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام مجوسی سازشوں سے بڑھ کر مجوسی بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے منشا زیبا سے جا لڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پرویز کو دے رہے ہیں۔ برکس ہند نام زادی کا فور مجوسی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر

صفحہ ہر سطر میں در پردہ انکارِ حدیث کی کارفرمائیاں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج، معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، محرفینِ قرآن، منکرینِ صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی پھر اِس زمین پر عقلیت اور عجمیت کفر و الحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بو دیا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت و حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

فتنۂ استشراق اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے دینی عصبیت اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسولِ اسلامؐ کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو، خواہ یہ چیز خود حضورؐ کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمۂ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیثِ رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقۂ صحابہؓ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اوّلین مدوّنین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈزیہر نے مستقل طور پر ابوہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدونِ اوّل امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی۔ اسلام کے قابلِ فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام داعیٔ اسلامؐ اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشقِ تحقیق بنا ڈالا اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و ماخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کی خدمت دینیات اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنانِ اسلام کے دل—

گولڈزیہر، مارگولیتھ، شاخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال والحاد کے نام سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعدائے اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی منصوبوں اور اس کے محرکات اور آراء و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنۂ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں جو سامراجی اور اشتراکی کتے علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جس کی ہر سر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوّت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکار ختم نبوت ہو یا انکار حدیث دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزائے قادیان) ایک دوسرے کے ظل اور بروز معلوم ہوں گے ؎

وعدۂ وصل بجد لیست میان من و تو   کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے ویرانوں میں بھٹکتی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام و ہم وطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی

—— آیئے ذرا دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور کی نبوت اور اس کی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھول لیا تو :-

غلام احمد پرویز نے حضور کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر مرکز ملت اور

مرکزی حکومت کے اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشریع کا حق دے دیا اور یہ کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتدار اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولو الامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب و غریب معانی پہنائے اور ظلی اور بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعوےٰ کیا مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی ـــــ دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط نمبر ۱۵ ص ۲۵ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جائے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو،

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسولؐ کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد متنبی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازۂ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو،

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ علیہ مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر

انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے کبھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

۶۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امر و نہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور پچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچ دیا یا خود کو اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثت، قرضہ، لین دین، صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵، ص ۱۹۷ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز، روزہ، معاملات، اخلاق غرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کر دے۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۳۳، ص ۲۹۲، ۳۱۱، ۳۱۲) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی تیشہ نہیں چلایا تھا۔

۷۔ متنبی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم و مطالب پہنائے۔ ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ج ۱ ص ۱۹) جنت و دوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں۔ (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص ۲۲۱) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی ہوئی چاہئیں۔ (ابلیس و آدم از پرویز ص ۱۶۵، لغات القرآن ج ۱ ص ۲۳)

جبریل کشف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص ۲۳۳) آدم کسی خاص شخص کا نام نہیں نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے۔ (لغات ج ۱ ص ۲۱۲) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے۔ (نظام ربوبیت ص ۸۵) زکوٰۃ، صدقات واجبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳۶، ص ۱۸) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک جنون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳۴)

قربانی تو مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص ۴۰)، عید قرباں کے مخالف ہیں۔ حج بین الملی کانفرنس اور قربانی صرف اس کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے۔

تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۱۱۶) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خطوط ج ۳ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو یہ ہمو سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خطوط ج ۲ ص [illegible])

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی یعنی یہ حق اسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۶۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام — "ٹیں ولدیں" قسم کے ہذیانات سے بھرا پڑا ہے، تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ویسئلونک عن المحیض۔ کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسینؓ کی مظلومیت اور فضلائے امت کی آمریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا آئمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے اور اگر خواہ مخواہ شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا

نہایت بسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

رسول کا تشریعی منصب قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کرا رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹ ـ ۱۵۱ آل عمران ۱۶۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا نمونہ۔ اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۳۱، ۲۱)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف آیت ۱۵۷، حشر آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵۱، النساء ۶۵)
- رسول اکرم نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۶۴، ۵۹، ۸۰، الفتح ۱۰، محمد ۳۰)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے مآخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جس کی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریم کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر کے اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرماویں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔ (ہمادی عمل ۶۹ء)

متجددین اور منکرین حدیث

کا

جاہلانہ تصورِ سنت

منصبِ رسالت

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیثِ نبوی کا ہے۔ قرآن کریم اول تا آخر سنتِ نبوی کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسول کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلم اور مربی بھی ہیں، شارحِ کتاب الٰہی اور تمام امت کے لئے پیشوا اور نمونۂ تقلید بھی۔ وہ رسول کی اتباع اور اطاعت کو محبتِ خداوندی اور یوم آخرت کی امیدواری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضورؐ کی زندگی اور آپؐ کے اقوال و افعال کو اپنا اسوۂ حسنہ نہ بنانے والوں کو کافرین کے زمرہ میں شمار کراتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسولؐ کا کام صرف "کتاب" پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تبیین بھی آپؐ کے فریضۂ نبوت میں شامل اور منصبِ رسالت کا تقاضا ہے۔ وہ جگہ جگہ رسولؐ کو بحیثیت شارع پیش کر کے انہیں تشریعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) دیتا ہے اور کہیں مختلف پیرایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسول کریمؐ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حکم، فرماں روا اور قاضی درج ہیں — وہ ربِ رسولؐ کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل و جان سے تیرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دیں یہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ تیری مرضی کے فیصلہ سے انکار تو کیا اگر انہیں اپنے دلوں میں ذرا سی تنگی بھی محسوس ہونے تو یہ چیز متاعِ ایمان کے ضیاع اور دین و اسلام کی بربادی کا سبب ہوگی۔ مومنوں کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑے ہوئے چلے آئیں، اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (النور ۵۱) رہے کافر اور منافق تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر رسولؐ سے کنی کتراتے ہیں (النساء ۶۱) وہی قرآن جس کی

آذ سے لے کر آج دین اور ملتِ اسلامیہ پر شبخون کرنے والے یلغار کر رہے ہیں۔ اسی کتابِ مبین کا اعلان ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار خدا اور اس کی کتاب سے انکار ہے۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان، اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ، اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشاء اور اس کا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر کا اٹل قانون ہوتا ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج فہمیوں کا ماتم کن الفاظ سے کیا جائے جو قرآن کا نام لے کر رسولِ اولین و آخرین سے یہ سارے مناصب و حاکمیت بھی چھین لینا چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے۔ رسولؐ کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے ارشادات اور تشریحاتِ قرآن کو شریعت کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قانون کا ماخذ سمجھا جا سکتا ہے۔" حالانکہ سنت کا دوسرا ماخذ قانون (SOURCE OF LAW) ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے، اسلام اور رسولِ اسلام کی ذاتِ اقدسؐ سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور تفسیر کو قرآن کریم کے احکام اور مصطلحات سے الگ کر دیا جائے گا تو اسلام اور قرآن کی من مانی تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس طرح کے بے شمار فرقِ باطلہ میں یہ چیز آپ کو قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی۔ خواہ یہ لوگ دعویٰ حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا صریح انکار۔

سنتِ رسولؐ اور مستشرقین و تجدد زدہ حضرات پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور مسلمانوں کے تجدد زدہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر سنتِ رسولؐ ہی رہا ہے۔ کبھی کھلے الفاظ میں اسے نشانۂ تنقید بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کرنے کی شکل میں۔ ہمارے ہاں کے تجدد زدہ حضرات چونکہ نہ تو اپنی علمی و فکری قوتوں کو خدا و رسولؐ کی تعلیمات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور نہ مجبوریوں اور مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور

ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مساعی کا تعلق بھی زیادہ تر سنتِ رسولؐ کی تشریعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے پیشرو غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و ریسرچ ہے، ہمیشہ سنتِ نبویؐ کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیثِ رسولؐ سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار اور کچھ لوگ علانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بنا پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس "نظریۂ تلبیس" کا سہرا رسوائے عالم یہودی مستشرق پروفیسر جوزف شاخت کے سر پر ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے فروغ و اشاعت کا فریضہ ان کے وفا شعار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کی ہمنوا جماعت بجا لا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنتِ رسولؐ کو سنگِ گراں سمجھ کر اسے راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

نظریۂ سنت جاریہ و غیر جاریہ مگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نظریہ "سنتِ جاریہ و غیر جاریہ" وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ ہر قسم کی رندی اور عیاری پر تقویٰ اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمٰن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ "سنت درحقیقت ایک "تعاملی اصطلاح" ہے جس کی تشکیل "آزادئ شخصی رائے" سے ہوتی ہے۔ اور "عوام الناس" یا "رائے عامہ" کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز "سنت" بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی "اجماع" ہے۔ جس کو وہ "آزاد اجماع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنتِ نبویؐ کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے۔ ملت اسے لفظی طور پر زندہ نہیں دیتی بلکہ اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے[1] اور اس "تعاملی اصطلاح" کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف

---

[1] مذکورہ بالا نظریہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر جولائی، اگست ۱۹۶۳ء مقالہ تصورِ سنت و [illegible]

اس کا نام سنتِ جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضورؐ کی اصل سنت کو سنتِ غیر جاریہ (مردہ سنت، معاذ اللہ) قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب و سنت اور تعلیماتِ شریعت میں اتنی "توسیع" کر دی جائے کہ جدید تہذیب و تمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جا سکیں۔

پرویزی نظریہ سب سے مہلک تحریف و تلبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودھویں صدی کی یہ تحقیق منکرینِ حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حسی کی وجہ سے فضل الرحمٰن کی کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ "انکارِ حدیث" سے دوسری جماعت کی براءت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمان یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر "پرویزی نظریہ" کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی اندازِ فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصرِ اسلام کو نہایت ہی جلد از جلد پیوندِ خاک دیکھنا چاہتے ہیں (ولا فعل اللہ کذلک) یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور اور منافق بن کر درپردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دو ٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلے الحاد اور کفرِ صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح نفاق اور تلبیس کا راستہ اختیار کرے تو آج ہی یہ دونوں کتبِ فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتبِ فکر میں میدانِ الحاد و تجدد کی سیادت و قیادت کا جذبہ بھی کارفرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا رقیب اور حریف بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ فرقِ باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریقِ کار، اندازِ بیان اور تعبیرات میں فرق ہے۔

آزاد اتباع اور شخصی رائے چودھویں صدی کے اباحیت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کے لئے مستشرقینِ یورپ، ہمارے ہاں کے اہلِ تجدد اور اسلام کے

تعمیرِ نو (NEW CONSTRUCTION) کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ ہوس زدہ عوام کی اکثریت اور دین سے قطعاً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنتِ جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش اور منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکایک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟ اگر اس "آزاد اجماع" اور "شخصی رائے" کو احکامِ شرعیہ کا مأخذ اور "سنتِ جاریہ" مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سینما، بے پردگی، فحاشی، سود، بینکنگ، جوا، غرض یورپ کے تمام اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے خارج کہہ سکے۔ اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی "سنتِ جاریہ" سوشلزم کو پسند کرے، پرسوں کمیونزم یا کیپٹل ازم کو اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگائے تو ان میں سے ہر چیز کو سنتِ نبوی کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

ذرا اور گہرائی میں جائیے تو نتیجہ کے لحاظ سے "سنت" اور "حدیث" سنت کا مذاق اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ "اطاعتِ رسول" اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے دو جو رسول اور اس کی سنت کو حاصل ہے۔ البتہ پرویزی مکتبِ فکر میں اس کی تعبیر "مرکزِ ملت" کے نام سے کی جاتی ہے اور متجددین کے ہاں "زندہ اور مردہ سنت" سے اور "شخصی آزاد اجماع" اور "اجتہاد" کی آڑ میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ مقننہ۔ اگرچہ اسے اسلامی نقطۂ نظر سے تقنین کا حق نہ بھی ہو) کو ہر قسم کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے، خواہ ان فیصلوں کا تصادم کتاب و سنت اور اس کے منصوص احکام کو رد و منسوخ کرنا ہی کیوں نہ ہو اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے پچھلے تمام اجماعی مسائل کا توڑ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

جمہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارہ میں صدر ایوب کے غلط خیالات پھر اس غلط اور خطرناک تصورِ اجماع کا پروپیگنڈا اس زور شور سے کیا گیا ہے کہ بدقسمتی سے [illegible]

ہمارے قابلِ احترام صدرِ مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز"[1] کے گیارہویں باب "آئین اور نظریہ حیات" میں انہوں نے "اجماع" کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطۂ حیات کی تشکیل میں صدرِ محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات سے مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب و سنّت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کے لئے جو اہلیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواصِ امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدرِ محترم کے خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پامالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانۂ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت پاپائیت نہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں "علماء اور ملّا" کسی خاص رنگ و نسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم و نسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ و نسل اور بلا تفریق قوم و پیشہ، کتاب و سنت اور اسلامی علوم کا صحیح علم و فہم حاصل کر کے عالم بن کر منصبِ وراثتِ نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ و نسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصب جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اصل معاملہ "ملّا" کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم "ملّا" کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعبیر و ترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب و سنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

---

[1] وقت کے صدر محمد ایوب خان کی تصنیف جس کا اردو ترجمہ "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے بیشک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب و سنت اور خدا اور رسول ؐ کی مرضی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجنیر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجنیئرنگ کی معمولی شد بد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلا اور منگلا جیسے بھاری بھرکم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جمہوریت پروری نہیں بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجیئے، لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر پھاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ملک کے ہر شخص کو جان بلب مریضوں کے اپریشن کا حق اس لئے دیا جا سکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پامالی ہوگی؟ نہیں! بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت، تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے ہر شہری کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین سے معمولی آگاہی بھی نہ رکھتا ہو یہ حق دیا جا سکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا بڑے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے عدالت کا اختیار سونپا جائے — پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت، اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کے لئے مخصوص شرائط، قیودات، اور خاص قسم کی قابلیت، اور اہلیت کے اجرا کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھا جائے؟

اجتہاد اور اجماع پس بلا شبہ شریعت نے ہر کس و ناقص کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اٹھائے گئے آزاد اجماع کو وہ دین کا اصل قرار دیتا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہو گا جو خدا ترسی، تقویٰ، خشیت، قرابتِ ایمانی، بصیرتِ دینی، جذبۂ خیر خواہی و حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل مکمل جامع اور عبقری شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب، عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشاتِ نفسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ اور عہدِ صحابہؓ و تابعین سے کوئی قوی سند بھی موجود ہو — ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق "اجماع" قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ مگر افسوس! کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوگئیں وہ بھی گم ہو چکی ہے جیسے کہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ احمد بن حنبل اور مالک رحمہم اللہ تعالےٰ جیسے اساطینِ علم و فضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ع

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

خلاصۂ بحث بہر تقدیر اسلام کی نظر میں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اصل مقام کتاب و سنت اور اس سے مستنبط احکام و اصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس "اجماع ضلالت" کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان و اشاعت کرتی رہے گی مجموعی امت گمراہی پر حسبِ بشارتِ نبوی (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی، بنا بریں نہ تو مرکزِ ملت بافوق حاکم کو اطاعتِ رسولؐ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہم یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنتِ جاریہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا بالرضا جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو "اجماع" قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جا سکتا ہے۔ نہ ان میں "توسیع" اور ترمیم ہو سکتی ہے

اور جس طرح "کتاب" سے مراد وہی قرآن ہوگا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ مانتی چلی آرہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابل قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آرہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریفات و تبدیل اور ظلّی بروزی کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے، اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصلی معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا۔ جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔

خواجہ شہاب الدین کی سادہ لوحی یا گمراہی

خواجہ شہاب الدین صاحب نے منکرین حدیث کی بزم طلوعِ اسلام [illegible] کی ایک تقریب میں دیگر خیالات کے ضمن میں مشہور منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کی قرآنی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کر کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ غلام احمد پرویز کی قرآنی تحریفات دجل و تلبیس سے بھرپور لٹریچر اور حضور خاتم النبیینؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرنا اگر خواجہ صاحب کی نظر میں قرآنی خدمت ہے تو ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اگر خواجہ صاحب کو خود پرویز کے ملحدانہ لٹریچر کا موقع نہیں ملا تو کم از کم اس بارے میں انہیں ملک کے مختلف مکاتبِ فکر کے ایک ہزار چیدہ علماء و مشائخ کے متفقہ فتویٰ پر اعتماد کرنا چاہیے تھا جس میں اجماع اور اتفاق سے پرویز صاحب کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح خواجہ صاحب نے بالواسطہ دین و شریعت کے حامل تمام علماء کی تغلیط و تضحیک کر کے اپنی آخرت خراب کرکے اپنی نیک نامی کو دھچکا لگا دیا ہے جو ان کی سادہ لوحی یا ضرورت سے زیادہ رواداری کا ثبوت ہے۔ اس سے زیادہ افسوس ریڈیو پاکستان لاہور پر ہے جس نے اپنی صوتی تصویروں میں پرویز کے ادارہ میں خواجہ صاحب کی تحسین و تکریم کی اشاعت کی اور ملک کی اکثریت کے احساسات کو مجروح کیا۔

(دسمبر ۱۹۶۷ء)

باب ۹

فتنۂ رفض و انکارِ صحابہؓ
عظمت و عدالتِ صحابہ کے تقاضے

فتنۂ بغض و انکارِ صحابہؓ

تعدیلِ صحابہ مدارِ دین ہے

قدسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں، وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر اپنوں میں سے بھی اگر کوئی ان گراں ستونوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے خود کشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیر خواہی، خلوص اور خدا ترسی سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) منافق، سازشی، منافق، پالیٹیشن، خود غرض، جاہ پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو یہ دین اور شریعت اور یہ کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرامؓ کی تقدس، ثقاہت اور تعدیل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہیئے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلامؐ کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علوِ ہمت، ایثار، جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم علم و تحقیق، یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبیؒ (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ قدر شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰؑ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری (صحابہ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسولؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے ـــــ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ اس طرح [illegible] اور اگر (دین و شریعت [illegible]) اور ہم نے سمجھے کہ حقیقت کی کاوش سے [illegible] نہیں چھوڑا ہے۔ [illegible] فاعتبروا یا اولی الابصار

عظمتِ صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن وسنت اور دین وشریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر وشرک اور ظلم وضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان ویقین اور عدل وانصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

علم وتحقیق کے نام پر پس یہ کیسی بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ان بعض ناعاقبت اندیش اور دولتِ خشیتِ خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو "اقامتِ دین" اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل وتقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین وایمان کی بولی اپنے بعض اخبارات اور رسالوں میں سربازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم وتحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اولین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علمائے حق کا الزامی فرض ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جس کی دست درازیوں سے عثمانؓ غنی و معاویہؓ [illegible] کی قبائے عصمت وتقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت وتعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قمیص شہیدِ عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکہم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا خدا کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت وضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بیکسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے۔

اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکھم اللہ، وھو السمیع العلیم۔

اظہارِ برأت

عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں "خلافت و ملوکیت" کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے آرگن "برہان" میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی۔ ندوۃ المصنفین ہمارا ہی ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیرِ شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحبِ قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برأت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض

قومی یکجہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یکجہتی، باہمی اتحاد اور حسنِ معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہلِ سنت والجماعت کی ہے جس کے رگ و ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

دفاعِ صحابہؓ مسلمانوں کا فریضہ ہے

ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات، دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان سرگرمیوں میں مداخلت کرتی ہے جس کی زد دینی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پر پڑ

رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ جن کا وجود دین میں اتھارٹی اور اسوہ کا مقام رکھے ___ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یکجہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنے افکار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت، اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سواد اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور ایسی روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھاتی اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

اہل الحاد و فتن کی سینہ زوری

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت، تو بڑی بات ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات، اور پاکستان کے بنیادی نظریہ اسلام کو للکار سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور ملت کے پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ علم و تحقیق، ادب و ثقافت، مسجد و مکتب، درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تربیت، غرض اسلام کی ترجمانی کے [illegible] تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ٹولہ تجدد اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کے لئے رکاوٹ بتا رہا ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماء حق کو ملائیت کے نام سے پابند سلاسل کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر و فکر، اگست ۱۹۶۰ء) ایک شخص کھڑا ہو کر اٹھ کر اسلام کے پورے حدیثی ذخیرہ اور پیغمبر کی آئینی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی دل آزاری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق و ریسرچ کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولرزم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و افراتفری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے تو

الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

نبوت کاذبہ کا پرچار

جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز اوّل سے کافر، مرتد اور خارج اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالمیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی زرمبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس بدیس میں اس کی خلاف اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا "نمائندہ" مسلمانوں کا "خلیفہ" اور پاکستان کا مذہبی "راہنما" بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے اخبارات میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یکجہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے جذباتی اور فدائیانہ لگاؤ ہے۔

شیعہ معتقدات کا فروغ

اہل سنت والجماعت (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی مذہبی اکثریت) کی فراخ دلی سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے

۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔

۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہ کرام پر سب و شتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں ان مطالبات کی نامنظوری پر میدان کربلا کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی و فکری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو در خور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتربود کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھدار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہو گا کہ الگ تھلگ رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سالمیت پر ایک کاری ضرب

ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے ردعمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا ردعمل صرف تعلیم اور اوقاف تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے جس کا تصور بھی ملک و ملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔

سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج

ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو "دیوانے کی بڑ" سمجھتے رہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ المناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے معماران اسلام کے احوال و سوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے۔ جن کی پاکیزہ و معیاری سیرت ملک و ملت کی تعمیر کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے یکجا ہو کر اہل سنت کو چونکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے لمحہ فکریہ بن گئی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک و ملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے سچے خیرخواہ صرف نظر کر سکیں۔

سنی کنونشن

اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی دعوت سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں جہاں سے مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی وہاں مسلک کے بنیادی حقوق کے لئے چند قراردادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں بڑے فساد اور فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتب فکر نے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے [illegible]

جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں —— یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق —— ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مٹھی بھر جماعت کی خاطر ملک و ملت اس تشتت اور باہمی تقسیم کی متحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب و شتم اور تبرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنی سوادِ اعظم پر سخت زیادتی

عجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لا اینڈ آرڈر کے نام پر جلوسوں اور تبلیغی جلسوں کے ذریعے دیگر فرقوں کا تحفظ کرایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، معتقدات اور فقہی مسلمات کی سرِراہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں۔ حتیٰ کہ حرفِ شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہو گا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ انہی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کھلا ڈاکہ ڈالیں، اولیاء اور صلحائے امت کے بارے میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ نیا مذہب گھڑ کے مسلمانوں کو کنجریوں اور جنگل سوروں کی اولاد سمجھیں، ختم نبوت کے تمام امتیازات و خصوصیات کو یک بیک سلب کر کے تمام اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی ملت اور جماعت کو مصداق قرار دیں۔ اور دوسروں کو آزادی ہے کہ حضور اقدسؐ کی احادیث سے انکار کی جرأت کریں، حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا انکار بے جھجک مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا اور رسول کو بے معنی بتائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہے کہ قرآنی آیات جبریل کی جو چاہیں تاویل کریں، معراج جسمانی اور عقیدہ نزول مسیح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، جوا، سود کو حلال قرار دیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی مقداروں میں کمی بیشی کریں اور جب چاہیں تو اٹکل پچو سے اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنا دیں۔ انہیں تو بلا خوفِ احتساب یہ حق

حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلّمہ بزرگوں، صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں۔ مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک و ملت کو انتشار و افتراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سوادِ اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات و واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہوگا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و زندیق و باطل کی سرکوبی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رحم و کرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکولر سٹیٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے ___ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح متنازعہ بنایا جا سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا اہتمام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت و تدبر کی موت، ناعاقبت اندیشی کا بین ثبوت اور اس سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیرخواہی، دینی ذمہ داری اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بنا پر اس المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

خلفاء ثلاثہ کے بارہ میں شر انگیزی

مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق لکھنؤ کے ایک تازہ گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ کراچی کے ایک اردو ماہنامہ ساقی نے پچھلے بعض شماروں میں خلفاء ثلاثہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ایک انتہائی شر انگیز مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون کی دل آزاری کا یہ عالم ہے کہ بعض منصف مزاج شیعہ حضرات بھی اس سے بیزاری ظاہر کر چکے ہیں۔ مضمون میں ان جلیل القدر صحابہ کی عظمت و تقدیس کو جس بے دردی سے مجروح کرنے کی سعی کی گئی ہے اس پر جتنا بھی اظہار نفرت ہو سکے کم ہے۔ مولانا دریابادی صاحب نے یہاں کی دینی صحافت سے اس مضمون کا محاسبہ نہ کرنے پر دینی پرچوں کا شکوہ فرمایا ہے۔ جہاں تک الحق کا تعلق ہے دینی اقدار کی حرمت اور آبروئے صحابہ کی عظمت و تقدیس اور حریم اسلام کی قیادت میں خداوند قدوس کے فضل و کرم سے وہ ہرگز کسی مصلحت کوشی، مداہنت یا ملامت کا روادار نہیں اور نہ کسی قسم کا خوف و لالچ اسے اظہار حق کرنے سے باز رکھ سکتا ہے لیکن جہاں تک ساقی کے اس مضمون کا معاملہ ہے نہ تو ہماری نظر سے اب تک یہ پرچہ گزرا ہے اور نہ اس کا یہ فتنہ انگیز مضمون سنا، یہی حال دیگر دینی پرچوں کا بھی ہے۔ ساقی کے اس پرچے پر جن شیعہ حضرات کی نظر پڑی ہو وہ سمجھ لیں کہ ایسے مضامین سے سواد اعظم اور عالم اسلام کی اکثریت کے احساسات کو پامال کرتے۔ اس قسم کے مضامین لکھنے والوں سے سوائے انتشار و افتراق اور منافرت کی پرورش کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیعہ جماعت کی قیادت خود اس کے سوال سے فارغ ہو کسی ہرجائی وسیع القلبی جیسی تزکیوں سے اس کی شان جلیل گھٹ سکتی ہے اور نہ اس کتاب کو کتاب و سنت اور اجماع امت کے بعد کسی اور تزکیہ کی ضرورت ہے۔

شیعہ سازشیں

ہم نے پچھلے شمارہ میں شیعہ نصاب کی علیحدگی اور شیعہ مطالبات کے خطرناک عواقب پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ اب حکومت کی تشکیل کردہ دینیات کمیٹی کے کچھ بنیادی اصول سامنے آئے ہیں اور

کافی حد تک وہی ہو کر رہا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ہم تو اصولاً اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتنا سمجھنا۔ اس کے لئے کمیٹی تشکیل کرنا اور اسے زیر غور لانا ہی ملک و ملت کے افتراق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ کمیٹی اور اس کے ضمنی ورکنگ گروپ میں شیعہ سنی ارکان کو بالکل اسی طرح مساوی نمائندگی مل گئی کہ گویا شیعہ اس ملک کی نصف آبادی ہیں۔ اس وقت کمیٹی کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان مطالبات کو اتنی اہمیت دے کر ملت کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کر دی گئی ہے۔ اب ردعمل میں اہل سنت کے جائز حقوق اور مطالبات اور شیعہ حضرات کو اس ملک میں ان کے اصل مقام پر رکھنے کی جدوجہد کو بھی تحمل اور رواداری سے برداشت کرنا چاہیئے نہ کہ علیحدگی، افتراق اور انتشار برپا کرنے کی ساری تہمتیں اکثریت پر لگا دی جائیں۔ شیعہ کی اس قسم کی سرگرمیاں یا تو اس ملک کو شیعہ سٹیٹ بنانے کا پیش خیمہ ہیں یا شیعہ اپنے وقت کے ابن علقمی یحییٰ خان کے اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے

خلافت راشدہ اور نصاب تعلیم

پچھلے کسی شمارہ میں میٹرک کے نصاب سے خلافت راشدہ کے باب کے اخراج سے متعلق محکمہ تعلیم کے اس اقدام کے عواقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب وزیر تعلیم مغربی پاکستان کی طرف سے اس فیصلہ کے واپس لئے جانے کی اطلاع آئی ہے۔ ہم اس وضاحتی اعلان کا دل سے خیر مقدم کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ اس غیر دانشمندانہ ناعاقبت اندیشانہ اقدام کے محرکات کی نقاب کشائی کرائی جائے گی۔ خلافت راشدہ جس کی عظمت و تقدیس و تعدیل نص قرآنی، نصوص اور صریح ارشادات رسولؐ پر مبنی ہے۔ یہ عہد سعادت اسلام کی اساس ہے اور حکومت کی بنیاد اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ ایک مسلمان ریاست کے لئے لازمی ہے کہ وہ نہ صرف اس عہد زریں کو اپنا اسوہ بنائے بلکہ اس کے احترام و تقدیس کو چیلنج کرنے والی کسی بھی عملی یا فکری سرگرمی کا بروقت سختی سے محاسبہ بھی کرتی رہے۔

شیعہ نصاب اور افتراق و انتشار کا راستہ

پچھلے دو تین سال سے شیعہ حضرات کی طرف سے شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھایا جا رہا تھا اور یہ بات چونکہ ملک و ملت کی سالمیت، یکجہتی اور یہاں کے سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے دینی اور مذہبی حیثیت پر صریح دست اندازی تھی۔

قومی اسمبلی میں ارباب اقتدار کا کردار

اس لئے اہل سنت کی طرف سے بجا طور پر علیحدگی کے اس مسئلہ پر نہ صرف تشویش کا اظہار کیا گیا بلکہ ۱۴ر اور ۲۵ر اگست ۱۹۷۶ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس مسئلہ پر قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس مسئلہ پر بار بار تحریک التوا پیش کیں اور اسمبلی کے کئی علماء ارکان کی تائید سے سوال اٹھایا کہ یہ چیز نہ صرف ہماری اعتقادی اور فکری و مذہبی زندگی بلکہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہے اور مسلمانوں کے فکری اتحاد کو نقصان پہنچا کر بالآخر ملک کے اتحاد و سالمیت کے لئے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کے وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے اس مسئلہ کو ٹالتے ہوئے مولانا سے کہا کہ یہ محض خبریں ہیں اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس میں اہل سنت والجماعت سنی مسلمانوں کی مرضی شامل نہ ہو۔ اس کے بعد مولانا نیازی صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس مشترکہ کمیٹی کی سفارشات کو نہ صرف یہ کہ کیبنٹ نے نامنظور کر دیا بلکہ خود شیعہ جماعتوں میں سے بھی بعض نے اسے رد کر دیا۔ رہے جمہور اہل سنت تو انہوں نے کسی موقع پر بھی ایسی کسی مشترکہ کمیٹی اور علیحدگی نصاب کے مسئلہ پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۷۶ء کی مشترکہ کمیٹی میں جو دو ایک علماء اہل سنت شامل تھے انہوں نے خود بھی اسی رپورٹ کے خلاف

مطبوعہ مطالبات کی دستاویز پر دستخط ثبت کر دیئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ شیعہ حضرات [illegible] اور اب جبکہ قادیانی مسئلہ پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں فکری اتحاد و یکجہتی اور تعاون باہمی کی ایک فضا قائم ہوئی تو نامعلوم اسباب کی بنا پر یکایک شیعہ حضرات کی طرف سے انتہائی جوش اور [illegible] کے انداز میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ گویا بارہ سالہ قادیانی محاذ پر مسلمانوں کی شاندار فتح کو شکست سے بدلنے کی سعی کی گئی۔ اور بقول شیعہ اخبارات کے حکومت شیعہ عوام کے سامنے جھک گئی (ملاحظہ ہو ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر) اور ۱۳ اکتوبر کو لاہور میں جمہور اہل سنت کے حقوق و مطالبات اور ان کے استصواب رائے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ اپریل ۷۶ء سے سکولوں کے نصاب اسلامیات میں آٹھویں تک مشترکہ نصاب جاری ہوگا (جس میں سوانح صحابہ و تعلیمات کا ذکر نہیں ہوگا۔ نویں اور دسویں کلاسوں میں علیحدہ علیحدہ نصاب ہوگا جس میں عبادات اور سوانح شامل ہوں گی وغیرہ۔ الخ

سنی اکثریت سے ظالمانہ مذاق

اس فیصلہ کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم کم از کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ خالص یکطرفہ، غیر منصفانہ اور شیعہ حضرات کے حق میں ہے۔ یہ تصفیہ اگر ہوا ہے تو حکومت اور شیعوں کے درمیان نہ کہ سنی اور شیعہ فرقوں میں اور ملک کے جمہور اہل سنت کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق ہے کہ حکومت ان کی مرضی معلوم کیے بغیر اس ناجائز عقد کی خوشی میں مسلمانوں کو بھی شریک ٹھہرا رہی ہے۔ جہاں تک جمہور اہل سنت کے اکثر علماء، اصحاب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد اداروں اور تنظیموں کا اہم ترین نازک مسئلہ میں غفلت، سکوت اور بے حسی کا معاملہ ہے تو ہم اپنے ذوقی تشخص سے غفلت اور حمیت دینی کے فقدان پر انا للہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قادیانیوں کو جب کہ ہم [illegible] سے ایک الگ غیر مسلم جماعت ہے اور ہم علماء نے بھی ہر میدان میں اپنے آپ کو الگ کر چکے تھے۔ ہم مسلمانوں کے اندر موجود فرقوں کی علیحدگی پسندی کے ایسے رجحانات کے سخت خلاف ہیں ——— نیز نصاب کے مسئلہ میں علیحدگی و تفریق کی روش اختیار کرنے کی تجویز جمہور مسلمانوں سے نہیں، محض چند [illegible] کرنے والے شیعہ زعماء سے ہوئی ہے [illegible]

ہے کہ ان تشنیع اور الزامات کا نشانہ اب بھی ملک کے سواد اعظم جمہور اہل سنت کو بنایا جائیگا۔ اور یہ ہماری مظلومیت اور بے بسی محض ان کی بے حسی اور قومی ذہن کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اور روشن خیال دانشوروں اور ارباب اقتدار کو نہ تو علیحدگی اور افتراق کی ان سازشوں میں ملک کی سالمیت اور بقاء کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ نہ کہیں مذہبی تعصب اور جاہلانہ گروہی طرز عمل نظر آتا ہے لیکن اگر جمہور کے لبوں کو ذرہ بھی جنبش ہوئی اور ظلم پر آہ بھی ہوئی تو سب کی رگ وفاداری پھڑک اٹھے گی اور وسیع النظری، رواداری اور روشن خیالی کا جذبہ پھڑک جائے گا

بہرحال ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یکجہتی ہے اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس مہلک راہ سے بچانے کی ہے، جس پر اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جا رہا ہے۔

ملک کے سیاسی آئینی، اقتصادی ضرورتوں اور سواد اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عجلت میں کئے گئے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اکثریتی طبقہ سنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور ارباب نظر سے مشورہ کرے۔

قومی یکجہتی پر ضرب کاری

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یکجہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ ملی اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقا کا دارومدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی۔ باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریک پاکستان کے آغاز سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بارہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں میں دے کر خطرہ محسوس نہ کیا جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملت مسلمہ کا انگ انگ توڑنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصہ پاکستان کو پاش پاش کر کے ہی چھوڑا ——— بہرحال اور یہ ہماری رواداری اور حسن عقیدت کے قیمتی اعمال ہیں، اہم چیز دو قومی نظریہ دینی مذہب

یہی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور گروہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہیں اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحمداللہ کہ قیام پاکستان کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے، شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے۔ اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ بچوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھچاؤ سے بڑی حد تک محفوظ رہی بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یکسانیت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا تو یہ احساس علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا اور قومی یکجہتی و فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

نہ ختم ہونیوالا سلسلہ

پھر دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رک بھی سکے گا یا نہیں اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دیئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں ان مٹھی بھر غیر مسلم اقلیتوں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی، بدھسٹ، بہائی یا قادیانی فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہوگا اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابل تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسّی ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی۔

وسعت ظرفی یا ملّی بے حسی

شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر مصر ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو سواد اعظم سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں؟ جہاں تک مسلمانوں کے سواد اعظم کا تعلق ہے ان کی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی اور اس سلسلہ میں اب تک

نہایت فراخدلی بلکہ سرفروشانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے نصاب تعلیم سے حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے قابل فخر ہستیوں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جا چکے ہیں اور سنّی اپنی روایتی وسعت ظرف یا اپنی بے حسی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آئے ہیں لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بار بار اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کرانے پر کیوں بضد ہیں شیعہ سنّی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جا رہا ہے (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصولی قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں۔)

دیگر مسلم فرقے

بالفرض اگر اختلاف فروعی ہے اور فروعی اختلاف بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتے ہیں تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے لیکن کیا فروعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے۔؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلّد اور غیر مقلّد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے جو کسی امام کی مقلّد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر آئمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں، مالکی اور حنبلی بھی، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرنے ہوں گے اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ، ان کے آئین و قانون کو مشق ستم بنایا جائے گا۔

کیا شیعہ اپنے فرقوں کو علیحدگی کا حق دیں گے ؟

اگر شیعہ فروعی اختلافات کی بنا پر علیحدگی کے حق دار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنے فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ در گروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق

دینے پر تیار ہوں گے۔ یہ صرف خدشات نہیں وزیر تعلیم پیرزادہ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء کے اجلاس لاہور میں یہ اشکال پیش کر دیا ہے۔ ہم جب اس مسئلہ کو اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے ایسے مطالبے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسماعیلیوں اور بوہروں کی طرف سے بھی ہم سے مطالبے کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نوائے وقت راولپنڈی ۷ مئی ۱۹۷۳ء عیسائیوں کی طرف سے بھی ہر تعلیمی ادارہ میں بائبل ٹیچر رکھنے کا مطالبہ شائع ہوا ہے۔

اہل سنت کا مسلک حق

عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت والجماعت اس صورتحال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ) کی افضلیت ان کا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ (بشمول حضرت علیؓ و امامین ہمامین حسنؓ و حسینؓ) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل والتقدیس جزو ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت بھی لازمۂ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں۔ امام علی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہل بیت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ فاطمہ بتول کی حرمت پر مر مٹنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ کسی بھی صحابیؓ کی بے ادبی کرنا ضیاع ایمان اور حبط اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور ائمہ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نصاب میں کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ۔ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم، سب ابرار و اخیار، مقرب بارگاہ خدا اور "رحماء بینھم" کے مصداق ہیں۔ موجودہ مروج نصاب دینیات کی کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دل آزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جا سکتی

شیعہ معتقدات

اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں۔ ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اجلہ، نعوذ باللہ غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) کے بارے میں ان کے

عقائد کو کوئی سُنی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کی حیثیت ثانوی بھی نہیں بلکہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل ہیں اور العیاذ باللہ نتیجۃً ان سے پہلے کے تینوں خلفاء ظالم و غاصب تھے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ اثنا عشریہ سابقہ تمام انبیاء سے بھی افضل ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک نبوت و رسالت کا مقام سب سے بلند و برتر ہے۔ عبادات میں نماز، اذان، اور وضو تک کے احکام میں کافی اختلاف ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر لعن طعن اور تبرّا بازی ان کا جزوِ دین ہے۔ "عقیدہ بدا" قرآن کی ابدیت و شرعیت کے ناقابل تنسیخ ہونے کی سراسر نفی کرتی ہے اور اسی طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں جو ان کے ہاں دین کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔

آگ اور پانی کا نباہ

یہاں ان نظریات کی اجمالی یا ابتدائی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت والجماعت مسلمان اپنے نونہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّا بازی کی گئی ہو۔ ان کو ظالم و غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت بربادی کے شعلے بار ہوں تو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات و معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرفِ نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت میں نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آ سکتی ہے اور شیعہ تحریک کی بنیادی اور عام سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دل آزار بات نہیں ہوگی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے

اختلافی مسائل اور معتقدات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ الگ نصاب جاری کرتے ہیں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنی بچوں کے عقائد کی دل آزارانہ تنقیدوں سے دور رکھا جا سکے گا۔

ہر شعبہ میں علیحدگی کا دروازہ

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقاف کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تبرا بازی (برسر عام صحابہؓ پر سب و شتم) کی کھلی چھوٹ دیئے جانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ جداگانہ نصاب دینیات کے فیصلہ کے بعد ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر ۱۹۷۴ء اور شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے بلکہ عزاداری کی سہولتیں حاصل کرنا اور اس کی پابندیاں ختم کرانی ہیں —— آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی مطالبات کے لئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی اطلاع کی بنا پر ایک ذمہ دار عیسائی افسر فوج کے ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس رسوخ کی بنا پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورت حال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یک جہتی و یگانگت کے لئے مضر نہیں ہو گی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی محکمہ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

دو قومی نظریہ کا حشر

آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ حل بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کی ۹۰، ۹۵ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۵، ۱۰ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں لیکن اس طرح اس نظریہ کا

کیا حشر ہوگا جو قیام پاکستان کا باعث بنا اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی — دو قومی نظریہ —— ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوت حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہونی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور مینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی روح ہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

صحیح طریق کار

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لئے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا چور دروازہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور نظریات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہوگیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب کھولے، پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

اقتصادی لحاظ سے

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۸۰ فیصد آبادی اقتصادی بدحالی اور پسماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیم کی منزل سے بھی محروم ہے جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی

ناآشنا ہیں۔ کسی ایسے دوسرے نصاب اور نظامِ تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ چنانچہ وفاقی وزیرِ تعلیم نے ۱۳؍ اکتوبر کے اس فیصلہ کے بارے میں اپنے بیان میں خود اعتراف کیا ہے کہ دینیات پڑھانے کے لئے الگ الگ استادوں کے انتظام کرنے کی صورت میں ملک بھر کے صرف سرکاری سکولوں پر دس کروڑ چھبیس لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔

ہم موجودہ سکولوں کو فرنیچر، بنیادی سامان اور ضروری سٹاف مہیا نہیں کر سکتے تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہو گا؟

سروسز کے لحاظ سے ہمارے خیال میں ملک کی ۸۰ فیصد بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۲۰ فیصد تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو گی لیکن ایک پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے بلکہ متصادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی۔ اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہو گا، نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارا کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے ملک کی ۹۵ فیصد آبادی کے لئے ہمیں ۱ ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابلِ افسوس ہو گی۔

دو رخی پالیسی ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے ساتھ حکومت کی دو رخی پالیسی پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی رہی تو اسے یہ کہہ کر مسترد کیا جاتا رہا ہے کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے اور افتراق و انتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مسئلہ مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص، کو بھی ایک عرصہ تک بے دردی سے ٹالا جاتا رہا لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جس کی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے

کبھی نہیں ہوا بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علیحدگی؛ قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول اور ضروری تھا، جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتنا ہیں اور نہ اس کے ٹوٹ جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

اہلِ تشیع کی ناعاقبت اندیشی

ایک بات اور شیعہ حضرات کے لئے ان مطالبات کے ردِعمل کی شکل میں قابل غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات سنی مسلمانوں کی طرف سے شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ تشخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جا سکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہل سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لیے سوچنا ہوگا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یا اس قسم کے بے شمار مسائل اس کے ردِعمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں ——— پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہوگا۔

ناقابلِ عمل فیصلہ

آخر میں اس فیصلہ کو قابل عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ عملی طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ مجوزہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو مرکز اسے بجبر ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتی ہے؛ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں، گو وہ ہمیشہ انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی سنی مسلمانوں

کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی و ملی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن و امان کا کیا بنے گا جس کی ملک کی تعمیر نو کے لئے اشد ضرورت ہے۔ ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملک کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت، افتراق اور خانہ جنگی کے راستوں پر نہ ڈالا جائے۔ پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے۔ اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اتحاد اور خیر سگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ خدا اس روز بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

اختلافی معتقدات پر مبنی کلمۂ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی و ملی خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو تنبیہ کیا، سنجیدہ حلقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق و انتشار کی نیو ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو عوام کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب و درسی کتب وزارت تعلیم و صوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم و دہم سکولوں میں آگئی۔ سنی مسلمانوں اور علماء کو بجا طور پر حیرت و تشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام ایک نئے انداز میں پایا، شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علی ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلا فصل کے ذریعہ امامت و خلافت کے جھگڑوں کو کلمۂ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعۂ ایمان و اسلام

ملاحظہ ہو ص ۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیارِ اسلام کلمۂ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافتِ بلا فصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلمیحات میں کافر قرار دینا ملک و ملت کی خیر خواہی ہے — ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلۂ اسلام کی علامت صرف کلمۂ طیبہ رہا ہے۔ اور عہدِ صحابہؓ خیر القرون میں کلمۂ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابلِ تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی جبر و اکراہ رکھا جا رہا ہے۔ نہایت ناعاقبت اندیشی ہے۔ ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریک التواء پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصاب دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اٹھی ہے خدارا ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۷۶ء)

باب ۱۰

بہائیت

بہائیت

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں —— مکاتب المقاطعۃ العربیۃ لاسرائیل —— کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابلِ توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔

غیر اسلامی صیہونی فرقہ

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالمِ عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلۂ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالمِ عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالمِ اسلامی نے اس بروقت تنبیہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور سربراہ عرب اداروں کو مبارکباد دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب

پر لیس بہائیت کے بارے میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھا رہی ہے۔

مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے ہی نہیں بلکہ اصل میں اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی، یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن، روٹری کلب، لائنز کلب، غیر مسلم مشنری اداروں، فحش جنسی لٹریچر اور استشراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف، سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے قالب میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سرسری نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نام نہاد مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ رہا، چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار، شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس مذہب میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باغی اباحیت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیا، شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ و اوہام، قتل و غارت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحیت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تسکین کا علاج اور صیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ، مشرق کی مجوسی اور مریض ذہنیتوں کا مرکز توجہ بن گیا۔

اہلِ یورپ اس میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈ زیہر کا اعتراف ہے کہ:۔

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدۃ والشریعۃ ص ۲۴۱)

استعماری مقاصد کا آلۂ کار پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالمِ اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومتِ مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صیہونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمۂ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارتِ داخلہ تک نے بھی اس فرقہ کو پر امن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی حکومتوں کا فرض اب جبکہ عالمِ عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اپنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نقاب کشائی میں تفصیل میں جاتے) تو نہ صرف عالمِ عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرتِ ملی، حمیتِ دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

فری میسن روٹری اور لائنز کلب عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آرہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قرارداد کے ضمن میں زیرِ بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے

رحمی کا اظہار کیا۔ مگر اب جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارے میں نظرثانی کرنی چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور یہ بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

باب ۱۱

اسلامی معاشیات

اسلامی اور ایمانی پہلو کی کچھ جھلکیاں

معاشیات کا ایمانی پہلو

اس وقت ملک میں قحط سالی کے آثار ہیں۔ خشک سالی اور ضروریاتِ زندگی کی گرانی اور نایابی ایک بھیانک صورت اختیار کر رہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ہمارے ترقیاتی زراعتی اور معاشی منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ہماری نظریں وسائلِ معاش کے خالق سے ہٹ گئی ہیں۔ ہمارا بھروسہ ترقیاتی منصوبوں پر ہے اور ہمارا سہارا صرف وسائل و اسباب ہی پر رہ گیا ہے۔ بے شبہ ان اسباب کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اور حسبِ ارشادِ خداوندی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (تمہارے نفع کے لئے خدا نے زمین کا سب کچھ پیدا کیا) خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت اور وسائل کو کام میں نہ لانا نشاءِ قدرت کی خلاف ورزی اور احسانِ تسخیرِ کائنات کی ناشکری ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت کسی لمحہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ ہماری تمام معاشی اور اقتصادی قوتوں کا سرچشمہ خالقِ کائنات ہی ہے، اور ہم کسی بھی لمحہ اس کے جود و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ کہ اسباب کا مسبب اور وسائل کا کارساز وہی ہے — پس جس طرح کہ ہماری بجلی پاور ہاؤس کے بغیر کچھ بھی نہیں، اسی طرح اس کی مرضی اور خوشنودی کے بغیر ہمارے سارے منصوبے، ہماری زراعتی اسکیمیں اور ترقیاتی پنجسالے ہیچ اور بیکار ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لیجئے اگر وہ بارش نہ برسائے تو زمین میں پانی کے چشمے کہاں سے پھوٹیں؟ پھر کون ہوگا جو آپ کے لئے صاف ستھرا پانی لائے (فمن یأتیکم بماء معین) اور جب پانی نہ ہو تو یہ ٹیوب ویل کس کام کے؟ اور اگر دریا خشک ہوں تو ان دیوہیکل ڈیم اور اور پاور ہاؤسوں کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟ — قرآن کہتا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھو، اسباب پر نہیں۔ کیونکہ اسباب میں زندگی وہی ڈالتا ہے۔ زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی کی قدرت میں ہیں — دیکھئے وہ کتنے صاف صاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے۔

امّن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لجّوا فی عتوٍّ و نفور۔

وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ روزی کے اسباب بند کردے۔ کوئی نہیں مگر یہ لوگ اپنی شرارت اور سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے رزق و معاش کا حقیقی سامان تو آسمانوں ہی پہ ہوتا ہے۔ وفی السّماء رزقکم وما توعدون۔ پھر یہ آسمانی خیر و برکت اور خالقِ کائنات کی رحمتیں ہماری طرف کیسے متوجہ ہوں؟ اس کا جواب بھی قرآنِ حکیم ہمیں ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی دے رہا ہے۔ استغفروا ربکم انّہٗ کان غفّارًا یرسل السّماء علیکم مدرارًا۔ ویمددکم باموالٍ و بنین ویجعل لکم جنّٰت ویجعل لکم انھارا۔ (پس اے لوگو! گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہی ہے بخشنے والا۔ وہ آسمان کی دھاریں تم پر کھول دے گا اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں کے اعتبار سے اور مہیا کردے گا تمہارے لئے باغات اور نہریں۔) —— (فروری ۱۹۴۷ء)

کفرانِ نعمت کا وبال

اللہ اکبر۔ ملک و قوم کی یہ غیر یقینی اضطراب انگیز حالت، غربت و افلاس، مہنگائی اور بدحالی، باہمی جنگ و جدال، بے گناہ انسانوں کے خون کی ارزانی، یہ دھماکے، یہ ظلم و ستم، یہ تباہ و برباد الغرض چاروں طرف بربادی اور شر و فساد کا دور دورہ ہے، پوری قوم اعمال و افعال کی مکافاتی چکیوں میں پستی چلی جا رہی ہے۔ گویا اس بستی کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے جس کی مثال قرآنِ حکیم نے دی ہے جسے خدا نے ہر طرح کی عافیت، سکون، خوش حالی اور فارغ البالی سے نوازا مگر بستی والوں نے نہایت بے دردی سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ پھر خدا نے یکایک اس ساری آسودگی کو بدحالی اور بھوک و افلاس سے بدل دیا امن و عافیت کی جگہ خوف و اضطراب نے لے لی۔ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف

اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان سب گروہوں کو تنبیہہ فرمائی جو خدا کی نعمتوں کو خیر کی بجائے شر کا ذریعہ بنا کر خدا کی بستیوں کو امن و سکون کی بجائے انتشار و اضطراب سے بھر دیتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر ایسے واقعات کا ذکر کرکے انہیں للکارتا ہے کہ خدائے حیّ و قیوم اس پر قادر ہے کہ وہ دن کو ہنستے کھیلتے ہوئے اور راتوں کو میٹھی نیند سوتے ہوئے انہیں اپنے اعمال کا مزہ چکھا دے —— افأمنوا مکر اللہ ان یاتیہم بأسنا ضحیٰ وھم یلعبون۔
افأمنوا مکر اللہ ان یأتیہم بأسنا بیاتاً وھم نائمون۔

پھر کیا اس بدنصیب ملک کے یہ آئے دن کے انقلابات اور تنبیہات قرآنِ کریم کی اس ابدی صداقت کی تائیدِ مزید نہیں کر رہے۔ ملک کی شکست و ریخت پھر لاکھوں افراد کا ہندوؤں کے ہاتھوں قید و بند کے المیہ نے اسی تذلیل کی یاد تازہ نہیں کی جو بخت نصر کے ہاتھوں یہود کو اٹھانی پڑی تھی۔ سیلابوں نے کیا طوفانِ نوحؑ کا سماں نہیں باندھا اور قراقرم کے پہاڑوں کا ارتعاش تو ابھی ختم بھی نہیں ہوا۔ ان کوہستانی زلزلوں کے بعد بھی کسی باشعور قوم کو عاد و ثمود کی ہلاکت و بربادی کے قصے دہرانے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔؟

یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر غفلت و سرکشی کے حجاب اور بھی دبیز ہوتے چلے گئے۔ سنگدلی اور شقاوت کی گہرائیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا، انفرادی اور اجتماعی حقوق اور مراتب پامال ہوتے رہے۔ تمام عمرانی اور معاشرتی تقاضوں کو روند ڈالا گیا، ملّی اور اخلاقی اقدار تہس نہس کر دی گئیں۔ اسلام، جمہوریت، مساوات، اخلاق و اقدار، عدل و انصاف، حقوق اور ذمہ داریوں کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ خدا طلبی کی جگہ خدا فراموشی، حیاء اور عفت کی جگہ بے حیائی اور فحاشی ضبط و اطاعت کی جگہ بدنظمی اور انارکی، خوفِ آخرت کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی۔ ہوسِ زر کے عفریت نے حلال و حرام کی ساری حدود توڑ کر رکھ دیں۔ راعی رعیت کے حقوق سے غافل اور رعیت راعی کے آداب سے بے خبر!

ظلم نے عدالت اور فریب و عیاری نے سیاست کا روپ دھارا۔ الغرض ملک کی حالت ایک بھٹی جیسی ہو گئی جس میں کہ اب پوری قوم اضطراب، بدگمانی، خوف و ہراس میں جل رہی ہے۔ ذہنی طور پر جنگ و جدال کی آگ میں ہر ایک سلگ رہا ہے۔ آبروئے

جان و مال کا اعتماد ختم ہوا، اطمینان و عافیت کے سارے سہارے ٹوٹتے چلے گئے۔ آسائش اور خوشحالی تو بڑی بات ہے۔ ایک بڑی اکثریت کے لئے زندگی کا سدِ رمق قائم رکھنا وبالِ جان بن گیا اور ارشادِ ربانی:- فکفرت بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یکسبون۔ کا بدرجۂ اتم ظہور ہو گیا ——— (مارچ ۱۹۷۵ء)

ہولناک سیلاب نوح

ایمانی جائزہ کی ضرورت

بدقسمتی سے مسلمانوں کی فطرت بھی زمانہ کے اثرات سے کتنی عجیب ہو گئی ہے کہ دو اور دو چار کی طرح کھلی حقیقتیں اور صداقتیں بھی اب ہماری مسلم اکثریت کے لئے ناقابلِ فہم ہو گئی ہیں۔ مسلمان کی طبیعت جب تک ایمانی قوت کی گرفت میں رہی تو احساس اتنا حساس اور شعور و ادراک اتنا تیز ہوتا کہ اردگرد کے معمولی تغیرات اور چھوٹے چھوٹے انقلابات و حوادث بھی اس کے لئے صد ہزار عبرت و نصیحت کا سامان بن جاتے وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی ماحول کا جائزہ لیتا اعمال و کردار کا محاسبہ کرتا اور آفات و مصائب کی کسوٹی پر اپنے اور اپنے معاشرہ کو پرکھتا کسی ایک عزیز کسی ایک فرد کی موت سے بھی اس کی غفلتوں کے پردے چاک ہو جاتے اور سارے حقائق سامنے آجاتے۔ اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اپنی مُہر کی انگوٹھی میں یہ الفاظ کندہ کرائے تھے کہ کفی المرء بالموت واعظاً ——— انسان کے لئے موت سے بڑھ کر واعظ نہیں۔ ہمارے ایک بزرگ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

ایک دوسری حقیقت انسانوں کی مشترکہ اور مجموعی کمزوری اسباب سے غفلت برتنا

ہے۔ پھر جب وہ نتائج دیکھتا ہے تو اپنی غلطیوں کا ماتم کرنے کی بجائے نتائج کی نیرنگیوں پر چیں بجبیں ہونے لگتا ہے۔ اور جب نتائج کی تلخی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے حالات کی ایسی توجیہہ کرتا ہے جو نتائج اور اسباب سے قطعی جوڑ نہ کھا سکیں، نتیجۃً اصل اسبابِ تباہی و بربادی اسی طرح مستور و محجوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ بات قوموں کی ذلت و ادبار اور نہ سنبھل سکنے کے لئے خطرے کا آخری نشان ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری تو اس بارہ میں دوہری ہے۔ وہ نہ صرف نتائج کا رشتہ اسباب سے جوڑے گا بلکہ اسباب کی تلاش میں مومنانہ فکر و نظر سے بھی کام لے گا کہ جب تک بیماری کی اصل وجوہات نگاہ میں نہ لائی جائیں مریض کا مرض اسباب و علاج کی فراوانی کے باوجود جان لیوا ہی ثابت ہوگا۔ مومن حالات و حوادث کی مادی تاویل کی بجائے ایمانی اور حقیقی توجیہہ کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک مومن قوم کو مادہ پرست اقوام سے ممتاز کرتا ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ ہولناک ترین طوفانِ کرب و بلا اور سیلاب نوح کا جائزہ لیجئے اس کی وسعت اس کی ہمہ گیری اس کی گہرائی اس کی شدت اور امتداد اس کی تباہ کاریوں کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے۔ مسلمان قوم قرآن کو اول تا آخر نہ سہی کسی بھی ہلاک اور مخرب قوم سے متعلقہ چند آیات ہی کو پڑھ لیجئے اور پھر اس پر اپنی حالت قیاس کیجئے ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ مادی نظریات کی کوتاہ نظریوں سے حقائق کا ادراک کبھی نہیں ہو سکتا نہ مصیبت کا ازالہ بجز ایمانی طرزِ فکر کے ممکن ہے۔ قرآن کریم ایسے ہی سیلاب اور اس کے بندوں اور پشتوں کے ٹوٹنے سے تباہ ہونے والی خوش عیش و خوشحال ایک قوم کی تباہی کا ذکر کرتا ہے کہ ان پر یکبارگی سدِ مآرب توڑ کر سیل عرم چھوڑ دیا گیا، کھیتیوں اور فصلوں میں سب لہلہاتے ہوئے باغات اور پھولوں سے لدے ہوئے گلزار چٹیل میدان بن گئے اور یہ اس لئے کہ۔ فاعرضوا کہ انہوں نے اپنے رب سے اور اس کے عہد و پیمان سے اپنا رشتہ توڑ دیا تھا اور یہ تباہی و بربادی کیوں آئی اس لئے کہ ذٰلک جزینٰھم بما کفروا وھل نجزی الا الکفور

یہ سب ان کی خرمستیوں اور ناشکریوں کا نتیجہ تھا اور کیا ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں کے علاوہ کسی اور سے بھی یہ سلوک کر سکتے ہیں؟ یمن کی یہ مضبوط اور سرسبز و شاداب آبادی کہاں گئی؟ مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور ہم نے بھی ان کو قصّے کہانیاں بنا کر رکھ دیا۔ وظلموا انفسھم فجعلناھم احادیث ومزقناھم کلّ ممزّق انّ فی ذالک لآیات لکلّ صبّارٍ شکور۔

مادی اور معاشی کفر و شرک کا انجام قرآن کہتا ہے کہ یہ انجام ہر اِس قوم کا ہوتا ہے جو اپنے مادی تہذیب و تمدن میں اتنی مدہوش ہو جاتی ہے کہ مادی، عمرانی اور اقتصادی منصوبوں کے علاوہ ارادتِ الٰہی پر ایمان و اعتماد اور اسباب کے خالق اور مسبّبِ حقیقی پر یقین و ایمان کے سارے راستے اس کیلئے بند ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کے لیڈر، اہلِ حکومت، اربابِ اقتدار، صنعت کار، کارخانہ دار اور فوجی طاقت سب کے نعرے اور دعوے مادی دائرہ میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ بڑے دیوہیکل منصوبوں اور اسکیموں کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں وہ مادی اسباب و وسائل میں خود کفیل ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ وہ بیرونی امداد پر انحصار ختم ہو جانے کے مژدے سناتے ہیں، لیکن یکایک ارادۂ الٰہی ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور سارے دعوے ذلت و پستی، قحط و افلاس، تنگدستی و مہنگائی، سیلاب و طوفان، جانی و مالی مصائب اور بربادیوں کی سرکش موجوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے دو باغ والوں کے قصّے میں جس کفر اور شرک کا ذکر کیا ہے وہ یہی مادی کفر و شرک ہے جس کا ارتکاب حالات کی سنگینیوں کے دوران بھی ہم سے ہوتا رہا۔

مبغوض اقوام کا شیوہ ہم نے ٹھیک ان ہی معذّب اور مردود و مبغوض اقوام کا شیوہ اختیار کیا جو عین حالتِ عذاب میں بھی اپنے فکر و عمل کی گمراہیوں کا تدارک نہ کر سکے۔ نہ ایسے حالات میں بھی استکانت آئی نہ رجوع و انابت نہ استغفار و تضرع نہ اعمال پر اشکِ ندامت نہ توبہ کی توفیق نہ اپنے اور اپنے گرد و پیش کا احتساب اور موازنہ، بلکہ ہم نے اور ہماری بڑی سے بڑی اور اونچی ذمہ دار شخصیت وزیرِ اعظم تک نے جو اندازِ فکر اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بڑی سختی

سے سیلاب کا مقابلہ کیا جائے گا — ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا — پانی کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (مساوات) ہم اس سے نمٹنے کے لئے تمام وسائل استعمال کریں گے۔ (امروز) ہمارے ذرائع ابلاغ بھی مسلسل یہ تلقین کرتے رہے کہ سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیے۔ کہیں سے بھی اس کے اسبابِ حقیقی، مکافاتِ عمل کے نتائج اور شامتِ اعمال کے ظہور کی طرف قوم کے دل و دماغ کا رُخ پھیرنے کی صدا نہ آئی۔ اور معاشرہ کی حالت کیا تھی؟ اس کی کچھ جھلکیاں پردوں سے چھن چھن کر دیکھی گئیں تو کیسی قبیح اور گھناؤنی، کہ کہیں کہیں اپنی بستیوں آبادیوں، املاک و باغات کو بچانے کی خاطر پانی کا رُخ ہرے بھرے شہروں کی طرف پھیر کر انہیں غرق کر دیا گیا۔

عذاب بھی ذریعۂ تفریح | راوی کے کنارے اجڑے ہوئے انسانوں کی حالتِ زار دیکھتے ہوئے امراء اور اہلِ دولت کے طور طریقے ایسے تھے کہ پکنک منانے آئے ہوں۔ وہ لٹے پٹے انسانوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کے درپے رہے۔ ڈوبتے ہوئے شہروں اور اس کے مکینوں کے مال و متاع کو لوٹا گیا۔ خالی شہروں میں چوری کا بازار گرم ہو گیا اور یہاں تک کہ اس قوم کے بعض "غیور و جسور فرزندوں" نے طوفان میں گھری ہوئی بہنوں اور بیٹیوں کے اغواء، آبروریزی، عصمت دری اور بردہ فروشی میں بھی کوئی کسر نہ اٹھائی۔ بعض کیمپوں میں محصور خواتین نے اپنی دست درازیوں کے خوف سے راتیں آنکھوں میں کاٹیں اور کچھ غلط لوگوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیلاب کے نام پر چندے اور امداد کا جعلی دھندا شروع کیا۔ اور یہ بھی کہ بھری بستیاں ڈوب رہی تھیں لیکن کئی جگہ مدد کے لئے چیخ و پکار پر کسی نے لبیک نہ کہی سب کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ اور اس آسمان نے اپنی کھلی فضاؤں میں حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے انسانوں کے لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ ۱۴ اگست کی رات کو جشنِ رقص و سرود کی محفلیں بھی دیکھیں کہ یوم آزادی کی تقریبات کی منسوخی کے اعلان کے باوجود کئی اعلیٰ حکام نے ہوٹلوں میں رقص و سرود کی محفلوں کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ "چہرہ لاہور" کی رپورٹ کے مطابق لاہور سے باہر انسان طوفانِ نوح کی لپیٹ میں تھے اور ادھر ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں رقص و موسیقی اور شراب کا سیلاب آیا ہوا تھا — ادھر قدرت کا پیمانۂ صبر چھلک رہا تھا، ادھر قدرت کے یہ

باغی اور سرکش جام پر جام لنڈھا کر اپنے جام کی ہر چھلک سے اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور یہ سب ایک "مسلم قوم" کی "اسلامی مملکت" کے "اسلامی آئین" کی خوشی میں ہو رہا تھا۔ شاعر نے ایسے ہی موقعہ پر کہا ہوگا ؎

طوفانِ نوح نے تو ڈبوئی زمین فقط
میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

شقاوت کی انتہا کیا یہ سب کچھ اس ارشادِ ربانی کی ہو بہو تصویر نہیں جس میں کہا گیا ہے ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون ان کی حالت یہ ہے کہ ہم نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا مگر نہ وہ پروردگار کے آگے جھکے نہ ہی عاجزی اختیار کی۔ کیا پاکستان کو سقوطِ بنگال کے واقعۂ ہائلہ اور قیامتِ کبریٰ کے بعد اتنی جلد اتنی بڑی دوسری ہولناک نصیحت کی بھی ضرورت تھی۔ کیا ہماری غفلت موت سے بھی بدتر ہو چکی ہے؟ آئیے اپنے حالات کا محاسبہ کریں اور اپنے طرزِ عمل سے ان سوالات کا جواب مہیا کریں۔ گر جواب نہیں ملتا تو خدا کی ناطق اور زندۂ جاوید کتاب سے سنیے: اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون ولا ھم یذکرون ــــ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر مرتبہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی نہ توبہ کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ــــ (ستمبر ۷۳ء)

خیر و برکت کے معنوی اسباب

مرکزی حکومت کا نیا بجٹ (میزانیہ) ہر لحاظ سے مایوس کن ہے۔ اس کے مادی اسباب تو سامنے ہیں، کامیابی اور خیر و برکت کے جو معنوی وجوہات ہوتے ہیں، دین کی اشاعت، اسلامی اقدار کے فروغ اور ملک اور معاشرہ کے اخلاقی اور عملی تطہیر، کیا اس کے لئے ادھر ہمارے میزانیوں میں کبھی ایک پیسہ بھی رکھا گیا ہے۔ دین اور علوم دین کے بارے میں

یہی بے اعتنائی موجودہ بجٹ میں بھی موجود ہے۔ مگر کیا قدرت خاموش تماشائی بنی رہے گی؟ نہیں۔ بجٹ بڑھتے رہیں گے۔ غریبوں کی کمر ٹوٹتی رہے گی، پریشانی، ہیجان، بحران اور معاشی تعطل، گرانی اور کاروبار میں بے ایمانی کا دور دورہ بھی بڑھتا جائے گا۔ کہ مسلمان قوم کا کوئی منصوبہ، اور میزانیہ صرف ظاہری اسباب پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک قدرت کی غیبی مدد شاملِ حال نہ ہو ———— (جولائی [illegible])

سود کے ہولناک نتائج

پاکستانی وزیر خزانہ نے قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پچھلے دس سالوں میں غیر ملکی قرضوں کا سود ایک ارب ۴۴ کروڑ ۸۳ لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ یہ سود کی تباہ کاریوں کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ انفرادی حیثیت سے ہو یا قومی پیمانہ پر سود کا نتیجہ بہرحال استحصال و استبداد۔ پوری قوم کے افلاس و ادبار اور معاشی لحاظ سے دوسروں کی کاسہ لیسی ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ قومی حیثیت سے تو اس کے اثرات پورے ملک کی اقتصادی اور معاشی بدحالی کی صورت میں اور بھی شدید ہوتے ہیں، اس کے ظاہری فوائد اور منافع اگر کچھ ہوں تو چند روزہ ہوتے ہیں۔ امریکہ کی مثال لیجئے جس نے سود کے بل بوتے پر پوری انسانیت پر غلبہ اور استعمار کی عمارت کھڑی کی، مگر اسی نظام کی بدولت آج اس کا خزانہ سرمایہ صرف آدھا رہ گیا ہے۔ اور اکثر مغربی ممالک معاشی بحران سے دوچار ہیں۔ کیا اتنے بڑے پیمانے پر اس سے پہلے کبھی ارشادِ خداوندی یمحق اللہ الربوا (اور اللہ تبارک و تعالےٰ مٹاتا ہے سود کو) کی صداقت ظاہر ہوئی تھی۔ ؟

(مارچ [illegible])

غیر اسلامی معاشی اصطلاحات

صدرِ محترم نے مغربی جرمنی کے انٹرویو نگار کو انٹرویو کے دوران اور پھر طویل حالیہ سفر میں بعض تقاریب میں سوشلزم کے ساتھ مارکسزم کی اصطلاح بھی استعمال کی اور ایسا "مژدہ" سنایا کہ گویا وہ اسلام کے ساتھ اب مارکس ازم کی پیوندکاری بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ظلمت و نور، حق و باطل، مذہب و الحاد، مادیت اور روحانیت کا اجتماع بہرحالت میں ناقابلِ فہم ہے۔ مساوات کے بعد سوشلزم اور اب سوشلزم کے بعد مارکس ازم! اناللہ... سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کتنے اور "تجربات" کرانے ہیں؟ ان غیر محتاط اصطلاحات اور دعوؤں نے ہمیں کہاں پہنچا دیا؟ عبرت کی نگاہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں کھلتیں کیا ہمارے قلوب بالکل مسخ ہو چکے ہیں؟ اور اللہ کے قانونِ احتساب اور اعمال کی شامت کا ہمیں کوئی احساس نہیں رہا؟ اور ہمیں اس سے بھی بدتر یوم الحساب کا انتظار کرنا پڑے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل —— (جون ۷۲ء)

سوشلزم کے دعویدار اور سود کی وکالت

ہمارے وفاقی وزیرِ خزانہ رانا محمد حنیف صاحب نے بجٹ ۷۶ء پر تقریر کے دوران یہ مژدہ سنایا کہ حکومت "ربا" کو ختم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سوال ابھی زیرِ غور ہے کہ موجودہ سود اور سودی نظام "ربا" کے تحت آتا بھی ہے یا نہیں —— اس کے جواب میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہا جائے۔ "ربا" کے خاتمہ پر "غور" کا سلسلہ تو اس "عوامی اور اسلامی حکومت" کے قیام سے لے کر اب تک جاری ہے۔ مگر اب تو سرے سے موجودہ سودی نظام کی غیر اسلامی اور

تو انسانی حیثیت بھی مشتبہ بنادی گئی اور یہ ان لوگوں کی زبان سے جو دعویدار تو سوشلزم کے ہیں۔ مگر آج وکالت مغرب کے ملعون سرمایہ دارانہ نظام کی سودی معیشت کی کر رہے ہیں یہی لوگ تھے جو دو سال قبل اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی سود کی بندش سے متعلق قرارداد کو "ہماری اکثریت" سے مسترد کر چکے ہیں۔ اگر سودی نظام ختم کرنے کی بات ہے تو اس کے لئے نہ تو اندیشہ ہائے دور دراز کی ضرورت ہے نہ شیطان کی آنتوں سے بھی لمبے غور و فکر کی۔ بس ایک مومنانہ جرأت اور ایمان و یقین سے بھرپور پیشقدمی کی ضرورت ہے۔ متبادل راہیں خود بخود آگے بڑھ کر ہمارے قدم چومیں گی۔ (رجب ۹۵ھ)

انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبہ نصح و خیرخواہی کی بنا پر "جماعت اسلامی" سے ایک گذارش کرنی ہے جو کسی قومی و ملی موڑ پر حکمتِ عملی کا سہارا لے لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ میں "کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع اور وسائل بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں"۔ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برآری کی خاطر جماعت نہ صرف یہ کہ طریقِ کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو سیاست کے ترازو پر چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سو اور دو سو ایکڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ۱۰۰ بیگھہ تک محدود کر دی گئی ہے اور تمہید میں کہا گیا ہے کہ "غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں"۔ قطع نظر اس بات سے کہ شریعت کا مذکورہ قاعدہ کن حالات اور کن غیر معمولی تدابیر پر منطبق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے نہ تو زمین کے بارہ میں کسی قسم کی تحدید کی ہے اور نہ دیگر اموال و املاک میں انفرادی اور شخصی ملکیت کی کسی قسم کی

حد بندی گوارا کی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے جتنی بھی ملکیت حاصل کی جائے شریعت نہ صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالےٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی مسئلہ میں تحریف اور تجدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیت سے نہیں روکتا البتہ وہ مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ و عشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانونِ میراث تحدیدِ ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر لامحدود کو محدود بنانے کا یہ منصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشرہ کی حق تلفی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسہ سے نہیں روک سکتے۔

حکمتِ عملی کی پالیسی ہمیں حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قینچی چلا کر فساد کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہرحال اپنی جگہ رہے گا، جماعت اسلامی اسے ہماری ناعاقبت اندیشی سمجھے یا بزدلی ہم تو ایسی حکمتِ عملی کو بہرحال دین کے لئے زہرِ قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیتِ زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے "غیر معمولی تدبیر" اور دین کے اصول سے "غیر متصادم" قرار نہ دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو وہ ضمانت ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی چاہا اس نے کسی چیز کو اصول اور جب چاہا تو "اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم" کا فتویٰ لگا کر اسی اصول کو حکمتِ عملی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصولِ اسلام کی اس بے دردی سے پامالی، جنگِ آزادی میں جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو لات اور منات کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت

کی امارت اور حکومت کو ہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، کبھی یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا، انتخابی جدوجہد کو خلافِ شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلہ روزگار بن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر گری پڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیقِ جادۂ منزل بتایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں گو دا سے عارضی کہا گیا، ایک ایسا موقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ رہا تھا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا معلوم نہیں جماعت کے عمائدین اس نئے اجتہاد اور حکمتِ عملی کی کیا توجیہ کریں، تاویل جو بھی کریں مگر یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ فلاں فلاں صحابیوں نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آ سکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، اتنی بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر نواب ایسا ہے کہ صد در شہرِ شمار روز کنند ـــ اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس موقف کو قابلِ سماعت قرار دیا ہے۔ تعدیلِ صحابہؓ اور دیگر علمی و فقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں[1] کے بارہ میں جماعت کا یہی عذرِ گناہ سامنے آ چکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو، یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ اب رہا ملکیتِ شخصی کو سلب کرنا یا اسے محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے نہ تو اس کی تحدید کی جا سکتی ہے اور نہ عصرِ حاضر کے لادینی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آیت اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہر ثبت کر دی ہے اور

---

[1] مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ مسلمان ہیں نہ کافر (س)

قرآن کی بے شمار آیتیں اس جملہ فھم لھا مالکون (پس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہاں متصلاً اللہ نے یورثھا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے۔ قل اللھم مالک الملک کے ساتھ تؤتی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذھب والفضۃ کے ساتھ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی ملکیت کا اعلان کر رہی ہے، پھر وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، اعتاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، رہن، قرض، صدقہ، وصیت، میراث وغیرہ اس تصرف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی اولین علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، اور استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور مزدور، سب دونوں کو ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ (حدیث: خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں) ارشاد نبوی ہے۔

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی خرابیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے بھیجے ہوئے عادلانہ نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پامالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے سہے سکھ اور چین سے محروم ہو جائے بلکہ پوری قوم چند خونخوار درندوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے۔ اسلام کے مذکورہ تمام اصول کو ایک طرف رکھ کر ایک مدت کے [illegible] کہ سوشلزم آ جاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حق ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام [illegible]

اور وسائلِ معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اس کے تمام حقوق دلا دے گی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرہ سے ہو جس کا مشت نمونہ خروار ۳۰۳ بدعنوان افسروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا حل و عقد اس بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اُسے نذرِ سیلاب بھی کر دیتی ہے، اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے فائل داخل دفتر کر دیتی ہے — تو خدارا ذرا سوچیے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا — ؟ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبۂ آخرت کی، اور نہ کسی کو تنقید اور نصیحت کی۔

مساوات یعنی مواسات استحصال نہیں احتساب

اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو ہر لمحہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غضب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مر جانے کی خبر سنتا ہے تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبۂ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے اس سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مواسات پر رکھی وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بنیاد ہی سے حل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم کو [illegible]

دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی ہی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے۔ "تاریخ کی مادی تعبیر" بڑا تازہ جائزہ حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے [illegible]

کہ روس میں سوشلسٹ نظام ناکام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح وشہد شاہد من اہلہا کا ایک نمونہ سامنے آگیا ——— الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی ہلاکت سے بچنے اسلام جیسا نسخۂ کیمیا موجود ہے۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ نہ تو ہم نے اسے آج نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا ومن لم یذق لم یدر۔ ؎

چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بے خبری سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا ہمارے عوام نے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ جو اپنی کمین گاہ تک پہنچا کر رہی سہی پونجی سے بھی انہیں محروم کر دے گا۔ بات ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کا ختنہ کراتے وقت عموماً بچے کو اِدھر اُدھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور ختنہ کا عین موقعہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں وہ دیکھو سونے کی چڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قابو میں ہے۔ بچہ شوق سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم کی مثال اسی "سونے کی چڑیا" کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں ——— (فروری ۷۰ء)

اسلام اور دیگر معاشی ازم

ریشم میں ٹاٹ کے پیوند

کتنا بڑا ظلم ہے غریب اسلام پر جو غیروں سے نہیں نام نہاد پیروؤں کے ہاتھوں اس پر ہو رہا ہے۔ جو لوگ "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی کیپٹل ازم" کے نعرے لگا رہے ہیں وہ اسلام کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے۔ یہ محض ان لوگوں کی ذہنی غلامی، احساس کمتری، فکری بے مائگی اور اسلام سے بے خبری کا ثبوت ہے کہ اسلام کی جامعیت اور

ہمہ گیری، اس کی صداقت اور عدالت ثابت کرنے کے لئے اس پر اشتمالیت اور اشتراکیت یعنی بالشویسٹ ازم یا استحصال و سرمایہ داری یعنی بورژوائی کیپٹل ازم کا پٹہ لگا رہے ہیں۔ یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں تخریب ہے۔ ایک "خدائی دین" جو نہ صرف معاشی بلکہ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر لحاظ سے کامل و مکمل "عادلانہ نظام" ہے۔ اس کا رشتہ نہ تو مہاجنی نظام سے جوڑا جا سکتا ہے جس کی بنیاد غریبوں کی خون کی کمائی کے جبری استحصال پر ہو، اس کی ساری رونق سود خواری، ساہوکاری، ذخیرہ اندوزی، وزنیمہ و استبداد سے ہو اور نہ تو اسلام کی کڑیاں اس نام نہاد سوشلزم سے ملائی جا سکتی ہیں جو خود اس مہاجنی نظام" کا طبعی ردِ عمل انسانی ذہنوں کی پیداوار اور معاشی بداعتدالیوں کا غیر فطری نمونہ ہے۔ جو سلطنت اور سٹیٹ کو رب العالمین کا درجہ دیتی ہے اور زندگی کے میدان میں ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ اسلام کی حقیقت سے بے خبر دوستو! کبھی اس سرخ دیوار کے اندر جھانک کر بھی تم نے اس غیر فطری نظام (کمیونزم) کو دیکھا ہے؟ اُدھر سرمایہ داری کے ظلمت کدۂ یورپ میں انسانی اقدار کا جو خون ہو رہا ہے کیا تم اس سے بے خبر ہو؟ کیپٹل ازم کا یہ دیس تو آج موت اور خودکشی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ انسانیت وہاں سسک رہی ہے۔ کیا ہمدردی اور اخوت، اخلاقی و نسلی رشتے وہاں موجود ہیں؟ ان کے معاشی نظام نے انہیں چین و سکون کی دولت بخشی ہے؟ کیا ساری دنیا اس کی معاشی دستبرد سے نالاں نہیں؟ ان سفید فام "درندوں" اور انسان نما "بھیڑیوں" کی بستی میں انسانیت اور انسانی عظمت و تقدیس کس بری طرح ذلیل و خوار ہو رہی ہے؟ پھر اسلام پر بھی تو ایک نگاہ ڈالو۔ قرآن و حدیث کے جھروکوں میں ذرا جھانک کر تو دیکھو۔ تمہیں توازن و اعتدال، ایثار و محبت، عدل و انصاف، پاسداریٔ حقوق، سکون و اطمینان کی ایک جنت نظیر زندگی نظر آئے گی جو خالقِ کائنات کی "لاہوتی ہدایات" سے جگمگا رہی ہے۔ تمہارے معاشیات و اقتصادیات کا وہ کون سا عقدہ ہے جس کی گرہ اسلام نے نہیں کھولی؟ اور جس کے لئے تم غیروں کی کاسہ لیسی کرتے پھرو؟ اخلاق و معاش اور مبدء و معاد کا وہ کون سا مسئلہ ہے جس کو اسلام نے الجھا چھوڑا ہو کہ تم اشتراکیت اور سرمایہ داری کے ذریعہ اسے سلجھانا چاہتے ہو۔ اسلام ایک مستقل نظریۂ حیات اور لائحہ عمل رکھتا ہے۔ وہ ایک کامل، معتدل فطری نظام ہے جسے نہ تو سوشلزم سے کوئی نسبت ہے اور نہ سرمایہ داری سے آخر ریشم میں ٹاٹ کے یہ پیوند کب تک لگاتے رہو گے؟

؏ چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(دسمبر ۶۷ء)

پیٹ اور رزق کا مسئلہ

پیٹ اور رزق ۔ عصرِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے گویا ڈیڑھ بالشت پیٹ اور معدہ نے پوری دنیا اور اس کی اخلاقی اور دینی اقدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کمیونزم، [illegible] سوشلزم وغیرہ خوش نما ناموں کے ذریعہ اسے سلجھانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ مگر مسئلہ بدستور اپنے حال پر قائم بلکہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے۔ اگر ایک طرف مغربی سرمایہ دارانہ نظام "بہیمیت" انسانیت کو ہڑپ کر رہا ہے تو دوسری طرف مشرق کی اشتراکیت اپنے حقیقی رنگ و روپ میں سامنے آ رہی ہے جو مساوات کے پردہ میں استحصال، اجتماعی سرمایہ داری اور استبداد و استعمار کے سوا کیا ہے؟ ایک مرکوز اور جابرانہ نظام، زرعی و صنعتی غرض انسان کی ہمہ جہتی ترقی میں زبردست رکاوٹ کے سوا اور کیا ہے؟ اشتراکیت یورپ کی غیر فطری معاشیات کا ردِ عمل تھا۔ مگر دم توڑتی ہوئی اشتراکیت کا ردِ عمل کتنا شدید اور ہولناک ہوگا؟ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جن لوگوں کی نظر اسلام کے معتدلانہ نظامِ معیشت اور فطری اقتصاد کے بارہ میں بالکل سطحی ہے یا جو اپنی فکری کج روی اور سلامتِ طبع سے محرومی کی بنا پر اسلام کے بارہ میں انتہائیت یا لا ادریت کا شکار رہے ہیں ان کی نگاہیں بھی ان غیر فطری نظام ہائے معیشت کی طرف اٹھتی ہیں فکرِ سلیم سے محرومی کی وجہ سے نگاہوں پر پردے پڑ گئے ہیں اس کے [illegible] کوئی مغربی اشتراکیت کو اسلام سمجھ بیٹھا ہے اور کوئی کمیونزم کو اسلام کے معاشی تقاضوں کی تکمیل سمجھ رہا ہے۔ (اکتوبر ۷۰ء)

بیت المال یا مالیاتی نظام

[illegible]

چند افراد کی مترفانہ فضول خرچیوں کے سامنے تو قرونِ مظلمہ کی الف لیلوی داستان بھی ماند پڑ جائے مگر انسانوں کی اکثریت نانِ جویں کے لئے ترستی ہے۔ پڑھئے اور اندازہ لگائیے:۔

"یونان کے ارب پتی اوناسس اور ان کی نو بیاہتا بیوی جیکولین نے گذشتہ سال اپنی شادی سے آج تک سات کروڑ سے دس کروڑ تک روپیہ خرچ کئے۔ امریکی اخبارات نے اپنے اس انکشاف میں لکھا ہے، کہ اوناسس کی رہائش گاہوں کی تعداد ۷ ہے۔ ان میں ہوٹل کارلو، پیرس، ہوٹل [illegible]، یونان، نیو یارک کی رہائش گاہ اور ہوٹلوں کے مستقل کمرے، جہاز کرسٹینا اور یونانی جزیرہ اسکورپیس شامل ہیں۔ یہ جوڑا ۱۱ لاکھ روپیہ فی ہفتہ کس طرح خرچ کر رہا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی خاتون جیکولین نے [illegible] کے مکان کی جدید آرائش پر پچاس لاکھ روپیہ خرچ کیا ـــــ کاش! مسلمان خلفاء و سلاطین کے محلاتی افسانوں اور عیش و عشرت کے بڑھا چڑھا کر رنگین افسانوں کو گھڑنے اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والا مؤرخ اپنی ایک نظر اس خاتون کی اس [illegible] پُرتعیش زندگی سے بھی کرے جو بے انتہا فضول خرچی کی یہ کیسی مثال ہے کہ امریکہ کی خاتون اول کی ہے جہاں سب سے بڑا مسئلہ اب بھی وہاں کے ذمہ دار اخبارات کے نزدیک افلاس اور غربت ہے۔"

مسلمان تو کیا دنیا کی ساری ہی اقوام نے مل کر بھی زر پرستی اور لطف اندوزی کا اتنا میلہ منعقد نہ کیا ہوگا جتنا ابھی اسی امریکہ نے سجا رکھا ہے جو آج انسان کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا دعویدار بن کر انسانی لاشوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔

یہ تو معاشی جرم آوری کی ایک مثال تھی۔ اخلاقی اور انسانی اقدار کی پامالی جس بے دردی سے ہو رہی ہے اس کی ایک جھلک وہاں کے جنسی اور اخلاقی جرائم کے بڑھتے ہوئے اعداد و شمار سے دیکھی جا سکتی ہے جو [illegible] بڑھتا جا رہا ہے [illegible] اخلاقی اقدار [illegible] ذلت میں گرتا جا رہا ہے۔ [illegible] انسانی [illegible] کتاب [illegible] ہے۔ [illegible]

باب ۱۲

قرآنِ حکیم اور سیرتِ رسول ﷺ

اصل وابستگی اور حقیقی یاد

نزولِ قرآن کا حقیقی جشن

اسلامی دنیا آج کل نزولِ قرآن کا چودہ سو سالہ جشن منا رہی ہے۔ قرآنِ حکیم کی شکل میں نعمتِ خداوندی اور دین کی تکمیل بلاشبہ مسلمانوں پر خداوندِ کریم کا خاص احسان ہے۔ جس کی وجہ سے اگر زندگی کا ہر لمحہ خوشی سے معمور ہے تو اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اس نعمت کا بدلہ اور شکریہ صرف یہی ہے کہ اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق بنایا جائے۔ قرآن کا تقاضا ایک ہی ہے۔ جو چودہ سو سال قبل بھی یہی پیغام تھا آج بھی ہے اور قیامت تک یہی مطالبہ رہے گا، کہ اس پیغام کی سچائیوں اور صداقتوں کا صدقِ دل سے اعتراف کر لو۔ اور پھر اپنی ہر خواہش اور صلاحیت اس کی مرضی پر ڈال دو۔ وہ ہم سے تسلیمِ تام اور انقیادِ کامل چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان کا نام دیا ہے۔ یعنی سب کچھ اس کی خوشی پر قربان کرنے والا۔ یہی قرآن کا جشن ہے اور یہی اس کی یاد۔ اگر ہماری زندگی اس پر عمل سے خالی ہے تو نرے جشنوں، نعرہ بازیوں اور نمائشوں کی خدا کی بارگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ مگر جو قومیں عمل سے محروم ہو جاتی ہیں وہ ہمیشہ اپنی روح اور اپنے ضمیر کو ان ظاہری فریب کاریوں کا سہارا دینا چاہتی ہیں۔ یہی معاملہ آج قرآن کریم سے ہے اور حضور ختمی مرتبت کی اس پیشینگوئی کا ظہور ہو رہا ہے کہ قرآن کا صرف نام رہ جائے گا۔ ولم یبق من القرآن الا رسمہ۔ چنانچہ قرآن کے ساتھ یہ ظاہری تعلق بھی مذہب سے لگاؤ کی علامت ہے اور اس لحاظ سے خوشی کا مستحق۔ مگر حقیقی مسرت تو جب ہونی چاہیے کہ ہر مسلمان اپنے عمل اور کردار سے قرآن کا جشن منانے لگے۔

قرآن سے انکار کرنے والے جشن میں پیش پیش

جشنِ قرآن کی تقریبات میں بعض ایسے افراد اور ادارے بھی حصہ لے رہے ہیں جنہیں قرآنِ حکیم کی چودہ سو سالہ تشریح اور تعبیر سے اتفاق نہیں اور

وہ اسے راسخ العقیدہ گروہ کی روایات پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور نئے تقاضوں کی روشنی میں قرآن مجید کی نئی تعبیر کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں جشن منانا تھا تو کچھ عرصہ انہیں اور انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ نزول قرآن پر کم سے کم چودہ سو ایک سال گزرنے کے بعد نئی تعبیرات کا "ایک سالہ جشن" منا لیا جاتا۔ اب جب قرآن کی تعبیرات اتنی سخت جان ہیں کہ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں انہیں مٹایا نہیں جا سکا۔ تو ان لوگوں کا ایسے جشن منانا کیا منافقانہ چال تو نہیں؟ انہیں تو دراصل ماتم اور یاس کی محفلیں لگانی چاہیئے تھیں ایسے جشن مسرت کا حقدار تو وہی راسخ العقیدہ گروہ ہے جس کی انتھک جدوجہد علمی جانکاہی، دینی ثقافت، خداداد فہم و فراست اور تقویٰ اور تدین کے صدقے اہل زیغ و الحاد کی دست اندازیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن حکیم اپنے معانی اور تشریحات کے ساتھ محفوظ رہا۔ انہوں نے قرآن کریم کے منقول و متوارث مفہوم اور تعبیر کو جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھا۔ قرآن کریم کی حفاظت جس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ دراصل اس کے معانی تشریحات اور سنت کی حفاظت ہی کی شکل میں ہے۔ اگر دین و شریعت کی شکل میں قرآن کے مفاہیم محفوظ نہ ہوتے اور ہر کس اسے اپنی من مانی تاویلات اور تعبیرات کا جامہ پہنا سکتا تو صرف الفاظ کی حفاظت کا کوئی فائدہ نہ رہتا۔

قرآن بیزار نصاب تعلیم پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر چوہدری محمد علی صاحب کا یہ بیان پوری قوم کو چونکا دینے والا ہے کہ اس مرتبہ یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ سنٹر میں داخلہ لینے کے لئے جتنے مرد اور خاتون امیدوار آئے ان میں سے ایک کو بھی قرآن مجید کا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنے والدین کو بھی قصوروار ٹھہرایا جنہوں نے انہیں اسلامی مبادیات اور قرآن مجید کی تعلیم سے کورا رکھا۔

اگر مسلمانوں میں کچھ بھی جذبۂ ملی باقی ہے تو دل دہلا دینے والی یہ خبر [illegible] تلافی کے لئے کافی ہے۔ اور یہ حالت تو قوم کے اس طبقہ (طلبہ) کی ہے جنہیں مستقبل میں ایک اسلامی ریاست پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ اور جو ثانوی تعلیم کے [illegible] دہائی اور مڈل سکولوں کے تمام مراحل سے گزر کر تعلیمی فرائض معلمی اور ٹیچنگ کی امیدوار ہے۔

مذہب سے یہ مجرمانہ غفلت جہاں بچوں کے سرپرستوں اور پوری قوم کی دین سے عمومی بیزاری کی دلیل ہے، وہاں یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے، کہ اس خرابی کا بنیادی سبب وہ ناقص اور مذہب بیزار نصابِ تعلیم ہے، جو ہماری عصری تعلیم گاہوں میں رائج ہے اور جس میں زندگی کے بارہ تیرہ سال کھپانے کے بعد بھی قوم کے نونہال اپنی بنیادی کتاب قرآنِ مجید کے ناظرہ تک پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ چوہدری صاحب کا یہ انکشاف اس حقیقت کا غماز ہے کہ نصاب میں "لازمی دینیات" کے نمبر محض "وزنِ بیت" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا یہ بیان پوری قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

قرآنِ مجید کا بطورِ فیشن استعمال

پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی پشاور میں "جشنِ خیبر" کے نام سے ایک نمائش ہو رہی ہے۔ جس کا افتتاح ڈویژنل کمشنر کی خواہش پر مجلسِ قرأت سے ہوا۔ کمشنر صاحب نے افتتاحی تقریر میں قرآن مجید کے "کتابِ ہدایت" ہونے کا بڑے زوردار الفاظ میں ذکر کیا، اور فرمایا کہ قرآن مجید دینی و دنیاوی تمام انسانی فلاح اور سعادت کا ذریعہ ہے۔ جہاں تک ان پاکیزہ خیالات اور جذبے کا تعلق ہے۔ اس کی ستائش و تحسین کرتے ہوئے ہم اس شدید درد و غم کو چھپا نہیں سکتے، جو ہمیں اس جشن کے بعد کے واقعات کی تفصیلات معلوم ہونے پر ہوا۔ جس تقریب کا افتتاح تلاوتِ قرآن پاک سے کیا گیا، بعد میں اس کی کئی کئی راتیں موسیقی اور رقص و سرود کے محافل کی نذر ہوئیں۔ [illegible] انہیں اسی سطح پر [illegible] بیرونِ ملک [illegible] کے سامنے [illegible] اور ناچتی رہیں۔ محض ملکی کلچر اور ثقافت کے نام پر بار بار دہرایا جاتا رہا۔ پہلوانوں کے دنگل ہوتے رہے۔ آرٹ کی نمائش ہوتی رہی جس میں [illegible] کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ ہر ایک اسٹال پر مردوں اور عورتوں کا بے تحاشا اختلاط اور ہجوم، غرض عزت و عصمت کا آبگینہ ہر طرح سے چور چور ہوتا رہا۔ اور معلوم نہیں یہ سلسلہ مزید کتنے دن تک جاری رہے گا۔ اگر اس تقریب کا مقصد صرف ملک کی صنعتی ترقیات

کی نمائش اور قومی روایات کا ابھارنا ہوتا تو اس کی افادیت میں کیسے کلام ہو سکتا تھا؟ جب اس جشن کا ہیولیٰ ان عناصر سے تیار کیا گیا تھا تو کاش اس کا افتتاح ہی قرآنِ مجید سے نہ کیا جاتا۔ جب تک قرآنِ مجید ہمارے عمل و کردار کے ایوانوں سے خارج ہے۔ اور ہمارے دلوں کی دنیا اس کی روشنی سے معمور نہیں، اس وقت تک قرآن مجید کا یوں بطورِ فیشن استعمال دعوتِ ربانی اور حجتِ الٰہی کے اتمام کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اتمامِ حجت کے بعد ایسی فروگذاشتیں قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔

کاش! اس صحیفۂ ہدایت کو ہم واقعی معنوں میں اپنی زندگی کے لئے ضابطۂ عمل اور مینارِ ہدایت بنا سکیں۔ جون [illegible]

مجالس قرأت یا خدائی عدالت

پچھلے دنوں ملک کے مختلف گوشوں میں قرأت کی محفلیں منعقد ہوئیں، قرآن کریم سننے کے لئے مسلمانوں کا ذوق و شوق قابلِ دید تھا، قرآن کا پڑھنا اور سننا افضل عبادت ہے کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے۔ اب آئندہ کوئی روشنی کوئی دوسرا پیغام حیات آنے والا نہیں۔ مشیت ایزدی یہ چاہتی ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ خدا کی اس آواز سے محروم نہ رہے تاکہ کل کسی کو عذر نہ ہو کہ ہمیں حق کی روشنی نہ پہنچی۔ کہ وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ پیغام رسالت اس تک پہنچا نہ دے ـــــ یہ قرأت کا اہتمام ـــــ یہ دنیا بھر کے نشریاتی سٹیشنوں سے اس کی اشاعت ـــــ یہ خدا فراموش بندوں کی بستیوں میں اس کی تلاوت کے انتظامات ـــــ قدرت کی طرف سے اپنی حجت کا اتمام ہے۔ اس لئے یہ ماسکو سے بھی نشر ہو رہا ہے اور لندن سے بھی، پیکنگ سے بھی سنایا جا رہا ہے اور واشنگٹن سے بھی۔ لیظہرہ علی الدین کلہ اس کی قرأت کا یہ عالمگیر انتظام اس منشاء ربانی کی تکمیل ہے کہ کل قرآن ان پر گواہ استغاثہ بن سکے ان سننے والوں پر جنہوں نے اس کی پرتاثیر آواز اور طرزِ بیان کا لطف اٹھایا۔ سارے ماحول کو جھومایا، مگر دل کی دنیا روشن نہ کی۔ نہ اس کی روشنی میں اعمال و کردار کو سنوارا ـــــ یہ ان پڑھنے والوں پر بھی حجتِ الٰہیہ ہے جن کے اندازِ بیان پر سارا ماحول جھوم گیا، کائنات تھرا گئی، مگر خود ان کے گلوں کے نیچے ان کی دنیا میں کوئی اضطراب نہ اٹھا کہ وہ سیرت کو کیا لذتِ صوت کو تو اس کے سانچے میں ڈھال دیتے ـــــ یہ قرآن ان علماء و مشائخ کے خلاف استغاثہ ہوگا جو اس کے اسرار و معارف اور لطائف و حکم پر سر دھنتے رہے مگر اس کی دعوت اور تقاضوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے ـــــ یہ ان حکام اور امراء کے خلاف حجت ہوگا جنہوں نے ان مبارک مجالس کے انتظام میں بڑی دلچسپی دکھائی مگر اس کے احکام و تنبیہات پر عمل کرنے اور کروانے سے گریز کرتے رہے۔

قرآن کو مہجور بنانے والے! یہاں تک کہ چند ہی دنوں بعد انہوں نے انہی شہروں میں جو قرآن کی دعوت سے گونج رہے تھے، روسی ثقافتی طائفہ کی تقاریب منعقد کیں۔ ان کے رقص و سرود کا

اہتمام کیا اور جس کی آفرین و ستائش، استقبال و تحسین میں قوم کی اکثریت اور وہ صحافت بھی شریک ہوئی جو دو مہینے قبل قرآن سے اپنی شیفتگی اور وارفتگی کا اظہار کر چکی تھی — عمل و کردار کے ایسے ہی تضاد کے موقع پر کہا گیا ہے کہ ؎

معشوق ما بہ شیوۂ ہر کس برابر است
با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

عمل تلاوت یا خدائی عدالت | یہ تلاوتِ قرآن کی نقلیں خدائی عدالتیں ہیں۔ اس دور میں مشیتِ ایزدی نے پوری دنیا کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے، تاکہ وہ "مالک یوم الدین" قیامت کے دن اتمام حجت کے بعد اپنا فیصلہ سنا سکے اور قرآن کا استغاثہ اس کو پس پشت ٹھکرانے والوں کے خلاف ظاہر ہے — یا رب[1] انّ قومی اتخذوا ھذا القرآن مہجورا۔

وقال علیہ السلام[2] ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین (مالک عن نافع عن ابن عمر) — وقال انس بن مالک رب تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہ[3] (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۸۱) — وقال علیہ السلام اقرء القرآن ما نہاک فان لم ینہک فلست تقرءہ[4] (احیاء العلوم ج ۱ ص [illegible]) — وقال علیہ السلام ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ[5] (احیاء العلوم ج ۱ ص [illegible])

(ج ۲۔ ش ۲۲ [illegible] ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ)

---

[1] رسول پاک اپنے رب سے شکایت کریں گے کہ میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ [2] حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے بعض اقوام کو بلندی دیتا ہے اور اسی کتاب کو بعض اقوام کے ہلاکت و زوال کا موجب بناتا ہے۔ [3] حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایک شخص تلاوت کرتا ہے اور قرآن کریم اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ [4] قرآن جب تک تمہیں برائیوں سے روکتا ہے تو اسی وقت تک تلاوت کرتا ہے اگر ایسا نہیں تو تلاوت بھی تلاوت نہیں۔ [5] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے قرآن کے محرمات سے حلال جیسا برتاؤ کیا وہ درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں لایا۔

سیرت کی اہمیت اور جامعیت

رسولؐ اور امت کے باہمی حقوق

سیرت طیبہ کے ایک اجتماع میں کی گئی تقریر جسے ٹیپ سے من وعن ضبط کیا گیا ہے

یاایها النبی انا ارسلناك شاهداً و مبشراً ونذیرا وداعیاً الی الله باذنه

وسراجاً منیرا۔ لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة واصیلاً

وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔

محترم بھائیو! آج اس تقریب کی شکل میں ہم سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین کی بارگاہِ اقدس میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہیں۔ اور یہ خراجِ عقیدت کیا چیز ہے؟ اگر آج کے دن دنیا کے ایک ایک غلام مل کر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں اور سب کے سب حضورؐ پر نثار ہوں تب بھی حضورؐ کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

سیرت کی وسعت اور ہمہ گیری محترم دوستو! آج ہم اس تقریبِ سیرت میں نبی کریم علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کے بارہ میں کچھ کہنے سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور میں حیران ہوں کہ حضور نبی کریمؐ کی سیرتِ طیبہ کے بارہ میں اس مختصر وقت میں اپنے علم کے ساتھ کیا کہوں۔ اور یہ تو وہ مقام اور موضوع ہے، جہاں جنیدؒ و شبلیؒ اور عطارؒ و جامیؒ کی سانس رک جاتی ہے۔ اور جہاں امام رازیؒ اور امام غزالیؒ جیسے بزرگانِ امت بھی محوِ حیرت ہو جاتے تھے تو ہم سب مل کر بھی حضورؐ کی سیرت بیان کرنا چاہیں تو کیونکر حق ادا نہیں ہو سکتا

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم

ہمارے سامنے حضورؐ نے ایک پورا نظام رکھ دیا ہے جسے اسلام سے، دین سے، شریعت سے اور سیرتِ طیبہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ نبویؐ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کا اگر خلاصہ کسی لفظ میں نکل سکتا ہے تو وہ ہے سیرت۔ اب ایک طرف شریعتِ اسلامیہ کی جامعیت، ہمہ گیری، تعلیماتِ نبویؐ کی وسعت، قرآن کریم کا اعجاز

عالمگیری اور ہمہ گیری، ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی مختصر وقت میں ہزارواں حصہ بھی بیان کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ ام المومنین سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ کے اخلاق مبارک کیا تھے؟ فرمایا: کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے؟ وکان خلقہ القرآن۔ حضورؐ کی سیرت و حالات حضورؐ کے اخلاق، یہ سارے کے سارے تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ الحمد سے والناس تک قرآن حضورؐ کی سیرتِ مطہرہ ہے۔ اب قرآن کیا ہے؟ فرمایا۔ لا ینقضی عجائبہ۔ اس کے مضامین اس کے علوم و معارف قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے۔ چودہ سو برس سے صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ کرامؒ، علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء طرح طرح سے اس کی شرح و تفسیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہر بار مفسر اس بحرِ مواج سے وہ وہ نکتے اور موتی نکالتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ چودہ سو برس میں اس نکتہ کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس کے علوم و مضامین قیامت تک کے لئے چیلنج بنے رہیں گے۔

جامع کامل اور لافانی اسوہ اب جب قرآن حضورؐ کی سیرت ہے تو حضورؐ کی سیرت بھی اتنی ہی جامع، اپنی وسعتوں کے باوجود قیامت تک مشعلِ راہ بنائی گئی۔ اب قیامت تک ہزاروں سال ہیں؟ لاکھوں کروڑوں سال ہیں۔ خدا کے علم میں ہے۔ تغیرات، تبدلات، انقلابات آتے رہیں گے۔ تہذیب اور تمدن بدلتے رہیں گے۔ علوم، فنون، سائنس میں، انکشافات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اور یہی سیرت ہی رہنمائی کرے گی۔ حضورؐ کا لایا ہوا قرآن ہی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اور انبیاء کرامؑ کی سیرتیں محدود مدتوں کے لئے مشعلِ راہ بنائی جاتیں سو سال، دو سو سال، پانچ سو سال، ہزار سال تک امتوں کی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر جو قیامت تک نبی بنا کر بھیجا گیا جو عرب و عجم، جو افریقہ اور جو ایشیا کے لئے اور جو کالے اور گوروں کے لئے اور جو ہر دور ہر زمانہ کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ ان کی سیرت کے ارتقائی پہلو کا کوئی حد و حساب ہو سکتا ہے؟ آسمانوں پر انسان پہنچنے کی کوشش کرے گا، ستاروں پر کمند ڈالے گا، چاند کو مسخر کرے گا، سورج پر کمند ڈالنے کا سوچے گا۔ یہ سب کچھ ہونا تھا آپؐ کے بعد۔ اور جب علم و فن اور انکشاف کے ایسے دور آنے تھے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کی سیرت ہر لحاظ سے جامع اور مکمل کیوں نہ بنائی جاتی۔ اسی

لئے تو فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

تعلیماتِ الٰہی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے چلا تھا۔ تو آج نوامیس نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اور خدا تعالیٰ نے حضورؐ اور ان کی تعلیمات اور سیرت کے ذریعہ اپنی نعمتیں مکمل فرما دیں۔ اب کسی اور سیرت کی ہرگز ضرورت نہیں اس لئے ساری سیرتیں خدا نے معدوم کر دیں اور ایک ہی سیرت کو مکمل و محفوظ بنا دیا۔ کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں۔ اب کوئی دوسرا نسخہ فلاح و نجات نہیں آئے گا۔ تو جن چیزوں سے خدا نے نعمتوں کی تکمیل فرما دی۔ اس کی تعبیر آپ سیرت سے کریں، قرآن و سنت سے کریں، شریعت سے کریں۔ اسلام اور دین سے کریں تو کر سکتے ہیں۔

قرآن مجسم تو جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا خوب فرمایا کہ حضورؐ کو قرآن مجسم بنا کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ الحمد سے والناس تک کتابی قرآن تھا تو حضورؐ چلتا پھرتا قرآن ہیں۔ زندۂ جاوید اور متحرک قرآن، بولتا ہوا قرآن۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے۔ اور جو آیات ذات و صفات سے تعلق رکھتی ہیں وہ نبی کریمؐ کے عقائد ہیں۔ جو آیات حلال و حرام اور احکام سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کے اعمال اور فرائض ہیں۔ جو آیات حسنِ خلق سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کا حسنِ معیشت ہیں۔ جو معاملات سے تعلق ہیں وہ آپؐ کا حسنِ معاشرت ہے۔ جو آیات توجہ الی اللہ، انابت الی اللہ، روحانیت اور تصوف سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کی خلوت ہے۔ جو آیات انبیاء کے قُرب، قربانیوں اور کمالات سے متعلق ہیں وہ حضورؐ کی عبدیت ہے۔ جو آیات خشوع و خضوع سے متعلق ہیں وہ حضورؐ کی شانِ عبدیت ہیں۔ جن آیات میں دعوت الی الحق، تہذیبِ نفس، تربیتِ اخلاق کا ذکر ہے وہ حضورؐ کی جلوت ہیں۔ جن آیات میں خلافت و حکومت کا ذکر ہے وہ آپؐ کی سیاست ہے۔ جن آیات میں کفر و باطل کی کشمکش کا ذکر ہے وہ حضورؐ کا جہاد ہے۔

الغرض قرآن حکیم کی زندہ اور عملی تفسیر حضورؐ نے اپنی ذات کی شکل میں پیش کر دی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ آپؐ کی سیرت کے بغیر نہ ہمیں قرآن کام دے سکتا ہے نہ ہم اچھے برے کی تمیز کر سکتے ہیں۔

ضرورتِ نبوت نبی نہ ہوتے تو بڑے بڑے عقلاء اور فلاسفہ کو ہدایت کے راستے معلوم نہ ہو

سکتے نہ سائنس اور مشاہدے سے منطق اور فلسفہ سے انسان کی رہنمائی ہو سکتی۔ خدا نے فرمایا کہ: وقضی ربك الاّ تعبدوا الاّ ایاہ۔ تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ کسی مخلوق کے آگے سر نہیں جھکانا ہے۔ عبادت، بندگی اور پرستش کی مستحق صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہوگی۔ اب عبادت کا مقصد اور اس کی حقیقت کیا ہے، طریقے کیا ہیں، یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے معبود خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی پسند۔ یہ نہیں کچھ ناپسندیدہ۔ کچھ کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے، کچھ کاموں اور باتوں سے ناخوش۔ پہلے کو مرغوبات کہیں گے، دوسرے کو نامرغوبات۔ تو اب صورت تو یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ گھر گھر، گلی گلی، کوچے کوچے اعلان کرتے پھرتے کہ ان باتوں سے خوش ہوتا ہوں اور ان باتوں سے ناخوش۔ اور دنیا کا ایک معمولی حکمران مختصر دائرے کا افسر بھی ایسا نہیں کرتا کہ ہر شخص کے پاس چل کر اپنی مرغوبات اور نامرغوبات بیان کرتا پھرے۔ بلکہ ایک حکم جاری ہوتا ہے، فرمان جاری ہوتا ہے بادشاہ کی طرف سے، اور وہ سب کے لئے جاری ہوتا ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہوتی کہ ہر شخص یہ کہتا کہ میں خود ہی کے بغیر خدا کی پسند اور ناپسند معلوم کر لیتا ہوں۔ اس کی کوئی صورت بھی نہیں تھی۔ ہم انسانی عقل کی ٹکریں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

ایک شخص عام اور فانی انسان خدا کی مرغوبات خود کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ آج ہم اپنے ہی طرح انسان کے بہت قریب ہو جائیں، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہوتا ہو مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کن باتوں سے خوش، کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے، جب تک وہ خود اظہار نہ کرے۔ ایک دوست مہمان بن کر آتا ہے، آپ اس سے معانقہ کر لیتے ہیں، دل سے دل ملا لیتے ہیں۔ مگر آپ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کون سے کھانے پسند کرتا ہے، کن چیزوں کا شوقین ہے، کن باتوں سے ناخوش ہوگا، کن چیزوں سے خوش۔ تو اللہ تعالیٰ کے پسند و ناپسند [illegible] سے وہ انسان ایک فانی انسان [illegible] کیسے معلوم کر سکتا ہے۔

[illegible]

اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کہ خداوند قدوس ایک نبی کو بھیج کر کسی ذاتِ مقدس کو منتخب کر کے
اس کو اپنی مرضیات اور نامرضیات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو خدا نے منتخب کیا نبوت، رسالت اور وحی کے ذریعہ اپنی مرضیات سے آگاہ کیا۔ نماز سے،
روزہ سے، زکوٰۃ اور حج سے خوش ہوتا ہوں، اتحاد و اتفاق اور محبت سے خوش ہوتا ہوں۔
بتوں سے، شراب سے، مارنے پیٹنے سے، باہمی شر و فساد سے ناراض ہوتا ہوں۔ یہ مرضیات اور
نامرضیات سب کے سب نبی کریمؐ کے ذریعہ سے انسانوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس ذاتِ مقدس کو خدا نے چن لیا تھا۔ اب اس نے جو کچھ کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ
خدا ان کاموں سے راضی ہوتا ہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جن سے گریز کیا وہ اس بات کی
دلیل ہے کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ تو حضور اقدسؐ کے اقوال و افعال، حرکات و سکنات،
حضورؐ کی تقاریر، یہ سب کچھ سیرت اور شریعت کہلائیں گے۔ اب وقعی ذیل (۱) تعبد و (۲) اباد۔
آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کو نبی کریمؐ کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھ
کر عبادت کے طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ مرضیات پر چلنا اور نامرضیات سے بچنا چاہو
تو آپ کے لئے ایک ماڈل، ایک نمونہ، ایک اسوۂ حسنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی
ذات ہے ——— تو شریعت اور سیرت اتنی ہمہ گیر اور جامع چیز ہے کہ سیرت کا بیان
گویا پورے اسلام، پوری شریعت اور پورے قرآن و سنت کا بیان کرنا ہوا۔ اور یہ کسی کے
بس کی بات نہیں۔

زمانۂ بعثتِ نبویؐ | مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ حضورؐ نے کیسے کیسے حالات میں اپنی بعثت
مقدسہ کے ذریعہ انقلاب پیدا کیا اور دنیا جہاں سے کہاں پہنچ گئی اور حضورؐ نے دنیا کو کس
طرح تبدیل کیا؟ تہذیب و تمدن اور ثقافت پیدا کی۔ بعثت کے وقت آپ نے اپنی قوم
کو [illegible] ہیں۔ [illegible] دنیا کی حالت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ظلم و وحشت اور بربریت سے بھر گئی تھی۔ اب حضورؐ نے آکر کیا کیا؟ ہر چیز کو اپنی جگہ پر سیٹ کر دیا۔ ہر چیز کو اس کا اصل مقام دے دیا۔

اور دنیا میں ہر طبقہ کے کچھ حقوق ہوتے ہیں ہم میں سے ہر ایک پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں۔ بیٹا ہے تو اس پر باپ کے حقوق، باپ ہے تو اس پر اولاد کا حق کہ اس کی اچھی پرورش کرے۔ والدین کا حق یہ ہے کہ اولاد اس کے آرام و راحت کا خیال رکھے، اس کے احسانات کا بدلہ دے۔ شاگرد کا استاد پر حق، ہر استاد کا شاگرد پر، رعیت کا حاکم پر، حاکم کا رعایا پر حق ہے۔ کوئی طبقہ انسانوں کا ایسا نہیں کہ دوسرے کے حقوق اس سے وابستہ نہ ہوں اور وہ فارغ البال ہو۔

رسول اور امت کا رشتہ آج یہی کوتاہی ہے کہ ہر شخص صرف اپنے حقوق کو دیکھتا ہے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ہم پر بھی کسی کا حق ہے اور کچھ فرائض بھی ادا کرنے ہیں۔ اسی طرح رسول اور امت کا رشتہ ہے۔ ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ رسول کو خدا نے امت کے لئے بھیجا تو امت کے کچھ حقوق ہیں رسولؐ پر۔ اور خدا نے وہ حقوق رسول کے ذمہ لگا دیئے ہیں کہ یہ حق امت کا پورا کرنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں رسول کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ یہ نہیں کہ رسول تو تمام حقوق پورے کر کے چلا گیا اور امت پر کوئی حق نہیں ــــ تو امت کا رسول پر یہ حق ہے کہ وہ اسے ہلاکت کی گہرائیوں سے نکال دے امت کو ظلمتوں سے نکال کر صراطِ مستقیم پر ڈال دے اور ہلاکت کی بجائے نجات دے دے۔ اچھے و برے کی تمیز سکھا دے۔ کیا حضورؐ نے یہ حق پورا کیا یا نہیں؟

رسولِ کریمؐ اور امت کے حق کی ادائیگی تو آپ میں سے سب کو معلوم ہے کہ نبیؐ نے ہمارا امتوں کا، بنی نوع انسان کا حق ایسے اچھے طریقے سے پورا کر دیا کہ اس طرح دنیا میں، کائنات میں کسی نے نہیں کیا۔ نبوت و رسالت کی ادائیگی اور دعوت کا کام جس انداز میں حضورؐ نے کیا کسی نبی نے اتنا نہیں کیا ہوگا۔ اوذیت فی اللہ ما لم یوذ احد۔ امت کے غم میں ایک ایک انسان کے غم میں حضورؐ دن رات روتے رہتے، درد و سوز میں رہتے، ایک عجیب سی بے چینی اور گھٹن کی حالت طاری ہو جاتی۔ خدا نے کہا کہ: فلعلک باخع نفسک علی آثارھم۔ میرے محبوب کیا تو غم کے مارے اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے؛ تیرا تو گلا اس غم سے گھٹ جائے گا اس بوجھ

احساس کی وجہ سے کہ انسانوں کا کیا ہوگا، امت کا کیا ہوگا، کیسے خدا کے در پر آئیں گے ایسی حالت ہو گئی جیسے کسی کا گلا گھونٹ دو۔ اس کو عربی میں باخع کہتے ہیں۔ فرمایا کہ تو نے تو فریضہ ادا کر دیا پھر احساس غم میں کیوں پڑا کہ وہ فریضہ کی ادائیگی تو فرما دی آپ نے اور فرمایا انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا۔ ہم نے تمہیں نذیر بنا کر بھیجا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف بلانے والا، اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

چراغ سے تشبیہ چراغ سے تشبیہ دی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کی [illegible] اپنی ضیا اپنے اردگرد سے دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ جلتا رہتا ہے کہ [illegible] اپنی [illegible] جب تک کہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جلتا رہتا ہے [illegible] [illegible] [illegible] شخص سراپا [illegible]۔

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

تو چراغ سے تشبیہ [illegible] حالت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مبارک سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حالت [illegible] حال۔

[illegible] [illegible] انسان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور یہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ

کنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منہا۔ تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ کوئی نجات کا راستہ نہیں تھا۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ نجات دی۔ آپؐ ایک ایک کے پاس گئے۔ اپنوں کے پاس، غیروں کے پاس، رشتہ داروں کے پاس گئے، ابو طالب اپنے چچا کو وفات کے وقت بھی کہا کہ میرے چچا میرے کانوں میں چپکے سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دے کہ میں قیامت کے دن تیری سفارش کر سکوں۔ اپنی بیٹی فاطمہؓ کو کہا یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار۔ اپنی جان کو آگ سے خود بچا۔ بیویوں کے پاس بچوں کے پاس گئے۔

اُمت کی فکر ایک ایک فرد کی فکر ہے، امت کی فکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات نماز میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک عزیزٌ حکیم۔ تو صبح تک یہی آیت دہراتے رہے۔ جو خدا سے ایک خاص انداز میں رحم اور مغفرت کی درخواست ہے۔ کہ اگر تو ان انسانوں کو عذاب دے آگ میں ڈالے تو ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب تیرے غلام ہیں تیرے بندے ہیں۔ بندہ مالک کے سامنے کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک کوئی تیرے آڑے نہیں آسکتا۔ تو عزیز ہے، اپنے ارادوں کو پورا کر سکتا ہے کوئی روک نہیں سکتا اور تو حکمتوں والا ہے۔ تو حضورؐ رات بھر اس آیت کو رو رو کر دہراتے رہے اور خدا سے امت کے لئے مغفرت کی طلب فرماتے رہے۔ کہیں سنا کہ جلسہ ہو رہا ہے، کہیں میلہ لگا ہوا ہے، کہیں مجلس میں لوگ جمع ہیں۔ وہاں پہنچ گئے۔ لوگوں کے گالی گلوچ کی پرواہ نہ کی تہمتوں کی پرواہ نہ کی۔

طائف کا واقعہ طائف کا واقعہ تو معلوم ہے کہ کس کس طریقے سے اللہ کے رسولؐ نے تبلیغ کا کیا۔ طائف جاتے ہیں جو حجاز کا گرم مقام ہے خاص موسم میں عمائدین مکہ، قوم کے بڑے بڑے جمع ہوتے تھے۔ ایک خادم حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے ایک ایک مجلس میں، بیٹھک میں گئے۔ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت پیش کرتے رہے۔ ہر جگہ طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہوئی۔ لوگ مذاق اڑاتے۔ ایک بدبخت عبد یالیل نے تو حد کر دی مذاق کی، اور کہا کہ اپنے بیٹے کیسے

پکڑوں کو تو دیکھو نبوت کے لئے خدا کو وہ شخص ملا جس کے پاس سواری کے لئے ایک گدھا بھی نہیں، اور وہ پیدل پھرتا ہے۔ شہر کے غنڈے اور اوباش پیچھے لگا دیئے اور حضورؐ پر پتھراؤ کیا کیا گیا۔ مگر وہ کہتے رہے کہ یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ۔ ادھر سے صرف یہی دعوت تھی کہ کوئی معبود نہیں سوائے رب العالمین کے۔ ادھر سے بوچھاڑ ہوتی حضرت زیدؓ خادم خاص ساتھ ہیں فرماتے ہیں کہ جسم لہولہان ہو گیا اور جوتے مبارک خون سے بھر گئے اس حالت میں حضورؐ کو شہر سے نکالا گیا۔ یہاں تک کہ سر کے بل گرا دیا گیا۔ حضرت زیدؓ نے حضورؐ کو اٹھایا، ایک پہاڑی موڑ قرن الثعلب تک اٹھا کر لے گئے وہاں ایک باغ تھا، جا کر حضورؐ کو وہاں لٹا دیا۔ حضورؐ کو ناتوانی اور خون نکلنے کی وجہ سے بے ہوشی آ گئی۔

صبر و تحمل کے سمندر میں طوفان حضرت زیدؓ نے پانی وغیرہ ڈال دیا، جسم مبارک دھویا اور آپؐ کو کچھ ہوش آیا، آنکھیں کھولیں تو اپنی بے کسی اور اپنی امت کے ہاتھوں سب کچھ جو حضورؐ پر گزر رہا تھا اس کا خیال آیا اور وہ جو صبر و تحمل کے سمندر تھے، لیکن آج آخر اس سمندر میں طوفان آ ہی گیا۔ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو حضرت زیدؓ نے اس طوفان کے چند قطرے نقل کئے ہیں جو کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ورنہ کیا کیا حضورؐ نے اللہ سے مناجات کی ہو گی۔ کیا راز و نیاز ہوا ہو گا۔ کیا شکوے اور شکایات ہوئے ہوں گے۔ اس طوفان کے چند قطرے حضرت زیدؓ نے نقل کئے ہیں کہ حضورؐ نے ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: اللھم الیک اشکو بثی وحزنی وھوانی علی الناس۔ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے میری پراگندہ حالی اور غم، اور یہ سب کچھ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں وھوانی علی الناس۔ میں تو لوگوں پر ہلکا ہو گیا ہوں۔ انسانوں نے تو مجھے بہت ہلکا سمجھ لیا ہے۔ اور میری ظاہری و باطنی سب کچھ تو جانتا ہے۔

آگے فرمایا: الی من تکلنی الی عدو یتجھمنی او الی صدیق ملکتہ امری۔ اے اللہ تو کن لوگوں کو مجھے سپرد کرتا ہے۔ دشمنوں کے سپرد کرتا ہے جو ہر طرف سے مجھ پر ہجوم کرنے لگے ہیں یا چاہے اپنے دوستوں کے حوالے کر دے، اب آگے حضورؐ کو خیال آیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے۔ کہ میں ان مصائب اور تکالیف کا شکوہ کرنے لگا ہوں

تو دعا کا رخ بدل دیا اور فرمایا: [illegible] اَلَّذِی [illegible] ولا دنیا ہیں۔ اے اللہ تیرے [illegible] کے نور [illegible] جس سے [illegible] [illegible]

[illegible] کی تجدید کرنے کے لیے ان سے ملنے [illegible]

اب [illegible]

کے فرشتے کے جواب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ یہ نادان ہیں۔ نادانی کی وجہ سے میری عظمت اور حقیقت سے بے خبر ہیں نادانی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور فرشتوں سے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی پشتوں اور نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کریں۔[1]

بدر میں جب سامنے ہیں تو الٹے رو رو کر گڑگڑاتے ہیں اور اے اللہ یہ مٹھی بھر جماعت بھی اگر آج ختم ہو گئی تو کس زمانے سے حضور نے فرمایا کہ لن تعبد اے رب پھر کبھی تیری پرستش نہیں کی جائے گی معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں ہوں، میرے بعد کوئی نبی کوئی صحابہ، کوئی جماعت، کوئی امت تو آنے کی نہیں، اب اگر بدر میں یہ مختصر جماعت بھی ختم ہو گئی تو پھر عبادت کرنے والا کون آئے گا۔ بہرحال حضور نے کیسے کیسے اس امت دعوت و عبادت کا حق ادا کیا۔ اس کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔

حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف حجۃ الوداع میں آپ نے اپنے آخری خطبہ میں امت سے بھی اس بات پر گواہی دلوائی ایک لاکھ سے اوپر صحابہؓ سے دریافت کیا بعثت۔ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا یا نہیں؟ فریضہ نبوت ادا کر دیا یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وادیت۔ ووفیت العہد۔ اور جو اسے کیا گیا تھا پورا کر دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے فرمایا اللّٰھم اشہد انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ ان لوگوں کی گواہی پر گواہ ہو جا یہ سب میرے حق میں گواہی دیتے ہیں۔

شہادتِ حق اتنی جرأت اور اتنے زور سے فرمائی کہ خود حق کے طور پر کہا کہ اے اللہ! ادا ہو چکا میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا۔ تو جو حق تھا حضور پر انسانوں کا اسے بھی پورا فرمایا جو حقوق الٰہی اور فرشتوں کا بھی اور جنات کا حق بھی تعین کر دیا اور انسانوں کے مختلف طبقات کے باہمی حقوق بھی واضح کر دیئے۔

شانِ رحمۃ للعالمین اور یہ تو ایک موضوع ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کہ وہ رحمت

---

[1] [illegible] النبی الخاتم از مناظر احسن گیلانی

ہیں۔ تو صرف انسانوں کے لئے نہیں، صرف جنات کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے لئے اور خدا کے سوا کل مخلوقات یعنی ماسوائے اللہ کو عالمین کہتے ہیں، آسمانوں کی کائنات، زمین کی کائنات، چاند اور سورج کی کائنات، فرشتوں کی کائنات، حیوانات چرند اور پرند کی کائنات یہ سب الگ الگ عالم ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہ رسول ان تمام کائنات کے لئے رحمت ہیں ــــــ اب رحمت کیا چیز ہوتی ہے۔ رحمت، جیسے ہمارے لئے ہوا ہے۔ ہم ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مچھلیوں کے لئے پانی ہے۔ مچھلی پانی میں ہے تو رحمت ہے اسے پانی سے نکال دو تو رحمت ختم۔

الغرض رحمت اتنی قیمتی چیز ہے جسے کائنات کا ہر ذرہ محتاج ہے۔ اس لئے اللہ رحمٰن و رحیم کی رحمت وسیع ہے۔ وسعت رحمتی کل شیءٍ ـــ وسعت کل شیءٍ رحمةً وعلماً تو حضورؐ کی ذات بھی کائنات کے لئے ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی اور ہر جاندار کے لئے ہوا جس کے بغیر کائنات کی بقاء ہو ہی نہیں سکتی۔

ہر طبقہ کے حقوق کا تعین احادیث اور فقہ پڑھیں تو آپ کو گائے اور بیل کا حق، جانوروں کا حق۔ ایک ایک حق تفصیل سے ملے گا۔ فرشتوں کے بھی حقوق، جنات کے بھی حقوق سے ذخیرہ کتب بھرا ہوا ہے۔ پھر مردوں کے حقوق الگ، عورتوں کے الگ، بچوں کے الگ، بوڑھوں اور مریضوں کے الگ۔ کون سا طبقہ ہے انسانوں کا جس کا حق متعین نہ ہو چکا ہو۔ اس سے پہلے بنی نوع انسانیت کس ظلم اور جہالت میں مبتلا تھی کہ ہر شخص صرف اپنے کو انسان سمجھ رہا تھا دوسرا کو نہیں۔ ہر ایک نے الگ الگ خدائیاں قائم کر رکھی تھیں۔ کہیں رنگ کے نام پر تفوق کہیں قوم کے نام پر امتیازات، کہیں زبان کے نام پر جھگڑے۔

منشورِ انسانیت حضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں بھی جو منشور ہے انسانیت کا، سب چیزیں ایک بار پھر واضح کر دیں۔ فرمایا کلکم بنو آدم و آدم من تراب تم سب بنی نوع انسان تم آدم آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ اب جب کہ انسانوں کی سرشت مٹی سے ہے کوئی سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے نہیں بنا نہ اس کے خمیر میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ تو انسانیت کی سرشت کے لحاظ سے سب برابر ہو گئے۔ تو اب یہ امتیازات کہاں

سے آ گئے۔ اگر کوئی یورپ کا ہے یا امریکہ کا، افریقہ کا ہے یا ایشیا کا، سب کی نوع ایک ہے اور سب اس میں برابر۔

رنگ و نسل کے جھگڑے اور فرمایا لا فضل لعربی علی عجمی اب نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر ——— آج جو قومیت کی لعنت پوری دنیا پر مسلط ہے۔ اور مسلمان بھی اس بت کی پوجا کرنے لگے ہیں، حضورؐ نے اس خطبہ میں اس بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اور آج جو سیاہ و سفید کے جھگڑے ہیں، کالے گورے کے امتیازات ہیں تو حضورؐ نے اس کو بھی ختم کرتے ہوئے فرمایا ولا للاسود علی الاحمر ولا للابیض علی الاسود۔ کالے پر گورے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کالے کو گورے پر ——— آج بڑے فخر سے امریکہ والے ذکر کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ ڈھنڈورا پیٹتی پھرتی ہے کہ ہم نے بنیادی انسانی حقوق دنیا کو دیئے۔ تو خطبہ کہتے ہیں حضورؐ نے چودہ سو سال پہلے اس سے اعلیٰ و اکمل ترین بنیادی حقوق انسانوں کو عطا فرمائے۔ یورپ والوں نے جھوٹ کہا انہوں نے عمل نہیں کیا۔ آج بھی امریکہ میں سفید فام اور سیاہ فام کے جھگڑے چل رہے ہیں وہاں کالوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے پڑھنے کی لغت تک الگ ہیں۔ ہسپتال اور سکول بھی الگ ہیں۔ گاڑیاں اور گاڑیوں کے راستے الگ ہیں۔ آئے دن کالے اور گورے پر فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اور حضورؐ کے ہاں ایک کالا تھا حضرت سیدنا بلال حبشیؓ، حضورؐ نے فرمایا کہ گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔ تو عملاً بلالؓ کو کتنا بڑا مقام دیا؟ ایک رات صبح اٹھ کر فرمایا اے بلالؓ تو کون سا عمل کرتا ہے کہ میں نے تجھے خواب میں جنت میں دیکھا کہ تو مجھ سے آگے آگے جا رہا ہے۔ میں تیرے جوتوں کی آہٹ سن رہا تھا۔ گو درحقیقت خادم خاص کی معیت تھی جو مخدوم سے آگے آگے جاتا ہے۔ تو اس قرب خاص کی انہیں بشارت دی تھی۔ اس کالے کو قریش کے سردار حضرت سیدنا عمر فاروقؓ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ مخاطب کرتے تو یا سیدنا کہتے اے ہمارے سردار۔ تو صہیب کو، بلال کو، عمار کو، فاروق اور صدیق، عثمان غنی اور حیدر کرار کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ امتیازات عملاً مٹا کر دیئے۔

مساوات مگر کون سی؟ قانون کی بات آئی، آئین اور سیاست کی بات آئی تو فرمایا کہ اس میں

کبھی مساواتِ انسانی ہے۔ یعنی انسانی مساوات، معاشرتی مساوات، قانونی مساوات۔ آج کل ہم مساوات کے نعرے سن رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مساوات یہی ہے کہ ایک کا مال چھین کر دوسروں کو دے دو، دوسرے کا تیسرے کو دے دو یہ وحشت کی مساوات، جبر کی، ظلم غصب و نہب کی مساوات۔ مال و دولت کی مساوات اسلام میں نہیں باقی ساری مساواتیں آج ساری انسانی مساواتیں ختم ہو گئیں اور ایک مادی مساوات کا نعرہ باقی رہ گیا۔ انسانی قدروں کی مساوات فنا ہو گئیں، معاشرتی مساوات ختم ہو گئی۔

حضورؐ کی معاشرتی مساوات نبی کریمؐ راستہ میں چلتے پھرتے ہیں۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ہم سے آگے ہیں کبھی برابر کبھی پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ حضورؐ ہیں کے حضرت ہیں تو آگے اور آگے ہی رہیں گے۔ کوئی خاص مسند نہیں نشست کے لئے۔ جہاں جگہ مل گئی وہیں بیٹھ گئے۔ سفر میں کام کاج کا وقت آیا ساتھیوں کے ہاتھ بٹانے لگے۔ برابر کام بانٹ کر اپنا خود بھی حصہ رکھا۔ تو نشست و برخاست، چال ڈھال میں کہیں بھی فضیلت اور برتری نہیں کہ میں حاکم ہوں، باقی محکوم۔

حضرت انسؓ جان نثار خادم ہیں فرماتے ہیں کہ دس سال میں حضورؐ کی خدمت میں رہا ہوں ان دس سال میں کبھی حضور علیہ السلام نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ کیوں ایسا کیا — ما قال لی فی شیئ لم فعلت۔ کچھ غلطی ہو گئی کام میں گڑبڑ ہو گئی۔ مگر حضورؐ نے کیوں تک نہیں کہا۔

قانونی مساوات اور جہاں خدا کے حکم قائم کرنے، حدود قائم کرنے کا موقع آتا ہے تو فرماتے ہیں: اقیموا حدود اللّٰہ علی القریب والبعید۔ اے لوگو! اللہ کا حکم ہے تو حد ہے اسے اپنے پرائے سب پر لاگو کرنا ہے۔ ایک عورت فاطمہ نامی بنی مخزوم سے ہے جو ایک زور آور قبیلہ تھا، اس نے چوری کی اب خدا کا حکم تھا کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے۔ بنی مخزوم کو یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ ہم شرفا ہیں اور اتنے بڑے خاندان کی ایک خاتون کا ہاتھ کاٹنا تو بڑے عار کی بات ہو گی۔ سب پریشان تھے۔ سفارش کے لئے کسی کو ڈھونڈنے لگے کہ حضورؐ سے سفارش کرے۔ کسی کو اتنی جرأت کہاں کہ حضورؐ سے سفارش کرتے

حضرت اسامہؓ جو خادمِ خاص حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں جس سے محبت اولاد کی طرح ہے تو سب نے حضرت اسامہؓ سے سفارش کروانا چاہی، ان کے پاس جا کر منت سماجت کی، راضی کیا، حضرت اسامہؓ نے سفارش کی مگر ان کی بات سنتے ہی حضورؐ کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا اور فرمایا: اتشفع فی حد من حدود اللہ۔ کیا اب خدا کی حدود میں، قوانین میں اور عدالت کے فیصلوں میں بھی سفارشیں ہونے لگیں۔ حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ پچھلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ اونچوں کو بچا لیتے تھے اور صرف غریب و ضعفاء پر حدود قائم کرتے تھے، کسی شان و شوکت والے، خاندان اور قبیلے والے کو جرم کرنے پر معاف کر دیا جاتا تھا اور تاریخی جملہ آگے ارشاد فرمایا کہ: و اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔ یہ تو فاطمہ بنی مخزوم ہے، اگر معاذ اللہ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری صاحبزادی میری لختِ جگر سے بھی یہ غلطی سرزد ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ تو بہرحال حضورؐ نے امت کے حقوق پورے فرما دیئے، کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اب یہ بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟

حضورؐ کا حق امت پر تو امت پر حضورؐ کا کیا حق ہے؟ ایک تو یہ کہ امت حضورؐ سے محبت کرے۔ جذباتی محبت والہانہ شیفتگی اور قلبی تعلق۔ اور حضورؐ سے جو محبت ہوگی وہ ساری کائنات سے بڑھ کر ہونی چاہیئے۔ خود آپؐ نے فرمایا کہ: لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ جب تک اپنے والدین سے اپنی اولاد سے ساری بنی نوع انسان سے بڑھ کر مجھے محبوب نہیں سمجھے گا تو وہ مؤمن نہیں کہلا سکے گا، پھر یہی نہیں بلکہ اپنے خواہشات اپنی تمناؤں اپنی امیدوں اپنے خیالات کے بارے میں کیا کرے گا؟ ایک صحابیؓ نے آ کر کہا یا رسول اللہؐ مجھے آپؐ سے محبت ہے۔ فرمایا سوچ لو یہ معمولی بات نہیں ہے، پھر کہا مجھے آپؐ سے محبت ہے تو فرمایا دع نفسک ثم تعال۔ کہ نفس کو خواہشات کو اپنے سے الگ کر دے پھر دعویٰ محبت کر کے آ۔ یعنی جائز خواہشات، نفسانی تمناؤں کی قربانی دینی ہوگی، اور محبت حقیقی تو وہ ہے کہ جس کے ساتھ خود بخود اطاعت آ جائے۔

دوسرا حق تو حضورؐ کا دوسرا حق اطاعت ہے۔ دعویٰ تو محبت کا سب کو ہے۔ مگر محبت تب صحیح ہوگی کہ اس کے ساتھ اطاعت ہو، ایک شخص کہتا ہے کہ میں تو ہر وقت روتا بیٹھا آپؐ کے عشق میں تڑپتا اور مرتا ہوں مگر کسی کام میں آپؐ کی اطاعت اور تابعداری نہ کرے آپؐ کی کوئی ادا اور طرز اور طریقہ اس کو پسند نہ آئے کوئی سنت اس کو محبوب نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مذاق کرتا ہے۔ تو محبت صرف رونے پیٹنے کی محبت جس میں اطاعت نہ ہو نجات نہیں دے سکتی۔ آپ کو معلوم ہے حضرت ابوطالب کو کتنی محبت تھی آپؐ کے ساتھ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تھی اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے بڑے عاشق حضورؐ کے چچا ابوطالب تھے۔ بچپن سے پالا پوسا، گود میں لیا، کاندھوں پر اٹھایا، کتنی مشقتیں آپؐ کی وجہ سے حضرت ابوطالب نے جھیلیں، ساری عمر دشمنوں سے مقابلہ کئے آپؐ کی خاطر تین سال تک شعب ابی طالب میں گرفتار رہے۔ عشق تھا محبت تھی، خدمت کی بھتیجے کی۔ مگر کیا ابوطالب کو ایسی محبت سے نجات مل گئی؟ نہیں حضورؐ نے وفات کے وقت بھی کہا کہ چپکے سے میرے کان میں لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔ تو اللہ کے ہاں میرے لئے شفاعت کا راستہ کھل جائے گا۔ کہا جانتا ہوں کہ تو سچا ہے، تیرے ساتھ محبت بھی ہے۔ لیکن یہ ابوجہل، ابولہب یہ بڑے سرغنہ جو جمع ہیں وہ کہیں گے، کہ بڈھا ڈر گیا موت کے وقت، تو جہالت آڑے آگئی کہ موت کی سختیوں سے ڈر کر باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ اس لئے ایمان نہ لائے، محبت کتنی تھی مگر ایمان میں حضورؐ کی پیروی نہ ہوئی۔ تو مسلم شریف میں ہے کہ ابوطالب کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی عشق و محبت کی وجہ سے خدا نے اتنی لاج رکھ دی تھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ ابوطالب کا سارا جسم آگ سے بچا ہوا ہے لیکن جوتوں کے جو تسمے ہیں وہ جہنم کی آگ کے ہیں۔ جو دنیا کی آگ سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ ایک ذرہ بھی جہنم کی آگ کا اگر دنیا میں آجائے تو ساری دنیا بھسم ہو جائے —— تو حضورؐ نے فرمایا کہ صرف جوتوں کے تسموں کی وجہ سے بھی ابوطالب کا دماغ کھول رہا ہے۔ تمام تو بہرحال جہنم میں ہے۔ ایمان نہ لا کر نری محبت سے نجات نہ ہو سکی۔ گو جہنم میں آپ کو اے کلاس دی گئی۔ مگر ٹھکانا وہی جہنم رہا۔ تو جس محبت میں اطاعت اور تابعداری نہ ہوگی وہ کافی

نہیں ہو گی۔

محبت کا معیار محبت کا معیار یہ ہے کہ حضورؐ کی ادائیں ہمیں پسند ہیں یا ناپسند۔ حضورؐ کی بھی تو ادائیں تھیں، چلنے میں، پھرنے میں، کھانے پینے میں، زندگی کے ہر شعبہ میں حضورؐ کا بھی کوئی طریقہ تھا۔ وہ ادائیں محبوب ہیں یا نہیں؟

اگر ان طریقوں سے اور اداؤں سے محبت نہیں نفرت ہے تو معلوم ہوا کہ زبانی محبت ہے حقیقی نہیں، ورنہ محبوب کی ہر ادا خود بخود انسان اپناتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کتنے.... بڑے بڑے بزرگ تھے جو ہر قدم رکھتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، کھانے پینے میں دیکھتے تھے کہ حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کو تو اتنا اہتمام تھا کہ ایک دفعہ غلطی سے جوتہ پہلے بائیں پاؤں میں پہن لیا۔ تو رسول اللہ کے عاشق تھے غلطی ہو گئی کہ حضورؐ کی ادا پہلے دائیں پاؤں میں پہننے کی تھی تو انہیں اتنا دکھ ہوا کہ تقریباً ۲۰ من گندم اس نادانستہ غلطی کی سزا میں بطور کفارہ ادا کر دیا۔ اپنے اوپر جرمانہ لگایا۔ ایک اور عالم محمد بن سلمہ نے ساری زندگی تربوز نہ کھایا۔ کتنا میٹھا لذیذ پھل ہے۔ حلال چیز ہے مگر انہوں نے اس لئے نہ کھایا کہ انہیں یہ علم نہ ہو سکا کہ حضورؐ نے کھایا تو سہی مگر کس طرح کھایا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھایا یا کیسے؟ کتابوں سے ان کو کیفیت معلوم نہ ہو سکی تو آپ سوچتے تھے کہ اگر تربوز کھاؤں اور حضورؐ کا طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادانستہ مخالفت کر بیٹھوں۔ یہ ادائیں تھیں ان لوگوں کی، وہ حلال خواہشات اور تمناؤں سے بھی دستبردار ہو جاتے کہ کہیں حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے —— حضرت شبلیؒ معروف صوفی اور بزرگ گزرے ہیں۔ حالتِ نزع میں ہیں کمزور اور بیمار ہیں، نحیف و نزار ہیں نماز کا وقت آ گیا، شبلیؒ نے فرمایا کہ مجھے وضو کرا دیا جائے ساتھیوں نے بڑی تکالیف سے آپ کو وضو کرایا۔ سکرات موت طاری تھے۔ پھر بعد میں خیال آیا کہ مجھ سے تو خلال رہ گیا خلال ایک سنت ہے۔ تو دکھ ہوا کہ مجھے خلال کیوں نہیں کرایا گیا اب دوبارہ وضو کراؤ۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں، بیمار ہیں۔ حرکت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بڑی مشکلات سے ایک دفعہ وضو کرا دیا ہے۔ مگر کہا کہ مجھ پر جب سکراتِ موت طاری ہیں تو ہو سکتا ہے کہ عنقریب میں حضورؐ کے پاس چلا جاؤں

اور اب جب اپنے محبوب سے ملوں گا تو یہ نہیں چاہتا کہ ایسے وضو سے چلا جاؤں جس میں آپؐ کی کوئی سنت چھوٹی ہوئی ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغیر خلال کے وضو پر اکتفا کروں چنانچہ دوبارہ بڑی تکلیف سے حضرت شبلیؒ کو وضو کرایا گیا۔ خلال کرایا گیا اور اس کے بعد شبلیؒ کی روح پرواز کر گئی ؎

دی کس طرح سے جان تہِ تیغ و داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ کیسے لوگ تھے کہ تمام عمر ہی محبوب کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے تھے۔ محبوب کی ایک ایک حرکت اور جنبشِ ابرو پر اپنی حالت بدل دیتے تھے۔

صحابہؓ کا جذبۂ اطاعت | یہ محبت کی خاصیت ہے کہ جہاں حقیقی محبت آجائے تو اطاعت و تسلیم کے لئے فوج کی، پولیس کی، قانون اور عدالت کی ضرورت نہیں ہوتی جب ایک آواز لگائی مدینہ کی گلیوں میں کہ: یا ایہا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ اے مومنو! یہ شراب، یہ جوا اور قمار یہ سب غلط اور شیطانی کام ہیں۔ پس اسے چھوڑ دو، اس طرح اللہ کی رحمت کے حقدار بن جاؤ گے۔

آیت مسلمانوں کے کان میں پڑتی ہے اور وہ لوگ جو صدیوں سے شراب پیتے چلے آرہے تھے معاشرے میں شراب رچی بسی تھی مگر منادی حضرت علیؓ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے اعلان کرتے ہیں تو جس کے کان میں آواز آئی وہیں اس کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ گر پڑا کہ حکم آیا کہ شراب حرام ہے۔ تو جس نے جو منہ میں شراب لی ہے تو یہ نہیں کہ چلئے یہ گھونٹ تو نگل لیں بلکہ اسے اسی وقت تھوک دیا۔ ہم تو سمجھے بھی اذان سنتے سنتے پورا کرتے کہ چلو ابھی تو اذان اور اعلان ختم نہیں ہوا۔ ان کے گلے میں بے اختیار شراب اٹک کر رہ گئی اسے تھوک دیئے۔ مدینہ کی گلیاں شراب کے ٹوٹے ہوئے برتنوں سے بھر گئیں۔ نالیوں میں شراب بہنے لگی۔ اس واقعہ سے پروفیسر ٹوائن بی جیسے متعصب دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور کہا کہ اسلام کے صرف اس ایک واقعہ کا بھی جواب نہیں۔ تحریم خمر جیسے واقعہ جیسا ضبط و نظم دو ملین کا ہوتا کوئی اور امت پیش نہیں کر سکتی۔ عورتیں رستے میں بیٹھتے ہوئے جا رہی ہیں بازاروں میں

لکھتے ہیں کہ جب اور پردے کی آیت ابھی نہیں اتری تھی اس دوران آیت اتری آیا کا حکم آیا تو جو عورت جہاں تھی وہیں سر پر دوپٹہ ڈال دیا منہ چھپا دیا۔ اور راستوں میں جو عورت جہاں تھی آیت سنتے ہی وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی یا دیوار وغیرہ کی آڑ میں چھپ گئی کہ اب ایک قدم بھی بے حجابی میں آگے نہ اٹھا سکیں۔

یہ حجاب کا واقعہ جو ہم نے ذکر کیا واقعہ یہ سب کمال محبت کے ساتھ کی اطاعت کی نظیریں ہیں۔ جو ہر حال وقت کرتے ہے اس لئے نفس اور مسلک کے ایمان و صدق میں کتنا کرنا اصل ایک محبت حقیقی دوسرا اطاعت موجب الذی تھم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضورؐ کی اصل یاد

اس وقت دنیا کے مسلمان عید میلاد النبیؐ منا رہے ہیں۔ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبوت و رسالت کا کوئی بھی واضح یا مبہم دعوے تسلیم کرنے کے لئے ہم قطعاً تیار نہیں ہیں جیسا کہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے، تو اسی طرح ہم خود بخود قیامت تک حضورؐ کی تعلیماتِ مقدسہ اور سیرتِ مطہرہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی مُہر لگا لیتے ہیں۔ حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب اور دجال ہے تو اس سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آج کی پُر ظلمت دنیا کی روشنی اور ہدایت بھی حضور اقدسؐ کے قول و عمل اور اخلاق و کردار سے ہی ہو سکتی ہے، جسے ہم سیرت کا نام دیتے ہیں۔ مگر کیا یہ حق صرف دو چار دن کے جلسے جلوسوں، چراغاں اور آرائشی دروازوں سے ادا ہو جاتا ہے، افسوس کہ عمل اور کردار سے عاری قوموں کی طرح مسلمان بھی صرف ان ظاہری اور رسمی رسومات میں اپنے لئے سامانِ تسکین ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضورؐ کی اصل یاد تو یہی تھی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر عمل اور ہر سانس سیرت کا عملی نمونہ بن جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہزار بار ہم اپنی آبادیوں کی ہر اینٹ کو چراغاں سے روشن کیوں نہ کر دیں ہمارے قلوب سیاہ اور عمل و کردار کی دنیا اندھی رہے گی۔

سیرت کی ضرورت اور اہمیت کبھی اتنی نہ تھی اس وقت جبکہ جاہلیت کا عفریت عالمی پیمانہ پر پوری انسانیت کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ انسانی قدریں پامال ہو کر اس کی جگہ حیوانی اقدار لے رہی ہیں۔ پوری انسانیت خدا فراموشی، وحشت اور بربریت کے پنجہ میں ہے، اور نتیجہ بھی عالمی پیمانہ پر ظلم و استبداد، بے چینی اور اضطراب کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے، ایسے وقت میں حضور انورؐ کی سیرتِ مطہرہ معلوم کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ بن کر دعوت دینے، الغرض اسے چاند کی روشنی، سورج کی تپش، دریاؤں کی سخاوت اور ہواؤں کی روانی سے زیادہ عام

کی جتنی ضرورت ہے۔ اس سے قبل تاریخ کے کسی دور میں کبھی اتنی نہ رہی ہوگی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی یہ دنیا حضورؐ کی روشن اور بے داغ زندگی ہر لحاظ سے کامل اور جامع اسوۂ حسنہ اور فطرت سے ہمکنار تعلیمات ہی کے ذریعہ روشنیوں سے جگمگا سکتی ہے۔ ہمارے مرض کا علاج سیرتِ نبویؐ میں ہے اور ہماری دین و دنیا کی سرخروئی کا راز حضورؐ کی اتباع اور پیروی سے وابستہ ہے۔ اگر ہمیں امن و سلامتی سے مالا مال حیاتِ جاوداں درکار ہے تو آئیے نئے ولولہ، نئے عزم اور نئے جوشِ ایمانی سے سرشار ہو کر اس رحمتِ کائناتؐ علیہ السلام کی طرف پلٹ جائیں جس نے غبارِ راہ کو فروغِ وادیٔ سینا عطا فرمایا، مظلوم و مقہور انسانیت کو ہم دوشِ ثریا کر دیا۔ اور مخلوق کی بندگی اور پرستش جیسی ذلتوں سے اٹھا کر ایک خالقِ حقیقی کی بندگی کے طریقے بتلا دیئے۔ اور ہمارے لئے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی سرحد کھڑی کر دی جسے قیامت تک کوئی دجال اور کذاب پھاند نہیں سکے گا ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

حق و صداقت کے اس آخری پیغمبرؐ، ابدی صداقتوں کے امین، کائنات کی آبرو اور عالم کی جان پر ہزاروں صلوٰۃ و سلام ہوں ؎

محمدؐ عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسرِ او

اخلاقی اور معاشرتی بحران

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقعہ پر صدرِ پاکستان جناب محمد یحییٰ خان کا پیغام مملکتِ پاکستان کی نظریاتی اساس کے لحاظ سے ملک کی تعمیر اور تشکیلِ جدید کے لئے روشنی کا مینار اور واضح ترین "آئیڈیل فریم ورک" کا کام دے سکتا ہے۔ اب ضرورت ایسے مومنانہ اقدامات کی ہے جو ملک کے ہر شعبہ میں اس پیغام کی روح کو لئے ہوئے فوری طور پر نافذ العمل کئے جا سکیں۔ قول اور پیغام و وعظ و تبلیغ کی حد تک کوئی بھی رہنما اصول نہ تو کبھی معاشرہ میں انقلاب برپا کر سکا ہے اور نہ اس سے کوئی قوم پیش آمدہ حوادثات اور بحرانوں سے نکل سکی ہے۔ صدرِ

پاکستان نے اپنے مؤثر اور جامع پیغام میں فرمایا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اسی لئے کیا تھا کہ وہ اپنی مملکت میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

کردار کا غازی [illegible] صاحب نے کہا کہ [illegible] نہیں اپنے دلوں [illegible] سکتے ہیں انہوں نے [illegible] اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہے جو ہم نے اپنے [illegible] حاصل کیا تھا انفرادی یا اجتماعی طور پر ہمیں ان اصولوں کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بیان کریں۔

صدر محترم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

نظریہ پاکستان [illegible] صدر محترم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

اور اسباب سب کچھ موجود ہوں مگر نسخہ شفا کے استعمال کی بجائے اس کے ورد پر اکتفا کیا جائے اور مریض جان توڑ دے۔ اس وقت پوری قوم کو اجتماعی طور پر گھن لگ چکا ہے اور برسرِ اقتدار طبقہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت و حاکمیت کے وسیع اختیارات دیئے ہیں اگر یہ طبقہ چاہے تو ان وسیع اختیارات سے کام لے کر قومی زندگی کے ہر شعبہ میں دور رس نتائج اور برکات کی حامل تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ اگر کسی علاقہ یا خطہ کی حفاظت یا کسی ملکی و ملی مفاد پر مبنی احکامات آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ پورے ملک اور قوم کی بقاء اور حفاظت کے لئے ایسے اقدامات میں پس و پیش کیا جا سکے۔ اگر "جمہوریت" قدروں کو تحفظ نہیں دے سکتی تو کیا وجہ ہے کہ اس جمہوریت کے نام پر ہر کسی گروہ کو نظریۂ پاکستان ـــ اسلام اور اسلامی حاکمیت کو مجروح کرنے یا اسے پس منظر میں ڈالنے کی اجازت دیں۔ تو پھر جمہوریت بھی اتنی موہوم جس کے انتظار میں کسی قوم کے عروج یا ارتقاء کا بنیادی زمانہ اور اہم صلاحیتیں ہی ضائع ہو جائیں۔

اس وقت اللہ نے اپنے فضل و کرم اور ملک کی مایۂ ناز افواج اور مشرقی پاکستان کے محبِ اسلام باشندوں کی مشترکہ مساعی سے ہمیں سوچ کر اپنی لغزشوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع دے دیا ہے۔ اسے گنوانا ہماری قومی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ اس وقت بلاشبہ ملک سیاسی بے یقینی اور بہت حد تک اقتصادی بحران میں مبتلا ہے۔ ہر طرف سے قومی مسائل ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔

اخلاقی زوال مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ ہے لیکن سب سے اہم اور نازک مسئلہ جو پوری قوم کو ہلاکت اور تباہی کی طرف لے جا رہا ہے، وہ اس ملک کے باشندوں کا اخلاقی مسئلہ ہے اور پورے ملک کو معاشی اور سیاسی دلدل میں پھنسا دینے میں اخلاقی اور معاشرتی مسئلے کا بنیادی حصہ ہے، اجتماعی حیثیت سے قوم کی غالب اکثریت نبی کریم علیہ السلام کی اخلاقی اقدار اور اسلام کے نظامِ تمدن و معاشرت سے ہٹ چکی ہے۔ نوجوان طبقہ میں مادیت، الحاد اور آزاد روی کا دور دورہ ہے۔

تہذیب و ثقافت کے نام پر اخلاقی قدروں کی پامالی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی جرأت

یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد النبیؐ کے نام پر جس کی مناسبت سے صدر پاکستان نے مذکورہ بالا پیغام دیا ہے۔ جلسے اور جلوسوں میں وہ سب کچھ کیا گیا جو کسی مسلمان اور حیادار شخص کو نجی سے نجی مجلسوں میں بھی زیب نہیں دیتا۔ میلاد النبیؐ کے جلوسوں میں جنسیت زدہ فحش سفلی فلمی گانوں کے ریکارڈ سنائے گئے۔ شراب پی کر عورتوں کو چھیڑنے کے واقعات، بھنگڑا ناچ، "سبے جمالہ" کی تان پر رقص و اور یہاں تک کہ شبِ میلاد کے ایک پروگرام کے تحت لاہور کے جمخانہ کلب میں اونچے طبقے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص۔ اس صاحب سیرتِ مطہرہؐ کے نام پر جو عصمت و عفت کا علمبردار اور اخلاقِ طیبہ کا پیکر اور حیا و وقار کا صورت مجسم بن کر دنیا کو اخلاق کا درس دینے آئے تھے۔

اخلاقی زوال کے چلتے بولتے نمونے

ہمارے نوجوان طبقہ کی جرأتِ رندانہ کا یہ عالم کہ آزاد کشمیر سے مخلوط تعلیم پر پابندی کی خبر آئی تو یہ خبر مغرب زدگان پر بجلی بن کر گری۔ جامعہ کراچی نے طلبہ و طالبات کو اتنی سی ہدایت کی کہ وہ آپس میں بے جا اختلاط نہ رکھیں تو اس پر وہ واویلا شروع ہوا کہ یہ رجعت پسندی اور فطری آزادی پر پابندی ہے۔ پیٹ کی بیماری ذہنیت نے تو اسے سیاسی سٹنٹ بنا دیا کہ ایسی پابندیوں سے افلاس کا مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ اور یہ تو اخلاقی زوال کے چلتے بولتے نمونے ہیں۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے دن دہاڑے قتل و غارت گری اور بھرے بازاروں میں لڑکیوں کا اغوا، دھوکہ، فریب، سمگلنگ، ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آئے گا۔ اخبارات کے فلمی ضمیمے تو چھوڑیئے ہر سنجیدہ اخبار کا آدھا حصہ فلم سے متعلق فحش ترین اشتہارات سے دعوتِ فحاشی دیتا ہوا ملے گا۔ ٹیلیویژن پروگراموں نے تو گھر گھر پہنچ کر فلمی خرابیوں کی کسر پوری کر دی ہے۔ ریڈیو سے مرقع فحش فلمی گانوں اور جنس آلود ڈراموں کی بھرمار ہے۔ سڑکیں اور بازار فحش تصاویر سائن بورڈوں سے اٹے پڑے ہیں۔ جدھر نگاہ دوڑائیے ادھر جدھر کان لگائیے عفت اور عصمت اور اخلاق و حیا کے لُٹنے و رونے کی

صدائے عام ہے۔ یہ حالات نہ تو یکایک پیدا ہوئے ہیں نہ خود بخود جن تعلیم گاہوں سے نوجوان پود تربیت پاکر نکل رہی ہے وہاں کی تعلیمی اور تربیتی نظام پر ایک نگاہ دوڑائیے ثانوی اداروں سے لے کر اعلےٰ سے اعلےٰ یونیورسٹی تک سب کچھ موجود ہے مگر اسلامی علوم، قرآن و سنت، اخلاق نبویؐ اور معاشرتِ اسلامی کی تعلیم کا نام و نشان نہیں جو کچھ ہے صفر کے برابر ہے۔ پبلک اور مشنری سکولوں سے جو پود نکل کر "ہپی ازم" کی گود میں جا رہی ہے آخر اس کی ذمہ دار ہم ناپختہ نوجوان ذہنیت کو کیوں ٹھہرائیں۔

الغرض ان ناگفتہ بہ حالات اور خرابیوں کی اصلاح صرف زبانی اور تحریری بیانات سے ہو سکتی ہے؟ اور کیا اتنی خرابیِ بسیار کے بعد بھی ہمیں ...... اسلامی معاشرت اور کتاب و سنت پر مبنی لائحہ حیات اپنانے میں پس و پیش ہے۔ یا پھر ہمارا مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور ہماری محرومی اور بدقسمتی کا فیصلہ ہو چکا ہے؟

واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ——— الی قولہٖ ——— فی قلوبھم مرضٌ ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم ورسولہ بل اولئک ھم الظلمون۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(ج ۲۔ ش ۹۔ جون ۱۹۷۱ء۔ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ)

ربیع الاوّل کی رسومات اور بدعات

ربیع الاول کا مہینہ گزر چکا ——— وہ مبارک ماہ جس میں فخر کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر خداوند عالمین نے اس عالم ہست و بود پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرمائی۔ وہ ذات قدسی صفات جن کے ذریعہ دنیا سے نہ صرف شرک و جہل کا قلع قمع ہوا۔ بلکہ بت پرستی کی ہر نوع رسوماتِ باطلہ، لہو ولعب اور بدعات و خرافات کی تمام اقسام کی

بیخ کنی بھی کی گئی ۔

ذکرِ رسولؐ اور حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اس رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق ہے کہ اس کے نام لیواؤں کی زندگی کا ہر لحظہ اس کی عظمت و احترام سے معمور اور دل کی ہر دھڑکن اس کی توقیر و تکریم کی ترجمان ہو کہ امتِ مرحومہ کی نجات اور فلاح تو صرف اسی کی اتباع پر موقوف ہے ۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اس کے لئے عیدِ میلاد اور تذکارِ رسول ہے نہ کہ سال بھر کے چند ایام کی دو چار مجالس اور محفلیں — مگر صد حیف و افسوس کہ آج نبیؐ کے عشق و محبت کے دعویدار "عیدِ میلاد النبیؐ" پر یہ وقتی اور سطحی ذکر و تذکار بھی کس طرح منا رہے ہیں ؟ اس کی کچھ جھلکیاں ہر سال سیرتِ مقدسہ کے نام پر جلسوں جلوسوں کی روئیدادوں میں قوم کے سامنے آجاتی ہیں ۔ بازاروں میں شور و غل، فلمی دھنوں اور گانوں کی بھرمار، ہاؤ ہو کی یلغار اور فسق و فجور کا طوفان ، مردوں اور عورتوں کی ہڑبونگ ۔

باہر چراغاں مگر دل کی دنیا تاریک غرض دلوں کی دنیا سیاہ اور تاریک ، عظمت و تقدیس کا شائبہ تک معدوم ، مگر گلیاں اور کوچے قمقموں اور جھنڈیوں سے آراستہ — ہائے ملتِ محمدیہ کی حرماں نصیبی کہ محمد عربی علیہ السلام (فداہ الثقلین) کے نام پر ٹوسٹ ناچ اور مردوں کا عورتوں پر یلغار ، نہ فکرِ ننگ و ناموس ، نہ احساسِ صوم و صلوٰۃ گویا رسولِ امینؐ کی یاد نہ ہوئی بلکہ یہود و نصاریٰ کا کرسمس اور عہدِ جاہلیت کا جشنِ نوروز کہ پوری قوم اس مبارک دن اپنے آپ کو اخلاق و شرافت ، وقار و تمکنت ، سنت و شریعت کی تمام بندشوں سے آزاد سمجھنے لگی ۔ اپنے محسنین کی یاد کا یہ انداز تو مادر پدر آزاد فرنگ کا ہے ، مسلمانوں کا نہیں ۔

محبت یا ہوسناکی احسنِ کائنات کے عشق و محبت کے دعویدارو! کچھ تو ہوش کے ناخن لو، پرستارانِ عشق کے ساتھ ساتھ شریعت کا پاس بھی ضروری ہے ۔ وہ عشق و محبت نہیں ہوسناکی ہے جو محبت ، اطاعت اور عظمت سے خالی ہو ۔ تمہاری زبانوں پر تو محبوبؐ کا ورد ہے مگر عملاً تمام طور طریقے محبوبؐ کے دشمنوں کے اختیار کر رکھے ہیں ، تم ان کی تعلیمات اور ہدایات کا ایک ایک نقش دھندلا رہے اور اس کی سنتوں کی بنیادیں ڈھا رہے ہو اور پھر یہ سب کچھ

اس کی یاد منانے کے نام پر۔

صاحبِ سیرت کی تعلیمات سے بغاوت

اس عہدِ منافقت میں کیا سیرت نام صرف غل غپاڑہ، رقص و سرود اور بازاروں کے ہڑبونگ کا رہ گیا ہے؟ تم میں سے کتنے تھے جنہوں نے سات سات گھنٹے حضورؐ کے نام پر جلوس میں تو گزارے مگر کیا اوّلین رکنِ اسلام نماز کا خیال تک بھی ہوا؟ جب کہ عالمِ نزع میں تمہارے آقا کی ڈوبتی ہوئی روح سے بھی۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی صدائیں آ رہی تھیں۔ تعلیم تو تمہارے آقا کی یہ تھی کہ راہ چلتے نگاہیں نیچی رکھو، اکڑ کر نہ چلو؛ انہوں نے فرمایا کہ نامحرموں کی طرف نگاہ اٹھانا بھی ضیاعِ دین و ایمان ہے۔ انہوں نے چاہا کہ تم ایک باوقار اور سنجیدہ امت بن جاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ خواہ نماز جماعت تم سے فوت بھی ہو جائے مگر اس کے لئے اچھل کود کر دوڑنا نہیں۔ فرمایا کہ کسی حال میں بھی وقار و سکینت کے رشتے تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔ پھر ان کی عظمت و تقدیس کا تو یہ عالم تھا کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے صحابی کی آوازیں آپؐ کی مجلس میں پست ہو جاتیں کہ ان کے رب نے اُن کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنے والوں کو بھی حبطِ اعمال (اعمال کی بربادی) کی وعید سنائی تھی تو کیا تمہارا یہ دھوم دھڑکا اور یہ چیخ و پکار تمہارے حبطِ اعمال کا موجب نہ بنے گا؟

بدعت کی ہلاکت آفرینیاں

تمہارے رسولِ اعظمؐ نے تو ہر لمحہ تمہیں بدعت سے روکا کہ بدعت بظاہر کتنی ہی دلکش و دلآویز ہو مگر بالآخر یہ لعنت ملت کے لئے زہرِ ہلاہل ثابت ہو کر رہتی ہے۔ اور یہ بدعت کی ہلاکت آفرینی ہی تو تھی جس کی تان بالآخر ٹوئسٹ ناچ پر ٹوٹی اور بدعت ہی ہو گی جو تم سے سیرتِ رسولؐ کے نام پر آئندہ مسجدوں میں چاچا ناچ اور راک اینڈ رول کروا کر رہے گی۔ اب تم نے روضۂ اطہر کی شبیہہ بنا کر اس کے ساتھ حقیقی مزارِ مبارک کا معاملہ شروع کر دیا ہے۔ اور آئندہ چل کر تم بیت اللہ کی تمثال کا طواف و زیارت بھی کر بیٹھو گے متاعِ دین و خرد ایسی غارت ہوئی کہ بدعت کی یہ تباہ کاریاں امت کی اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہیں اور شیطان نے ہمارے اعمال کو سجا سجا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ بھی کیا وقت تھا کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بار کوئی بدعت دیکھی تو شدتِ غم کی وجہ سے

کئی دن تک انہیں پیشاب کی بجائے خون آتا رہا۔

عشقِ رسولؐ کے نام پر سوداگری ہمارے اکابر اور محققینِ امت کی یہی دور اندیشی اور فراستِ ایمانی تھی کہ انہوں نے میلاد النبی کے نام پر اس سوداگری کی سختی سے مخالفت کی مگر انہیں "دشمنِ رسولؐ" اور کن کن القاب سے نوازا گیا۔ مگر آج تم خود سر پکڑ کر بیٹھ گئے ہو کہ اس کا کیا علاج و تدارک ہو؟ خدا کرے ربیع الاول کے ایسے تلخ واقعات ہمارے دل و دماغ کے لئے تازیانۂ عبرت بن جائیں۔ اور اگر دلوں میں ایمان کی کوئی چنگاری باقی ہو تو پھر سلگ اٹھے اور ہمارے اعمال و افعال رسولؐ کی سچی محبت، اطاعت و اتباع کے نور سے جگمگا اٹھیں۔ ورنہ یاد رکھو! بازاروں کے اس ہڑبونگ، جھنڈوں اور باجوں کی اس جھنکار گانوں اور نعروں کے ان ہنگاموں سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک خوش تو کیا ہو گی بلکہ بار بار انہیں تمہاری ان مذموم حرکات سے جو روحانی اذیت پہنچ رہی ہے اس کے وبال سے بالآخر ساری کائنات اجڑ جائے گی اور عرش و فرش بھی لرز اٹھے گا۔ کیا ان حالات میں ملتِ محمدیؐ کے سنبھلنے کا کوئی امکان ہے؟ کیا ہمارے دلوں کے قفل کبھی ٹوٹ بھی جائیں گے؟ وہ اجنبی جو دلوں کے اندھے ہیں لیکن سائنس و حکمت کے زور سے لوگوں کی گئی ہوئی بینائی لوٹا رہے ہیں، مگر ہماری کوتاہ بینی کا یہ عالم ہے کہ دلوں کی تاریکی کے ساتھ ہماری آنکھیں بھی اندھی ہو رہی ہیں۔ اور عشقِ رسولؐ کے نام پر یہ کھلی ہوئی تضحیک اور گستاخیاں ہمیں عظمت و احترام کے مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔ فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور ونعوذ بالله من الحور بعد الكور اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه۔

بین الاقوامی سیرت کانگریس

۳ مارچ سے پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن اور وزارتِ مذہبی امور کے زیرِ اہتمام سیرت کانگریس منعقد ہو رہی ہے۔ دنیا کے کئی مسلمان ممالک کے مندوبین کے علاوہ

کہ کئی ایک غیر مسلم مستشرقین بھی اس کانگریس میں شرکت کر رہے ہیں۔ اب تک جتنی تقاریر، مقالات اور پیغامات سامنے آچکے ہیں، بشمول وزیر اعظم پاکستان سب میں اسلام ہی کو ذریعۂ کامیابی اور نبی کریمؐ کے راستہ پر چلنے کو فلاح و نجاح کا ضامن قرار دیا جاچکا ہے۔ اسلام اور سیرتِ طیبہ کی اس اٹل اور غیر فانی صداقتوں اور برکتوں سے انکار کی کس کو مجال ہے؟ غیر مسلم مستشرقین بھی اپنے مقالات میں اسلام کی خوبیوں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا اہتمام بھی قدر و تحسین کا سزاوار لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ دنیوی و اخروی سرخروئیوں کی ضامن تعلیماتِ نبویؐ اور انہیں دستورِ حیات اور لائحہ عمل بنانے میں مسلمان ممالک کے لئے آخر کون سی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے؟ کانگریس میں جب برطانیہ کے مستشرق منٹگمری واٹ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارہ میں اپنی بڑی عقیدت کا اظہار کیا تو لبنان کے مفتیٔ اعظم نے ان سے دریافت کیا کہ ان اعترافات کے ہوتے ہوئے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلام قبول کر لیں؟ مستشرق نے تو وحدتِ ادیان اور سارے مذاہب کی تعظیم کی آڑ لے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ مگر کیا یہی استفہام سارے اسلامی مندوبین اور تمام مسلمان ممالک اور کانگریس کا انعقاد کرنے والے پاکستان کے لئے سوالیہ نشان اور لمحۂ فکریہ نہیں ہے؟ لبنان کے مفتیٔ اعظم یا کسی اسلامی ملک کے مندوب نے اپنی مسلمان حکومتوں سے کیوں ایسا سوال نہ کیا کہ جب آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کو نسخۂ نجات بھی سمجھتے ہیں، عقیدت اور محبت کے دعویدار بھی ہیں، آزاد اور با اختیار بھی ہیں تو زندگی کے کسی شعبہ میں بھی آپؐ کی تعلیمات اور سیرت کی جھلک کیوں نظر نہیں آرہی۔ ہمارے دستور و سیاست، تمدن و معاشرت، معیشت و اخلاق کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں حضورؐ کے اتباع و اطاعت کو اپنایا گیا ہو۔ کیا سیرت کا فلسفہ صرف تقریبات، پارٹیوں اور جلوسوں پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا حضورؐ کی تعلیمات سے غیر اللہ کی حاکمیت، خواہشات کی پیروی، یہود و نصاریٰ کی تقلید، اسلامی اقدارِ حیا و عفت سے بغاوت، خلقِ خدا پر ظلم و عدوان، نظامِ عدل و انصاف کی پامالی، ناصحین و ناقدین کی سرکوبی اور استحصال کا کوئی جواز مل سکتا ہے۔

ایمان وعقیدہ کی دنیا میں دینی حمیت وغیرت کا حصہ کتنا ہے؟ مخالفین سے حضورؐ کا برتاؤ کیسا رہا؟ حضورؐ کے آدابِ حکمرانی کیا تھے۔ تمدن وتہذیب اور معیشت وسیاست میں حضور علیہ السلام کن کن راہوں پر چلے۔ یہ سب سوالات جذباتِ محبت وعقیدت کے ایسے مظاہر اور تقریبات کے موقع پر ابھرنے اور نمایاں ہونے چاہئیں اور سیرت منانے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کیا عمل سے عاری یہ زبانی محبت اور دعوے انہیں شافعِ محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سرخروئی بخش سکیں گے۔ مسلمانوں کی اطاعت وعمل سے خالی یہ کھوکھلے نعرے سیاسی مقاصد بر آری اور اپنے نفس وضمیر کی فریب دہی کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں مگر اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور اصلاح وفلاح امت کا ہرگز نہیں۔ (صدق [illegible])

لندن کا اسلامی جشن یا اسلام کے خلاف
گھناؤنی سازش

برطانیہ میں منعقد ہونے والے اسلامی جشن یا ثقافتی میلے (؟) کے بارہ میں تحسین و ستائش کا طوفان ذرا تھم گیا تو پردہ کے پیچھے سے اصل حقائق چھن چھن کر سامنے آنے لگے۔ ۱۵ مئی کے اخبارات میں خبر رساں ایجنسیوں سے خبر آئی کہ "برطانیہ میں مقیم مسلمانوں نے اس میلہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور کہا کہ اس میلے سے اسلام کو غلط رنگ میں اور توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے میلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصویر ہٹا دینے اور اسلام کے نام پر رقص و سرود پر پابندی لگا دینے کا بھی مطالبہ کیا کہ نہ یہ باتیں اسلام میں ہیں اور نہ اسلامی ثقافت میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کو مسخ کر کے غلط رنگ میں پیش کرنے کی ایک سازش ہے۔" اس عام بے چینی اور احتجاج کے علاوہ دیگر عربی اخبارات اور رسائل کے ذریعہ بھی میلہ کا پس منظر اور محرکات و مقاصد واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام کے تعارف اور تبلیغ کے نام پر منعقد اس جشن میں ناچ گانے کے رنگا رنگ پروگرام دکھائے جا رہے ہیں۔ کلاسیکی موسیقی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اسلام کی غلط تعبیریں پیش ہو رہی ہیں۔ تیمم جیسے معروف اسلامی حکم کو وضو کی طرح کلی، غرغرہ، اور پاؤں پر مسح کرتے ہوئے لندن ٹیلیویژن پر دکھایا گیا۔ الغرض یہ بات اب واضح ہو گئی ہے کہ یورپ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور لوگوں کے جذبۂ تجسس کے پیش نظر یورپ نے خود چاہا کہ اسلام کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ادنیٰ روحانی سکون کے متلاشی یورپی اقوام اسے بھی ذوق و شوق، طاؤس و رباب اور رقص و غنا کا ایک مذہب سمجھ لیں اور اسلام کی اصل تعلیمات اور اصول ان کی نگاہوں سے مستور رہ جائیں۔

اس میلہ کے انعقاد کی خبر گرم ہوئی تو ہمارا دل دھڑکا اور یہی تاثر ہوا کہ یہ اسلام کو مسخ کرنے

کی ایک گھناؤنی سازش ہے ——— اور بحمداللہ یہ شرف پورے ملک میں صرف الحق کو حاصل رہا کہ ہم نے برملا فروری اور مارچ کے الحق میں اپنے خدشات کا اظہار ان الفاظ میں کیا اور کارپردازانِ جشن کو ان الفاظ میں متنبہ کیا :-

> "کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ اور شرمناک رویہ مستشرقین کی طویل سازشوں اور عملی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارہ میں چوکنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے (آگے چل کر) ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہئیے۔ کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا اور اس کی ابدی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیر خواہوں کے لئے چوپٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایسا معجونِ مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا قوام نام نہاد آرٹ کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہل خیر اور اربابِ علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام میں حصہ لے رہے ہیں ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان، اہل علم اور اسلامی ادارے اس میلہ پر گہری نگاہ رکھیں ——— یہودیت اور استشراق حالات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچلی بدلتی رہتی ہے۔
>
> (نقشِ آغاز، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء)

مسلمانوں کا افسوسناک طرزِ عمل مگر حیرت اور افسوس تو مسلمانوں کی اس عام سادہ دلی، خوش فہمی اور ظاہر پرستی کا ہے کہ وہ کہیں بھی اسلام کے نام پر کوئی بھی دعوت، پروگرام اور منصوبہ سنتے ہی خوشی سے ناچنے کودنے لگتے ہیں، حقیقت بینی، دور اندیشی اور غور و فکر، پس و پیش کا جائزہ، ماضی کے تجربات سے سبق، یہ چیزیں مسلمانوں میں ایسے موقعوں پر بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں۔ ایک غیر مسلم تنظیم نے میلے کا ڈھونگ رچایا تو اسلامی ممالک نے کروڑوں کا سرمایہ پیش کر دیا۔ ہمارے بعض سکالر اور علماء

منکرین جو ایسی ہر تقریب کے لئے صرف ہوائی ٹکٹ کے منتظر رہتے ہیں اور سال بھر ایسے جشنوں کے بہانے اعلیٰ ہوٹلوں میں قیام اور سفر خرچ وصول کرنا ان کا مشغلہ حیات ہے۔ علم و ثقافت اور اسلام کے نام پر کہیں جہنم سے بھی ہوائی ٹکٹ اور دعوت آ جائے تو مستعد رکاب ہو جائیں گے ان کا خیال ہے کہ اسلام کی تبلیغ و تعارف کے لئے اسلاف کی طرح پردیس اور سفر کی مشقتیں اٹھا اٹھا کر صحراؤں کی خاک چھاننا ضروری نہیں نہ مومنانہ کردار و عمل اقوام عالم میں اسلامی انقلاب کا ذریعہ بنا ہے۔ بس کہیں کلوکیم، کانگریس اور ثقافتی تقریب میں ایک آدھ مقالہ محاسنِ اسلام پر سننا سنانا ہی کفایت کرتا ہے۔

یہی حال بعض اسلامی تنظیموں اور جماعتوں کا ہے جس میں ہمارے ہاں کی ایک جماعت بھی پیش پیش ہے۔ جو پروپیگنڈہ کی کوئی ایسی تقریب ہاتھ سے جانے نہیں دیتی اور عواقب و محرکات سے بے نیاز ہو کر پورے صحافت اور قلم کے لاؤ لشکر کے ساتھ اس کی تائید و تحسین میں شریک ہو جاتی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت جو اسلام کے فروغ و اشاعت کے سچے درد کی وجہ سے کہیں بھی موقع ملے خزانے کھول دیتی ہے۔ اس نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد میں بھرپور حصہ لیا، مگر اب حقائق سامنے آنے پر سعودی عرب کے اخبارات اسے "باسم الاسلام رقص و غناء و نساء" (اسلام کے نام پر رقص و سرود اور عورتیں) قرار دے رہے ہیں اور مسلمانوں کی عام سادہ لوحی کا ماتم ان الفاظ میں کر رہے ہیں کہ ھکذا نحن المسلمین نفرح و نرقص طرباً عندما نسمع ای خبر عن مھرجان او احتفال باسم الاسلام۔ (المدینۃ۔ سعودی عرب)

بہرحال یہ نمائش اور بے عمل مسلمانوں کو ہر دور میں نقصان پہنچانے کا باعث ہوا ہے مگر ہزار تجربوں کے بعد بھی ہمیں تنبیہ نہیں ہوتی۔ کاش! ہم نے سوچا ہوتا کہ اسلام کا ازلی دشمن یورپ اور غیر مسلم تعلیم اسلام پیش کرنے میں کہاں تک انصاف سے کام لے گا؟ اور کاش! ہم سمجھیں کہ ہمارے اسلاف نے چین سے لے کر کاشغر تک دنیا کے کفر و ضلال کو سیرت و کردار، ایمان و یقین، جہاد و عزیمت، ایثار و قربانی کے کن ایٹمی ہتھیاروں سے مسخر کر دیا تھا اور ان کے تعارف و تبلیغ اسلام کے طریقے کیا تھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

باب ۱۳

اسلامی دستور اور قانون

حدود و تعزیرات، قانون سازی اور تدوین آئینِ اسلامی
کی
جدوجہد

اسلامی آئین کی تدوین اور نفاذ کا مسئلہ

مرکزی وزیرِ قانون مسٹر ایس ایم ظفر صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ حکومت "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" (اسلامک انسٹی ٹیوٹ) کے ذریعہ اسلامی قوانین واحکام سے متعلق ایک جامع کتاب مرتب کروا رہی ہے۔ یہ کتاب چار سال کے اندر مکمل ہو کر عدالتوں کی راہنمائی کے لئے استعمال ہو سکے گی۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اس جامع اور اساسی کتاب میں "جدید علماء" کے افکار کو بھی جگہ دی جائے گی"۔ جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا سوال ہے، ہم اس کی ہر لحاظ سے تحسین کریں گے۔ کیونکہ پاکستان بجائے خود منزل نہیں بلکہ حصولِ مقصد (اسلامی نظام اور کتاب وسنت کے نفاذ) کا ذریعہ ہے۔ اور جتنا بھی جلد ہو سکے اس ملک میں کتاب وسنت کی حکمرانی اور انہی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ برپا ہونا چاہیئے لیکن "اسلامی قانون" پر مشتمل یہ کتاب اگر اس "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" کے ذریعہ مدون ہوئی جس کا مشغلہ آج تک دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اسے مشقِ تحریف بنانے کے سوا کچھ نہیں رہا تو اسلامیانِ پاکستان اسے ہرگز قبول نہیں کر سکیں گے۔ ان "جدید علماء محققین" کے مشاغل و عزائم کی کچھ جھلکیاں ہم وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس ادارہ کے "شہرۂ آفاق محقق" ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اصل روپ بھی اب مسلمانوں سے مخفی نہیں رہا ——— یہ بات بالکل واضح اور قطعی ہے۔ کہ مسلمانوں کو وہ اسلام درکار ہے، جو محمد عربی علیہ السلام سے خلفاءِ راشدینؓ صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ اربعہ (ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، مالکؒ) غزالی و رازی اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ رحمہم اللہ کی وساطت سے پہنچا۔ وہ اسلام ہرگز نہیں جو عیسائی اور یہودی مستشرقین (شاخت، اسمتھ اور گولڈزیہر) اور ان کے شاگردانِ رشید پیش کریں۔ ہم دینِ منزل اور کلمۂ طیبہ کا اسلام چاہتے ہیں۔ نہ کہ میکگل اور مانٹریال کی یونیورسٹیوں کا۔ اگر واقعی حکومت اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کا نفاذ چاہتی ہے تو یہ کام ہرگز ایسے اداروں سے نہ ہو سکے گا۔ جن کے مساعی کا نتیجہ سوائے ضیاعِ وقت وسرمایہ کے اور کچھ نہیں نکلتا اور جن کی تحقیقات مسلمانوں کی مزید دل شکنی اور نظریہ پاکستان سے انحراف، باہمی تفریق وانتشار اور

پاکستان کی سالمیت کو نقصان کا باعث بن رہی ہیں۔ اگر صاف دلی اور اخلاص سے اسلام کی بالاتری گوارا اور مطلوب ہے تو اُس اسلام کو، اُس اسلامی قانون کو میدان میں لائیے جس کی صداقت اور سچائی پر چودہ سو سال سے مسلمانوں کا ایمان ہے۔ نہ وہ اسلام جو بیسویں صدی کے مغرب زدہ پڑھے دماغ اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہے۔ اور اگر اس قسم کے اعلانات اور منصوبوں سے محض دفع الوقتی مقصود ہے تو خدارا اسلام کو ماڈرن بنانے اور اس کا حلیہ بگاڑنے کا یہ مشغلہ بند کروا دیجئے۔ ہمیں یقین ہے جس خدا نے اسلام کو تا قیامت پسندیدہ دین قرار دیا وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ (وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم ———۔ (اکتوبر ۱۹۷۰ء)

بحرانوں کا حل۔ اسلامی آئین پر اتفاق کی ضرورت

اس وقت پاکستان کا اہم ترین مسئلہ "آئین سازی کا مسئلہ" ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کو سیاسی اور گروہی نقطۂ نظر سے ہٹ کر نگاہ رکھنی چاہیئے۔ بظاہر اسمبلی کا آغاز ہونے والا ہے مگر آئین کے بارہ میں کوئی واضح اور غیر مبہم صورت حال اب تک سامنے نہیں آسکی۔ دو اکثریتی پارٹیوں کے سربراہوں کے درمیان ڈھاکہ میں ہونے والے مذاکرات کو بھی اس لحاظ سے خوش آئند نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری طرف اسلام اور نظریہ پاکستان کی دعویدار جماعتیں ہیں جن میں باہمی اتحاد اور مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جب کہ ایک معمولی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مفاہمت اور یگانگت کا معاملہ فوری توجہ کا مستحق تھا۔ جن انتشار، خلفشار اور باہمی غلط فہمیوں کی وجہ سے محب اسلام طاقتوں کی، فیصلہ کن اکثریت کی بجائے موجودہ اسمبلی میں اقلیت بننا پڑا۔ آج بھی اگر وہ اقلیت بے شمار اکائیوں میں بٹی رہی تو اسلامی آئین کا مسئلہ ایک مذاق بن جائے گا، اور پوری ملت کو اس شامتِ اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ہمیں اکثریت حاصل کرنے والے زعماء کے اس سکوتِ مجرمانہ پر بھی حیرت ہے۔ جو کل تک اقتدار اور کامیابی حاصل کرنے کے خیال سے اپنے دیگر دعووں کے ساتھ ساتھ

قرآن وسنت اور اسلامی آئین کی بالادستی کا اعلان بھی کرتے رہے مگر انتخابات کے بعد وہ اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان کا ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہے اور وہ اسلامی آئین کو اپنے خود ساختہ معاشی یا اقتصادی و انتظامی نکات کے لئے ایک رکاوٹ سمجھ کر اس سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہاں کے غیور اور جمہور مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت اسلامی آئین کے معاملہ میں اب بھی اُن چند گنے چنے علماء حق اور محب وطن وملت افراد کی پُشت پر ہے جن کی ایک معمولی اقلیت دستور ساز اسمبلی تک پہنچ چکی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ اکثریتی پارٹیوں کی آئین کے مسئلہ پر مفاہمت اور اتفاق رائے ہو جائے اور اس بدقسمت ملک کا یہ بحرانی دور جلد از جلد ختم ہو جائے۔

لیکن یہ حقیقت مدِ نظر رہنی چاہیئے کہ ایسی کوئی مفاہمت یا گٹھ جوڑ یہاں کی تمام اسلامی قوتوں کے لئے ناقابلِ قبول ہوگی جس میں پاکستان کی اساس اسلامی آئین کے بنیادی اصول کو بالائے طاق رکھا گیا ہو۔ ایسی قابلِ قبول مفاہمت اگر ہو سکتی ہے تو علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والی ان تمام پارٹیوں کا اعتماد لے کر ہو سکتی ہے جنہیں قوم نے اسلامی آئین کی تمنا لے کر منتخب کیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ جمعیت العلماء اسلام بھی قابل اور سنجیدہ جدید علماء اور قانون دان حضرات کے تعاون سے اپنا ایک مسودہ اسمبلی میں پیش کر رہی ہے مگر اس بارہ میں بھی ہماری مخلصانہ و نیاز مندانہ گذارش یہی ہے کہ جمعیت کے زعماء بالخصوص قائد جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اس مسودہ کو اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل اس کے بارہ میں ملک کے مختلف مکاتب فکر کے علماء اسلامی جماعتوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش فرمادیں اسی طرح منتخب علماء کی دوسری جماعت جمعیت العلماء پاکستان کے اکابر کا بھی۔ باہمی بحث اور غور و فکر کے بعد ایک ہی مسودہ پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اور اسلامی جذبہ سے معمور دیگر منتخب افراد سے

موجودہ حکومت بھی ملک کو ایک آئین دے چکی ہے مگر اب تک صحیح اور جامع اسلامی آئین اور اس کے حصول کے لئے اس جدوجہد کی ضرورت باقی رہتی ہے جس کا ذکر اس شذرہ میں کیا گیا تھا۔

بھی اس مسودہ پر مشورہ کر لیا جائے تو ایسا کرنا پوری ملت اور پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا۔

اگر خدانخواستہ اسلامی آئین کے نام سے کئی ایک الگ الگ مسودے پیش کئے گئے اور اسمبلی میں بھی اسی انتشار اور باہمی اختلاف کا مظاہرہ ہوا تو یہ بات نہ صرف پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے "اسلامی آئین" کے موقف کو نقصان پہنچائے گی۔

اس وقت انتخابی سیاست اور گروہی نعروں کا وقت گزر چکا ہے۔ پوری ملت کے لئے آئین اور اسلامی آئین کا مرحلہ درپیش ہے، جس کے بارہ میں وقتی اور جزوی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر پورے ایمانی جذبہ اخلاص اور دلسوزی سے سوچنا اور قدم اٹھانا ہے آج نہ صرف پاکستان کے ہر اس دردمند شہری کی نگاہیں منتخب ہونے والی پارلیمنٹ پر لگی ہوئی ہیں جس کا دل لا الٰہ الا اللہ کی آواز پر دھڑکتا ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس نازک امتحان میں پاکستان کی ملتِ مسلمہ کی طرف نگاہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ فروری ۱۹۷۱ء

آئین ساز اسمبلی

اہل افراد کی ضرورت

جیسا کہ موجودہ حکومت (عہد یحییٰ کا دور) کے واضح اور دو ٹوک اعلانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنے والے آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کا اوّلین مقصد ملک کے لئے دستور تیار کرنا ہے۔ دستور بھی ایسا جو نظریہ پاکستان اسلام کے تحفظ پر مبنی اور خالص اسلامی نظام کی ضمانت دیتا ہو اس مقصد کے حصول کا بے خطر راستہ ایک تو وہ ہے جسے ہم نے کئی ماہ قبل شرح و بسط سے انہی کالموں میں پیش کیا تھا کہ دستور سازی کا مسئلہ مختلف نظریات سے تشکیل پانے والی اسمبلی پر چھوڑنے کی بجائے حکومت جرأتِ مومنانہ سے کام لے کر ایک آرڈیننس کے ذریعہ ایسا دستور نافذ کر دے جو خالص اسلامی دستور ہو۔ اس طرح ملک ان خطرات سے نکل سکتا ہے جس میں وہ گھرا ہوا ہے اگر ون یونٹ کی تنسیخ بالغ رائے دہی اور مساوی نمائندگی کی بنیاد پر انتخابات کا فیصلہ غیر جمہوری نہیں بلکہ جمہوریت کی پاسداری ہے۔ تو جس ملک کے جمہور کی عظیم اکثریت اوّل دن سے لے کر اب تک اسلامی آئین اور اسلامی نظام حیات کے لئے تڑپ رہی ہو اسے ایک قطعی اعلان کے ذریعہ اسلامی اور عوامی آئین مہیا کرنا ہرگز غیر جمہوری اقدام نہ ہوگا بلکہ وہ موجودہ حکومت کا ایک ایسا کارنامہ ہوگا جسے رہتی دنیا تک سراہا جائے گا۔

یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ بہت سے رہنماؤں اور لیڈروں نے بھی اس قسم کا مطالبہ کیا۔

اسلامی آئین کی تدوین کے لئے علم اور تقویٰ کے بنیادی شرائط

مگر اب جب کہ آئین سازی کا کام آئین ساز اسمبلی کو سپرد کیا گیا ہے تو اس مقصد کے حصول کی ایک ہی

صورت نظر آتی ہے کہ اسمبلی میں ایسے علماءِ حق کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیجا جائے جن کے علمی تبحر، دینی مقام، دیانت، تقویٰ اور اسوۂ سلف کی پیروی اور راسخ العقیدہ ہونے پر عامۃ المسلمین کو اعتماد ہو۔ ان کا مشغلہ شب و روز قرآن و سنت اور اسلامی علوم کے درس و تدریس اور اشاعت و ترویج ہو اور جو غالب اکثریت میں اسمبلی میں پہنچ کر پاکستان کو ایک ایسا آئین دے سکیں جو تمام بیرونی اثرات سے پاک ہو اور قرآن و سنت، آثار صحابہؓ و سلف پر مبنی ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا کے تمام معاملات کے لئے ہم متعلقہ امور ان ہی لوگوں کے سپرد کرتے ہیں جن میں اس کام کی اہلیت تجربہ اور مہارت موجود ہو۔ میز کرسی بنوانے کے لئے بڑھئی مشین کی خرابی کے لئے مستری اور انجنیئر کی تلاش کرتے ہیں۔ برٹش لاء کے لئے کسی ایل ایل بی ایڈووکیٹ کو اور اپریشن کے لئے ماہر سے ماہر سرجن کو دیکھتے ہیں۔ تو اسلامی اصولوں پر مبنی آئین کوئی ایسا مذاق نہیں جس کے لئے نہ تو کوئی اہلیت و صلاحیت ضروری ہو نہ لسانی اور عربی علوم کی مہارت اور نہ خود ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے معیار کا لحاظ۔ نیز ہر وہ جماعت جو اسلام اسلام کا نعرہ پکارتی ہے مگر اسمبلی میں ایسے راسخ العقیدہ علماءِ حق کو غالب اکثریت میں بھیجنے کے لئے تیار نہیں تو ان کا نعرہ محض فریب حصولِ اقتدار کا ایک ذریعہ ہے۔

آج مسلمانوں کے پاس تمام سیاسی جماعتوں کی اسلامیت جانچنے کی ایک ہی کسوٹی ہے۔ کہ جس اسلام کی وہ دن رات رٹ لگاتے ہیں کیا اس کی خاطر وہ آئین سازی کے لئے خدا ترس متدین اور مسلمانوں کے قابلِ احترام علماءِ حق کو بھیجنے کے لئے تیار ہیں یا پھر وہ اپنی اسلام پسندی کے نعروں کے باوجود اپنی پارٹی جتھہ اور گروہ بندی کی پوجا پاٹ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو نامزد کر رہے ہیں جنہیں اسلامی علوم کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں نہ ان کا عقیدہ اور ایمان اسلامی آئین کے اجزاء پر راسخ ہے بلکہ ان کا عمل بھی سر سے پاؤں تک اسلامی آئین سے بیزاری اور بغاوت کا کھلا اعلان کر رہا ہے۔ اگر ایسی ہی صورت سامنے آتی ہے تو ظاہر ہے کہ

آئندہ اسمبلی میں بھی اسلام کا وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلی اسمبلیوں میں ہوا اور نتیجہ میں وہ خلفشار اور سرپھٹول نمایاں ہوگا جس کا خمیازہ نہایت بھیانک شکل میں پوری قوم کو بھگتنا پڑے گا۔

آئینِ اسلامی کے لئے علماء کا عملی سیاست میں حصہ

الحمد للہ کہ اسلامی آئین کے مقصدِ عزیز کی خاطر ملک کے دونوں حصوں کے تقریباً ہر خطہ سے ممتاز جیّد نمائندہ علماء، اکابرِ وقت بزرگ اور مشائخ اپنی عزت اور آبرو وسائل و اسباب کی فکر سے بے نیاز ہو کر الیکشن کے اس خارزار اور پُرخطر وادی میں کود پڑے ہیں۔ اور مرکزی اسمبلی کے لئے الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں۔ تاکہ اس طرح وہ اس امت پر اتمام حجت کر کے اللہ تبارک و تعالے کی بارگاہ میں خود تو سرخرو ہو جائیں۔ فریضۂ نیابتِ نبوت کی اس ادائیگی کے بعد اب قوم کے لئے کوئی حیل و حجت اور عذر و بہانہ نہیں رہے گا۔ اور نہ آئندہ یہاں کے مسلمان کوئی شکوہ و شکایت کر سکیں گے کہ علماء حق نے براہ راست قوم کی رہنمائی کے لئے میدانِ سیاست میں کودنے سے دریغ کیا۔ علماء حق کے بس میں یہی ہے۔ آگے فیصلہ قوم پر ہے کہ وہ سیاست کی شعبدہ بازیوں میں پھنس کر قدرت کے دیئے ہوئے اس سنہری موقع کو ضائع کرتے ہیں یا پھر سنبھل کر قرآن و سنت کو عملاً نافذ کرانے کے لئے علماء حق کی عظیم اکثریت کو اسمبلی میں پہنچاتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں علماء کرام و مشائخ کا اپنے دینی، علمی اور روحانی مشاغل اور مصروفیات چھوڑ کر اور گوشۂ خلوت سے نکل کر انتخابی میدان میں حصہ لینا شاید اس ملک کی تاریخ میں پہلا موقع ہے۔ اگر یہ موقع بھی قوم ضائع کرتی ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس اتمامِ حجت کے بعد آئندہ اس ملک کے قائم رہنے کی کیا صورت ہوگی۔

یہ حضرات علماء کرام اور اکابرِ وقت مشائخ بارگاہِ ایزدی میں یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہم نے تو دریغ نہ کی جو ہم سے ہو سکا کیا۔

عام سیاسی حالت، مسلمانوں کی دین سے برگشتگی، سیاست دانوں کی اسلام کے بارہ میں غیر مخلصانہ بلکہ منافقانہ روش، پارٹی اور جماعت کے نام پر گروہ بندیاں، باہمی تعصب و تحزب کی بناء پر نہیں کہا جا سکتا کہ علماء حق آئین ساز اسمبلی تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں — مگر حصول رضائے الٰہی، دین حق کے فروغ کے لئے جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جد و جہد اور وراثت نبوت کی بناء پر فریضہ کی ادائیگی کے لئے تو ایسے لوگ ہر صورت میں اس میدان میں کامیاب اور سرخرو ہوں گے کہ اصل کامیابی تو یہی ہے۔ اگر خدانخواستہ ظاہری حالات میں کوئی دوسری صورت ہو جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری قوم پر ہوگی اور روسیاہی بھی اگر ہوگی تو پوری قوم کی اور علماء حق کہہ سکیں گے کہ ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ہمیں اسلام اور وطن عزیز کے نام پر اور خدائے حی و قیوم سے کئے گئے عہدِ میثاق کے واسطہ سے پوری توقع ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں جس پارٹی اور جماعت سے بھی تعلق رکھتے ہوں ہر قسم کی گروہ بندی، اقرباء پروری، قبیلہ اور قوم علاقائی اور وطنی یا نظریاتی بندھنوں سے آزاد ہو کر آنے والی مرکزی اسمبلی کے لئے اپنے ووٹ کی امانت اپنے علاقہ کے ان امیدواروں کے حق میں استعمال کریں گے جو قرآن و سنت کے مستند عالم ہیں۔ دینی فرائض اور وظائف کی ادائیگی ان کا شیوہ ہے۔ عوام کو ان کی رسوخ علمی اور خشیت خداوندی پر اعتماد ہے۔ اور خود ان کا یقین بھی صرف اور صرف اسلام پر ہے جو خیر القرون کا اسلام، صحابہ کرام اور تابعین ائمہ عظام کا اسلام تھا۔ کتاب و سنت اور قضایائے سلف پر مبنی اسلام

یہی لوگ آئین سازی کے اہل ہیں اور ان لوگوں کا ترتیب دیا ہوا آئین ہی ملک کی کشتی کو موجودہ منجدھار سے نکال کر ساحل تک پہنچا سکتا ہے ــــ

آئین سازی کے محدود وقت کے پیشِ نظر علماء کرام پر بھی ایک نازک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ علمی اور سیاسی مشاغل سے کچھ وقت نکال کر اور باہمی رنجشوں کو بھول کر آئین سازی کے بنیادی خطوط، طریقِ کار پر بھی ابھی سے غور و فکر شروع فرمائیں۔ بنیادی اور اصولی چیزوں کا خاکہ تیار کر لیں۔

اسلامی آئین اور علماء کے فرقہ بندی کے افسانے: جہاں تک اسلامی آئین کا تعلق ہے۔ بحمد اللہ اس کے اصول تو کیا تفصیلات تک میں علماء کرام کے مکاتبِ فکر اور مختلف فقہ متفق ہیں۔ اس بارہ میں اختلاف اور افتراق کا افسانہ گھڑ کر کے تجدد پسند اور لادینی عناصر اسلامی آئین سے فرار کا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ علماء چاہیں تو آپس میں قرارداد مقاصد اور متفقہ بائیس نکات پر ہی سے آئین کے لئے از سر نو تجدید عہد کر سکتے ہیں۔ اور انہی چیزوں کو بنیاد بنا کر گذشتہ ۵۶ء ۶۲ء کے آئینوں سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں جو چیزیں قرآن و سنت کے مطابق ہوں آئین انہی سے لیا جائے اور جو باتیں اسلامی اور قرآنی اقتدار کے منافی یا کسی شخصی یا گروہی اغراض پر مبنی نظر آئیں مطلقاً چھوڑ دیا جائے۔ اگر ابھی سے اس کام کو زیرِ غور رکھا گیا اور تیاری شروع کر لی گئی اور اسمبلی میں جانے والے تمام افراد نے آئین کے حق میں مخلصانہ اور خیر خواہانہ روش اختیار کی تو انشاء اللہ ۱۲۰ دن نہیں، دس دن میں ملک کو اسلامی آئین مل سکے گا۔ اور اگر ارکان کے انتخاب، آئین کی ترتیب و تدوین وغیرہ میں قوم و اسمبلی اپنی اسی روش پر چلی جو پچھلے ۲۳ سال کا شیوہ رہا تو ۱۲۰ دن تو کیا ایک سو بیس سال میں بھی یہ قوم کسی پائیدار اور مستحکم اسلامی آئین اور اس کی برکات سے مالامال نہیں ہو سکے گی ــــ حق تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

(دسمبر ۱۹۷۰ء)

۲۸ جون [illegible]ء کی شام کو پوری قوم صدر ضیاء صاحب کی تقریر کے لئے گوش برآواز تھی، صدر کی تقریر موجودہ حالات میں بہت حد تک جاندار سیاسی تعطل میں ارتعاش پیدا کرنے والی تھی۔ اکثر لیڈروں کا فوری ردِ عمل اظہارِ اطمینان تھا اور اس میں شک نہیں کہ مشروط غیر ملکی امداد کے بارہ میں خوددارانہ رویّہ، نظریۂ پاکستان اور اسلامی آئین سے وفاداری کا عہد، بھارت کے مذموم ارادوں کے سامنے عشقِ نبویؐ سے سرشار ہو کر ڈٹے رہنے کا عزم، بحالیٔ جمہوریت و انتقالِ اقتدار کے راستے پر گامزن رہنے کے عہد کی تجدید۔ یہ سب باتیں سراہنے کے قابل تھیں مگر ہمارے خیال میں تقریر کا اہم اور بنیادی حصہ وہی ہے جس کا تعلق آئین کے نئے طریقِ کار سے ہے۔

قومی زندگی میں آئین کی اہمیت آئین کسی قوم کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا سرچشمہ اور کسی قوم کی تشکیل اور عروج و ارتقاء میں اس کا حصہ ریڑھ کی ہڈی بلکہ روح جیسا ہوتا ہے۔ اس لئے آئین سے متعلق کوئی اقدام پوری قوم کی نظری و فکری قوتوں کا محور ہونا چاہیئے اور آئین کا نام آتے ہی پوری قوم کے دل کی دھڑکن تیز ہونی چاہیئے کہ ع

عشق است و ہزار بدگمانی

آئین کے موجودہ منصوبے نے ہمارے ان خدشات کو ثابت کر دکھایا کہ قوم کی اکثریت کا موجودہ جمہوری مزاج ایسے نازک ترین کام کا متحمل نہیں نہ تو وہ جذبات اور پُرفریب تصورات سے ہٹ کر صحیح پارلیمنٹ کا انتخاب کر سکتی ہے۔ نہ موجودہ شکل میں منتخب پارلیمنٹ خلوص، للّٰہیت سے کام لے کر اسلامی تقاضوں اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اسلامی آئین ملک کو دے سکتی ہے۔

اسلامی آئین کی تشریح اور آئین سازی کو تو چھوڑیئے جس کا حق مخلوق کے خالق نے کسی کو دیا ہی نہیں کہ خلق کے ساتھ امر[1] کا رشتہ بھی اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جدید تقاضوں کے مطابق آئین کی تشریح و تعبیر اور تدوین و تشخیص بھی اتنا معمولی کام نہیں جسے "جمہوریت" کی پیداوار ایک ایسی پارلیمنٹ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے جس کی اکثریت کی دین سے وفاداری تو کیا ملک و ملت سے "وفاداری" کا مسئلہ بھی پوری قوم کے لئے المناک بحران کا سبب بن جائے۔

ایسے حالات میں کسی مسلمان قوم کا خدا ترس اور غیور حکمران اگر کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ تمام تعصبات اور اختلافات سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کو جو سراپا عدل و انصاف اور ابدی فلاح و سعادت کا موجودہ دنیا میں واحد کفیل ہے، ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر دے، موجودہ دور میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نمائندگی، انتخابات اور اس کے لئے رہنما بنیادی اصول، ملک کی بقاء کی خاطر جمہوریت کا تعطل اور بالآخر فوجی آپریشن، معاشی بحران کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی تنسیخ کا حکم یہ سب ایسے فیصلے ہیں جو قوم کی پسند و ناپسند کے مرہون نہیں ہوتے بلکہ حالات کا تقاضا اور پوری قوم کے لئے واجب العمل بن جاتے ہیں۔

آئین اور یورپ کا تصورِ جمہوریت یہی صورت ہمارے اہم اور بنیادی مسئلہ آئین کی بھی ہے اگر اس کے بارہ میں ہمارا طرزِ عمل یورپی قوم جیسا نہ ہوتا تو اب تک ہماری قومی زندگی کا بہترین حصہ ضائع نہ ہوتا۔ یورپ جو آئین کے معاملہ میں کسی آسمانی مذہب یا اخلاقی اور روحانی قدروں کا پابند نہیں۔ وہ اگر چاہے تو لواطت اور زنا کو بھی قانونی شکل دے کر تالیاں پیٹے، پارلیمنٹ کی خاتون لیڈر کھلے ایوان میں ناجائز حمل سے بھرے پیٹ کو لے کر اعلان کرے کہ اخلاق کا تعلق نجی زندگی سے ہے اس کا تعلق سیاسی زندگی سے کچھ بھی نہیں۔ تو اسے زیب دیتا ہے کہ آئین سازی کا کام انسانوں کے منتخب کسی

---

[1] الا له الخلق والامر

ادارہ پر چھوڑ دے۔

تشریع نہیں تشریح مگر جو قوم مسلمان کہلائے اس کے پاس تو بنا بنایا قانون کتاب و سنت اور اس کے متعلقات کی شکل میں موجود ہے جس پر فیصلہ اور عمل درآمد اسلام کی شرطِ اوّلین ہے۔ ایسی قوم کو کب جائز ہے کہ خود "آئین سازی" کا دعویدار بن کر مغرب کے نقشِ قدم پر آئین جیسی مقدس آسمانی امانت کو بازیچۂ ہوٰی وہوس بنا دے۔ ہاں معاملہ آئین دانی اور پھر اس کی روشنی میں جدید حوادث ونوازل اور حالات اور تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا ہے جس کے لئے اگر قوم چاہتی تو بہتر صلاحیت کے رجال کار منتخب کر کے ملک وملت کی گاڑی ہلاکت اور بربادی کی دلدل سے نکال دیتی مگر صد حیف کہ وہ موقع بھی ضائع کر دیا گیا اور تیر کمان سے نکل چکا ہے اور شاید مجموعی قوم کی غیرت ملّی کے جنازہ کو کندھا دینے کے لئے غیر مسلم افراد ہی آگے بڑھنے لگ جائیں۔ یہ مکافاتِ عمل ہے اور قدرت کی طرف سے تازیانہ۔

ایسے حالات میں آئین کے لئے کمیٹی کا تقرر اور نیا طریقِ کار کافی حد تک غنیمت ہے، بشرطیکہ چند امور کا خاص خیال رکھا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے نازک اور اجتماعی کام کے لئے صدر محترم کی کوششیں جتنی بھی بے لوث اور مخلصانہ کیوں نہ ہوں ایک عادلانہ اسلامی آئین کے سلسلہ میں تب بار آور ہو سکتی ہیں کہ آئین کی تدوین و تشکیل کے لئے صحیح اور اہل رجال کار کا انتخاب کیا جائے۔ کوئی ادارہ ہزار نیک نیتی خلوص اور پاکیزگی مقصد کے باوجود اہل افراد کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ گو ہمیں اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آئین کمیٹی میں کن لوگوں کو لیا گیا ہے؟ مگر اسلامی آئین کے تحفظ و اہمیت کے بارہ میں جناب صدر کی بار بار یقین دہانیوں کو دیکھتے ہوئے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہوگا، اور پچھلے ۲۰ سال کے مختلف آئینی بورڈوں اور کمیشنوں کے عبرتناک انجام کو نگاہ میں رکھا ہوگا جو اسلام کے بارہ میں خام خیالی اور تجدد زدگی کی وجہ سے الحاد و تحریف کی رو میں بہہ کر حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت اور بعد کا سبب بنے اور بدقسمتی سے اسلامی قانون کی سمت قوم کا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کا بنیادی سبب اگر تھا

تو یہی کہ ایسے کمیشنوں کے ارکان کو وہ صلاحیت، استعداد اور اخلاص میسر نہ ہو سکی تھی جو کتاب و سنت کے مطابق آئین سازی کے لئے ضروری تھی، نہ وہ اسلامی شریعت کے مزاج کے واقف تھے نہ اسلام کی معاشرتی اور سماجی حکمتوں پر ان کی نظر تھی اور نہ ان کا کردار و عمل اس پیمانے پر پورا اترتا تھا۔ نتیجتاً وہ قوم کے دینی احساس، گرویدگی اور اسلام سے لگن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نئے زمانہ کی رو میں بہہ گئے اور اسلام کو ماڈرن شکل میں پیش کرنے میں روشن خیالی اور ترقی کا معیار سمجھنے لگے۔ فطری طور پر قوم کے باشعور اور دیندار طبقہ نے اسے مسترد کر دیا اور قوم کے اجتماعی معدہ نے ان سب چیزوں کو قے کر دیا — پچھلے طویل عرصہ کا یہ تلخ اور طویل تجربہ صدر صاحب کے سامنے ہے۔ اور وہ یقیناً نہیں چاہتے ہوں گے کہ قومی زندگی کے مزید قیمتی لمحات اس سبق اور تجربہ کے دہرانے میں گنوا دیئے جائیں۔

اس احساس اور جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر چند معروضات آئینی کمیٹی کے انتخاب کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جن کی رعایت ایک قابلِ قبول آئین اور ملت کی بقا و سلامتی کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔

(۱) ضروری ہے کہ آئین کمیٹی کے تمام افراد اسلامی آئین کو موجودہ تقاضوں اور نئے مسائل کی روشنی میں مدوّن کرنے کی ہر طرح اہلیت رکھتے ہوں اور انہیں اسلامی آئین کی جامعیت، اعتدال اور سراپا عدل و انصاف ہونے کا پختہ یقین ہو۔

(۲) اگر ایک طرف وہ عصرِ حاضر کے مسائل اور جدید علوم و نظریات پر نظر رکھتے ہوں تو دوسری طرف استدلال اور تشریح و تعبیر کی اسلامی حدود اور نزاکتوں سے بھی آگاہ ہوں۔

(۳) قرآن و سنت اور اسلامی قانون (فقہ اسلامی) پر انہیں نہ صرف مطالعاتی بلکہ تحقیقی دسترس ہو۔

(۴) عصرِ حاضر کی عملی اور علمی مشکلات کے حل کے لئے وہ دینی بصیرت، فراستِ ایمانی،

سلامت فکر، دینی پختگی، ملی غیرت، خدا ترسی، تقویٰ اور جذبۂ خیر خواہی وحق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں۔

(۵) ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزب، عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشاتِ نفسانی پر مبنی نہ ہو بلکہ اپنے تمام فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ، صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ فقہ اور تعامل سلف میں سے کوئی قوی بنیاد اور سند موجود ہو۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی افکار ونظریات اور نئے ازموں سے ان کا ذہن مرعوب نہ ہو تاکہ نہ تو وہ اسلام میں تحریف وترمیم کی جرأت کر سکیں اور نہ وہ اسلام کو ماڈرن بنانے اور خود بدلنے کی بجائے قرآن بدلنے کے جذبہ سے کام کریں۔

(۷) ایک اہم بات یہ کہ ایسے لوگوں کو پاکستان کے نظریاتی پس منظر کا نہ صرف احساس ہو بلکہ انہیں اسلام اور لا الٰہ الا اللہ کے نام پر مسلمانوں کی ان بے مثال قربانیوں سے جذباتی تعلق ہو جو پاکستان کی تشکیل وتعمیر کے نام پر دی گئیں۔ اگر ایسے افراد پاکستان کو کسی سماجی یا معاشی اور جغرافیائی مسئلے کا پیداوار سمجھتے ہوں تو وہ ہرگز کوئی مفید آئین نہیں دے سکیں گے۔

(۸) آخری بات یہ کہ تمام ارکان کو اس نازک ترین کام کے تقدس اور عظمت کا نہ صرف لحاظ ہو بلکہ ملک کی صحیح تعمیر اور قوم کی نیا پار لگانے کے لئے وہ اپنے اندر دیوانہ وار جذبۂ لگن عشق اور جوشِ عمل بھی رکھتے ہوں۔

ہمیں پورا احساس ہے کہ پچھلے دورِ غلامی نے قدیم وجدید کی جو دوئی پیدا کی ہے، پھر اپنی ستم کاریوں کی وجہ سے قحط الرجال کی جو صورت پیدا ہو چکی ہے کمیٹی میں بیک وقت ایسے جامع الصفات افراد کا مہیا ہونا مشکل ہے مگر اس مشکل کو قدیم وجدید دونوں قسم کے موزوں افراد کے حسین امتزاج ہی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ جدید ماہرینِ قانون کے پہلو بہ پہلو اسلامی علوم وفنون کی حامل شخصیتیں اگر اس کام میں شریک کی جائیں تو پوری قوم

کے لئے ایک قابلِ قبول آئین تیار کیا جاسکتا ہے۔ گاڑی کبھی بھی ایک پہیہ سے نہیں چل سکی۔ اس معاملہ میں بے احتیاطی ہمیشہ ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی چلی آرہی ہے۔

اسلامی آئین اور دورِ حاضر کے تقاضے رہ گئی اسلامی آئین کی تدوین اور اس کے قابلِ عمل ہونے کی بات تو یہ اب ایک ایسی کھلی حقیقت بن چکی ہے جس سے انکار سوائے عناد، ہٹ دھرمی اور اسلام کے بارہ میں کافرانہ ذہن کا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء نے مختلف پیرایوں میں اسے بارہا ثابت کیا ہے، جیسے ہم کسی دوسری فرصت میں بیان کریں گے۔ مغرب کا کوئی تمدنی اور معاشرتی یا سائنسی وفنی ایجاد و انکشاف اسلام کے ابدی اصولوں کو چیلنج نہیں کر سکتا، خرابی ہوگی تو ان طور طریقوں کی ذاتی ہوگی، جنہیں ہمیں یکلخت چھوڑ دینا ہوگا۔ جائز حدود میں کسی ترقی اور استفادہ سے اسلام ہمیں نہیں روکتا۔ اسی طرح اسلامی آئین ہی اس ملک کے واحد ذریعۂ نجات وبقاء ہونے پر بھی تازہ حالات نے مہر ثبت کر دیا ہے اس سلسلہ میں اہلِ زیغ والحاد اور تجدد زدہ افراد کے اٹھائے ہوئے شبہات پر توجہ دینا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ ضرورت بس اللہ کا نام لے کر پورے ایمان ویقین اور مومنانہ عزم وہمت سے کام کرنے کی ہے۔ پھر دیکھئے فلاح وسعادت کا کیسا ابدی نسخۂ اکسیر ہمارے ہاتھ آتا ہے اور ہماری تمام مصیبتیں کتنی جلد کافور ہوتی ہیں اور اللہ کی مدد کس کس طرح شریکِ حال ہوتی ہے۔

تدوین آئین میں پچھلے مفید کام سے استفادہ آئین کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ تدوین وتشکیل آئینِ اسلامی کے لئے وہ تمام مفید مواد بھی سامنے رکھے جو پچھلے ۲۲ سال میں اہلِ حق علماء اور خدا ترس افراد کے بہترین دماغوں نے سفارشات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ قراردادِ مقاصد اور اس دور کی "تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ" کی سفارشات، مختلف مکاتبِ فکر کے متفقہ ۲۲ نکات، تعلیمی اصلاحات کے بارہ میں مختلف رپورٹیں، عائلی رپورٹیں، معاشی اصلاحات کے بارہ میں ہر مکتبِ فکر کے ۱۱۸ علماء کی اصلاحات کا خاکہ یہ سب چیزیں آئین

ہیں بہترین رہنما اصول ثابت ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ علماء کی ان مختلف جماعتوں سے بھی اگر آئین کی تدوین و ترتیب کے لئے سفارشات طلب کی جائیں جو موجودہ پارلیمنٹ میں سیٹیں حاصل کر چکی ہیں اور جنہیں اسمبلی میں آئین کے بارہ میں رائے اور مشورے کا موقع دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو آئین سازی کا کام بہت حد تک سہل ہو سکتا ہے۔ جمعیت العلماء اسلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ملک کے برگزیدہ علماء و مشائخ کی بہت بڑی جماعت ہے۔ اس جماعت کے بہترین ماہرین اور جیّد علماء کے ایک بورڈ نے اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے ایک آئینی مسودہ تیار کر لیا ہے۔ اگر آئین کمیٹی اس سے بھی استفادہ کرے تو اس جماعت کے منتخب علماء آئندہ اسمبلی میں ترمیم اور اضافہ کی مساعی سے بچ جائیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالےٰ کمیٹی کے صحیح انتخاب اور آئین کی تیاری میں موجودہ حکومت کی دستگیری فرمائے اور قوم موجودہ غیر یقینی بحرانی کیفیت سے نکل کر یقین و اطمینان اور عزم و عمل کی دولت سے سرشار ہو۔ جولائی ۱۹۷۱ء

مغربی جمہوریت اور آئین سازی

ہمارے ہاں عموماً کچھ سیاست دان اسلام اور نظریۂ پاکستان کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ غریب عوام کو ایک تصوراتی جنّت دکھا دکھا کر سوشلزم یا اس کے ہم رنگ سنہری زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اوّل الذکر طبقہ کے گزشتہ طویل کارناموں، اسلام کے بارہ میں ان کا خام تصوّر اور معاندانہ روش کو سامنے رکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی معنوں میں ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس اور اسلام کی اہمیت اور ضرورت کا شعور پیدا ہؤا ہو۔ اور آئندہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو وہی پرانا سبق دہرا کر ملک و ملت کو ایک بار پھر ہیجان اور اضطراب سے دوچار نہیں کریں گے۔ بلکہ پوری ایمان داری اور دیانت داری سے کتاب و سنت پر مبنی اسلامی دستور پر

اتفاق کر سکیں گے۔

رہا دوسرا ذہن تو وہ بھی دعوؤں میں جو چاہے کہے اور جس طرح چاہے اپنے لادینی نعروں سوشلزم وغیرہ پر اسلام کی مہر لگائیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسی ارتیابی ذہنیت بھی ہرگز ہرگز ملک کو اسلام کا عادلانہ معاشی و معاشرتی نظام دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔

نفاق اور فکری کجروی پہلی ذہنیت نفاق اور دوسری فکری کجروی اور گمراہی کی غماز ہے۔ اور نتیجۃً اسمبلی میں جا کر ان کا اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو اسی مغربی تہذیب اور نظامِ حیات پر جس میں ہویٰ و ہوس اور نفس پرستی کی تسکین کا پورا سامان موجود ہے یا پھر کسی سوشلسٹ لائحہ عمل پر اس لئے کہ وہ بھی اخلاقی اور دینی قدروں سے آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ رہا اسلام کا نعرہ تو اس کی اثر پذیری تو اس وقت قائم رہ سکتی ہے جب اسے اس کے مکمل مفہوم اور مصداق میں لے کر تمام بیرونی اور خارجی اثرات سے قطعی آزاد رکھا جائے۔

اسلام کے لئے جامعیت اور مانعیت دونوں ضروری ہیں دنیا میں کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت تب موجود ہو سکتی ہے کہ اس چیز کی جامعیت اور مانعیت دونوں کو ملحوظ رکھا جائے اگر ایک شخص کا تصور اسلام کی پوری حقیقت کا احاطہ کئے ہے اور اس کی عملی زندگی اسلام کے تمام تقاضوں کو جامع ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ تصور اور عقیدہ کی حد تک غیر اسلامی نظریات کو بھی ذہن و فکر میں جگہ دیتا ہے تو اس کا اسلام جامع ہے مگر مانع نہیں یا اگر ایک شخص اپنے ذہن و فکر کو ہر بیرونی ازم سے پاک رکھتا ہے مگر خود اسلام یا اس کے کسی جزء کے بارہ میں اس کا عقیدہ درست نہیں تو اس کا اسلام مانع ہے مگر جامع نہیں تو نہ پہلی صورت میں، ہم ایسے شخص کو مسلمان اور اس کے اسلام کو اسلام کہہ سکتے ہیں نہ دوسری صورت میں، ایک شخص اسلام کے تمام بنیادی اصول عقیدۂ توحید و رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان لا چکا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ کسی معاشرتی یا معاشی مسئلہ میں دیگر نظریات پر ایمان رکھتا ہے یا دنیا کے ہر ازم سے اسے نفرت ہے مگر خود اسلام کے بارہ میں

اس کا تصور ادھورا ہے تو دونوں صورتوں میں ہم اس کے اسلام کو کامل اور حقیقی اسلام نہیں کہہ سکتے، گاندھی اسلام کی بہت تعریف کیا کرتا تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھا اس لئے کہ اس کے لئے مانعیت بھی ضروری تھی۔ مرزا غلام احمد اسلام کا منّاد بنا پھرتا تھا مگر وہ بھی مسلمان نہیں تھا، کیونکہ اس کے لئے مانعیت اور جامعیت کی بھی ضرورت تھی اور اسلام کی حقیقت اور ماہیت کے لئے دونوں چیزیں لازمی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے عوام کی غالب اکثریت اسلام کو اس کے مکمل معنوں میں چاہتی ہے اور پچھلے تلخ تجربات نے بہت سے ابن الوقت مذہب بیزار لیڈروں کو بھی اس نعرہ کی اہمیت اور انتخابات کے موقعہ پر اس کی افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے مگر کچھ تو علاقائی اور گروہی عصبیت نے اور کچھ بے شمار نظریات اور سیاست دانوں کے سرخ و سفید نعروں کی یلغار اور تصوراتی دنیا کے حسین اور سنہری وعدوں کی کیفیت آفرینی نے عوام کے لئے بہت مشکل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے لئے کسی صحیح مخلص اور ایماندار قیادت کا انتخاب کر سکیں۔ ان حالات میں اگر بظاہر قوم ایک منتخب مجلس آئین بنانے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو اتنے گوناگوں اختلافات اور نظریات لیے ہوتے ہوئے پارلیمنٹ کو کسی محدود عرصہ میں کسی ایسے آئین پر اتفاق کرنا ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے جو قوم کے دینی مزاج اور فکری و دینی و معاشی ضرورتوں پر پورا اتر سکتا ہو۔ اور یہی صورت سامنے آتی ہے تو واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم کو پہلے سے زیادہ شدید بحرانی اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور اس کے تلخ نتائج نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو واقعی معنوں میں تن من دھن کی بازی لگا کر خلافت علیٰ منہاج النبوت اور اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا اسلام جو سلف کی تشریح و ترجمانی پر مبنی ہو اور جو کسی بھی خارجی اثرات اور نظریات کا منت پذیر نہ ہو مگر کیا موجودہ صورتِ حال میں ان کی یہ سعی انتخابی میدان میں بارآور

بھی ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب نہ صرف پوری ملت کے دینی شعور، ملی احساسات اور جذبۂ ایمان و اخلاص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، بلکہ یہ سوال خود علماء حق کے باہمی افتراق اور انتشار کے لئے بھی ایک تازیانہ ہے اور بظاہر پورے ملک کی غیرت و حمیت کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جسے کیا عوام کیا علماء اور کیا سیاسی قائدین سب اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

مغرب کی پارلیمانی جمہوریت سے اسلامی آئین کی توقع | موقع اور حالات کی نزاکت اگر کچھ لوگوں کے احساس اور برے بھلے کی تمیز کو جھنجھوڑ دیتی ہے اور کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کے اہل دو چار افراد اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں تو موجودہ مغربی جمہوریت کے دائرہ میں وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ پیش آمدہ مسائل کے بارہ میں اسلام کے نقطۂ نظر سے ایوان کو آگاہ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں اور قوم پر اتمام حجت کرا دیں۔ مگر اس مغرب کے ملعون جمہوری نظام نے یہ راستہ تو یقیناً مسدود کر لیا ہے۔ کہ کسی معاملہ میں فیصلہ اکثریت کی رائے اور ووٹ پر نہیں بلکہ خیر و بھلائی اور حق پر کیا جا سکے کیا پچھلے دور میں ایسے بے شمار مواقع نہیں آئے کہ ایوان کی اکثریت کسی مخالف مؤقف اور استدلال کو حق اور قرینِ صواب سمجھتے ہوئے بھی جماعتی اور شخصی مفاد، گروہی تعصب یا نفس اور خواہشات کی وجہ سے اپنے غلط اور غیر اسلامی موقف پر ڈٹی رہی اور نتیجۃً فیصلہ ملک و ملت کے اخلاق، تمدن اور معاشرت کو نقصان پہنچانے والی بات کے حق میں ہوا۔

بلا شبہ سوشلزم کفر پر مبنی ایک نظامِ حیات ہے مگر مغربی جمہوریت جس شکل میں ہمارے اوپر مسلط ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی نظامِ حکومت بھی دے سکتی ہے، اس بات سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ہم کمیونزم، سوشلزم یا مغرب کے کسی لادینی نظام سے یہ امید وابستہ کر دیں۔ ہمیں اسلامی دستور العمل مہیا کر دے گا۔

مغربی جمہوریت کے بارہ میں کلی نقطۂ نظر | اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کا فلسفۂ حیات

مذہب اور دین سے قطعی ایک متصادم فلسفہ ہے مگر "جمہوریت" بھی اگرچہ وہ براہ راست اسلام کی مد مقابل نہ بنے پھر بھی عملاً اور نتیجۃً وہ بھی اسلام کے نفاذ کی راہ میں سدِ راہ بننے والی چیز ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ بعض ثقہ اور معاملہ فہم سنجیدہ اہل علم اور اصحاب فہم بھی سوشلزم کی بجا طور پر مخالفت کرتے ہوئے جمہوریت کے بارہ میں مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کا نقطۂ نظر یا تو محض سطحی یا پھر رواداری کا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو محض ایک طرزِ حکومت ہے مگر یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا یہ طرزِ حکومت اسلامی ہے یا کافرانہ؟ مان لیا کہ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے مگر کیا مسلمانوں کی زندگی کے متعلق تمام مسائل از قسم معاملات، معاشرت، معاش اور تمدن اس طرزِ حکومت ہی کی گرفت میں نہیں آئیں گے اور کیا اس طرزِ حکومت میں یورپ کی طرح صرف ملک اور زمین خدا کی اور حکم بجائے بادشاہ کے عوام کا نہ ہوگا؟

اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت، دو متوازی راستے

اسلامی نظام حکومت میں زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس کی اثر اندازی سے باہر رہ سکے نہ اس میں دین اور سیاست کے خانے الگ الگ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر کسی طرزِ حکومت کا غیر اسلامی ہونا پورے نظامِ زندگی کے کافرانہ ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور سوشلزم اور جمہوریت میں کچھ فرق نہیں کیا جا سکے گا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ یہ بات تو بالکل بے لاگ ہے۔ کہ اسلام میں اصل حاکمیت اور فیصلہ کا حق خدا اور اس کے رسولؐ کو ہے صرف وہی قانون سازی کا حقدار ہے مگر مغرب کے جمہوری نظام میں قانون سازی کا حق صرف عوام اور رعیت کو دیا گیا ہے۔ مگر اسلام پوری ملت کو مل کر بھی شریعت سے متصادم کسی بات پر قانون سازی کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اور نہ وہ منصوص احکام اور قطعی معروفات یا منکرات کی قانونی حیثیت بدلنے پر ووٹنگ کرنے کا روادار ہے، بخلاف اس کے جمہوریت ایک ووٹ کی اکثریت سے بھی کسی حرام اور قطعی ناجائز بات کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسلام کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات پر اثر انداز ہونے والے کسی مجلس میں نمائندگی کا حق نہیں دیتا، نہ عورتوں کے نازک کاندھوں پر یہ عظیم کام

ڈالنا چاہتا ہے، جب کہ جمہوریت کسی عیسائی اور قادیانی تک کو ملک کے اہم ترین منصب وزارت، صدارت یا عدالتِ عالیہ کے سب سے بڑے عہدہ چیف جسٹس پر فائز کرانے سے نہیں جھجکتی اور وہ عورتوں تک کو ایوان میں ایک اہم حصہ دیتی ہے۔ اسی طرح اسلام کسی منصب یا عہدہ کے لئے کسی مسلمان کا از خود اپنے آپ کو پیش کرنے اور اس کے لئے جد و جہد کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ جب کہ جمہوریت کی ساری اسی "من چو دیگرے نیست" پر کھڑی ہے۔ اسلام میں کسی عہدہ کا استحقاق ایک شخص کی ذاتی اہلیت اور صلاحیت پر ہے۔ اگر اس میں یہ اہلیت نہیں تو عہدہ کے قابل نہیں اور اگر اس میں یہ تمام شرائط موجود ہیں، تو وہ اسے ایک مقررہ مدت گزرنے پر بلاوجہ معزول نہیں کرتا، مگر موجودہ جمہوریت معیارِ استحقاق ووٹوں کی اکثریت کو قرار دیتی ہے خواہ وہ اہلیت کے لحاظ سے صفر کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ ایک خاص میعاد گزرنے پر اسے معزول کر دیتی ہے خواہ وہ عدالت اور صلاحیت کے لحاظ سے ہر طرح پورا کیوں نہ ہو۔ اس میں اسلام پوچھتا ہے کہ اگر یہ شخص نااہل ہے تو اسے حاکم کیوں بنایا گیا اور اگر اہل ہے تو اب اسے معزول کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس صورت میں تو وہ ایک با اختیار حاکم نہیں بلکہ بے دست و پا محکوم بن جاتا ہے کہ مقررہ مدت گزرنے پر بلا وجہ اسے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ اسلام حکومت کو ایسا بے دست و پا نہیں بنانا چاہتا، نہ خلافت کی عظیم امانت اتنی ہلکی ہے کہ وہ اسے ملک کے ہر اہل و نااہل میں سے جس کو چاہے سونپ دے۔

سوشلزم لات ہے تو جمہوریت منات پھر وہ جمہوریت جو ووٹوں کی بنیاد پر برطانیہ میں لواطت اور پاکستان میں زنا بالرضا کو سندِ جواز فراہم کر سکتی ہے، تعددِ ازدواج پر پابندی لگاتی اور خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت دے سکتی اور شراب کے پرمٹوں کا کوٹہ مقرر کر سکتی ہے، اللہ تبارک وتعالےٰ کے اٹل قانونِ میراث میں غیر حقدار کو حقدار بنا سکتی ہے۔ ہر شہری کو جو مذہب چاہے اختیار کرنے کی ضمانت دے سکتی ہے ایسی جمہوریت کے اسلامی ہونے کا فتویٰ لگانے والے بزرگ اس بارہ

میں کیا ضمانت دے سکتے ہیں کہ کل یہی اسمبلی شراب، جوا، سود جیسے قطعی محرمات کے علاوہ ملک کا پورا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کسی غیر اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔ بس اگر سوشلزم جیسا کہ واقع ہے، ایک کافرانہ نظام ہے تو ایسی جمہوریت کیوں اسلامی طرزِ حکومت ہے۔ اگر وہ لات ہے تو یہ منات کیوں نہیں؟

اسلامی قانون کی تدوین وتشریح کا حق کس کو ہے

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو کسی صدارتی یا پارلیمنٹری نظام کو یہ حق دیتا ہے اور نہ کسی فسطائیت یا ڈکٹیٹر شپ کو کہ وہ جیسا چاہیں مسلمانوں کے معاشرت، تمدن اور معاشیات سے متعلق کسی مسئلہ میں قانون سازی کریں، نہ وہ کسی منصوص محرمات اور قطعی منکرات یا معروفات پر رائے شماری برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس کی نگاہ میں کسی اسمبلی یا مجلسِ شوریٰ کی حیثیت ایک قانون دان کی ہے قانون سازی کی نہیں۔ یہ قانون دانی معاشرہ کے کسی خاص طبقہ اور کسی فرد یا جماعت کے نام الاٹ نہیں، لیکن جس طرح دنیا کے ہر قانون کے بارہ میں بولنے اور رائے دینے کا حق صرف اسی کو دیا جا سکتا ہے جو اُس قانون کی بنیادی زبان اس کے محرکات وعوامل اس کے اسرار اور حکمتوں اور اس کی تمام فنی پیچیدگیوں سے آگاہی رکھتا ہو۔ اگر فرانسیسی زبان کے ابجد سے بھی ناواقف شخص قانونِ فرانس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اور انگریزی سے نابلد شخص برٹش لاء کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔ کسی ہل جوتنے والے ان پڑھ کاشتکار کو ہم تعزیراتِ ہند کی تشریح کا حق نہیں دے سکتے۔ تو پھر قرآن وسنت اور اس کے استنباط اور اجتہاد حق بھی ہم ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دے سکتے جس کی اکثریت اسلامی اصولِ شریعت کے مبادیات تو کیا، نفسِ اسلام کے ابجد سے بھی ناواقف ہو۔ ایسا کرنا خدائے علیم وحکیم کے آسمانی قانون کے ساتھ ایک ایسا مذاق ہوگا جس کی نظیر زمین پر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے ساتھ کسی بھی مذہب اور قوم میں نہیں مل سکتی۔ قانون دانی کے تمام شرائط اور تقاضوں پر پورا اترنے والے افراد بھی اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہی

کہ کتاب و سنت پر مبنی احکام و قوانین کو زندگی کے مختلف شعبوں پر لاگو کرنے کی صورتیں تجویز کریں۔ حوادث اور نوازل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں، عصری تقاضوں کو اسلام کے قالب میں ڈھالیں، نہ یہ کہ خود اسلام کو کھینچ تان کر نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔ مگر مغربی جمہوریت ایسا نہیں کرتی بلکہ تمام ارکانِ اسمبلی کو بے لگام چھوڑ کر ووٹنگ کے نام پر خدا اور رسولؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرتی ہے جبکہ قانون سازی کی حد تک اسلام میں قطعی ڈکٹیٹر شپ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عوام اور رعایا کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

اسلام کا تصورِ جمہوریت اسلام میں اگر جمہوریت ہے تو وہ صرف اس معنی میں کہ مسلمانوں کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ قوتِ حاکمہ بھی خدا اور رسولؐ کے تشریعی اختیارات میں دست اندازی نہیں کر سکتا۔ وہ ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ منکرات پر قرآن و سنت کی روشنی میں تنقید اور معروفات کی تلقین کرے۔ کلمۂ حق کہنے کا حق ہر جابر و قاہر بادشاہ کے سامنے ہر ادنیٰ رعیت کو حاصل ہے بھلائی کی بات سے کوئی طاقت کسی مسلمان کو نہیں روک سکتی۔ یہ آزادیٔ رائے اسلام کی خاطر ہے۔ اسلام کے خلاف نہیں۔ ایک ضعیف بڑھیا فاروقِ اعظمؓ جیسے خلیفۂ عادل کو ٹوکنے کی مجاز ہے۔ صدرِ مملکت ہر بات میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور تمام رعایا کے سامنے جواب دہ ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جمہوریت کے نام پر ہر فرد دین شریعت اخلاق اور تہذیب کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

غلط تصورِ جمہوریت پر مبنی فریب کاریاں جمہوریت کے اس غلط مغربی تصور کی وجہ سے بعض خود غرض امراء اور بے دین اصحابِ قلم نے یہاں تک کہا کہ اسمبلی کا دائرۂ اختیار اس حد تک وسیع ہے کہ اسے ”مرکزِ ملت“ کی حیثیت حاصل ہے، اور رسولؐ کی اطاعت کی طرح اس کے ہر فیصلے کی اطاعت لازمی ہے۔ یہ تصور منکرینِ حدیث کے قائد پرویز اور ایک حد تک ڈاکٹر فضل الرحمان نے عام کیا۔ صدر ایوب نے جو اپنے آمرِ مطلق ہونے کے لئے شرعی سند بھی ڈھونڈھنا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس کافرانہ

نظریہ کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنی خود نوشت سوانح میں اس تصور کو بھی عام کرنا چاہا کہ پارلیمنٹ کی آئین سازی کو شریعت کے ایک اہم اور بنیادی اصول "اجماع" کی حیثیت حاصل ہے جس کے بعد اس کے فیصلوں پر عمل ساری امت کے لئے لازمی قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ محض جہالت یا فریب کاری کا ایک کرشمہ ہے اور تمام فقہائے امت نے اجماع کی جو تعریف کی ہے اور جو اصول اور شرائط اس کے انعقاد کے لئے طے کئے ہیں اس کی ادنیٰ مناسبت بھی پارلیمنٹ کے فیصلوں سے نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو اجماع تمام مسلمانوں کے ممتاز ترین اہل علم اور علماء راسخین کا (جو اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہوں) کتاب و سنت اور قیاسِ صحیح کی روشنی میں کسی کام پر متفق ہونے کا نام ہو وہ دنیا کے کسی خاص خطہ کے چند ایسے افراد کے فیصلہ پر کب صادق ہو سکتا ہے، جن میں فقہاء اور مجتہدین تو کیا نام کے علماء بھی صرف دو ایک ہوں۔ باقی اکثریت صرف عام مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیتی افراد اور خود مسلمانوں میں دین کے بارہ میں معاندانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی ہو، اور اس کے فیصلے کتاب و سنت کی کسی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے والے ہوں۔ اپنے دین کے اصول کو اس طرح بازیچۂ اطفال بنانے کی مثالیں غیر مسلم اقوام میں بھی کم ہی ملیں گی۔

فقہاء امت کا دستوری اور قانونی سرمایہ ہمارے سامنے فقہاء امت کی قانونی اور آئینی تفصیلات اور تشریحات کا ذخیرہ موجود ہے انہوں نے ہر دور کے نازک اور پیچیدہ ترین مسائل پر اصولِ شریعت کی تطبیق و تنقیح کا ایک بے مثال کارنامہ چھوڑا ہے۔ مگر اس کی حیثیت بھی از خود کسی قانون سازی کی نہیں بلکہ اصول و عمل کی روشنی میں کسی چیز کی جائز یا ناجائز حیثیت ظاہر کر دینے کی ہے، اسلامی فقہ کے تمام مکاتبِ فکر نے اگر کسی رائے کو کتاب و سنت سے زیادہ قریب پایا تو اسے قبول کر لیا اور جسے ہٹا ہوا سمجھا اسے مسترد کر دیا، خواہ اس کے کہنے والے کتنے زیادہ کیوں نہ ہوتے۔ جب تک کوئی فیصلہ کتاب و سنت اور اس کے منشاء

وعلت پر مبنی نہ ہوتا، ناقابلِ قبول ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کی کوفہ والی مجلسِ قانون کتاب وسنت پر ہوتا۔ کبھی کسی مسئلہ میں صرف ووٹنگ اور اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا گیا۔

خطرات اور مشکلات بہرحال یہ تو ایک تمہیدی بات تھی جو طول پکڑ گئی، آج کی فرصت میں ان خطرات اور مشکلات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جو موجودہ دورِ جمہوریت میں تشکیل پانے والی کسی اسمبلی کی صورت میں بھی اسلامی آئین سازی کے لئے سدِ راہ بن سکتے ہیں۔ اس اسلامی قانون سازی کی حیثیت کیا ہو گی؟ اور ملے سکے لئے دینی اور علمی اہلیت کا معیار کیا ہو گا؟ وہ کیا صورتیں ہیں جو ارکانِ اسمبلی کو کتاب و سنت کے دائرہ میں پابند بنا سکتی ہیں؟ اور وہ کونسا با اختیار ادارہ ہو گا جو کسی معاملہ میں نزاع کی صورت میں اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے گا؟ پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ادارہ پچھلے دور کے شراب اور ربوا کو حلال کرنے والی "عبقری شخصیتوں" سے پاک رکھا جائے گا۔؟ اور وہ کون سی طاقت ہو گی جو تمام ارکان کو اسلام کی اپنی من مانی تشریح اور ترجمانی سے روک کر انہیں اسلام کے مسلمہ قطعی اور متوارث مفہوم تسلیم کرنے پر مجبور کرے گی؟ یہ چند سوالات ہیں جو ملک کے تمام اہلِ علم اور اصحابِ فکر کی توجہ کے مستحق ہیں اور اس کے قابلِ اطمینان جواب پر ہی ملک کو ایک ایسا مکمل اسلامی آئین مہیا ہو سکتا ہے۔ جو اسلام اور عوام کی ضروریات کے تمام تقاضوں کا آئینہ دار ہو۔

مسلمانوں کا باہمی اختلاف و فکر اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا اسلامی آئین کی بات سن کر کچھ لوگ ایسے موقع پر مختلف فرقوں کی بنیاد پر اسلام کا ایک ناقابلِ عمل آئین ہونے کا افسانہ کھڑا کر دیتے ہیں اور یہ ان کی سراسر فریب کاری ہوتی ہے۔ دراصل ایسے لوگ باطنی منافقت اور دلوں کے کھوٹ کی وجہ سے اسلام کو بحیثیت دستور العمل کے ایک دین ہی نہیں سمجھتے اور اسی مغالطہ انگیزی سے کام لے کر اللہ اور رسول کریمؐ کی لائی ہوئی شریعت کو اس ملک میں نافذ

ہی نہیں دیکھنا چاہتے۔ ظاہر بات ہے کہ آئین اور دستور کا زیادہ تر تعلق رعایا کی باہمی معاشرت، تمدن اور داخلی و خارجی معاملات سے ہوتا ہے عبادات سے نہیں۔ اور جہاں تک خرید و فروخت، اجارہ، زراعت یا اس قسم کے تمام معاملات کے احکام کا تعلق ہے۔ اس ملک کے تمام اسلامی فرقوں کا اس میں اختلاف نہیں، معاشرتی قوانین نکاح۔ طلاق، عدت، باہمی حقوق، میراث وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ سود، زنا، شراب، جؤا، سمگلنگ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی۔ ڈکیتی۔ اغوا۔ الغرض مال و جان میں دست اندازی کی تمام شکلیں سب کے ہاں ناجائز اور قابلِ سزا جرائم ہیں۔ سُنّی تو کیا کسی شیعہ کو بھی ان امور کی قباحت میں تامّل نہ ہوگا۔ اخلاق اور معاشرہ کی استواری کے تمام احکام اور ہدایات سے بھی کسی کو اختلاف نہیں، ملک کے انتظامی امور اور ترقیاتی منصوبوں کے بارہ میں بھی اسلام کا کوئی مکتبِ فکر دوسرے سے دست و گریباں نہیں۔ حدود و تعزیرات میں متفق الخیال ہیں۔ بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں ہر مکتبِ فکر میں ناقابلِ برداشت ہیں، کوئی بھی فرقہ معاشی ناہمواری یا غیر فطری مساوات کا قائل نہیں جو مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نتیجہ ہوتی ہے اسلام کا ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ اسلام کسی خاص طبقہ کی معاشی خوش حالی کا محافظ نہیں بلکہ وہ غریب و امیر سب کے حقوق اور سب کی بنیادی ضروریات کا کفیل ہے۔ پس وہ کون سی رکاوٹ ہے جو باہمی اختلافات کی وجہ سے اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

مسلمانوں کے مکاتب فکر کے اختلافات کا اصل دائرہ

مختلف مکاتیبِ فکر کے اختلافات کا زیادہ تر ظہور عقائد اور عبادات میں ہوتا ہے، جس کے مٹانے اور کسی ایک فقہی اور فروعی نقطۂ نظر پر متفق کرانے کا حق شریعت نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے کسی اسلامی اقتدار کو دیا ہی نہیں بلکہ اسے آئین کے دائرہ سے باہر چھوڑا گیا ہے۔ نماز میں قراءت یا آمین کہنا جہر ہے یا خفیہ۔ رفع یدین

ہے یا نہیں ؟ وتر کی رکعات کتنی ہیں ؟ حج میں قِران بہتر ہے یا تمتع ؟ سفر میں دو رکعت بہتر ہیں یا چار ؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یا بشر ؟ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں یا نہیں ؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل تھے یا ابوبکرؓ و عمرؓ ؟ ائمہ کی تقلید ضروری ہے یا نہیں ؟ اور اس قسم کے دیگر مسائل گو ان میں سے بعض عقائد کی حد تک بے حد نزاکت اور اہمیت کے حامل کیوں نہ ہوں ؟ مگر ان اختلافات سے ملک کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی مسائل میں قرآن و سنت کی بالادستی ہرگز ہرگز متاثر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کچھ لوگ اسلام کے صریح محرمات شراب، جوا، زنا، سود وغیرہ کو حلال ٹھہرانے لگیں، حدود اور تعزیرات کو ظلم اور وحشت سمجھنے لگیں۔ اخلاقی آوارگی بے حیائی اور فحاشی کو ترقی اور کامیابی قرار دینے لگیں تو ایسے لوگوں کی مخالفت کا اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ایسے لوگ اسلام یا اس کے کسی فرقے میں داخل کب رہ جاتے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کل ہم اس ملک کے عیسائی، یہودی، ہندو اور قادیانی اقلیتوں کی موجودگی کو سرے سے سیکولر آئین کے لئے وجہ جواز بنا دیں، ایسا کرنا یقیناً اس ملک کے بنیادی مقاصد سے غداری کرنا ہوگی۔

اسلامی آئین کی چند ضروری شرائط

آئینی کمیٹی کے مسودہ پر غور و خوض کرنے اور آئین کو آخری شکل دینے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا ہے۔ آئینی مسودہ کی تفصیلات[1] چونکہ تادم تحریر ہمارے سامنے نہیں آسکیں اس لئے اس پر رائے زنی کا موقعہ تو نہیں ہے، البتہ پچھلے دنوں حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کے رہنماؤں کے درمیان جو آئینی سمجھوتہ ہوا ہے اور کمیٹی نے مسودہ میں اس کی بنیادی باتوں کو مدِ نظر رکھا، اس کی اسلامی اور جمہوری حیثیت پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے، مگر آج کی فرصت میں اس کی جمہوری خامیوں کو نہیں بلکہ صرف اسلامی حیثیت پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مستقل آئین کے سلسلہ میں اس کو نہ صرف اراکینِ اسمبلی بلکہ تمام مسلمان ملحوظ رکھ کر آئین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔ آئینی سمجھوتہ میں یہ بات بڑی حد تک خوش آئند سمجھی گئی ہے کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ ملک کے قوانین قرآن و سنّت کے مطابق ہوں گے۔ صدرِ مملکت کے لئے مسلمان ہونے کا اور ایک حد تک اس کی تعریف کرتے ہوئے، اقرار لازمی ہوگا۔ اس طرح کی بعض دوسری باتیں جنہیں آئین کے اسلامی ہونے کا ضامن سمجھا گیا ہے، بجا طور پر تحسین و تائید کی مستحق ہیں۔ مگر پچھلے دساتیر کی طرح یہاں بھی چند ایسی بنیادی خامیاں دانستہ رکھی گئی ہیں کہ یہ باتیں محض فریبِ نظر بن کر رہ گئی ہیں۔ اور پورے آئین کو یکسر اسلامیت کی روح سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ اور محض ایک خوشنما عنوان کے پردہ میں اسلامی قوانین و حقوق کا بُری طرح مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس طرح ہم دستور میں اسلام، خدا اور رسولؐ، قرآن و سنّت اور

---

[1] بعد میں یہ تفصیلات سامنے آگئیں اور آئین منظور بھی ہو گیا مگر اس مضمون کی اہمیت اور افادیت منظور شدہ آئین کے بارہ میں اسی طرح برقرار ہے۔

اسلامی اصول کے محض ذکر سے سادہ لوح مسلمانوں کو تو مطمئن کر سکیں گے، مگر مقصد کسی طرح حاصل نہیں ہو سکے گا۔

۱:۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ اگر مذکورہ سب باتیں دستور کے دیباچہ یعنی "مملکت کی پالیسی طے کرنے کے رہنما اصول" میں رکھی گئی ہیں، تو ان کی کوئی قانونی پوزیشن باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ حصہ قانون کا وہ حصہ ہے، جس کی خلاف ورزی کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اور کسی بڑے سے بڑے غیر اسلامی قانون کو اسلامی قانون کا نام دے کر آپ ملک میں بآسانی نافذ کر سکیں گے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ان تمام باتوں کو قانون سازی کے بنیادی ابواب اور طریقِ کار والے حصہ میں درج کیا جائے تاکہ کسی بھی خلاف ورزی کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکے۔

۲:۔ بظاہر پارلیمانی نظام میں صرف قومی اسمبلی قوانین کو آخری شکل دیتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضمانت دینا لازمی ہے کہ کسی وقت اسمبلی اکثریت کے بل پر اسلامی احکامات و تعلیمات کے خلاف کوئی فیصلہ کر دے تو اس کی اصلاح کے متبادل راستے کھلے ہوں۔ مثلاً ہر مسلمان شہری کو یہ حق حاصل ہو کہ اسمبلی کی کسی غیر اسلامی قانون سازی کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں چیلنج کر سکے، بغیر اس کے اقتدارِ اعلےٰ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دینے کے محض ایک رسمی اعلان سے کوئی چیز اسلامی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب بنیادی حقوق کی حق تلفی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے تو مذہب اور اسلام کے خلاف کسی قانون سازی پر جو نہ صرف ہر مسلمان کی سب سے بڑی حق تلفی بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی ہے، ہر عدالت کا دروازہ کھلا رہنا اور بھی ضروری ہے۔

۳:۔ آئین میں صدر یا گورنروں کو قانون سازی سے پیشتر انتظامی و غیر انتظامی آرڈیننسوں میں بھی اس بات کا پابند کرانا ضروری ہے کہ کوئی حکم یا فرمان کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، تاکہ قانون سازی سے پہلے غیر اسلامی آرڈیننس نافذ رہنے کی گنجائش نہ رہے۔

۴ : آئین میں قانون سازی کو کتاب و سنت کا پابند بنانے کے لئے صرف منفی پہلو کافی نہیں بلکہ مثبت طور پر یہ بھی وضاحت ہو کہ ساری قانون سازی کتاب و سنت کے مطابق ہو گی ۔

غیر مسلم اور کلیدی مناصب ۵ : دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح صدر کے لئے مسلمان ہونا ضروری سمجھا گیا ہے ۔ اس طرح ان تمام کلیدی مناصب کو بھی اس شرط کا پابند کر دیا جائے ، جو کسی نہ کسی صورت اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے مفادات ، نظم و نسق اور حل و عقد پر اثر انداز ہو سکتے ہوں یا کسی بھی طرح تنفیذ احکام اور ولایتِ عامہ یا ولایت خاصہ کے دائرے میں آتے ہوں کیونکہ اسلام میں کسی بھی غیر مسلم کو ولایت ، قضاء اور تنفیذِ احکام جیسے امور میں مسلمانوں پر بالادستی نہیں دی گئی لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً ۔

ہمیں کسی کمیونسٹ ملک میں ایسی مثال نہیں مل سکے گی جہاں کسی اہم کلیدی منصب پر ایسا شخص فائز ہوا ہو جو کھلے بندوں کمیونزم پر عقیدہ نہ رکھے اور اُسے نشانۂ تنقید بنائے نہ کسی سرمایہ دارانہ نظام میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے ۔

وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ پارلیمانی نظام میں ان مناصب میں سب سے پہلا نمبر وزارتِ عظمیٰ کا آتا ہے ۔ وزیرِ اعظم اس نظام میں اختیارات کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے اس کا مسلمان ہونا انتہائی ضروری ہے ۔ اسی طرح مرکزی وزراء بالخصوص وزیرِ دفاع ، وزیرِ تعلیم ، وزیر قانون وزیرِ خارجہ کا ، کسی اسلامی مملکت کے نظریات اس کی بقاء و استحکام اور قیام عدل وغیرہ بنیادی مسائل میں اہم ترین حصہ ہے اس لئے ان کا مسلمان ہونا لازمی ہے — ارکانِ عدلیہ سپیکر ، ڈپٹی سپیکر ، الیکشن کمشنر ، گورنر ، صوبائی وزراء اعلیٰ کے عہدوں پر غیر مسلم عیسائی یا مرزائی کو متمکن ہونے کا موقعہ دینا بھی کسی اسلامی سٹیٹ کی بھلائی نہیں ۔

جج اور سربراہ افواج اسلامی قانون کے مطابق عدل و انصاف کی نگہداشت اور تنفیذ کرنے والی اہم شخصیت قاضی اور جج کی ہوتی ہے اسلام کسی حال میں کسی غیر مسلم کو اس منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں دیتا بلکہ اسلام کی اولین شرط کے ساتھ اسلامی علوم ، ماٰخذ قانون پر اس کی اصل زبان عربی میں عبور کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے ! اور سب سے بڑھ کر

افواج کی سربراہی جیسے کلیدی مناصب جن میں غیر مسلم پر اعتماد کرنا کسی حال میں بھی دانشمندی نہیں کہلا سکتی نہ کسی نظریاتی مملکت میں اپنی تقدیر سے اس طرح کے شرمناک کھیل کھیلنے کو وسیع النظری سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے آئین میں جس میں اسلام کو سرکاری مذہب تسلیم کر لیا جائے اور وہ کسی سیکولر سٹیٹ کا آئین نہ ہو کسی بھی غیر مسلم کو ایسے تمام مناصب پر فائز ہونے کی گنجائش نہیں رہنی چاہیئے۔ جبکہ کئی افسوسناک نتائج کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

غیر مسلم ارکان اسمبلی

(۶) نہ صرف یہ کہ اسلام ان تمام مناصب کے لئے ضروری شرطِ اہلیت ہونا چاہیئے۔ بلکہ اسلام کی نگاہ میں چونکہ کسی غیر مسلم کو قانون سازی کا حق نہیں پہنچتا اس لئے اولاً تو ارکانِ اسمبلی کے لئے بھی یہ شرط لازمی تھی۔ مگر "جمہوریت" کے خوشنما پردہ میں جب یہ غیر اسلامی زہر نگلا ہی جا رہا ہے۔ تو کم از کم غیر مسلم ارکان کو "کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی" کے بارہ میں رائے اور ووٹ دینا تو کسی حال میں بھی قرین عقل و قیاس نہیں، مگر یہاں تو طرفہ تماشا یہ ہے کہ حلفِ وفاداری کے وقت غیر مسلم ارکان بھی "اسلامی نظریہ" کی حفاظت و اشاعت کا حلف اٹھاتے ہیں، جب کہ خود ان کا عقیدہ اور نظریہ اس حلف کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس صورت میں غیر مسلم ارکان کے لئے حلف کی عبارت الگ ہونی چاہیئے تاکہ نفاق کی یہ صورت نہ رہے۔

مسلمان کی تعریف

(۷) جبکہ مسلمان اور اسلام لازمی طور پر ایک خاص مفہوم اور معنے اپنے اندر رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ آئین میں مسلمان کی تعریف بھی شامل ہو۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لئے مان بھی لیں کہ علماء اس کی لفظی تعبیر میں متفق نہیں ہو سکے[سلہ] تو کیا آپ ارکانِ اسمبلی کے ارکان کو الگ الگ کمروں میں بٹھا کر سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم یا سیکولرزم کی ایک ایسی تعریف پر متفق ہو سکتے ہیں جس کے الفاظ اور تعبیرات میں ایک لفظ کا فرق نہ ہو۔ اگر ایسا

[سلہ] اور بعد میں علماء کے مساعی سے یہی تعریف مرزائی غیر مسلم قرار پا جانے کی بھی بنیاد بنی اور آئین میں شامل کر دی گئی۔

نہیں ہو سکتا تو پھر ان تمام اصطلاحات سے آپ دستبردار کیوں نہیں ہوتے ــــ مگر یہاں تو اسلام کے مفہوم اور مراد میں بحمد اللہ کسی قسم کا لفظی اختلاف بھی نہیں بلکہ اسمبلی کے پہلے سیشن میں سب مکاتبِ فکر اور علماء کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ایک متفقہ تعریف پیش کر کے اس اجماع اور اتفاق کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ اور وہ تعریف نہ صرف اسمبلی بلکہ آئینی کمیٹی کے مذاکرات میں بھی ریکارڈ میں آ چکی ہے ــــ ہمیں خوشی ہے کہ اب اتنی لے دے کے بعد مسلمان کی ایک حد تک تعریف شامل کرنے پر اتفاق ہو چکا ہے۔ مگر اس میں صرف اللہ کی وحدانیت، حضورؐ کی ختم نبوت اور آخرت کا اقرار کافی نہیں کہ اس طرح مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ تعریف کی جامعیت مانعیت برقرار رہ سکتی ہے۔ مرزائی تو ابھی سے خوشی منا رہے ہیں کہ ہم ختمِ نبوت کے قائل ہیں اور اب تو قانوناً اپنے آپ کو مسلم منوانے کا موقع یہ تعریف فراہم کر دے گی ــــ کتنی ضروریاتِ دین ہیں جن کا سرعام مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ختمِ نبوت کی بجائے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حضورؐ کو آخری نبی مان کر آپ کے بعد کسی دوسرے نبی پر ایمان کو کفر و اسلام کا خطِ امتیاز قرار دیا جائے نیز عقیدۂ آخرت کے علاوہ تمام ضروریاتِ دین از قسم صلوٰۃ و زکوٰۃ، روزہ، حج اور ان کی ضروریات کے متعارف مفہومات پر ایمان لانے کو بھی تعریف کا جزء بنا دیا جائے اور جنہیں ایک حد تک اسمبلی میں علماء کی پیش کردہ تعریف میں سمو دیا گیا ہے۔

بنیادی حقوق کے نام پر ارتداد کی چھٹی (۸) اب تک تمام دساتیر بشمول ۱۹۵۶ء کے آئین کے یہ ایک فیشن چلا آ رہا ہے کہ مغربی اثرات سے بنیادی حقوق کے نام پر آئین کی لفظی اور رسمی اسلامیت پر بھی چھری پھیر دی جاتی ہے۔ موجودہ آئین میں یہ گنجائش نہیں رہنی چاہیئے۔

مثلاً آج کے بنیادی حقوق ہر شہری کو یہ حق دیتے ہیں کہ "وہ کسی بھی مذہب کی پیروی کرے اس پر عمل کرے یا اس کی تبلیغ کرے"۔ اسلام کی نگاہ میں یہ صریح ارتداد ہے، مسلمان اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد دوسرے دین کو اختیار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی سزا بمقتضائے حدیث "من بدل دینہ فاقتلوہ" (الحدیث) قتل ہے۔ آپ اسے ہزار درجہ تنگ نظری سمجھیں مگر قتلِ مرتد اسلام کا ایک لازمی حکم ہے۔ غیر مذاہب کی تبلیغ کی بھی کسی اسلامی سٹیٹ

میں کھلی چھٹی نہیں ہوتی مسیحی مشنریوں اور مرزائی سرگرمیوں کی شکل میں ارتداد کی تبلیغ کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے۔ اس لئے ایسی دفعہ اگر برقرار رکھنی ہی ہے تو بجائے کسی بھی مذہب کے یہ تصریح کہ ہر شہری کو حق پہنچتا ہے کہ وہ "اپنے مذہب کی پیروی کرے" الخ

بنیادی حقوق کو اسلام سے ہم آہنگ ہونا چاہئے

موجودہ بنیادی حقوق میں عموماً بہت سے حقوق کتاب و سنت سے متصادم ہوتے ہیں۔ اگر آپ اسمبلیوں کو قانون سازی میں ان حقوق کے تحفظ کا پابند بنا دیں گے، تو کتاب و سنت کے موافق قانون سازی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسلام غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ حقوق آپ کو ایسا نہیں کرنے دیتے وہ غیر مسلم کو جج یا مجسٹریٹ بننے کا حق نہیں دیتا مگر شہریوں کے شخصی قوانین اس کا توڑ پیش کرتی ہیں۔ شخصی حقوق عورت اور مرد کو ہر حالت میں یکساں رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حدود اور قصاص جیسے نازک مسائل میں عورت فیصلے دینے کی مجاز نہیں، نہ اسے عدلیہ کا جج بننے کا حق حاصل ہے۔ نہ ایسے مسائل میں اس کی شہادت قانوناً شہادت ہوتی ہے۔ اور جہاں شہادت معتبر ہے وہاں صریح نصِ قرآنی کی بناء پر دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ اسی طرح مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت بھی جائز نہیں ـــ اسی طرح آپ قانون بنائیں گے کہ مخلوط تعلیم نہ ہو، عام مجامع اور تعلیم گاہوں، پارکوں میں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو مگر عصری بنیادی حقوق کسی شہری کے ساتھ مذہب، نسل، جنس، وطن کے لحاظ سے اس قسم کی پابندی اور قدغن لگانے کے روادار نہیں ـــ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ بے لگام بنیادی حقوق اسلامی قانون سازی کا راستہ روکتے ہیں اور غیر اسلامی باتوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بنیادی حقوق کے ساتھ یہ تصریح ضروری ہے۔ کہ جہاں تک اسلام اجازت دیتا ہو اور کوئی حق اسلام کے عطا کردہ حقوق کے خلاف نہ ہو۔ ہر شہری کے ایسے تمام حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

اقامت حدود میں مساوات

(۱۰) اسلامی قانون بالخصوص اسلامی حدود میں صدر سے لے کر ادنیٰ رعایا تک اس کا پابند ہوتا ہے۔ وہ نبی کریمؐ اور خلفاء راشدین تک کو اقامتِ حدود میں رعایت یا امتیاز برتنے کی اجازت نہیں دیتا اس لئے آئین میں اختیار و اقتدار رکھنے والی

اونچی سے اونچی شخصیت کو بھی یہ گنجائش نہیں دینی چاہیئے کہ وہ کسی ثابت شدہ شرعی حد یا شرعی سزا کو منسوخ یا معاف کر دے۔

خلافِ اسلام قوانین کے احتساب کے لئے خصوصی بنچ

۱۱: ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قانون کے خلافِ کتاب و سنت ہونے کی شکایت پر فیصلہ دینے کیلئے سپریم کورٹ کے ایک خصوصی بنچ کی گنجائش آئین میں رکھی جائے اور بنچ ماہر تجربہ کار، خدا ترس، متدین، متبحر علماءِ شریعت پر مشتمل ہونا چاہیئے جن کے علم و فضل پر عوام کو اعتماد ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے ایک خاص مدت متعین کرتے ہوئے ایک ایسا بااختیار ادارہ بھی قائم کیا جائے جو مذکورہ بلند معیار کے علماء اور جدید قانون کے تجربہ کار ماہرین پر مشتمل ہو۔

۱۲: یہ اسلامی آئین کے چند ایک ایسے لازمی خدوخال ہیں جن کے بغیر نہ تو کوئی آئین اسلامی آئین کہلا سکتا ہے۔ نہ محض خوشنما اور نظر فریب اسلامیت سے اس ملک کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ دستور بھی اس وقت تک ہمارے امراض کا مداوا نہیں بن سکتا جب تک ہم خلوص، للہیت اور ایمانداری کے ساتھ اسے لے کر اپنی مشکلات کے حل کا ذریعہ نہ بنائیں گے۔

ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ۔ جنوری ۱۹۷۳ء)

بنیادی حقوق اور اسلام

ہمارے آئین کا حصہ دوم بنیادی حقوق سے متعلق ہے۔ انسان کے بنیادی حقوق پر سب سے زیادہ زور اسلام نے دیا ہے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم انسانوں کا تحفظ، غلاموں کے حقوق اور رعایات، یہاں تک کہ حیوانات کے حقوق اور مفادات کے جزئی سے جزئی احکام اسلامی قانون (فقہ اسلامی) میں موجود ہیں۔ اس بارے میں نہ تو قوم اور وطن کی تمیز ہے۔ نہ رنگ و نسل اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز اور نہ کسی قبائلی عصبیت کے نام پر امتیازات ہیں۔ مگر ہمارے ہاں بشمول سنہ ۱۹۵۶ء وغیرہ تمام دساتیر کے بنیادی حقوق کا موجودہ تصور ان مغربی اقوام سے مستعار لیا گیا ہے۔ جو ڈھنڈورہ عالمی انسانی حقوق کا پیٹتے ہیں۔ مگر ان کے انسانی مجد و شرف کی ساری عمارت وطنی، قومی اور دوسرے امتیازات پر ہے۔ امریکہ جو حقوق انسانی کے منشور کا موجد کہلاتا ہے وہاں آئے دن کالے اور گورے، قومی اور غیر قومی ملکی اور اجنبی کے نام سے جو انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں کسی پر مخفی ہیں؟ فلوریڈا کی ریاست میں نصاب تعلیم تک میں گوروں اور کالوں کا امتیاز رکھا گیا ہے۔ امریکہ میں کسی سیاہ فام کو حبشی عورت یا سفید فام کو حبشی مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔ خواہ اس کے خون میں کسی سیاہ فام کے خون کا ۱/۱۶ حصہ کیوں شامل نہ ہو۔ تقریباً چودہ ریاستوں میں ریلوں، بسوں، ہسپتالوں، ٹیلیفون کے کمروں یہاں تک کہ عبادت گاہوں تک میں نسلی امتیاز برتا جاتا ہے۔ جاپان اور انگلینڈ کے شاہی گھرانوں کے افراد عام انسانوں سے الگ تھلگ مخلوق سمجھے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

بنیادی حقوق اور مغرب کا تصور دوسری طرف اسلام ہے جس کی نگاہ میں ساری مخلوق خدا کا گھرانہ ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ لیکن ہماری نگاہیں اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے مغربی تہذیب سے مستعار بنیادی حقوق کے تصورات پر ٹھہرتی ہیں۔ اور مغربی تہذیب سے مرعوب

ہو کر بنیادی حقوق کے نام سے آئین کی رہی سہی اسلامیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً موجودہ بنیادی حقوق میں جنس (مرد، عورت) اور مذہب کی تمیز کئے بغیر ہر قسم کی ملازمتوں میں مساوات یہاں تک کہ وہ عدالت کا چیف جسٹس بھی بن سکے۔ کلیدی مناصب بھی سنبھال سکے۔ عام مجالس اور مقامات میں داخلہ اور مرد و زن کا اختلاط، تقریر و تحریر کی آزادی کے نام پر اخلاقی اور مذہبی اقدار سے بھی آزادی، ہر شخص جو چاہے مذہب اختیار کرے مسلم اور غیر مسلم (اہل ذمہ) مرد و زن سب کو تمام شعبہ ہائے حیات میں ایک لاٹھی سے ہانکنا۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے عطا کردہ حقوق کی نفی کرتی ہیں۔ اور آگے چل کر اسلامی قانون کی کئی اہم دفعات اور تقاضوں کے نفاذ کے لئے سدِ راہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔
(۲) اسلامی مملکت میں ارتداد اور اس کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔
(۳) غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس جزیہ لگانے کی گنجائش ہے۔
(۴) غلامی کے بارہ میں مخصوص حالات میں جواز کی گنجائش ہے۔
(۵) عورت حدود اور قصاص جیسے احکام میں جج نہیں ہو سکتی۔
(۶) نہ اس کی قضا کئی ایسے امور میں معتبر ہے۔
(۷) نہ حدود اور قصاص میں اس کی شہادت معتبر ہے۔
(۸) نہ وہ کسی اسلامی سٹیٹ کی سربراہ بن سکتی ہے۔
(۹) نہ کھلے بندوں مردوں کی تفریح گاہوں اور مخلوط اجتماعات میں آ جا سکتی ہے۔
(۱۰) دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔
(۱۱) **غیر مسلم اقلیت اور کلیدی مناصب** غیر مسلم اور ذمی۔ قاضی اور جج نہیں بن سکتا۔
(۱۲) نہ وہ اسلامی آئین سازی کرنے والے اداروں مقننہ یا دستور ساز اداروں کا رکن بن سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اسمبلی کو اس امر کا پابند بنا دیا گیا ہو۔ کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کرے گی۔ اور رائج الوقت قوانین کو کتاب و سنت کے دائرہ میں لائے گی، تو کتاب و سنت کی تشریح، قوانینِ اسلامی کی ترتیب،

کتاب و سنت کے مطالب کا تعین، اسلامی شرعی ضوابط، فوجداری و دیوانی کی تعبیر کسی مقننہ شرعیہ (اسمبلی) کے غیر مسلم ارکان کی رائے سے کیسے کرائی جا سکتی ہے۔ ایک شخص جب اسلام کے اساسی معتقدات توحید، رسالت، شریعت کی صداقتوں کا معترف نہ ہو اسے اسلام ان باتوں کی تشریح و تعبیر کا حق کب دے سکتا ہے۔ اور درحقیقت ایسا کرنا غیر مسلم اقلیتوں سے زیادتی نہیں عین انصاف ہے۔ وہ اگر انہیں اپنے عقیدے، مذہب اور نظریہ کے خلاف قانون سازی کرنے پر مجبور کرتا تو یہ ظلم ہوتا۔ موجودہ دستور کا مسودہ نہ صرف انہیں یہ حق دیتا ہے، بلکہ حلفِ وفاداری وغیرہ کے رسمی الفاظ میں ان سے اسلامی نظریہ کی بقاء و تحفظ کا حلف دلوا کر انہیں نفاق پر مجبور کرتا ہے۔ اور گویا بالجبر اس ضمیر کشی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ الغرض اسلام غیر مسلموں کو تجارتی، انتظامی، صنعتی، اقتصادی وغیرہ امور میں تو شریک کراتا ہے۔ مگر آئین اور قانون سازی کا حق کبھی نہیں دیتا۔ جو اجتماعی طور پر تنفیذ القول علی الغیر ہے۔

(۱۳) اور جب انہیں کسی انفرادی معاملہ میں انفرادی طور پر مسلمانوں پر ولایتِ خاصہ نہیں دی گئی۔ تو پورے اسلامی سٹیٹ پر ولایتِ عامہ کب دے سکتا ہے؟ جو تمام اہم کلیدی مناصب کی شکل میں عدم امتیاز کرنے سے انہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام ملازمتوں اور انتخابی عہدوں میں بعض حالات میں امتیاز ناگزیر سمجھتا ہے، جب کہ موجودہ بنیادی حقوق غیر مسلم اقوام (جو مرتدین کو بھی شامل ہے) کو نہ صرف صدارت، وزارت، عدلیہ کی سربراہی، افواجِ اسلامی کی کمان تک عطا کرنے پر بھی قدغن نہیں لگتے۔

(۱۴) اسلام کی نگاہ میں کلیدی مناصب پر فائز ہونا تو بڑی بات ہے، کسی غیر مسلم شہری کی مسلمانوں کے خلاف شہادت بھی معتبر نہیں۔ اس بارہ میں صاف نصوص موجود ہیں۔ لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔ خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر کسی معاملہ میں بالادستی نہیں دی۔ اور ارشادِ خداوندی ہے۔

لا تتخذوا البطانۃً من دونکم لا یالونکم خبالا۔

الغرض آئین کے بنیادی حقوق نہ صرف ان تمام باتوں کی نفی کر رہے ہیں۔ بلکہ دفعہ ۸ ذیل ۱ کی تعلیم تو اس حصے کو قرآن وسنت تک پر بالادستی دے رہی ہے۔ کہ کوئی قانون یا کوئی رسم و رواج جو بمنزلۂ قانون ہو اس باب میں عطا کردہ حقوق سے تناقض کی حد تک کالعدم ہوگا۔ بہرحال بنیادی حقوق کو اسلامی قانون سازی سے ہمکنار کرنے اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے ارکانِ اسمبلی کی طرف سے بے شمار ترامیم آئیں۔ مگر حکومتی پارٹی نے اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دیں۔

(دسمبر ۱۹۷۳ء، ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ)

اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل

بالآخر صدر نے اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کا اعلان کر دیا اور کونسل کی تشکیل کی موجودہ ہیئت سے ان رہی سہی توقعات کا بھی خون ہو گیا۔ جو اسلامی نقطۂ نظر سے وابستہ تھیں آئین کے باب نہم کا تعلق اسلامی احکام سے تھا جس کا مقصد مروجہ جملہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق اور آئندہ ہر قسم کی قانون سازی کو قرآن و سنت کا پابند بنانا تھا۔ آئین سازی کے موقع پر اسمبلی کے علماء ارکان کی برابر یہ سعی رہی ہے کہ آئین کا یہ حصہ زیادہ سے زیادہ مؤثر اور آئین کو اسلامی بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ ضمانت مہیا کرنے کے قابل ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ان دفعات کی تنفیذ کے لئے عام بنیادی حقوق اور دوسرے قوانین سے ہٹ کر ایک خاص طریقِ کار وضع کیا گیا کہ اس طرح کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے کے لئے عدالتی چارہ جوئی نہ کی جا سکے۔ علماء ارکان نے دلائل اور براہین سے ثابت کیا کہ جب عدالت آئین کی دیگر دفعات کے منافی کسی قانون کو کالعدم کرا سکتی ہے تو آخر کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے سے جو کسی مسلمان کے لئے تمام حقوق سے بڑھ کر بنیادی حق ہے پارلیمنٹ کی بالادستی برقرار رکھنا کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور بالادستی کے سوال پر صرف اسلامی قانون سازی پر کیوں چھری پھیری جاتی ہے۔ بہرحال یہ تمام استدلال اور احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا۔ اور اسلامی قانون سازی کے لئے اسلامی مشاورتی کونسل والا طریقِ کار وضع کیا گیا۔ اب چونکہ آئین اور کسی قانون کی اسلامی حیثیت کا سارا دارومدار مشاورتی کونسل کے ارکان کی اہلیت پر رہ گیا۔ اس لئے علماء ارکان نے کونسل کی ہیئتِ تشکیل پر نہایت توجہ دی اس کے ارکان کی اہلیت صلاح و تقویٰ، علمی و فنی تبحر، تدین اور خدا ترسی وغیرہ امور کو ملحوظ رکھنے پر خاص زور دیا گیا۔ اور آئین

کی دفعہ ۲۲۸ میں بھی بصراحت کی گئی کہ کونسل کے ارکان قرآن وسنت کے متیقنہ اسلامی اصول اور فلسفے کا علم رکھتے ہوں۔ اور کم از کم چار ارکان ایسے علماء ہوں جو کم از کم پندرہ سال تک اسلامی تحقیق یا تدریس کے کام سے وابستہ چلے آرہے ہوں۔ دستور میں کہا گیا کہ یہ کونسل سات سال میں اسلامی قانون سازی کا کام مکمل کرے گی۔ اور اسے ہر سال ایک رپوٹ مرتب کرکے پیش کرنا ہوگی۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ توقع پیدا ہوگئی تھی کہ اگر یہ کونسل اس اہم کام کی اہل ہو اور اس کام میں مخلص بھی۔ تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑا کام ہوسکے گا۔

کونسل کی موجودہ تشکیل

مگر افسوس کہ کونسل کی موجودہ تشکیل سے ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور اس ملک میں اسلام اور اسلامی قانون سازی کی رہی سہی تمنائیں بھی خون ہوگئیں۔ اگر حکومت ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے دعوؤں میں مخلص ہوتی تو کونسل کی تشکیل میں اپنے وقتی مفادات اور تحفظات کو دخل نہ دیتی اور اس کے لئے ایسے اہل اور جامع افراد نامزد کئے جاتے جو اس عظیم اور اہم کام کے واقعی معنوں میں اہل ہوتے مگر افسوس کہ سوائے ایک رکن کے جو اسلامی علوم کی درس وتدریس کے پندرہ سالہ تجربہ پر پورا اترتے ہوئے جو علمِ حدیث ادب اور فقہ میں مہارت رکھتے ہیں مگر جنہیں خود بھی فقہ، اصولِ فقہ یعنی اسلامی قانون سازی کے بنیادی علوم میں مہارتِ تامہ کا دعوے نہیں، باقی کسی رکن میں آئین کے تقاضے اور فنی مہارت تو کیا علوم اسلامیہ کے الف، با پر بھی وہ پورے نہیں اتر سکتے، اور اس طرح موجودہ کونسل کی حیثیت بھی عوام کی نظروں میں وہی رہ گئی ہے جو ایوب خان کے نامزد کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کی تھی۔ اور جس میں عہدِ اکبری کے ملا مبارک کی وہ ساری ادا جمع کی گئی تھی جو شہنشاہِ والاتبار کے اشارہ پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا کرتے اور جو قوم کو لاکھوں روپے کے اخراجات کے بدلے قوم کو فکری انتشار و اضطراب کے سوا اور کچھ نہ دے سکی۔

موجودہ آئین میں جب کہ اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ اسلامی قانون سازی کے دعوے بھی ہیں تو حکومت کو چاہیئے کہ

اولین فرصت میں کونسل کی موجودہ تشکیل پر نظرِ ثانی کرے اور اس آئین کے تقاضوں کو پورا کرے جسے عوامی حکومت اپنا سب سے بڑا کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کونسل کی موجودہ شکل پر نہ تو مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو اعتماد حاصل ہو سکے گا نہ اس کی رائے اسلامی نقطۂ نظر سے کسی اعتماد کے قابل ٹھہرے گی۔ ——— (اپریل ۷۴ء)

شریعت بل کا استرداد

وہ حکومت جو پچھلی تمام حکومتوں سے بڑھ کر اسلام کی خدمت کرنے کی دعویدار ہے اور جس کے بنائے گئے آئین میں اسلام کو ملک کا مملکتی مذہب اور ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ اس حکومت کی با اختیار قومی اسمبلی نے اپنے حالیہ اجلاس (اپریل مئی ۱۹۷۶ء) میں تین ایسے بل مسترد کر دیئے جو اس کے نامۂ اعمال میں، اعمالِ خیر ہرگز نہیں کہلا سکیں گے۔ اور آنے والا مؤرخ اسے عوامی دور کے قرطاس ابیض کے سیاہ ترین دھبے قرار دینے پر مجبور ہو گا۔

پہلا اہم ترین بل وہ تھا جو اسمبلی میں موجود حزبِ اختلاف کے علماء ارکان نے چند دیگر ہمنوا ارکان کے تعاون و اشتراک سے شریعت بل کے نام سے پیش کیا جس کے ذریعہ آئین کی چار دفعات دفعہ ۲، ۳۰، ۲۲۷ اور ۲۶۸ میں ترامیم کرنا تھیں، بالخصوص آئین کی دفعہ ۲ میں جس میں اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیا جا چکا ہے۔ جن کے ذریعہ چار ایسی شقات شامل کروانا تھا جس کی رو سے ہر وہ موجودہ قانون جو قرآن و سنت کے خلاف ہو فی الفور ناجائز قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مملکت اور اس کی صوبائی اور قومی اسمبلیوں، پارلیمنٹ وفاقی اور صوبائی حکومتوں اور دیگر با اختیار اداروں کے لئے یہ ناممکن بنانا تھا، کہ مجوزہ ترامیم منظور ہونے کے بعد وہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون وضع کر سکیں۔ مروجہ اکثر خلافِ شریعت قوانین کا مجوزہ بل منظور ہو جانے کی صورت

میں فوری تعطل اور خلا سے بچنے کے لئے بل میں کہا گیا تھا کہ مقننہ کو اس قاعدے کے اطلاق کو مخصوص شعبوں میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت تک ملتوی کرنے کا اختیار دیا جائے ـــــ قومی اسمبلی نے تو ایک عرصہ تک اس بل کو زیرِ بحث لائے جانے سے مختلف طریقوں سے پہلو تہی کرنے کی سعی کی۔ مگر بالآخر جب ۳۰ اپریل کو شریعت بل ایوان کے سامنے رکھا گیا تو ایوان کی اکثریت نے اسے مسترد کر دیا۔

وفاقی وزیر قانون نے اس موقعہ پر ایک ایسی کونسل (اسلامی مشاورتی کونسل) کا سہارا لیا جو آئین کی منظوری سے لے کر اب تک متنازعہ غیر مؤثر اور اسلامی نظام کو اس ملک میں تعویق اور التوا میں ڈالتے رہنے کا ایک سرد خانہ بنی ہوئی ہے۔ اور ساتھ ہی قوم کو یہ بشارتِ عظمیٰ بھی دی گئی ہے کہ ۱۹۸۰ء تک تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق کر دیئے جائیں گے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی حقیقت پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ نمبر ۲۲۷ میں اگرچہ یہ ضمانت دی گئی ہے کہ مروجہ جملہ قوانین قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالے جائیں گے اور اسلامی احکام کے منافی کوئی قانون وضع نہیں کیا جا سکے گا۔ لیکن یہ ہو گا کیسے، اس کے طریق میں اسلامی مشاورتی کونسل کا ذکر ہے اور اس دفعہ کو بنیادی حقوق اور دیگر اہم قوانین کی طرح عدالتی چارہ جوئی سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ آگے آئین میں ایسی اہم مشاورتی کونسل کو کس بے دردی سے غیر مؤثر اور بے اختیار بنا کر رکھ دیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ :۔

(۱) اگر کونسل کی رائے میں کوئی مجوزہ قانون قطعی غیر اسلامی بھی ہے، تو اسمبلی اس بات کی پابند نہیں کہ وہ کونسل کی سفارشات کی متابعت کرے۔

(۲) اگر کوئی متنازعہ قانون استصواب کے لئے کونسل کے پاس بھیج بھی دیا جائے تو وہ کسی محدود وقت اور میعاد کی پابند نہیں۔

(۳) پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسمبلی اپنا کوئی ایسا فیصلہ کونسل کے جواب پر موقوف نہیں رکھے گی۔ بلکہ چاہے تو جواب آنے سے پیشتر بھی قانون وضع کر سکتی ہے، اور پھر دوبارہ اس پر کونسل کے غور کرنے کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔

(۴) کونسل سے مشورہ لینے یا نہ لینے کو بھی صدر یا گورنر یا اسمبلی کی اکثریت (جو لازماً سرکاری پارٹی کی ہو گی) پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حزب اختلاف ہزار بار چیخے کہ متنازعہ مسئلہ غیر اسلامی ہے اسے کونسل میں بھیج دیا جائے مگر یہ چیخ و پکار صدا بالصحرا ہو گی۔

(۵) پھر سب سے بڑی خامی کونسل کی ہیئتِ تشکیلی میں یہ رکھی گئی ہے کہ کسی مسئلہ کی اسلامی حیثیت کے بارہ میں رائے دینے والی کونسل شریعت سے باخبر جید علماء اور اہل افراد کی تعداد اقلیت میں رکھی گئی۔ جو اگر چاہیں بھی تو غیر علماء ارکان سے اپنا فیصلہ نہ منوا سکیں۔ یہ خامیاں جب آئین سازی کے وقت سامنے آئیں تو علماء حق ارکان اسمبلی نے نہایت موثر ترامیم ان دفعات میں پیش کیں اور ہر لحاظ سے اپنی ترامیم کو مدلل اور مبرہن کیا۔ اور صاف کہا گیا کہ اگر حکومت کسی طرح بھی عملاً اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تیار نہیں تو پھر دکھاوے کے لئے ایسی دفعات کی ضرورت کیا ہے جنہیں آگے طریقِ کار کے لحاظ سے ذبح کر دیا گیا ہے۔

کونسل کی صلاحیت اس کے بعد جب اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل ہوئی اور ہیئتِ تشکیلی سامنے آئی تو جس چیز کا کھٹکا تھا وہی سامنے ہو کر آئی کوئی ایسا مستعد اور فعال عالم رکن اس کونسل میں شامل نہیں کیا گیا جو زندگی کا ایک کافی عرصہ اسلامی تحقیق و تدریس میں گزار چکا ہو اور جو مسلمانوں کے ہاں قابلِ اعتماد راسخ العقیدہ اور مضبوط کردار کا حامل ہو۔ اس صورت حال پر اسمبلی میں موجود علماء حق نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ کونسل کی اصلاح اور ارکان کی اہلیت کے بارہ میں حکومت کو توجہ دلانے کے لئے پارلیمانی آئینی طریقے اختیار کئے گئے، کونسل کی تشکیل کے فوراً بعد رکن قومی اسمبلی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی طرف سے اسمبلی کو اس قرارداد کا نوٹس دیا گیا کہ "چونکہ کونسل کی تشکیل کے وقت آئین کی دفعہ ۲۲۸ کی مقتضیات پوری نہیں کی گئی ہیں۔ لہٰذا اسمبلی یہ مطالبہ کرے کہ کونسل کی دوبارہ تشکیل کی جائے اور اس میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے جو اسلامی تقاضوں اور اہلیت کے مطابق قانون سازی کے کام میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کر سکیں" اس قرارداد کا اس وقت سے لے کر اب تک تقریباً ہر اجلاس میں نوٹس دیا جاتا رہا اور اکثر یہ اسمبلی کے ایجنڈے میں بھی تمام اعیانِ حکومت اور ارکان کے سامنے آتا رہا مگر عملاً اسے زیر بحث

لانے کے بارہ میں آج تک وہی سلوک کیا گیا جو ایسی دیگر قرار دادوں، تراجم اور تحریکات کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ اب بھی آنے والے اجلاس میں دوبارہ اس نوعیت کا نوٹس دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ علماء اور ارکان کا اپنے حد تک مسئولیت اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی بات ہے۔ حکومت کا معاملہ اس بارہ میں نہایت افسوسناک ہے اور مستقبل قریب میں شریعتِ محمدیؐ اور اسلامی نظام کی اس ملک میں عملاً اجراء و نفاذ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جس کی خاطر کروڑوں مسلمانوں نے جان و مال ملک و وطن کی قربانیاں دیں اور جن کے سامنے قیام پاکستان کا مقصد صرف اور صرف انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام اور اس کے تمام مقتضیات کی حکمرانی کا حسین نقشہ رکھا گیا تھا۔ اب تک اس عہد و میثاق کو پس پشت ڈال دینے کے ہولناک نتائج نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا نے دیکھ لئے اور آئندہ کی خبر خدائے خبیر و علیم کو ہے۔

زنا قابل تعزیر ۲ء۔ دوسرا بل بھی اسمبلی کے ایک عالم رکن کا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ زنا کے لئے شریعت کے مطابق احکام وضع کئے جائیں اور اسے چکلے ہیں ہو یا کلبوں میں جہاں کہیں بھی ہو قابل دست اندازی پولیس جرم سمجھا جائے اور شرعی طریقہ کے ثبوت کے بعد زانی اور زانیہ کو شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ بل بھی مسترد کر دیا گیا اور پچھلے بل کی طرح حزب اختلاف نے اپنی ناراضگی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسمبلی سے واک آؤٹ کیا، زنا جیسی فاحشہ جس کے عقلی و نقلی قباحتوں پر صرف مسلمان نہیں ہر عقل سلیم رکھنے والا مذہب اور معاشرہ متفق ہے۔ اگر حکومت واقعی معاشرہ کی تطہیر چاہتی ہے تو اس بل کو منظور کر کے اپنے حسنات کا اضافہ کر سکتی تھی۔ مگر افسوس ہم فحاشی کے فروغ کے خلاف تحریک چلانے کی باتیں تو کرتے ہیں مگر ابلاغ عامہ، لٹریچر و صحافت غرض ہر ذریعہ ابلاغ سے اسے پھیلانے میں بھی پیش پیش ہیں، ہم اخلاق و حیا اور پاکیزہ معاشرہ کا وعظ بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر عملاً عورتوں کو پردہ سے نکال کر مخلوط اور عریاں معاشرہ کے علمبردار اور داعی بھی بننا چاہتے ہیں۔

مسلم اور غیر مسلم کا غیر مبہم مفہوم ۳ء۔ تیسرا بل اسمبلی کے ایک اور بزرگ عالم نے اس غرض سے پیش کیا تھا کہ آئین میں مسلمان اور غیر مسلم کے مفہوم متعین کرنے میں جو التباس، ابہام اور الجھاؤ پیدا

ہو سکتا ہے اسے رفع کیا جائے اور غیر مبہم انداز میں واضح کر دیا جائے کہ پاکستان کی آئینی اور قانونی اغراض کے لئے کس بنا پر کسی شخص کو دائرہ اسلام کے اندر متصور ہونے یا نہ ہونے کا اہل سمجھا جائے گا۔ تحریک کا مقصد قادیانی اور دیگر غیر مسلم شہریوں کو اس تلبیس اور فریب کاری سے روکنا تھا جو وہ آئین میں مذہب کی تبلیغ کی آزادی کی ضمانت دیکھ کر آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح ان کو مذہب کی جانب اپنے غلط عقائد منسوب کرنے یا مسخ و محرف کرنے اس کی ہیئت بگاڑنے یا تحقیر کرنے اور آزادیٔ تبلیغ کا غلط استعمال کرنے سے روکنا بھی تھا۔ مگر افسوس کہ ایک خالص مثبت اور تعمیری ترمیم کا بل بھی اسمبلی میں آنے نہیں دیا گیا اور جواب میں کہا گیا کہ آئین میں قادیانیت اور مسلمان کی تعریف کا مسئلہ حل کر دیا گیا ہے۔ اب رہی آئینی تقاضوں کی تکمیل اور اس کے تحت قانون سازی کا کام تو اس کے لئے شاید کوئی اور مخلوق آسمان سے اُتر کر آئے گی۔ اسلام کے دعووں میں ہم کتنے سچے ہیں اور ہم اسلام سے کتنا والہانہ تعلق رکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ ان تین بلوں کے حشر سے لگایا جا سکتا ہے۔ واحسرتاکہ اسلام کی خدمت ہم نے صرف عرسوں اور میلوں میں شمولیت یا کبھی کبھی کسی مزار پر پھولوں کی چادر چڑھا دینا اور کبھی کوئی کانفرنس اور کانگریس کا انعقاد سمجھ لیا ہے۔ اور بس؟

اسلام کا نظام عدل و انصاف

شاہ فیصل کا قصاص

خادم حرمین شاہ فیصل کا قاتل اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا۔ قصر الحکم کے سامنے نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں قاتل کا سر قلم کر دیا گیا۔

حدود کا مساواتی پہلو اور اس واقعہ نے ایک بار پھر اس تاریخی حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ اسلامی حکومت کی اساس عدل و انصاف ہے اور قیام عدل کی راہ میں کوئی گروہی تعصب، رشتہ اور قرابت کی بندشیں، حکومت اور سلطنت کی رعائتیں حائل نہیں ہو سکتیں یہی خداوند حکیم و جبار کے قوانین و احکام کا وہ مساواتی پہلو ہے جو اس دور میں دوسرے ادیان و ملل میں ہمیں نہیں مل سکتا۔ اور جو معاشرہ کی اصلاح اور زندگی کے لئے بنیادی ستون کا کام دیتا ہے۔ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یآاولی الالباب۔ سعودی عرب کا حکمران خاندان اگر چاہتا تو قاتل کے لئے ہزاروں گنجائشیں نکل سکتی تھیں۔ وہ مرحوم شاہ کا بھتیجا اور انکے ایک باثر بھائی کا لختِ جگر تھا۔ خاندانی رشتے رکاوٹ بن سکتے تھے۔ قیام عدل سے ان رشتوں کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی۔ مگر بد بخت قاتل کے فاسد اور باطل نظریاتِ کفر و الحاد اور اس کے نہایت سفاکانہ فعل کی وجہ سے سارے خاندان نے اسے انّہ لیس من اھلک انّہ عملٌ غیر صالح ــ کا مصداق ٹھہرایا اور کسی رو رعایت کے بغیر اُسے اللہ کے قانون عدل و انصاف کے سپرد کر دیا اور سب بخوشی اللہ کے قانونِ حدود و تعزیرات کے سامنے سرنگوں ہوئے۔

اقامۃ حدود و قصاص میں قانونی مساوات یہ مقامِ صبر و رضا اور یہ قوتِ فیصلہ اس سلطنت اور خاندان کو اس نظامِ حیات اور اس دستور العمل نے دیا جس سے

بڑھ کر جامع اور مکمل نظام بالعموم بھی اس چرخ نیلگوں کے نیچے نہیں کیا جا سکتا نہ اس نظام میں امیر اور غریب کی رعایت ہے نہ قریب اور بعید کی اور نہ جرم و سزا کی دنیا میں اس سے بڑھ کر حکمت و مصلحت اور عدل و انصاف پر مبنی دوسرا کوئی متبادل نظام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس نظام کو دے کر آنے والے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سختی سے یہ تلقین کی کہ کہیں عدل و انصاف مصلحتوں اور رعایتوں کی نذر نہ ہو جائیں۔ فرمایا ’’اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم (ابن ماجہ)‘‘ اللہ کی حدود اپنوں اور پرایوں پر یکساں جاری کرو کہیں اس راہ میں خوف اور ملامت رکاوٹ نہ بن جائے۔‘‘

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ انقلاب فرانس کے ڈھنڈورے پیٹنے والے رنگیلے چشموں اور امریکہ کے بنیادی حقوق پر للچانے والی نظروں سے مساواتِ انسانی کے سب سے بڑے علمبردار نبی رحمت علیہ السلام کا یہ اسوۂ حسنہ مستور ہے کہ انہوں نے اپنی جگر گوشہ فاطمہ بتول ؓ کے بارہ میں فرمایا: واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ) لقطعت یدھا (کہ یہ تو بنی مخزوم کی فاطمہ ہے۔ اگر میری فاطمہ ؓ سے بھی چوری سرزد ہو جاتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا) آج جو نگاہیں انسانی خون سے رنگے ہوئے سرخ افق میں انسانی عظمتیں تلاش کرتی ہیں اور جو سرخ ندیوں کو جبر و استبداد اور ظالمانہ امتیازات کا علاج ٹھہراتی ہیں[1]۔ اسلام کے خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا فرمانِ خلافت ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتا ہے۔ کہ ان اقوامکم عندی الضعیف حتی اخذ منہ الحق وان اضعفکم عندی اقوی حتی اخذ لہ الحق (ابن سعد) ’’تم میں سے بڑی سے بڑی قوت والا بھی اس وقت تک میری نگاہوں میں حقیر اور کمزور ہے جب تک میں مظلوم کا حق اس سے چھین نہ لوں اور کمزور سے کمزور بھی اس کا حق دلانے

---

[1] پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب اور کمیونزم کی باتیں کرنے والے۔

تک میری نگاہوں میں مضبوط اور طاقتور ہے"۔

یہ نظام عدل و انصاف ملک کے ایک حبشی غلام اور معمولی سے معمولی شہری کو حق دیتا ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کو عدالت کے کٹہرے میں کھینچ لائے اس کی نظروں میں حاکم و محکوم رعایا اور راعی قرابت دار اور اجنبی سب یکساں ہیں ۔

اس نظام عدل کے برکات سعودی عرب میں اس نظام کی جھلکیاں موجود تھیں اس نظام اور اس پر ایمان و یقین کی برکت سے قاتل کو سزا ملی اور اس نظام ہی کی برکت سے آج بھی سعودی عرب امن و امان اور پُر سکون زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب کہ ساری دنیا شر و فساد، ظلم و جبر، خوف و اضطراب اور وحشت و بربریت سے بھر چکی ہے۔ مگر اسلام کے نظام تعزیرات کی برکت سے جرائم کی سرکوبی کے لئے سعودی عرب میں نہ آئے دن پولیس کے لشکروں میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ فوج سے سرکوبی کرانی پڑتی ہے۔ اور وہاں کی شرح جرائم ساری دنیا سے کم ہے۔

یورپ کا فلسفۂ جرم و سزا پھر دوسری طرف یورپ جو اپنے فلسفۂ جرائم کی بُنیاد چوروں، قاتلوں، زانیوں کی ہمدردی اور ظلم و فساد کی وکالت پر رکھتا ہے۔ اور اسے نام نہاد "انسانیت" کا نقاب اوڑھاتا ہے وہاں کے اعداد جرائم سے موازنہ کیجئے اور پھر فیصلہ خود کر لیجئے۔ ہمارے ہاں کے روشن خیال ترقی پسندوں کے علی الرغم آج کتنی آوازیں ہیں جو جرم و سزا کی دنیا سے وابستہ اہم شخصیتوں، ججوں، وکلاء اور پولیس کے اعلےٰ حکام کی طرف سے اٹھ رہی ہیں کہ معاشرہ کی تطہیر اور فساد کی بیخ کنی اگر کرنی ہے تو ہمیں اسلام کے نظام حدود و تعزیرات کو اپنانا پڑے گا۔ مگر جو عقل و خرد کی ساری متاع مغرب کے بازار میں نیلام کر چکے ہوں ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے ؟

مغربی تعلیم اور صحبت کے منحوس اثرات مرحوم شاہ فیصل کا قاتل جاتے جاتے ایسے خیالات کا اظہار کر گیا جو مغربی تعلیم گاہوں اور غیر ملکی لادینی تربیت گاہوں پر مرٹنے والوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بن سکتے ہیں۔ قاتل یورپ میں رہ کر دماغی تحلیل و تجزیہ برین واشنگ کے ایسے مرحلوں سے گزارا گیا کہ اُسے پوری دنیا میں اسلام ہی نفرت و حقارت کی چیز نظر آنے

کی اور وہ اس لئے اپنے عظیم چچا کو قتل کر بیٹھا کہ وہ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے کیا اس اسلام دشمنی و بربریت اور الحاد تک پہنچانے میں قاتل کی مغربی تعلیم گاہوں اور دشمنوں کی فحش اور بدکار صحبتوں اور لادینی نظریات کا دخل نہیں جو شہزادہ شاید اسلام کا بہترین خادم بن سکتا تھا غیروں کی تربیت اور باطل نظریات کے ہتھے چڑھ کر اسلامی تاریخ کا بدنما داغ بن گیا۔ جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اسلام سے بغاوت کی بھٹیاں تعلیم و تربیت کے نام سے تیار کر لیتے ہیں اور پھر اپنی اولاد کو مغربی اور اشتراکی تہذیب کی بھینٹ چڑھا کر انہیں جہنم کا ایندھن بناتے جا رہے ہیں۔ کیا انہیں جَو سے گندم کا ثمرہ مل سکتا ہے۔ ۶؍ جولائی ۱۹۶۵ء

فلسفۂ جرم و سزا

ظلم کا شرمناک مظاہرہ پچھلے دنوں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں ان نو۹ مجرموں کو پھانسی دے کر کیفر کردار تک پہنچایا گیا، جنہوں نے گزشتہ برس موضع علی پور فراش کے نو۹ افراد کو ان کی انتہائی بےکسی اور کس مپرسی کے عالم میں نہایت انسانیت سوز طریقے سے دلخراش چیخوں کے دوران زندہ جلا دیا تھا، گھر کو مقفل کر کے اس کے اندگرد پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور اس کے تمام مکینوں نے جن میں چار عورتیں اور ایک بچی بھی تھی، انتہائی بےبسی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر جان دی۔ فاضل عدالت کے فیصلہ کے مطابق ان بےکس مظلوم خواتین میں آٹھ ماہ کی حاملہ ایک خاتون بھی شامل تھی جو ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کمرے میں اِدھر اُدھر دوڑتی رہی اور آخر کار جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا کمرہ بند ہے تو مایوس ہو کر کمرہ کی ایک بلند جگہ سے کود کر گر پڑی اور تڑپ کر جان دے دی۔ بھرا گاؤں اس بربریت کے مظاہرہ کو روکنے کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ مجرموں نے تمام انسانی قدروں کو پائمال کرتے ہوئے ہنسی خوشی اس صدی کا یہ اندوہناک کھیل کھیلا۔ بھائی بھائی کو اور والد اپنے جگر گوشہ بیٹے کو جلتے دیکھ رہا تھا مگر سب مظلوم اور بےبس تھے۔

بجا طور پر اس صدی کا ایک اندوہناک حادثہ اور بدترین سزا کا مستحق جرم ہے، عدالت انہیں پھانسی سے زیادہ کوئی سزا دینے کی مجاز نہ تھی۔ ورنہ اسلامی تعزیرات اور حدود کی رُو سے انہیں زیادہ عبرتناک سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ انہیں تعزیراً زندہ جلایا جا سکتا تھا اور ایسے سنگدل ظالموں کو بر سرِ عام سنگسار کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ قوانین کے علمبردار اکثر یورپی ممالک تو ایسے بدترین مجرموں کی سزائے موت کے روادار بھی نہ تھے مگر اسلام کا حکم تھا کہ ایسے ننگِ انسانیت افراد کو ملک کے اہم شہروں کے چوراہوں پر سولی پر لٹکا دیا جاتا، تاکہ اوروں کے لئے یہ سانحہ ایک سبق بن سکتا۔ ولیشہد عذابھما طائفۃٌ من المؤمنین۔

معاشرہ کی بھیانک تصویر اور عبرتناک پہلو یہ واقعہ اخبارات میں آیا لوگوں نے پڑھا مگر اس میں غور و فکر کے جو بے شمار سوالیہ نشان تھے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے فراموش کر دیا گیا حالانکہ تاریخ، جرم و سزا کے ایسے واقعات عبرت اور موعظت کے لئے دہراتی رہتی ہے یہ دلدوز واقعہ موجودہ مسلم معاشرہ کی ایک انتہائی بھیانک تصویر پیش کر رہا ہے۔ وہ ہمیں بتلا رہا ہے کہ انسان وحشت و بربریت اور ذلت و حیوانیت کے کس مقام تک پہنچ گیا ہے؟ واقعی انسان کتنا قابلِ رحم ہے۔

انسدادِ جرائم کا صحیح طریقہ چودہ سو سال قبل پوری انسانی سوسائٹی کی ایسی ہی مہیب تصویر حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے سامنے تھی نہ صرف انسان بلکہ انسانی قدروں کا ہر ذرہ اپنے مقام سے ہٹ کر نظامِ عالم کو تہ و بالا کر رہا تھا۔ حضورؐ نے کس حکیمانہ شان سے نقشہ سامنے رکھا اور خرابیوں کی اصلاح شروع کر دی۔ اس وقت ساری خرابی اور بربادی کا علاج معاشی اور اقتصادی مسائل میں سمجھا جا رہا ہے مگر ایسے وحشت اثر واقعات ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں کہ یہ افراتفری اور پراگندگی صرف پیٹ کے مسائل کی پیداوار نہیں اور نہ یہی ایک نسخۂ کیمیا رہ گیا ہے، بلکہ اصل مسئلہ اب بھی انسان کو اس کی انسانیت کی طرف لوٹانا ہے، اس کے نفس اور حیوانیت کو سدھارنا ہے اس کی روح اور باطن کا تزکیہ کرانا ہے۔ معاش سے ہزار درجہ اہم چیز اخلاق اور معاشرت کی طرف توجہ دینی ہے۔

معاش سے زیادہ اخلاق کا مسئلہ اور موجودہ ہیجان اور پریشانی بھی معاش سے زیادہ اخلاقی اور معاشرتی و تمدنی مسائل ہی کی پیدا کردہ ہے۔ بگڑی طبیعت اور برے اخلاق غربت سے اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں اخلاق اور معاشرت کی طرف کتنی توجہ دی جا رہی ہے؟ یہیں اس وقت میں کہ مشرقی پاکستان میں بیس لاکھ انسانی آبادی تاریخ کے بدترین طوفان کا نشانہ بن چکی ہے۔ ملک ایک ایسے رسوائے زمانہ فاحشہ عورت، شہناز اور اس کے "دوستوں" کے چرچوں سے گونج رہا ہے۔ کالج کی نوجوان طالبات اس کی آمد کا سن کر ایک جھلک دیکھنے کے لئے پاگل ہو رہی ہیں۔ اس کے گھناؤنے کردار کے فیچر تیار کرنا اخبارات کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور ایسے دور میں کہ ملک ایک شدید نازک آئینی بحران سے گزر رہا ہے۔

نہ صرف ہوٹلوں میں چوری چھپے یورپ کے طرز پر حسن کی نمائش کی جا رہی ہے بلکہ تعلیمی اداروں اور کالجوں میں فیشن شو کے نام پر پورے معاشرت کی اخلاقی بربادی کو صلائے عام دی جا رہی ہے۔ (دیکھئے ۲۶، ۲۷ فروری کے اخبارات میں ہوم اکنامکس کالج پشاور کی ایک تقریب کی تفصیلات اور مناظر)

اصلاح کا نبوی نسخہ حضور اقدس علیہ السلام نے ہمارے سامنے اصلاح کا ایک عملی نمونہ رکھ دیا تھا۔ انہوں نے انسان کی درندگی کو بندگی اور حیوانیت کو ملکوتیت سے بدل دیا۔ اخلاق سدھر گئے۔ معاشرہ پاک وصاف ہوا، معاشی مسائل خود بخود حل ہوئے مواسات کے جذبہ نے مساوات کی ضرورت ہی نہ چھوڑی۔ ظلم عدل سے اور وحشت الفت سے بدل گئی۔ حدود اور تعزیر کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ تعلیم، تربیت اور تزکیہ سے کام لیا گیا۔ انصاف اور حق رسانی کا راستہ نہایت سہل بنا دیا گیا، احتساب کی گرفت کڑی رکھی گئی، نتیجۃً معاشرہ تاریخ کا ایک مثالی معاشرہ بن گیا۔ مگر اب؟ ساری نگاہ نری معاش پر ہے، معاد کا تصور تک نہیں ساری توجہ بازاری سیاست پر ہے۔ اخلاق اور معاشرت کس بلا کا نام ہے؟ تعلیم نام کسب معاش کا رہ گیا ہے اور اخبارات، فلم، لٹریچر، ٹیلیویژن، ریڈیو اور "ثقافت" اخلاقی قدروں" کے لحاظ سے

"تعلیم" کی رہی سہی کمی پوری کر جاتی ہے۔

قصبہ علی پور کا یہ المناک سانحہ ہمیں سبق دے رہا ہے کہ تمہارے اسلاف اور تمہارے آقا اور مقتدائے اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری دنیا کے ایسے ہی ایک معاشرہ کو کس انداز سے تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا تھا۔ اس آقا کے نام لیوا اور خیر امت ہونے کے دعویدار و تم پوری دنیا کو نہیں تو صرف اپنے چھوٹے سے ملک کی گرتی ہوئی انسانیت کو تھامنے کی کوشش تو کرو جو اسفل السافلین کی طرف لڑھکتی جا رہی ہے۔ علی پور کے مظلوم شہداء کی پاکیزہ ارواح تم سے بھیک مانگتی ہیں۔ اور اس بربریت کے مرتکب ظالم قاتلوں کے روح بھی تمہیں جھنجھوڑ رہے ہیں مارچ ۱۹۷۱ء

حدود و تعزیرات غیروں کی تائید اپنوں کا فرار

اخبارات میں یہ خبر آپ کی نظر سے گزری ہو گی کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر کارنیلیس نے تجویز پیش کی ہے۔ کہ مجرموں کو اسلامی قوانین کے تحت سزائیں دی جائیں انہوں نے کہا۔ کہ اس طرح جرائم کا انسداد بڑی خوبی سے کیا جا سکتا ہے۔ سڈنی میں قانون دانوں کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ سعودی عرب میں ان سزاؤں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہاں معاشرہ پر اس طریقِ کار کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ مسٹر جسٹس کارنیلیس نے کہا کہ مجرموں کو جیل نہ بھیجا جائے بلکہ عارضی طور پر اس طرح ناکارہ بنا دیا جائے کہ وہ جرم کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ آج میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ کسی آدمی کو جسمانی طور پر ناکارہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں کاٹنا ضروری نہیں رہا اور سائنس کی بدولت معمولی سرجری سے ہاتھ پاؤں بے کار کیا جا سکتا ہے۔

اس کانفرنس میں دولتِ مشترکہ کے ملکوں کے ایک سو پچاس نمائندے شرکت کر رہے ہیں مسٹر جسٹس کارنیلیس نے سوال کیا کہ کیا اس نظریہ میں عوامی ضمیر کے لئے کوئی سنگین

صدمہ مضمر ہے کہ مجرموں کو ان کی مجرمانہ حرکات کے بدلہ میں جسمانی اعتبار سے مستقل یا عارضی طور پر ناکارہ کر دیا جائے"!

بار بار شرعی حدود و تعزیرات کی طرف غیر تو غیر اپنے روشن خیالوں اور مغرب زدہ حضرات کی انگلیاں اٹھتی رہتی ہیں۔ حیوانیت اور بہیمیت میں ڈوبے ہوئے مغرب نے شرعی حدود کو وحشت اور بربریت قرار دینے کے لئے اتنا شور مچایا کہ اپنوں میں سے بھی بعض اقامتِ حدود (قطعِ ید۔ رجم وغیرہ) کو ظلم قرار دینے لگے۔ (معاذ اللہ) مگر کائنات کے اس خالق اور مقننِ اعظم کی بات جوں کی توں رہی جس کی ذات تمام حکمتوں اور دانائیوں کا سرچشمہ اور جس کا علم اور احاطہ لامحدود ہے کہ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب۔

کلیسا میں عیسائی قانون دان کا اذان

قرآنی حدود کی ضرورت اور افادیت کی یہ تائید اور یہ دعوت کسی مولوی کی طرف سے نہیں دی جا رہی بلکہ ملک کے سب سے بڑے قانون دان اور جرم و سزا کی دنیا کا طویل تجربہ اور مشاہدہ کرنے والے ایک چیف جسٹس اور غربی تہذیب کے سرد و گرم چشیدہ عیسائی، کارنیلیس کی طرف سے ہے — اور حق کی یہ اذان کسی منبر و محراب، خانقاہ یا مدرسہ میں نہیں بلکہ یورپ کے ایک سو پچاس قانون دانوں کی مجلس میں دی گئی ہے۔ غیروں سے مرعوب ہو کر اسلام اور اسلامی احکام کی مدافعت میں تاویلانہ بلکہ تحریفانہ رویہ اختیار کرنے والوں کے لئے اس میں نصیحت ہے۔ اور یہ خدائی قوانین کی غیر فانی افادیت اور ابدیت کی کھلی دلیل ہے ؎

مدت سے فلسفی کی چنیں و چناں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہاں رہی

(۶۵ء)

ظلمتوں میں نور کی کرنیں

اسلام اور قانون سازی ــــ عالمِ اسلام کے ایمان افزا جھونکے

مصر

عرب جمہوریہ مصر کے نئے دستور کی دفعہ م۲ میں صراحتاً اسلام کو سرکاری مذہب اور شریعتِ اسلامی کو قانون سازی کا بنیادی مصدر قرار دیا گیا ہے الاسلام دین الدولة والشریعة الاسلامیة مصدر رئیسی للتشریع۔ ادھر مصر کے صدر سادات بھی ایسی اصلاحات پیش کر رہے ہیں جن کا مقصد سائنس کے ساتھ مذہب کی بنیادوں پر مملکت کی نئی تعمیر ہے۔ مصری دستور کی یہ مختصر سی دفعہ ہمارے لئے نہایت خوش آئند اور اسلام کے حق میں عالمِ عرب کے طرزِ فکر میں اہم تبدیلی کی غمازی کر رہا ہے۔ ہرچند کہ اصل چیز اسلام کا عملاً نفاذ ہے مگر بعض حالات میں چند الفاظ بھی بھاری قدر و قیمت کے حامل بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ مصر اور پورے عالمِ اسلام کو عملاً اس راہ پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔ مسلمانوں کو اگر منزلِ نجات و فلاح تک پہنچنا ہے تو جلد یا بعد از خرابیٔ بسیار اسی جادہ حق پر گامزن ہونا پڑے گا۔ (اکتوبر ۱۹۷۱ء)

لیبیا

مصر کے بعد لیبیا کی آئین سازی کے بارہ میں بھی خوش آئند خبر آئی۔ اعلیٰ انقلابی کونسل نے ملکی قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھالنے کے اہم اقدامات کئے ہیں۔ جس کے لئے وہ پورے عالمِ اسلام سے تحسین کی مستحق ہے۔ حق تعالےٰ حکومتِ لیبیا کی صحیح رہنمائی فرمائے۔ پاکستان میں پھر آئین سازی کا مرحلہ درپیش ہے اور یہ واحد ملک ہے

جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس لئے اسے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی تجربہ گاہ اور معمل کی حیثیت سے اوّلین مقام حاصل تھا۔ مگر اب شاید اسے تیسرے درجہ میں بھی جگہ مل جائے تو نصیب۔ کاش! ہمارے ارباب حل و عقد ان اسلامی ممالک سے نصیحت لیں جو سوشلزم اور قومیت کی ہلاکت خیزیوں سے گزر کر اسلام کے ساحلِ سلامت ہی میں نجات پا رہے ہیں۔ (نومبر ۷۱ء)

آزاد کشمیر

حکومتِ آزاد کشمیر کے نئے صدر سردار عبد القیوم خان صاحب نے ریاست میں اسلامی اصلاحات نافذ کرنے کے سلسلہ میں بعض اہم اور بنیادی احکام جاری کئے ہیں اور اس طرح اس گئے گزرے دور میں صالح حکمرانوں کی یاد تازہ کی ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ اور اس طرح کی دیگر ہدایات ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور عادلانہ حکومت کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں، بشرطیکہ نہ صرف ان اقدامات پر عملدآمد کا بھرپور اور مؤثر احتساب کیا جائے بلکہ تدریجاً حکومت کے ہر شعبہ میں اسلام کی حاکمیت قائم کی جائے، بلاشبہ اگر صدقِ دل اور ایمان داری سے عالمِ اسلام کا کوئی دور افتادہ مختصر سا علاقہ بھی اپنے دائرہ میں اسلامی نظامِ حیات قائم کرنے کا بیڑہ اٹھا لے تو وہ دینی و دنیوی سعادتوں کے لحاظ سے پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف اس مقصد کے لئے قدم جمانے کی خاطر ایک بالشت زمین بھی کافی سمجھتے تھے، لیکن اب جب کہ ایمان و یقین احساسِ خودی اور فکر و نظر کی آزادی عنقا ہوتی جا رہی ہے، ہفتِ اقلیم بھی ہاتھ آ جائے مگر ہماری خود فراموشیوں کی وجہ سے کسی اسلامی مملکت کی خواب شرمندۂ تعبیر ہونی مشکل معلوم ہو رہی ہے ——— ان حالات میں حکومتِ آزاد کشمیر کا یہ اقدام جتنا بھی ہے، ہم اسے غنیمت سمجھ کر تمام مسلمانوں کی طرف سے تحسین و تبریک کا مستحق سمجھتے ہیں۔ (مئی ۷۲ء)

ترکی کی اسلامی کروٹ

سعودی عرب کے ایک مشہور روزنامہ اخبار البلاد کے ۲۰ ذی الحجہ کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ پہلے صفحہ پر صدر ترکیہ جناب جودت سونائی کا ایک ایمان افروز پیغام ہے جو انہوں نے عید الاضحیٰ اور حج کی مناسبت سے اپنے عوام کو دیا ہے مصطفیٰ کمال کی مسند پر بیٹھے ہوئے رئیس ترکیہ کے پیغام کے لفظ لفظ سے ایمان و یقین جھلک رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا حالات کا تقاضا ہے کہ ہم تمام غیر اسلامی نظریات اور باطل تحریکات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ صرف دین اسلام دین وحدت ہے۔ امت اسلامیہ کا دستور صرف قرآن کریم ہے۔ حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم سب قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ انہوں نے ملت ترکیہ سے کہا کہ ترکی قوم خدا کے فضل سے اسلام کی سچی دعوت کی پوری طرح حفاظت کرنے کی اہل ہے۔ ایک دوسری خبر سے معلوم ہوا کہ اس دفعہ حج کے موقع پر حاجیوں کی سب سے بڑی تعداد ترکی قوم کی تھی جو تقریباً ۴۵ ہزار کی تعداد میں یقین و ایمان کی دولت اور ولولہ ایمانی سے سرشار ہو کر اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے آئے ایمان و یقین کی یہ روح پرور خبریں اس ترکی بارہ میں ہیں جہاں کے "زعیم انقلاب" مصطفیٰ کمال نے اسلام اور اس کے مظاہرات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مٹایا۔ نشأۃ ثانیہ، انقلاب، ترکی اور یورپی اقوام کی ہمسری کے شوق میں عربی زبان بولنے پر لوگوں کی زبانیں کھینچی گئیں۔ مساجد کو عجائب خانوں اور خانقاہوں کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا۔ اذان، نماز، تلاوت قرآن ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ فولادی عزم والے ترکوں کو نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھالنے کی خاطر ہیٹ اور پتلون پہنانے کے جذبہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا گیا مگر اسلام کی جو چنگاری ترکوں کی فطرت اور خمیر میں چھپی تھی نہ بجھنی تھی نہ بجھ سکی۔ نور خدا پھونکوں سے نہ بجھایا جا سکا۔ دین حنیف کے چراغ اندر ہی اندر جلتے اور کفر کی حرکات کا مذاق اڑاتے رہے اور آج پھر یہ قوت اتنی ہی تیزی سے ابھر رہی ہے جس سختی سے اسے دبایا گیا تھا۔ باطل کی ظلمتیں بالآخر چھٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے

شعلے بالآخر چھپٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے شعلے الحاد کو خس وخاشاک کی طرح بھک سے اڑا دیتے ہیں اور باطل کی تمام کوششیں اور منصوبے خاک میں مل جائیں۔ یہ اس دین کی خاصیت ہے جو سچائی اور صداقت کا آخری پیغام اور فطرت اسلامی کا کامل اور مکمل جواب ہے۔ تزکیہ کی تاریخ میں دنیا بھر کے اہل زیغ والحاد کو عبرت ونصیحت اور اہل دعوت وارشاد کے لئے حوصلہ مندی جوش اور ولولہ کا کافی سامان ہے۔

قذافی کی مؤمنانہ باتیں

”مجھے جو فرحت اور لطف نماز اور تلاوتِ قرآن میں حاصل ہوتا ہے اور کسی عمل میں حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ جل جلالہٗ کا نام زبان پر آتے ہی قلب ایک عجیب سا سکون پاتا ہے.....“

یہ کسی زاہد وعارف اور اصطلاحی صوفی اور متقشف بزرگ کی بات نہیں۔ لیبیا کے مردِ آہن اسلام کے بطلِ جلیل کرنل معمر القذافی کی گفتگو ہے۔ جو انہوں نے لندن کے سنڈے ٹائمز کے نمائندۂ خصوصی فلپ نارمن کے اس سوال کے جواب میں فرمائی کہ آپ کے تفریحی مشاغل کیا ہیں ـــــ وہ قذافی جو سرزمینِ طرابلس میں شیخ احمد بن سنوسیؒ کے خوابوں کی تعبیر ہیں۔ جن سے عالمِ اسلام کی امیدیں وابستہ ہیں جو عربوں کو اسرائیل ناسور سے نجات دلانا چاہتے ہیں جو فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں۔ جنہوں نے ملت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنی ہر عیش وراحت قربان کر دی ہے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا قرآن کی تلاوت اور اس کی اشاعت اور تعلیم ہے۔ وہ قذافی جنہیں بقول ان کے ایک رفیق کے ”عظمتِ اسلام کا خبط ہے“ ـــ کاش! کہ عالمِ اسلام کو چند ایک اور خبطی مل جائیں۔ کاش! کہ لیبیا کی چھوٹی سی آبادی جو ۲۰ لاکھ سے متجاوز نہیں کا ہر فرد قذافی بن جائے تو مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کچھ سہارا مل سکے۔

اسلام امن اور جہاد اسی قذافی نے مذکورہ کافر انٹرویو نگار کو یہ بھی کہا: ”قرآن

حکمتوں کا منبع اور مرکز ہے وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہر ہدایت دیتا ہے ۔ وہ محض انجیل کی طرح نہیں ہے جس میں شروع سے آخر تک امن کی ہدایت ہے۔ قرآن جہاں امن و آشتی کا درس دیتا ہے وہاں ضرورت محسوس ہونے پر اپنے دفاع کے لئے تشدد کی بھی صاف صاف اجازت دیتا ہے ۔ یہ فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ہمیں کہاں امن و آشتی کا ہاتھ بڑھانا اور کہاں تشدد کا مقابلہ تشدد سے کرنا ہے ـــــ"

قذافی اس سوال کا جواب دے رہے تھے کہ اللہ کی رحیمی اور رحمانی صفت کے ساتھ ساتھ جنگ و جدال کے کیا معنی ـــــ ؟ قذافی ایمان و یقین سے معمور ہیں ۔ مغربی پروپیگنڈہ میں آکر ارتیابی ذہنیت کے مریض نہیں کہ اسلام کی تفسیر میں تاویل اور معذرت کا انداز اختیار کریں ۔ انہوں نے جہاد کی حقیقت سمجھائی اور جری انداز میں کہا :۔

> "ہم جب آزادی کی جنگ لڑتے ہیں تو صرف عربوں اور مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ساری نوع انسان کے لئے سمجھ کر جہاد کرتے ہیں خدا تعالےٰ کا کلام قرآنِ حکیم سب کے لئے ایک سا پیغام اور ایک سی ہدایت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں اور دوسری کتاب میں امتیاز ہی کیا ہو سکتا تھا ؟ یہود کے لئے تورات یا عیسائیوں کے لئے انجیل تھی ۔ مگر قرآنِ کریم ساری نوعِ انسانی کے لئے نازل ہوا ہے "

مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اور فلسطین کی واپسی کے بارہ میں اس سراپا عزیمت حکمران نے کہا :۔

> "جی ہاں ، ہم ماضی کو واپس لا سکتے ہیں اور لا کر رہیں گے ۔ ہم ماضی کی یاد تازہ کریں گے فلسطینیوں کو اپنے وطن میں واپس جانا اور یہودیوں کو کہیں اور سر چھپانا ـــــ"

یہ ایک جھلک ہے اس مردِ مومن کے عزائم کی جس کے دم سے عربوں میں ایک نیا ولولہ اور تازگی پیدا ہو رہی ہے اور جو ایسے مومنانہ جذبات اور عزائم کی وجہ سے آج دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنتا جا رہا ہے[1]۔

کاش! ہمیں بھی کوئی قذافی میسر ہو جاتا جو اپنے جوش اور غیرتِ ایمانی سے نئی زندگی اور نئے جوش سے سرشار کر دیتا۔

(جلد ۸، شمارہ ۱، رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ، اکتوبر ۱۹۷۲ء)

---

[1] افسوس کہ "محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے فلم بنانے میں تعاون کرنے کی خبروں سے جناب قذافی کے ساتھ مسلمانوں کے قلبی تعلق کو کافی دھچکا لگا بظاہر اس کی وجہ بھی قذافی کی سیمابی اور جذباتی طبیعت ہے کہ ان کے زعم میں ایسا تعاون شاید تشہیر و خدمتِ اسلام کا موجب ہو گا گو ان کا یہ خیال کسی لحاظ سے مستحسن نہیں۔

سرحد میں جمعیت کی حکومت

اب جب کہ سرحد میں اس اتحاد کی رو سے جمعیۃ العلماء اسلام کو وزارت سازی کا موقع مل رہا ہے، تو ملک کے تمام مخلص دیندار اور دین کے دعویدار افراد اور جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے گرد بے جا شکوک و شبہات کا حصار کھینچنے کی بجائے اسے اسلام کے نشاۃِ ثانیہ اور مثالی معاشرہ کا پیش خیمہ سمجھ کر اس کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔ کیا عجب یہ شمال مغربی سرحدی علاقوں میں دینی اقدار کے فروغ اور فواحش و منکرات کے ازالہ کا ذریعہ بن جائے۔ اور جو سرزمین سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے خونِ شہادت سے لالہ زار بنی وہ آج سیدین شہیدین کے خوابوں کی تعبیر اور شیخ الہند محمود الحسنؒ دیو بندی کے سپنوں کی آماجگاہ بن جائے۔ ھٰذا تاویل رؤیای قد جعلھا ربی حقاً

صدیوں بعد کسی خطہ میں علماء حق کا برسرِ اقتدار آنا جتنی مسرت کی بات ہے حالات اور زمانہ کے لحاظ سے اتنی ہی نازک ترین آزمائش بھی ہے۔ ہمیں اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، تعلیم ہر میدان میں بتدریج تبدیلیاں لانا ہیں۔ اس کی صورت اور طریقِ کار کیا ہو۔؟ الاہم فالاہم کے مطابق کون سی باتیں اولین اور کون سی چیزیں ثانوی اہمیت کی حامل ہوں گی اور ہمیں دینی اصلاحات کے سلسلہ میں دین سے عمومی گریز کی فضاء میں بین المملکتی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح اسلامی نظامِ حکومت کو اپنانا ہوگا۔؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابر اور خاص طور پر اس کے اولوالعزم اور مدبر قائد مولانا مفتی محمود صاحب کے سامنے ہیں۔ اسلامی خلافتِ راشدہ کی آرزو اگر صرف جمعیۃ کی نہیں بلکہ تمام درمند مسلمانوں اور جماعتوں کا مرکز تمنا ہے تو آئیے سب بڑھ کر اس حسین تصور کو جامۂ حقیقت پہنانے میں جمعیۃ العلماء اسلام کا ہاتھ بٹائیں

اور اپنی تمام خداداد قوت اور وسائل سے اس کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح اللہ کی رحمتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ اس مرحلہ پر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے محبوب قارئین کو بھی اس دعا میں شریک کرا دوں۔ معزز قارئین آئیے سب بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر خلوصِ دل سے دعا کریں کہ بارِ الٰہ مدتوں بعد جب تو نے اپنے بندوں کی ایک جماعت کو ایک مختصر سے خطہ میں اس نعمت سے نوازا کہ وہ وہاں تیرے دین کا بول بالا کر سکیں تو اب انہیں توفیق بھی عطا فرما کہ وہ اس پُرخطر اور سنگلاخ وادی سے سرخرو ہو کر کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ یہاں کے چپہ چپہ میں منکرات اور برائیوں کی بجائے نیکی اور بھلائی کا دور دورہ ہو۔ اگر تو نے یہ نازک ذمہ داری جمعیۃ العلماء اسلام کے کاندھوں پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اب ہر طرح ان کی دستگیری بھی فرما اور ان لاکھوں اسلام کے نام لیوا شیدائیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر جو صدیوں سے خلافتِ راشدہ کا نمونہ اور اسلامی معاشرہ دیکھنے کو ترس رہی ہیں ـــــ (اپریل ۷۲ء)

صوبہ سرحد میں جمعیۃ العلماء اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کے باہمی تعاون سے جمعیۃ کی وزارت قائم ہو چکی ہے اور جمعیۃ العلماء اسلام کے قائد مولانا مفتی محمود صاحب وزارتِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہو چکے ہیں۔ مفتی صاحب اولوالعزم لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ جید عالم، فقیہ اور عالم باعمل ہیں۔ سیاسی بصیرت اور تدبر، تحمل اور بردباری ان کی معروف صفات ہیں۔ علماء حق کو حکومت اور قیادت کی توفیق میسر ہونے پر ہم حضرت مفتی صاحب کو مبارک باد بلکہ دلی دعائیں پیش کرتے ہیں کہ اس نازک اور عظیم آزمائش پر حق تعالےٰ ان کی دستگیری فرمائے اور وہ اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر یہاں ایک ایسا مثالی معاشرہ اور خوشحال

صوبہ تعمیر کر سکیں جو پورے ملک کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ثابت ہو۔ اگر اس مرحلہ پر ہماری یہ کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں، اور ہم ناساعد حالات اور طرح طرح کی مشکلات اور رکاوٹوں کو سرخروئی کے ساتھ پار کر سکیں تو اس طرح پورے ملک میں دینی قیادت اور اسلامی نظامِ حکومت کے فروغ کی راہ ہموار ہو سکے گی۔ حضرت مفتی صاحب نے حلفِ وفاداری اٹھانے کے بعد ام الخبائث شراب پر مکمل پابندی کا اعلان کر دیا اور دیوانی و فوجداری قوانین کو کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ایک بورڈ کا بھی۔ اور معاشرہ کی مکمل تطہیر کے عزائم بھی ظاہر فرمائے۔ یہ ایک رقت انگیز منظر تھا جو صدیوں بعد اس چرخِ کہن کو دیکھنا نصیب ہوا۔ کتنی آنکھیں اس موقع پر فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہو گئیں اور ملک کے کونے کونے میں اسلامی درد سے لبریز کتنے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ واقعی مسرتوں کا مقام ہے —— خزاں رسیدہ گلشنِ محمدیؐ میں بہار آنے کے تصور سے بھی تو مسلمان کے تنِ مردہ میں جان آجاتی ہے۔ پھر کیا عجب ان سنگلاخ پہاڑیوں اور خشک و بے آب صحراؤں میں چمنستانِ اسلام کی شادابیاں لوٹ آئیں اور دینِ محمدیؐ کی خشک کھیتیاں سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء جاں نثار کے خون کی طرح لالہ زار بن جائیں۔ آئیے بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑا کر سرحد میں جمعیت العلماء اسلام کی حکومت کی کامیابی، مضبوطی، استحکام، جادۂ حق پر صبر و ثبات اور توفیقِ ایزدی کے لئے دعا کریں کہ یہ آزمائش مسرتوں اور خوشیوں کے ساتھ ساتھ مشکلات اور خطرات سے بھی لبریز ہے —— (مئی ۷۲ء)

باب ۱۴

فرد اور معاشرہ کی اصلاح

اصلاح معاشرہ کے جدید عطائی طریقے

معاشرہ کی اصلاح، ترقی اور خوشحالی کے لئے کیا کچھ ہے، جو نہیں ہو رہا، یہ ترقیاتی منصوبے اور طویل الذیل سکیمیں، گوناگوں تحریکیں. طویل المیعاد پلاننگ، اقتصادی اور مادی میدان میں مسلسل جدوجہد اور تگ و دو معاشرہ کی مادی ترقیات اور رفاہیت ہی کی خاطر ہو رہا ہے. مگر معاشرہ ہے کہ اصلاح کی بجائے فساد میں ترقی کرتا جا رہا ہے. معاشرتی خرابیاں، خود غرضی، لالچ، رشوت، اقربا پروری، بے حیائی، لذت اندوزی، مادہ پرستی اور طلبِ منفعت کی خاطر بڑے سے بڑے قومی اور اجتماعی حقوق کی پامالی اس فساد کی واضح علامت ہیں اور درحقیقت اجتماعی معاشرہ انفرادی اور شخصی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں. پس اگر آپ کسی انسانی جسم پر پھوڑے پھنسیاں یا ظاہری فساد دیکھ کر اندرونی خرابی اور فاسد مواد کا تعین کر لیتے ہیں۔ تو علاج کا صحیح اور دانشمندانہ طریقہ یہی ہوتا ہے کہ بیرونی مرہم پٹی اور عارضی اصلاح کی بجائے اندرونی مادۂ فاسد کے ازالہ کی تدابیر اختیار کر لیں کہ جب تک جڑ سے خرابی کا ازالہ نہیں ہوگا جسم رستا اور سڑتا رہے گا اور داخلی فساد اور خرابی رفتہ رفتہ سارے جسم کو ختم کر کے چھوڑے گی۔ عطائی اور ناتجربہ کار طبیب صرف وقتی تدابیر پر اکتفاء کریں گے۔ مگر ہوشیار نبض شناس حاذق اطباء کی نظر خرابی کے اصل سرچشمہ کو پکڑ لیتی ہے۔

بسترِ مرگ پر دم توڑنے والا جسدِ ملی یہی حال ہمارے موجودہ معاشرے کا ہے، جو نہ صرف فساد کی لپیٹ میں ہے، بلکہ اول تا آخر جسدِ ملی کو خرابیوں کا روگ کھوکھلا کرتا جا رہا ہے معاشرہ کے کسی طبقہ اور زندگی کے کسی شعبہ میں دیکھیں آپ کو ایک عام بیماری نظر آئے گی۔ لوٹ کھسوٹ کا منظر ہے، ہوسِ زر میں جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہے۔ مادہ پرستی پوری قوم کا شعار ہے۔ ذرا سی منفعتِ دنیوی کے لئے حیاء و شرم کی ساری حدود بالائے طاق رکھ کر ہر فرد

اغراض اور ذاتی منافع کے درپے ہے، سمگلنگ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی تجار کا شعار ہے، رشوت ستانی اقربا پروری اور بددیانتی سرکاری حکام اور ہر سرکاری محکمے کا شیوہ۔ ملازم اور مزدور صرف حقوق کا رونا روتے ہیں۔ فرائض کا احساس تو پوری قوم کو نہیں۔ ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ جن کو دولت میسر ہے وہ عیش کوشی اور ہوس رانی کے چکر میں مبتلا ہیں جو غریب ہے وہ اپنے علاوہ ہر انسان کو بغض وعناد اور نفرت وحقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ غرض پورا معاشرہ احساس وشعور کی ہر خلش، ضمیر وادراک کی ہر قید وبندش سے آزاد ہو کر ایک عام وبائی بیماری کی لپیٹ میں ہے۔ اور جسم کے یہ پھوڑے پھنسیاں حیرت انگیز طور پر بڑھنے والی داخلی خرابیوں کا اعلان کر رہی ہیں۔

اصلاح اور علاج کے عطائی طریقے اگر یہاں بھی اصلاح وتشخیص اور علاج کی وہی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں، جو سڑے ہوئے جسم کے بارہ میں عطائی اور ظاہر بین طبیبوں کا طریقہ ہے، اس طرح اندرونی مادہ کو کچھ مہلت کچھ سکون تو مل جاتا ہے جس طرح اسپرو سے، ہوتا ہے۔ مگر دوسرے وقت میں اندر ہی اندر سڑتا ہوا مادہ مزید شدت اور قوت سے ظاہر ہو کر پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔

کیا اس کا سبب طبقاتی تفاوت ہے اس بگاڑ اور بربادی کو دیکھ کر کچھ عطائی لوگوں نے طبقاتی تفاوت اور اقتصادی ناہمواری کو اس کا سبب قرار دیا کہ غریبی ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے، ہر شخص کو بقدر ضرورت وافر دولت اور برابر کا حصہ مل جائے تو خرابی ختم ہو سکے گی۔ اس کے لئے مساوات، سوشلزم اور کیا کیا سنہری نام تجویز کر کے نسخۂ شفاء مرتب کیا گیا۔ مگر جہاں دولت کی فراوانی تھی وہاں اخلاقی خرابیوں اور بربادیوں کا زیادہ دور دورہ دیکھا گیا، جو جتنا غریب تھا دولت اور عہدہ ومنصب کے لحاظ سے دوسرا اس سے جتنا اونچا تھا رشوت ستانی اور اخلاقی بددیانتیوں میں وہ اتنا ہی اس سے بڑھ کر نکلا، سپاہی اور کلرک ایک روپیہ کا راشی تھا، تو سینکڑوں پانے والے افسر اور حاکم سینکڑوں اور ہزاروں کے راشی ہو گئے، سو روپیہ لینے والے میں سو خرابیاں ہیں تو ہزار اور لاکھوں پانے والوں میں اتنی ہی تعداد میں اخلاقی بیماریاں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار ممالک آج سب سے بڑھ کر بے حیائی، فحاشی اور مادہ پرستی

کی لپیٹ میں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ غربت اور افلاس کا ازالہ بذاتِ خود کتنا اہم اور ضروری ہی کیوں نہ ہو معاشرہ کی اصلاح، فساد کے ازالہ، سوسائٹی کی خرابیوں کا علاج ہرگز نہیں اس دوا نے معاشرہ کے بعض افراد کو اور بگاڑ دیا تو پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس سے کب شفایاب ہو سکتی ہے۔؟

قانون کا آہنی شکنجہ بھی علاج نہیں کچھ لوگوں نے معاشرہ کے علاج کی خاطر قانون کا سہارا لیا مگر قانون کا ڈنڈا جتنا بھی سخت ہوتا گیا اور حکومت و سلطنت کے شکنجہ میں معاشرہ جتنا بھی جکڑتا گیا اندرونی فاسد مادہ اتنا ہی شدت اور قوت سے دوسرے راستے نکالتا رہا۔ امریکہ نے کچھ عرصہ قبل شراب پر پابندی لگائی تو لوگوں نے سائیکل کے ٹیوب ٹائر سے خم خانوں اور پیمانوں کا کام لیا۔ خفیہ بھٹیوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی اور قانون کا احترام اسی طرح خاک میں ملتا رہا۔ اس لئے کہ کڑے قانون اور حکومت کے آہنی شکنجہ سے اندرونی فاسد مادہ پر پلاسٹر تو ہو سکتا ہے مگر برسوں کے سڑتے ہوئے مواد کو اُبلنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور سماجی بگاڑ اندر ہی اندر نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے چوروں کو دیکھا ہو گا کہ برسوں کی قید اور سزاؤں کے بعد ان کا پہلا کام وہی ہوتا ہے جس کی پاداش میں وہ اب تک تکالیفِ شاقہ برداشت کر رہے تھے۔ جوا باز مقامر کی عادت قانون کے ڈنڈے سے کبھی نہیں بدلی، ایک سمگلر بھی حوالات کی وجہ سے عادتِ بد نہیں بدلتا۔ اور ایک راشی یا اُجرتی قاتل دو چار ہزار جرمانہ دے کر اپنا دل پسند طریقہ نہیں چھوڑتا۔ الغرض اس شکنجہ سے انسان ـــ اشرف المخلوقات ـــ محض ایک سرکش گھوڑے کی طرح تو ہو جاتا ہے کہ جب تک سزا اور عقوبت کی رسیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ قابو میں ہے، ذرا سی باگ ڈھیلی ہوئی تو وہ شریر اور سرکش گھوڑا ہی رہا ـــ ہمارے ہاں بھی یہ انسانی طور طریقے تشخیص و علاج کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ اصل علاج سے پوری قوم غافل ہے۔ اندرونی فساد کے ازالہ کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں ـــ یہ صفائی کا ہفتہ ہے، یہ ہفتۂ شجر کاری ہے۔ وہ ٹی بی کے خلاف جہاد ہے۔ یہ ریڈ کراس کے میلے ہیں یہ ٹریفک کا ہفتہ منایا جا رہا ہے، یہ سمگلنگ اور ملاوٹ کے خلاف تحریک گرم ہے۔ سب کچھ ہو رہا ہے مگر کسی شعبۂ حیات میں اچھائی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ علاج کی تشخیص ہی

غلط ہے۔

اصلاح معاشرہ کیلئے اندرونی انقلاب کی ضرورت

مگر مسلمانوں کی نگاہ میں جو سب سے بڑھ کر دانا و بصیر حکیم تھا جس کی حذاقت و مہارت اور فراستِ باطنی، دوررسی، اور حقیقت بینی کی تاریخ نے ہر دور میں شہادت دی، یعنی حکیم دانا نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جو عقل و تجربہ اور فہم و خرد کے مطابق تھا، یعنی فساد کی اندرونی خرابیوں کو پکڑا کہ جب تک انسانی معاشرہ میں اندر سے انقلاب پیدا نہیں ہوگا۔ دل کی حالت درست نہ ہوگی ضمیر و احساس بیدار نہ ہوگا، اچھے اور بُرے کی تمیز پیدا نہ ہوگی تقویٰ اور خشیت کی لہریں نہیں اٹھیں گی۔ جسمِ انسانی کے پھوڑے پھنسی اور بدنما داغ نہ تو دولت سے زائل ہوں گے نہ غربت اس کا مداوا ہوگا نہ قانون سے اصلاح ہو سکے گی نہ حکومت کے ڈنڈے سے۔ یہ انقلاب دل کا انقلاب تھا کہ باہر کا سب کچھ اس کے تابع ہے، وہ اصل ہے اور جسم اس کا سایہ۔ اور جب اصل قابو میں آجائے گا۔ تو سایہ خود بخود ہاتھ میں ہوگا۔ پھر نہ قانون کی ضرورت ہوگی نہ نظامِ حکومت کے آہنی شکنجوں کی کہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ۔

دل کی دنیا بدلنے کے نتائج

جب دلوں کی دنیا بدل گئی تو منادی کی ایک پکار سے گھروں کے اندر لبوں تک آئے ہوئے شراب کے جام توڑ دیئے گئے لبوں کے اندر۔ نئے گلگوں کے گھونٹ حلق کے اس پار اٹک کر رہ گئے اور شراب کی وہ مٹی پلید ہوئی کہ مدینہ کی گلیاں اس سے بھر گئیں، سب جام و سبو باہر پھینک دیئے گئے۔ حجاب کی آیت سنی گئی تو جو بھی عفت مآب خاتون جہاں سے گزر رہی تھی وہیں سکڑ کر کسی آڑ میں بیٹھ گئی۔ اور جب تک لباس ساز نہیں ملا وہاں سے قدم نہیں اٹھ سکے۔ اگر رات کے سیاہ پردوں میں بھی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی جرم سرزد ہوا تو جب تک اس کی حد (جو رجم و سنگساری کیوں نہ ہوتی) اپنے اوپر جاری نہ کروائی لمحہ بھر چین نہیں ملا۔ وہ ماعزؓ جیسے رجال باصفا ہوتے یا غامدیہؓ جیسی خواتین تھا تنات جن کی احساس ندامت کسی پوری دادی کے لئے بخشش آفرین کا موجب ہو سکتی، وہ عبداللہ بن رواحہؓ جیسے سراپا دیانت حاکم اور افسر ہو جاتے، کہ

ہزاروں لاکھوں کی رشوت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے۔

نسخۂ شفا یک لخت فراموش غرض یہ اس امت کا آزمایا ہوا نسخہ ہے، جس کی صداقت پر صدیاں گزر گئیں۔ آج پھر معاشرہ کے لئے اس نسخہ کی ضرورت ہے۔ مگر کیا اس پورے ملک میں اصلاحِ اخلاق، تعمیرِ اخلاق، تہذیبِ نفس، تزکیۂ قلوب کی بھی کوئی تحریک اٹھی ہے۔ کسی پارٹی نے اسے اپنا منشور بنایا ہے؟ کوئی ہفتہ اس کا منایا گیا ہے؟ کسی لیڈر کا یہ بھی اوڑھنا بچھونا بنا ہے؟ وہ قوم جو روٹی کپڑے اور مکان سے زیادہ تعمیرِ انسانیت، تہذیبِ نفس کی محتاج ہے۔ افسوس کہ کوئی حکیم اسے شعار بنا کر نہیں اٹھتا کہ دلوں کو بیدار کر دے، اسے خوفِ آخرت اور ایمان باللہ سے مالا مال کر دے، انسانی افکار کو محاسبۂ آخرت سے مربوط کر دے اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی اہمیت انسانی اقدار کی قدر و قیمت اور ضمیر و شعور کی آگاہی اور بیداری کی ضرورت سے قوم کو آگاہ کر دے۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۲ء

عالمِ اسلام کی معاشرتی اور اخلاقی قدریں

مملکتِ عزیز پاکستان کی آزادی کو چوبیس برس گزر گئے۔ ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے مختلف تحریکیں اٹھیں، کئی انقلابات آئے، منصوبے بنے، تحقیقاتی کمیشن قائم ہوئے تجاویز پیش ہوئیں، بلند بانگ دعوؤں اور منشوروں کا ایک طومار مرتب ہوتا چلا گیا، مگر اس ساری کد و کاوش کا نتیجہ "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" ہی ظاہر ہوا۔ بحران بڑھتا گیا۔ تباہی نے ہمیں چاروں طرف سے آگھیرا، اور ملک اصلاح و ترقی کی بجائے فساد اور تنزل کی طرف لڑھکنے لگا۔ اب جب کہ نئی حکومت نئے جوش اور ولولہ سے قیادت سنبھال کر ملک کی از سرِ نو تعمیر کا عزم دہراتی ہے تو ہمیں اس سارے لاطائل اور لاحاصل جد و جہد اور کوششوں کو نگاہ میں رکھ کر اصلاح و تعمیر کا کام نئی بنیادوں پر شروع کرنا چاہیئے ورنہ نتیجہ وہی ضیاعِ وقت اور بربادی ظاہر ہوگا۔ کہ جب تک بیماری اور خرابی کی تشخیص نہ ہو سکے۔ اصلاح اور علاج کی ساری تدابیر ناکام ہوتی ہیں، اس وقت نئی تعمیر کے لئے جو بنیادی حیثیت کا مسئلہ

ہے وہ ہے ملک کی اصلاحی اور اخلاقی بنیاد پر تعمیر تو جب تک بنیاد درست نہ ہوگی۔ ساری عمارت تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، ہماری معیشت، سیاست، اقتصادیات اور تمام سماجی مسائل اگر حل ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں کہ ملک اور معاشرہ کی اخلاقی قدروں اور معاشرتی امور پر بنیادی توجہ دی جائے ورنہ بغیر اس کے ہمارے تمام منصوبے ناکام سے ناکام تر ثابت ہوں گے۔ معاشی اور زرعی اصلاحات، صنعتی ترقی اور معیارِ زندگی میں بلندی کے لئے ہماری تگ و دو کے باوجود ملک میں جس پیمانہ پر رشوت خوری دولت ستانی، اقربا نوازی، ذخیرہ اندوزی، غبن، بد دیانتی، فرائض میں کوتاہی، مجرمانہ گرانفروشی، خود غرضی اور ہوس رانی بڑھ رہی ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ حکومت کے اعلٰے سے ادنیٰ تمام محکموں میں ان برائیوں کا دور دورہ سب کو محسوس ہو سکتا ہے۔ اجتماعی حقوق اور جذبۂ حب الوطنی کا احساس اتنا مفقود ہے کہ اپنی حقیر اور فانی لذت یا مادی فوائد اور چند روزہ اقتدار کی خاطر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو غداری کی بھینٹ چڑھانا معمولی بات ہو گئی ہے۔ ملک و وطن کی ذمہ داریوں کا احساس صفر ہے۔ ان خرابیوں میں عوام بھی حکام سے پیچھے نہیں ہیں، بے حیائی، فحاشی، زنا، چوری، اغوا اور ڈکیتی، سمگلنگ، قومی و ملی امور میں غبن اور خرد برد کا حال ڈھکا چھپا نہیں۔

اخلاقی اور اصلاحی انقلاب کی ضرورت اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ہر تحریک چلائی مگر قومی اور وسیع پیمانہ پر کبھی توجہ نہ ہوئی تو اخلاقی و اصلاحی انقلاب کی طرف نہ ہوئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اربابِ اقتدار خرابیوں کے جس دلدل میں خود پھنسے ہوئے ہوں تو ہویٰ و ہوس اور لذت اندوزی کے اس کیچڑ سے وہ عوام کو کب نکالنا چاہیں گے۔ پھر جن لوگوں کے ہاتھوں زمامِ کار رہتی ہے انہیں یا تو خراب حالات نے اتفاقیہ لیڈر بنایا ہوتا ہے۔ یا پھر ان کی فکری اٹھان چند روزہ سیاسی دھندوں کے مرہون ہوتی ہے یا پھر ان تعلیمی اداروں کی جہاں سب کچھ ہوتا ہے مگر اخلاق، ضمیر، شعور و ادراک اور نفس کی تربیت و تہذیب کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہمارے رہنما قوم کی دینی، اخلاقی اور سماجی تربیت و تعمیر جیسے کٹھن خشک و بے مزہ کام کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی زندگی کی رنگینیاں بدمزہ کرنا چاہتے ہیں نہ ہی افسرانِ کرام

تو دفتری نظم و نسق اور سرخ فیتہ والے نظام کے جزئیات اور کاغذی کاروائیوں کے گردش اور پھر عیش و رفاہیت میں بدمست حالت انہیں اتنے اہم مسئلہ پر سوچنے کب دیتی ہے۔ قوم میں جب تک اخلاقی احساس اور اجتماعی شعور بیدار نہ ہو۔ خدا شناسی اور خدا ترسی اور محاسبۂ آخرت کا احساس نہ ہو، فرائض اور حقوق کا ادراک نہ ہو۔ رضا کارانہ کام، ایثار، خلوص، ادائیگی حقوق و امانات کی تڑپ نہ ہو تو ہمارا ہر معیشی، اقتصادی اور سیاسی منصوبہ نہ صرف ناکام بلکہ مزید تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بنتا رہے گا۔ پہلے قوم کی بحیثیتِ مسلمان اور دیانتدار شہری کی تربیت کیجئے اس کے لئے وسیع اور ٹھوس دور رس بنیادوں پر تحریک چلائیے۔ ایک اخلاقی اور وجدانی انقلاب برپا کیجئے۔ اس کے بعد صنعتی ترقی زرعی اصلاحات اور ملک کی تعمیرِ نو کے لئے آپ کی معمولی کوششیں بھی بہت بڑے ثمرات ظاہر کریں گی۔

ملک کی تعمیرِ نو میں دین سے گریز کا نتیجہ ہمیں افسوس ہے کہ پارٹی کے صدر (ذوالفقار علی بھٹو) نے اقتدار سے قبل تین بنیادوں پر انتخابی پروگرام پیش کیا تھا۔ اس نے اس عرصہ میں معاشی نظام کے لئے سوشلزم، سیاست کے لئے جمہوریت کی طرف برائے نام بھی کچھ تو قدم اٹھایا یا بہلانے کی کوشش کی۔ مگر اسلام جسے اپنا دین کہا گیا تھا کامل بے اعتنائی کے ساتھ پسِ پشت ڈال دیا گیا اور اب تک اسے دین کی حیثیت سے نافذ کرنے یا اسلامی خطوط پر معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ نہ ملک کی تعمیرِ نو میں اصلاحی و اخلاقی اقدامات کی طرف کوئی توجہ ہوئی۔ نتیجہ وہی کہ گاڑی ہلاکت کی اسی پٹڑی پر جارہی ہے اصلاحات کے باوجود معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی روز افزوں ہے۔ مزدوروں اور ملازمین کا عفریت بوتل سے نکل چکا ہے۔ "سیاسی زعماء" بے اعتماد ہیں عوام اقتصادی اور معاشی لحاظ سے دبتے جارہے ہیں۔ امن اور اتحاد کی فضا ختم ہوتی جارہی ہے۔ محبت اور الفت کے رشتے نفرت اور عداوت سے بدل رہے ہیں۔ پھر کیا اب بھی فطرت کے ردِ عمل اور قانونِ انتقام سے، ہم غافل رہیں گے؟

الحذر اے جبر دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس وقت جبکہ محرم سے سالِ نو کا آغاز ہو رہا ہے، ہم نہایت خلوص سے نئی حکومت

کی توجہ وقت کے اس اہم ترین مسئلہ ۔ اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی طرف مبذول کراتے ہیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اُمّ الخبائث کی فراوانی

۱۵ مئی کو صوبائی وزیرِ آبکاری نے صوبائی اسمبلی کو بتایا کہ پچھلے ایک سال میں مغربی پاکستان کے بڑے ہوٹلوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق چھتر ہزار نو سو اکتیس گیلن شراب استعمال کی گئی۔ وزیر آبکاری نے فرمایا کہ صرف لاہور کے سات ہوٹلوں میں ہر ماہ اوسطاً اٹھارہ سو پچانوے گیلن شراب استعمال ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی، حیدرآباد، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ کے چالیس ہوٹلوں کو شراب استعمال کرنے کے پرمٹ دیئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ بعض طبی وجوہات کے سوا تمام مسلمانوں پر شراب نوشی پر پہلے ہی پابندی ہے۔ یہ اعداد و شمار ایک اسلامی جمہوریہ کہلانے والی سرزمین کے ہیں۔ کسی اور جرائم اور فواحش کے نہیں بلکہ خرابیوں کی جڑ شراب جیسی اُمّ الخبائث کی افراط اور فراوانی کا یہ عالم ہے۔ پھر یہ تو صرف چند ہوٹلوں کی ایک جھلک ہے ۔ کلبوں، کاک ٹیل پارٹیوں، تفریحی تقریبات، نجی محفلوں اور عوامی خلوتوں اور جلوتوں کا اندازہ خود لگایئے اور پھر جب نتیجہ میں ملک میں لاقانونیت، غنڈہ گردی اور بدامنی کا دور دورہ ہو تو "غنڈہ آرڈیننس" کے دامنِ فریب میں پناہ ڈھونڈیئے، یاد رکھئے جب تک فساد اور خرابی کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو اتنی فیاضی سے سیراب کیا جائے گا۔ خاردار شاخوں کی تراشِ خراش سے اصلاح نہیں بلکہ اس کے برگ و بار میں اور بھی ترقی ہوگی ـــ اس خبر کا یہ پہلو بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر مذکورہ اعداد کے مطابق شراب پینے والے سب کے سب مریض ہیں یا پھر سب کے سب غیر مسلم تو پھر اس ملک میں مسلمان اور صحت مند انسان کا وجود کہاں سے ملے گا۔ اس کے

علاوہ آخر وہ کون سا مرض ہے جس کا علاج اسلام شراب جیسی ام الخبائث چیز سے کرانا چاہتا ہے جو بجائے خود ایک مہلک بیماری ہے۔ اور پھر یہ پرمٹ اور لائسنس کس بلا کا نام ہے؟

اپنے مشاہدہ میں تو پی آئی اے کی ایک تازہ مثال[1] ہے کہ موت کے سایہ میں خوفِ آخرت سے عاری "مسلمان" جام پہ جام لنڈھاتے رہے ہوائی نازنینوں کو کسی پرمٹ کا نہیں بلکہ ایک اشارۂ ابرو کا انتظار رہا اور پھر ان مسلمانوں کے مرڈوبنے کے لئے یہی کافی تھا کہ غیر ملکی مسافروں کے نام پر استعمال ہونے والی یہ شراب کسی بھی غیر مسلم نے طلب نہیں کی بلکہ یہ لوگ تو ان حریصانہ اور للچائی طبیعت والے جو مے نوشی میں مدہوش "کالے مسلمان شراب خوروں" کو طنز و استہزاء کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ جون ۱۹۶۸ء

قتل و جہل کا دور دورہ

صحیح بخاری میں شقیق بن سلمہ سے روایت ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بین یدی الساعۃ ایاما ینزل فیہا الجہل ویرفع فیہا العلم ویکثر فیہا القتل قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے کہ جہالت عام ہو جائے گی علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور ہرج یعنی قتل بڑھ جائے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے زمانہ کا جائزہ لو دیگر پیشگوئیوں کی طرح اس بات میں بھی مخبرِ صادقؐ کی صداقت کفلق الصبح (پو پھٹنے کی طرح) روشن ہو کر ثابت ہو رہی ہے۔ کسی ایک اخبار کو اٹھا کر دیکھئے اس کا دو تہائی حصہ اغوا، قتل، جھگڑا، فساد، آبرو ریزی اور اقدامِ قتل سے متعلق خبروں پر مشتمل ہو گا۔ اور اگر اتنی فرصت بھی نہ ہو تو صوبائی اسمبلی کے پارلیمانی سیکرٹری برائے محکمۂ داخلہ کے ان تازہ اعداد کو پڑھ لیجئے جو انہوں نے وقفۂ سوالات کے دوران بتلائے انہوں نے کہا ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۷ء کے مختصر عرصہ میں صرف مغربی پاکستان میں سولہ ہزار قتل ہوئے، بالفاظِ دیگر اس مدت میں ۳۲ ہزار خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ

---

[1] کراچی سے ڈھاکہ جانتے ہوئے ملک کے چوٹی کے سیاسی لیڈر اور وفود کے کئی افراد کو اس حال میں دیکھا۔

ایک لاکھ بچے یتیم، کئی ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ ہزاروں والدین کی آنکھوں کی روشنی چھن گئی اور ہزاروں بچوں کی تعلیم اور معاش کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ تو صرف وہ قتل ہیں جو حکومت کے علم میں آئے اور ان پر باقاعدہ مقدمات قائم ہوئے۔ اس طرح ارشادِ نبوی کے پہلے حصہ زوالِ علم اور کثرتِ جہل کو دیکھئے تو کیا اس سے قبل بھی کہیں ایسا موقع آیا تھا؟ کہ علماء حق کا مصرف پولٹرازم[1] سکولرش یا مرتبہ جات کے کارخانے سنبھالنا رہ گیا ہو اور علم و تحقیق کی باگ ایسے ہاتھوں میں دی گئی ہو جن کا باطن تو کیا ظاہری اطوار و عادات بھی علم کیلئے ننگ و عار کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(ج ۳ ۔ ش ۹ ۔ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ جون ۱۹۶۸ء)

---

[1] ان دنوں بعض سرکاری افسران حکمران علماء کو دن رات یہی مشورے دیا کرتے تھے ۔ ۱۲

صیامِ رمضان

اخلاقی اور روحانی اصلاح کا ایک قرآنی نسخہ

رحمتِ خداوندی کا موسم بہار "شہرِ رمضان المبارک" ملتِ محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرۂ اخیرہ) سے گزر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات "عتق من النار" کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہو گا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔

رمضان کیا ہے — ؟ انوار و برکات الٰہی کے فیضان کا مہینہ — تجلیاتِ ربانی کا مظہر — رحمت ہائے واسعہ کا ظہور اور نعمت ہائے متوالیہ کا ابر نیسان — رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نقطۂ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کے لئے قرآن کریم جیسا نسخۂ شفاء اور اکسیرِ ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی [illegible] نوازشوں کی تکمیل فرمائی — رمضان مؤمنین کے پژمردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور [illegible] مقربین کے لئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے، جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمت کدوں میں ویرانی آجاتی ہے — ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں — ماہِ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے — رمضان حدیثِ یار کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوب سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہدِ وصال ہے — رمضان جس کی آخری شب میں ربِ کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات — پوری انسانیت — اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کے لئے وا کر دیتا ہے — اور اپنے مالکِ حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام

ہوتی ہے —— الا من مستغفرٍ فاغفرلہ، الا من مسترزقٍ فارزقہ، الا من مبتلیً فاعافیہ الا کذا الا کذا (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلب گار کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانۂ غیب سے رزق کے دروازے کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے، جسے میں نعمتِ عافیت سے نواز دوں ——

پھر اس کے افطار کا وقت —— سبحان اللہ —— وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلّی کا وہ مقامِ معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستّر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گوناگوں مسرّتوں اور لقاءِ رب کے لمحات —— للصائم فرحتان فرحۃً عند فطرہٖ وفرحۃٌ عند لقاء ربّہٖ (الحدیث) روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک وقتِ افطار کی خوشی اور ایک اپنے رب کی زیارت اور وصال کی مسرت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یومِ مشاہدۂ جمال ہے —— ع

ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے، جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے، جس میں ساری کائنات ذوالجلال والکبریاء و معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اس کی تسبیح و تمجید میں ڈوب جاتی ہے۔ مگر ایک عاشقِ زار کیفِ وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کان لم یلبثوا الا ساعۃً من نہار۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ کا نغمۂ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے ——

انا انزلناه فی لیلة القدر وما ادراك ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر
تنزل الملائكة والروح فیها باذن ربهم من كل امر سلام هی حتی مطلع الفجر —

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوزِ دروں سے بے تاب ہو کر رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما دیتا ہے اور جب تک رضا و وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانۂ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا — سوز و ساز، امید و بیم، درد و تڑپ، اضطرار و التجا، اور تقلیلِ طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلّہ کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں — پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عملِ قلیل اور بضاعۃ مزجاۃ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبلِ احد جتنا مقام پالیتی ہے۔ ہمارے نوافل فرض اور فرض سِتّر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہِ ایزدی سے براہِ راست ملتا ہے۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ زبودگی صرف اسی کے لئے تو ہے، اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضامندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔ پھر اس شہرِ مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اس کی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے۔ بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات اور ایمان آفرین نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواحش، قولِ زور بیہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ، ریا و عجب۔ غرض تمام برے افعال کی آلائش سے پاک رہے کہ جب حلال چیز سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اگر یہ عمل ایمان و احسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں — تو یہ تو نری بھوک و پیاس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا (بخاری) اور کتنے صائم النہار و قائم اللیل ہیں کہ جن کے پلّے بجز پیاس اور مشقت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا (الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جب تک روزہ دار اس کو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اس کا ہر پہلو

صدہا نصیحتوں سے لبریز ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ و شہوات کو ترک کر دیا۔ اس طرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار ہو گی ـــ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدوِ اکبر اور اس کا مقابلہ جہادِ اکبر ہے۔ اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدوِ اصغر کافر و مشرک کی شکست تو آسان بات ہے ـــ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و انفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضور ﷺ نے اسے شہرِ مواساۃ کہا یعنی غمخوارگی کا مہینہ ـــ "جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطار ہی کرا دے تو اس کی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پائے گی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائے گا۔ جس روزہ دار نے کسی بندۂ خدا نوکر یا غریب کا بوجھ ہلکا کیا۔ اللہ تعالےٰ اس کی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا۔" (الحدیث عن سلمان الفارسیؓ)

غرض یہ شہرِ رمضان کیا ہے؟ سراپا نور و رحمت، سراسر خیر و برکت۔ تہذیبِ نفس، تنقیحِ اخلاق، اصلاحِ اعمال، مجاہدہ و ریاضت کا مہینہ اور ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے اور جلاءِ باطن اور تزکیۂ روح کا موسمِ بہار ـــ کتابِ مبین "قرآنِ کریم" کے پیش کردہ نصاب و نظام کی عملی ٹریننگ کے ایام۔ تا کہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

شہر اولہ رحمۃ ـــــــ و اوسطہ مغفرۃ ـــ و آخرہ عتق من النار

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(ج ۲۔ ش ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ۔ جنوری ۱۹۶۷ء)

اصلاح معاشرہ میں روزہ اور جہاد کا مقام

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی پوری رحمتوں اور عظمتوں سے ملتِ اسلامیہ پر سایہ فگن ہے۔ اس شہرِ عظیم کی برکات کے کیا کہنے جس میں قرآن اتارا گیا۔ اور جس کے اہتمام و استقبال میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر فرطِ اشتیاق سے والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ قربِ حق اور وصالِ مولیٰ کے وہ پاکیزہ شب و روز جن کی خنک لہروں سے روح و ایمان کی کھیتی لہلہا اٹھتی ہے۔ اور جن کے عبادات و مجاہدات سے نہ صرف مہینہ بھر کے لئے نفسِ ظلوم اور شیطانی طاقتیں مقہور و مغلوب ہو جاتی ہیں۔ بلکہ خوش بخت افراد کا یہی جمع شدہ ذخیرۂ عبادات سال بھر تک ذخیرۂ توفیق و برکت کا کام دیتا رہتا ہے۔ اور اس کی طاعتوں اور مغفرتوں کا فیض سال بھر تک چلتا رہتا ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ایک طرف انسانی رہنمائی و ہدایت کا نسخۂ شفا قرآن مجید کی شکل میں اتارا گیا۔ تو دوسری طرف ضروری تھا کہ ساتھ ہی ساتھ اس "کتابِ مبین" پر عمل کرنے کی تربیت کا اہتمام بھی ہو اور اللہ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب۔ خواہشاتِ نفسانی کے مغلوب کرنے اور ملکوتی جواہر کو ابھارنے اور نکھارنے کی صلاحیت اور طور طریقے بھی عملاً سکھائے جائیں جس کا بہترین مظاہرہ روزہ ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا تھا کہ جب ارشادِ ربانی کی تعمیل میں حلال اور پاکیزہ نعمتوں اور کھانے پینے سے اجتناب اور احتراز کی طاقت پیدا ہو جائے گی تو ناممکن ہوگا کہ ملتِ محمدیؐ کا ایک پیرو اور عبدیتِ خداوندی کا ایک دعویدار اپنی زندگی میں اس کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے۔ یہی ربط اور تعلق ہے رمضان اور قرآن کا۔ قرآنِ کریم ایک مومنانہ سیرت و کردار کے لئے جن خطوط و اقدار کی تعلیم دیتا ہے۔ اس تعلیم کے سیکھنے اور پڑھنے پڑھانے، اس کا عملی تجربہ اور ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے جو تعلیمی مدت مقرر کی گئی وہ یہی ماہِ رمضان ہے۔ اطاعت و پرہیزگاری کو اپنا کر خواہشات و شہوات کی تمام

طاقتوں کو مولیٰ کے نام پر قربان کرنا۔ روزے کا یہی پاکیزہ مقصد ہے، جسے قرآن میں تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ "اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے جسطرح پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو" (البقرہ) وہی تقویٰ جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور جس کی حقیقت سیدنا عمر بن الخطابؓ کی روایتِ ذیل سے سمجھی جا سکتی ہے:۔

عن عمر بن الخطابؓ انہ سأل ابیّ بن کعبؓ عن التقویٰ فقال لہ، اما سلکت طریقاً ذا شوكٍ؟ قال بلیٰ قال فما عملت؟ قال شمرت واجتھدت قال ذلك التقویٰ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۰)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اُبَیّ بن کعب سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ایسے راستے سے نہیں گزرے ہیں جہاں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں آپ نے کہا ہاں گزرا ہوں۔ انہوں نے پوچھا پھر اس وقت آپ نے کیا کیا۔ فرمایا میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور اس سے بچتا ہوا گزر گیا انہوں نے کہا اس کا نام تقویٰ ہے۔

پس اگر ہم نے ان ایام میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ تمام غلط باتیں بھی ترک کر دیں۔ منکرات و فواحش سے کلی احتراز کیا جھوٹ، حرامکاری، گالی گلوچ، غیبت، چوری، قول زور، لہو و لعب اور نظرِ بد وغیرہ کو خیر باد کہہ کر اپنی تمام توانائیاں خدا کے سپرد کر دیں تو ہم نے روزے کا مقصد اور تقویٰ کی زندگی پا لی۔ اور اگر گناہ و معصیت کا بازار گرم رکھا۔ کلچر و ثقافت کے نام پر فحاشی اور بے حیائی کا کاروبار چلتا رہا۔ دفاع و ریلیف فنڈ کے نام پر رقص و سرود کی محافل منعقد ہوتی رہیں۔ اور ہماری صحافت و ثقافت، ہمارے ممتاز اخبارات و جرائد چند ٹکوں کی خاطر فحش تصاویر، برہنہ اشتہارات اور راگ رنگ کے حیا سوز مناظر کی غلاظتیں مسلم گھرانوں اور مومن معاشرے میں برابر پھیلاتے رہے۔ جیسا کہ جنگ کے فوراً بعد دوبارہ ہوا، یہاں تک کہ ملک کے اہم اخبارات اشاعتِ فواحش کے دور میں غلاظت کے پلندے اور چلتے پھرتے قحبہ خانے بن کر رہ گئے۔ اور ایک مسلمان تو کیا کوئی غیرتی انسان ان اخبارات کو اپنے گھر میں داخل کرنے میں شرم و عار محسوس کرے گا۔ ہمارے سینما گھر بدستور شیطانی تعلیم گاہیں بن کر قوم کے

اخلاق و شرافت کو غارت کرتے رہے۔ ہر بازار اور گلی میں رمضان ہی کے نام پر پردہ کی اوٹ میں روزہ کی تذلیل و توہین ہوتی رہی تو ایسی قوم حقیقتاً روزہ دار اور متقی نہیں اور نہ یہ طور طریقے ایک مجاہد قوم کے ہیں۔ زبان سے صائم (روزہ دار) اور مجاہد، روزہ اور جہاد کا دعوے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر عمل اسلام و اطاعت کے لئے ایک کھلا چیلنج ؟ سچ کہا حضورؐ نے، "کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا" خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھ کر خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اس کا افطار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ــــ ؟

جہاد کے بعد روزہ ــــ اللہ اکبر ــــ اگر روزہ کی عظمت و حقیقت کو جان کر اس کے مقصد و مفہوم کو اپنا لیا جائے تو اسی ایک مہینہ کو جہاد اور فتح و کامرانی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور ہر بالغ روزہ دار آگے چل کر ملتِ پاکستانیہ کا عظیم سپاہی اور باطل کے لئے خدائی تلوار بن سکتا ہے۔ کہ جب روزہ دار حق کی راہ میں کھانا پینا چھوڑ سکتا ہے، لذت و آرام، عیش و راحت کے تمام تقاضوں کو خدا کی راہ میں پائمال کر سکتا ہے، سردیوں کی طویل راتوں کی میٹھی نیند کو قیامِ لیل، تلاوتِ قرآن اور نوافل و عبادات کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ اور دین کی خاطر اپنے تمام مشاغل و معمولات میں ہر قسم کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہے۔ تو کیا ایسا شخص ضرورت کے وقت کلمۂ حق کی اعلاء اپنے دین و ملک کی حفاظت اور باطل کے استیصال کی خاطر دشمن کے سامنے سینہ سپر نہیں ہو سکے گا۔ اور جب مسلمان روزہ کے ذریعہ اپنے داخلی دشمن "نفس" پر قابو پا لیتا ہے۔ تو کیا وہ خارجی دشمن کی سرکوبی نہیں کر سکے گا ؟ یقیناً کرے گا۔ کیونکہ اپنی اندرونی خواہشات اور ہوائے نفس کو دبا دینا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں روزہ کو شہر الصبر (صبر کا مہینہ) اور بیرونی دشمن کے مقابلہ میں جان و مال کی قربانی کو جہادِ اصغر اور نفس و خواہش کی بیخ کنی کو جہادِ اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ اور جب حضورِ اقدسؐ ایک جہاد سے واپس ہوئے تو فرمایا رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے) اس لئے کہ محاذِ جنگ میں خارجی و بیرونی دشمنوں سے لڑائی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو مگر ایک وقتی اور عارضی چیز ہوتی ہے۔ لیکن نفس و شیطان کا مقابلہ

پوری زندگی کا دائمی اور ہمہ وقتی عمل ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور جب اندر کی دنیا سنور جائے گی اور دشمن نفس کو کچل دیا جائے گا تو بیرونی دشمن آنکھ اٹھانے کی جراءت بھی نہ کر سکے گا۔ جب ایک مسلمان اس ملکوتی اور روحانی اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں اترے گا اور کفر و باطل کو للکارے گا تو حیوانی اور شیطانی صفت بہیمیت اور درندگی سے بھرپور ظالم اور کافر قوتیں لرزہ براندام اٹھیں گی۔ یہی وہ عظیم حکمتیں ہیں جو اسلام کے اس اہم رکن ”صیام رمضان“ سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی فضیلت کے زمزمے اور ترانے خود حضورِ اقدسؐ کی زبانِ حق ترجمان سے گونج اٹھے۔ اور ایک مستقل خطبہ آخر رمضان میں ارشاد فرمایا۔ جسے بیہقی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے،

> ”اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ گستر ہوا ہے۔ ایک برکت والا مہینہ، وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں روزے فرض کئے ہیں۔ اور قیام لیل (تراویح) نفل رکھی ہیں جس نے اس مہینہ میں کوئی بھی نیکی کی وہ ایسا ہے کہ کسی شخص نے سوائے رمضان کے بقیہ سال میں کوئی فریضہ ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں فرض عبادت کی تو گویا اس نے غیر رمضان میں ستر فریضے ادا کئے“۔

تعمیرِ معاشرہ میں حیاء کا مقام

اسلامی معاشرہ کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ ان میں اہم ترین مقام حیا کا ہے یہاں تک کہ حضورؐ نے حیا کو آدھا ایمان اور ایک روایت میں پورا ایمان قرار دیا ہے (الحیاء الایمان کلہ) اسلام ہرگز کسی ایسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا جس کی زد اس بنیادی نقطہ حیا پر پڑتی ہو۔ مسلمان قوم جب تک حیا کے زیور سے آراستہ رہے گی۔ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ان روایات و اقدار پر قائم رہے گی جو اسے اپنے دین سے اپنے پیغمبرؐ سے ورثہ میں ملی ہیں، اور پورا معاشرہ اطمینان و ترقی کے خطوط پر رواں دواں رہے گا لیکن اگر حیا اور عفت کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی پڑ گئی، مسلمانوں میں غیرت، حمیت، عصمت اور پاکبازی کی بجائے بے حیائی اور شہوانی جذبات سرایت کر گئے تو سمجھئے کہ اب پورا معاشرہ ذلت و بربادی کے اتھاہ گڑھے میں جانے لگا ہے اور لازمی طور پر اس کا نتیجہ اسلامی ورثہ کی ضیاع، قومی شعور کے فقدان، معروف سے نفرت اور منکرات و فواحش کی محبت، غرض ایک ایک ملی و قومی متاع گرانمایہ سے محرومی اور بربادی کی شکل میں سامنے آنے لگے گا۔ پوری قوم اباحیت اور لذتیت بلکہ حیوانیت اور شیطنت کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نہ قومی کیریکٹر کا پاس رہے گا اور نہ اسلام کے امتیازی اوصاف کا لحاظ منکرات اور فواحش، جنسی ہوس کی تسکین کے لئے شر و فساد، ضیاع حقوق اور بربادیٔ عفت و عصمت کا میدان گرم اور پورا معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ آج ہمارے ملک کی اکثریت ان مہلک نتائج کا سامنا کر رہی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر یہاں تک کہ تعلیم و تربیت کے نام سے بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ہیں یا ثقافتی مرکز، نجی مجالس ہیں یا استقبالی تقریبات اخباری صحافت ہے یا قومی اجتماعات، اشاعت فاحشہ کی دوڑ میں ایک دوسرے آگے بڑھ رہے ہیں اور قوم کی غالب اکثریت ہے کہ اس نام نہاد تہذیب و تمدن کی چمک دمک، لذتیت اور نفس پرستی کے اس سیلاب میں غرق ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی اہم شعبہ نہیں جس پر مرد و زن کے بے محابا اختلاط، رقص و سرود، ناچ گانے اور راگ رنگ کی صورت میں بے حیائی

کا تسلط نہ ہو چکا ہو اور جس کے نتیجہ میں ان تمام اخلاقی روایات اور ملی احساسات کا خون نہ کیا جا رہا ہو جو ایک مسلمان قوم کی ترقی اور بقا کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہم ہے۔ اسلام کے اس عظیم ورثہ اور قومی و ملی احساسات سے غفلت اور بے پرواہی کی افسوسناک مثال پچھلے دنوں صدر لیو شاؤچی کے استقبال کے وقت مسلمان لڑکیوں کا سڑکوں پر بے پردہ رقص و سرود اور ناچ گانوں کی شکل میں سامنے آئی جس نے ایک طرف ہمارے ملی تقدس کو داغدار کیا تو دوسری طرف یہ تلخ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ ہماری تعلیم گاہوں میں نئی پود کو کس ڈگر پر تیار کیا جا رہا ہے۔ ایک عظیم ہمسایہ ملک کے عظیم صدر اور نازک ترین اوقات میں مدد دینے والی "حلیف قوم" کے اس معزز نمائندہ کی پذیرائی جتنی بھی گرم جوشی، خلوص اور محبت سے ہوتی ہے اور دیدہ و دل بھی فرش راہ کر دیئے جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ ہم دیوار چین اور سد سکندری کی طرح ان دوستانہ روابط کے استحکام کے خواہاں ہیں لیکن ایک باشعور اور حساس قوم زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے بھی کبھی اپنے اس اصول اور کردار میں غفلت نہیں برتتی جس پر اس کی انفرادیت کا مدار ہوتا ہے۔ خود عظیم چینی قوم ایک نظریہ کی دعویدار ہے۔ وہ کمیونزم پر ایمان رکھتی ہے اور اپنے اصول و نظریات پر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اس کی نظروں میں سوویٹ یونین (جہاں یہ مذہب پھلا پھولا) تک کی کمیونزم سے وفاداری مشکوک ہے اور چاہتی ہے کہ روسی عوام بھی ان اصول و نظریات پر شدت سے گامزن رہیں جو اس کے شیخین کارل مارکس اور لینن نے ان کے لئے متعین کئے۔ چینی قوم کی اپنے نظریہ اور اختیار کردہ ازم کے بارہ میں یہی شدت اور مضبوطی ہے جس نے آج چین کو دنیا کی سیاست میں ایک اہم مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارے ہمسایہ میں بھارت ہے جہاں کی اقدار عہد و پیمان کی پاسداری عدل و انصاف کی رعایت غرض اخلاق و شرافت کے تمام اصولوں سے عارضی سہی مگر جب ان کی وزیر اعظم مس اندرا گاندھی کو واشنگٹن کی ایک مجلس میں ناچنے کو کہا گیا تو اس نے ایک اجنبی قوم کے سامنے اپنے قومی وقار کی پاسداری کرتے ہوئے یہ خواہش رد کر دی اور کہا کہ میرے ملک کے عوام اسے پسند نہیں کریں گے۔

غرض ہمارا ملی اور قومی وقار تہذیبی ورثہ اور کردار کی بلندی تب محفوظ رہ سکتی ہے کہ ہم ملکی اور قومی مفادات کے لئے ہر قسم کی پالیسی اپنانے میں آزاد رہیں جس سے چاہیں دوستی کے رشتے استوار

کریں۔ اس طرح ہم دیگر اقوام پر اپنے کردار کی پختگی اور قومی عظمت کی دھاک بٹھا سکیں گے اور اگر وقتی جذبات کے لاوے میں یہ قوم اسی طرح بہتی رہی تو خدانخواستہ خطرہ ہے کہ "قانونِ عروج و زوال" کا لافانی ردعمل پوری قوم کو خس و خاشاک کی طرح بہا نہ لے جائے اور کہیں "اشاعت فاحشہ" کا وبال عذابِ عظیم کی صورت میں نمودار نہ ہو۔ والذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذابٌ عظیم فی الدنیا والآخرۃ

حیاء اور عفت کا ایک مظاہرہ

حیا اور عفت کا کتنا شاندار نمونہ ہے۔ جس کا مظاہرہ دنیا کے سامنے عالمی چیمپئن محمد علی کلے نے یورپ کے ظلمت کدہ میں کیا۔ جہاں ایمان و اخلاق، حیا و عفت نام کی کوئی شے موجود ہی نہیں۔ وہاں دنیا کے سب سے بڑے مکہ باز محمد علی نے اپنی خوب صورت بیوی کو اس بنیاد پر طلاق دی۔ کہ اس کی بیوی موجودہ دور کا چُست اور نیم برہنہ لباس پہنتی ہے۔ اور فطری حُسن و جمال کے مقابلہ میں غازہ، سرخی اور مصنوعی پلکوں کے ذریعہ اپنے حُسن کے مظاہرے کرتی پھرتی ہے جب کہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔
ایک مسلمان بیوی کا شعار تو حیا و پاکدامنی ہے۔ وہ جب مجبوراً باہر نکلتی بھی ہے تو شرم و حیا کے مارے نگاہ نیچے رکھتی اور دب دب کر چلتی ہے۔ یہ نہیں کہ مال روڈ، شاہراہوں اور مجالس و محافل، کلبوں اور تھیٹروں میں تھرک تھرک کر اور ننگی ہو ہو کر شرافت و اخلاق کی مٹی پلید کرتی رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تو ایسے باریک لباس پہننے پر بھی اسے لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جس سے نظریں پار ہوں یا جس سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہو۔ اسلام اسے گھر کی زینت، اولاد کی پرورش کرنے والی معصوم ماں اور رونقِ خانہ بنانا چاہتا ہے۔ مگر وہ نئی تہذیب سے مرعوب ہو کر عظمت و عزت، عصمت و عفت کے پاکیزہ آبگینے توڑ دیتی ہے۔ اور چند روزہ آزادی و مسرت کے نام پر بالآخر غلاظت و تعفن کا ایک ٹھیکرا بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کے مسموم اثرات سے موجودہ اور آنے والی

نسلیں برابر متاثر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

جسمانی قوت کے ساتھ اخلاقی جرأت محمد علی کلے نے نمائشی اور بے حیائی کے گرداب میں بیٹھ کر اپنی مطلقہ کو ہزار ڈالر سالانہ ادا کرنے کا بار گراں اٹھا کر اپنی بیوی سے چھٹکارا پایا۔ اور بقول ایک معاصر اپنی جسمانی قوت کا جیسا زبردست مظاہرہ اس نے دنیا کے سامنے کیا اور سربلند رہا۔ ویسا ہی زبردست مظاہرہ کردار و اصول کی پختگی کا بھی اس نے کیا۔ اور دنیا کو بتا دیا کہ ؏

نعمتِ کونین کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ

کاش! تہذیب و فیشن کے دلدادہ روایتی اور موروثی مسلمان اس نو مسلم کے کیریکٹر سے اثر لیں۔ اور نمائش حسن و زیبائش پر مرنے والی عورتیں شرم و آبرو و حیا و عفت کے زیور سے آراستہ ہوں۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

اصلاح معاش سے نہیں، بلکہ معاد سے ایک خبر ہے کہ "مغربی پاکستان کے صرف ایک شہر لاہور میں ایک ماہ کے اندر پولیس کے علم میں بارہ ہزار جرائم آئے"۔ پولیس کی نگاہِ احتساب سے بچنے والے جرائم تو یقیناً لاکھوں سے کم نہ ہوں گے۔ یہ ایک سیاہ تصویر ہے اس معاشرے کی جو بہت تیزی سے تصورِ آخرت سے آزاد اور خشیۂ خداوندی اور ایمان کی دولت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں نہ تو ایمانی اوصاف کو ابھارنے، بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کا خاطر خواہ انتظام ہو اور نہ معاشرہ کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کے لئے اسلامی حدود و تعزیرات کا قیام و اہتمام، قانون شکنی، جرائم، طغیانی اور اباحیت کا دور دورہ کیسے نہ ہو؟

---

[1] محمد علی کلے، امریکہ کے بلیک مسلم تحریک کے بانی ایلیجاہ سے تعلق رکھتا ہے مگر اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتا ہے اور غیر مسلم اقوام بھی اسے ایک مسلمان کی حیثیت سے دیکھتی ہیں خدا اسے صحیح اسلام کی ہدایت دے۔ "س"

مخلوط کلبوں، عریانی، ثقافتی تقریبات، سینماؤں، تھیٹروں اور چلتے پھرتے قحبہ خانوں جیسی صحافت کی بنیادوں پر صالح معاشرہ کب استوار ہو سکتا ہے؟

ظلمت کدوں سے روشنی کی چمک ان ظلمتوں میں اونچے ایوانوں سے روشنی کی چمک اگر نمودار ہوئی تو ہمارے قابلِ احترام سابق چیف جسٹس کارنیلیس کے بیانات کی شکل میں، جو عیسائی ہو کر کبھی حدود اور تعزیراتِ اسلام کو معاشرہ کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی اسلامی اقدار کے فروغ کو اس ملک کی تمام مشکلات کا حل۔ یہی بصیرت اور اسلام کی سچائیوں کا راسخ یقین اگر نصیب ہوا تو ایک "کافر" کو جس کے اندر اسلام کی روح بول رہی ہے۔ اپنوں میں سے کتنے ہیں جن کا ظاہر تو مسلمان ہے مگر اسلام کے احکام و حدود کے بارہ میں ان کا باطن ایمان کی روشنی سے محروم ہے۔ ؏

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا

(مئی ۱۹۶۸ء۔ صفر ۱۳۸۸ھ)

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں

حکمرانوں کا حصّہ

صدر ایوب سے

ہمارے صدرِ محترم محمد ایوب خان نے غیر ملکی دورے سے واپسی پر ایک سپاسنامہ کے جواب میں مسلم لیگی کارکنوں پر زور دیا کہ "وہ خود کو اسلامی معاشرے کے قیام کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیں، انہوں نے کہا کہ اسلامی معاشرے میں ذاتی شہرت اور مفاد کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں۔ اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے اور ذاتی حقوق کو ملت کے حقوق کا تابع بنا دیا ہے"۔

قول سے نہیں عمل سے اگر ہمارے صدرِ محترم اس ملک اور معاشرہ کے اسلامی خطوط پر تشکیل و تعمیر کے خواہشمند ہیں تو اس سے بڑھ کر خوشی اور سعادت کی بات کیا ہو گی؟ لیکن کسی معاشرہ کی تشکیل میں خواہش اور قول سے زیادہ حصّہ "عمل" کا ہوتا ہے۔ انسان کا عمل و کردار اور شخصی زندگی اس کے جذبات اور حقیقی خیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اگر ہمارا قول ہمارے عمل سے ہم آہنگ ہے تو وہ لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہو گا اور اگر عمل باتوں سے جوڑ نہ کھائے، اور ہمارے طرزِ عمل کا ہمارے خیالات اور مقاصد سے تضاد ہو تو یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار ہو گا جس کی تردید خود ہمارے عمل سے ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہم اوروں کو اسے اپنانے کی تلقین یا اوروں سے اس کی امید ہرگز نہیں رکھ سکتے، اس وقت جب کہ ہمارے معزز صدر نے اپنے بیان میں "اسلامی معاشرہ" کی وضاحت اور تشریح: نہیں کی تو ان کے عمل اور مصروفیتوں کو "اسلامی معاشرے" کا معیار اور تفسیر سمجھا جائے گا کہ اس صورت میں بہترین تفسیر ان کا عمل ہی ہو سکتا ہے ـــــ لیکن اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کی تلقین کے دوسرے تیسرے ہی روز قوم اپنے قائد اور رہنما کو اس حال میں دیکھے کہ وہ دیگر زعماء کے جلو میں جشنِ خیبر کے اسٹیڈیم میں ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک بی آئی اے

کے ”شاندار“ ثقافتی شو سے محظوظ ہو رہے ہوں، ملک کے ممتاز فن کاروں اور رقاصاؤں کا ناچ دیکھ رہے ہوں۔ پھر اس ”عمل“ کی تشہیر ریڈیو اور اخبارات سے کی جائے، ناچ گانوں کی ان محافل کے نمایاں فوٹو اخبارات میں شائع ہونے لگیں، اہل طاؤس و رباب پر داد و دہش کا یہ عالم ہو کہ ایک ہی غزل گانے پر ملکی یا غیر ملکی مغنیات کو نمایاں کارکردگی کے تمغے دیئے جانے لگیں۔

عملاً شرابی، قولاً اسلامی معاشرہ رعیت، اسمبلیوں میں شراب جیسی ام الخبائث چیز کی سات گنا ترقیات پر مشتمل اس قسم کی رپورٹیں پڑھنے لگے کہ ”حکومت نے صوبہ کے ان علاقوں میں جہاں شراب پر پابندی ہے، سات ہزار پانچ سو اکیاون پرمٹ ہولڈروں کو تین لاکھ چار ہزار سات سو پندرہ یونٹ شراب کی منظوری دی تھی مگر لوگوں نے حکومت کی اس ”فیاضی“ سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس سے سات گنا زائد شراب لنڈھائی پھر وہ جب محکمۂ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے فراہم کردہ ان محتاط اعداد کے بعد اسمبلی میں یہ بھی سنتی ہے کہ ایک اسلامی حکومت نے اس سال صرف لاہور کے لئے ۲۹۵۴ اور حیدرآباد کے لئے ۷۰۶ افراد کو شراب کے پرمٹ جاری کئے۔ تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ ”اسلامی معاشرہ“ کی عملی تعبیر و تفسیر یہی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اسلامی معاشرہ کی حقیقی تصویر ذہنوں سے اوجھل رہ جائے گی اور اس کی مبہم تلقین کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔ دراصل ایک معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا مقام ریڑھ کی ہڈی جیسا ہوتا ہے اور ان کے اعمال و افعال ہی پوری قوم کے لئے آئیڈیل اور معیار بنتے ہیں۔ حکمران اپنی قوم کا اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے۔

منصب حکومت خدا کے نگاہِ احتساب میں اس لحاظ سے کسی قوم کی قیادت اور امامت ایک عظیم منصب اور بہت بڑی عزت ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ خدا کی ایک امانت اور اس کی طرف سے عائد شدہ نازک ترین ذمہ داری بھی ہے۔ خدائے علیم و بصیر کی نگاہِ احتساب ہر لحظہ اس منصب پر لگی رہتی ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر جوابدہ بھی اُسے ہی بننا پڑتا ہے۔

ہارون الرشید کو فضیل کی نصیحت حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ایک بار خلیفہ ہارون الرشید سے مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کو تھام کر ارشاد فرمایا تھا "یہ ہاتھ کتنے نرم و نازک ہیں اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں تو خوب رہے" ـــ کہنے والے فضیلؒ تھے اور سننے والے ہارون۔ وہ فضیلؒ کے اس ارشاد سے کانپ اٹھے۔ خدائے ذوالجلال والاکرام کی عظمت و سطوت کے تصور سے تھرا گئے ان کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی اور بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے کچھ اور نصیحت فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ گو اب نہ تو فضیلؒ ہیں نہ ہارون۔ لیکن اگر آج بھی کہنے والے فضیل بن عیاضؒ اور سننے والے ہارون الرشید کا طرزِ عمل اختیار کرلیں تو ساری مشکلیں حل ہو سکتی ہیں۔ اور فضیل کی پیروی سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ "اے صدرِ محترم یہ مقام و منصب بہت شان بان والا ہے اگر خدا کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بنے تو خوب رہے۔"

اظہارِ حق اجتماعی حقوق کا تقاضا بقول صدرِ والا تبار "اسلام نے اجتماعی حقوق پر بہت زور دیا ہے" تو ان حقوق ہی کا تقاضا ہے کہ اہلِ حق کلمۂ حق کہنے سے نہ جھجکیں اور ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار شخصیت جذبۂ حق کوشی میں نصیحت کا تلخ سے تلخ کلمہ سننے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہے۔ جناب صدرِ محترم نے "اسلامی معاشرہ" کا نام لے کر اپنے آپ کو سخت ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یہ آزمائش دو دھاری تلوار ہے۔ ایک طرف رعایا کی نظریں ان پر لگی ہیں کہ وہ "اسلامی معاشرہ" کی کون سی تصویر ان کے سامنے رکھتے ہیں جسے قوم بھی اپنالے اور دوسری طرف خدائے ذوالجلال ان کا محاسبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی نصیحت اور خواہش کو اپنے عمل سے شرمندۂ تعبیر بناتے ہیں یا بغیر ارشادِ باری تعالیٰ "کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" کا مصداق بنتے ہیں۔ ہماری دلی تمنا یہی ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے اتریں اور مقت کی وعید کا مستحق نہ بنیں۔ اس امتحان میں کامیابی اکیلے ان کی نہیں بلکہ ہم سب کی، پوری قوم اور ملک کی سرخروئی اور کامیابی ہوگی۔

کاش!! دردِ دل سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات صدرِ محترم تک پہنچ سکیں اور خدا کی عظمتوں کا شعور، احتساب اور مکافات کا تصور اور منصب کی نزاکت کا خیال ان کو

ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کی تدابیر کی جائیں۔

بہلول اور ہارون الرشید کی تمثیل | ان سطور کو ختم کرتے ہوئے بہلول اور ہارون کی وہ تمثیل ایک بار پھر ہماری نگاہوں کے سامنے پھر گئی ہے جب کہ ہارون رشید ذمہ داریوں کے احساس سے یکسر عاری ہو چکے تھے حکمران گئے وزیر کی ہے حضرت بہلول کی تحقیر کی گیا۔ "آپ نے تو مجھ جیسے بزرگ کو تحقیر کر کے خلیفہ کو تو مار ہی ڈالا ہے" بہلول نے فرمایا "نہیں بلکہ تم جیسے خوشامدی اور چاپلوس مشیروں نے خلیفہ کی ہلاکت کا سامان فراہم کیا ہے" خوشامدی اور چاپلوس مشیروں سے ہم اقوام پر ایک ایسے طبقے کے نام نہاد "محققین" اور "مشیروں" کی طرف منتقل ہوا اور مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ہمارے صدر محترم کہیں ان لوگوں کے پیش کئے ہوئے "اسلامی معاشرہ" کی اس مسخ شدہ تصویر کو حقیقی تصویر سمجھ بیٹھیں جس میں نہ تہذیب اسلام ہے۔ نہ سوچ اور پچار اور نہ دین و مذہب۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو بہلول کے حقانی ارشاد کی روشنی میں ان لوگوں کی طرف سے نہ صرف صدر محترم بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سامان ہوگا۔ خدا ہمیں اس روش سے محفوظ رکھے۔

روح محسنہ

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔

صدر یحییٰ سے

ہمارے محترم صدر مملکت جناب یحییٰ کئی بار اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت اور اہمیت پر زور دے چکے ہیں کہ انہی میں ملک کی بقاء اور وحدت قوم کا تحفظ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس بارہ میں ٹھوس اقدام اور انقلاب آفرین جذبۂ عمل کی ضرورت ہے اس سے اب تک صرف نظر ہوتا گیا ہے۔ اقتصادی و اخلاقی پہلو سے ملک اس وقت جس ریلے سے دوچار ہے اس نے عہد ایوب کے دور عیوب کا منظر بے نقاب کر دیا ہے۔ بیرونی تقاشی تمدن پر بیگانہ اسلامی تعلیمات سے بعد پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ اور ثقافت کے تمام پہلو تہذیب دور تہذیب سے عاری ہے۔ جمہوریت اور سیاست کے پردے میں نظریہ پاکستان "اسلام" کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں ۔۔۔ "تجدید و احیائے دین" کا علمبردار ادارہ تحقیقات اسلامیہ

اور اس کا ترجمان فکر و نظر الحاد و تحریف کے فروغ میں معروف ہے، اس کا ایڈیٹر تجدد کے نام پر قدامت کے ایک ایک نشان: علماء، ان کے مدارس عربیہ اور ان کے نصاب و نظام تعلیم مٹانے کی دعوت دے رہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ملعون قوانین ابھی تک قوم پر مسلط ہیں جو صدر ایوب نے بار بار رائے عامہ کو ٹھکرا کر فیملی لاز آرڈیننس کے نام سے ایک غیور و جسور مسلم قوم پر ٹھوپ دیئے ہیں۔ ان قوانین میں مسلمانوں کے پرسنل لاء نکاح، طلاق عدت اور میراث کو منسوخ یا تبدیل کیا گیا ہے، اور اس طرح قرآن و سنت کا مذاق اڑا گیا ہے، صدر یحییٰ خاں صاحب کے دل میں اگر ملک و ملت کی بھلائی اور دینی اقدار کے تحفظ کا جذبہ موجزن ہے، تو چاہیئے کہ اولین فرصت میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ ان قوانین کو واپس لے لیا جائے جسے نہ تو عوام کے نمائندہ کسی اسمبلی نے تسلیم کیا نہ خواص امت علماء اسلام نے، پھر کیا وجہ ہے کہ عہد ایوبی کے آئین کے منسوخ ہونے کے باوجود یہ غیر اسلامی قوانین نافذ العمل رہیں، ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سنت میں مداخلت اور ان میں تحریف کا لازمی نتیجہ خدا کے عذاب کو دعوت دیتا ہے، اور جب سے ان قوانین کا منحوس سایہ ملک پر پڑا ہے اسی دن سے یہ ملک خدا کی دی ہوئی نعمتِ عافیت سے محروم ہو چکا ہے اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو بہ صد ادب و خیر خواہی یہ بھی گذارش کریں کہ اگر واقعی اس ملک کی حقیقی فلاح، سلامتی اور پائیدار امن مطلوب ہے تو جلد از جلد عملی شکل میں کتاب و سنت کی فرمانروائی کی کوئی صورت پیدا کی جائے، اس بارہ میں ۲۲ سال سے ہمارے حکمرانوں کا جو طرزِ عمل رہا ہے اسی نے یہاں سوشلزم اور دیگر لادینی نظریات کے لئے میدان تیار کیا ہے، یہاں تک کہ محض کھوکھلے اسلام کے نعروں کو اب عوام ایک پُر فریب سنہری جال قرار دینے لگے ہیں۔ اور اس طرح ہماری غفلت، ایفائے عہد سے گریز اور مومنانہ قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے دین کی استخفاف کی ایک صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا وبال، ہم سب پر پڑے گا۔ اگر ہم سچے دل سے اسلام کو ایک دفعہ بھی یہاں قوتِ حاکمہ بن جانے کا موقع نہیں دیتے تو یاد رکھیں کہ ہماری مشکلات نہ تو انتخابات سے حل ہو سکتی ہیں اور نہ سوشلزم یا یورپ سے برآمد کردہ لادینی جمہوری نظام سے۔ صدر صاحب کو خداوند کریم نے

گیارہ کروڑ مسلمان بندوں کی عنانِ اقتدار سونپ دی ہے۔ اب ان کی مرضی ہے کہ اس سنہری موقع کو غفلت کی نذر کریں یا اپنے آپ کو اس ارشاد کا مخاطب قرار دیں کہ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ لے یحییٰ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء

نظریاتی سرحدات کی اصل تعمیر

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے نئے سربراہ صدر یحییٰ خاں صاحب نے اپنے بیانات میں بار بار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے اٹل اصولوں کی حفاظت کو پاکستان کا اساس قرار دیا ہے۔ اس ملک کے نظریاتی سرحدات کی از سر نو نشاندہی فرمانے کے بعد صدر یحییٰ اور ان کے رفقاء کا اصل کام اب یہ ہے کہ وہ عملاً ان سرحدات کی تعمیر و استحکام میں لگ جائیں، تعلیماتِ نبویہ کو بروئے کار لایا جائے۔ لادینی عناصر، غیر اسلامی نظریات اور منکرات سے ملک کی تطہیر کی جائے، عہدِ رفتہ کی بہت سی خرابیاں عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی، فلم، ٹیلیویژن اور صحافت کے ذریعہ بے حیائی اور فحاشی کے فروغ، مخلوط تقریبات اور سب سے بڑھ کر دینی اور اخلاقی تربیت سے بے خبر تعلیمی نظام کی شکل میں پورے معاشرہ کو کھوکھلا کر رہی ہیں، نئی حکومت انتظامیہ اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے آئے دن مارشل لاء ریگولیشن نافذ کر رہی ہے اگر چاہے تو تمام غیر شرعی قوانین ناجائز رسم و رواج اور ان صریح منکرات کو بھی یک لخت روک سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے اہم ضرورت مؤمنانہ جرأت، بلند حوصلہ اور مضبوط قوتِ عمل کی ہے۔

نمائشی بیانات نہیں مؤمنانہ جرأت کاغذی سطح پر بیانات سے نظریاتی سرحدات کی حفاظت مشکل ہے تبلیغ و تلقین بجائے خود کتنی بھی اہم اور قابلِ تعریف کیوں نہ ہو مگر صرف اسی پر اکتفار کرنا بے بسوں کا کام ہے، قوت اور اقتدار رکھنے والے اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جاں بلب مریض کو لمبا چوڑا نسخہ بتلانے کے علاوہ علاج معالجہ اور کڑوی سے کڑوی دوا پلانے کی بھی ضرورت ہے۔ جب مرض معلوم ہے اور دوا بھی ایسی موجود ہے جو اکسیرِ حیات ہے تو آئیے اور مومنانہ عزم و ہمت کے ساتھ یہ دوا قوم کے گلے میں اتار

دیجئے۔ اگر صدر صاحب نے عملاً ایسا کیا تو پوری قوم ان کی اس مساعی کو بنظرِ تحسین دیکھے گی۔ ملک کو آئے دن کے علاقائی جھگڑوں سے بچانا اور ملت کو تفرقے سے نکالنا اگر مقصود ہے تو دینی اقدار اور تعلیمات قرآنیہ اجاگر کرنے کے لئے عملی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

علماء حق کا بدلے حالات میں طریقہ | یہاں ایک اہم امر کا ذکر کہ طریقہ علماء حق کا کیا ہے۔

ان کا مقام اور مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ امر بالمعروف، دینی اقدار کے فروغ اور بحالی کے لئے جدوجہد اور منکرات و قبائح پر تنقید سے کسی قسم کا لحاظ نہ کریں، مارشل لاء ہو یا قومی حکومت، صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام۔ انہیں ہر حال میں کتاب و سنت کی حاکمیت اور غیر شرعی امور کی قلع قمع کے لئے سرِ پیکار رہنا ہے۔ اگر حالات کی نزاکت اور وقت کی مصلحت سے ان کے قدم ڈگمگا جائیں تو ان کی حیثیت وراثتِ نبوت کی نہیں، بلکہ یہ ترجیح تملق ہوگی۔ ہمیں توقع ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنے طریقہ سے غافل نہیں ہیں لیکن حالات کی نزاکت تدبر، جوش اور ولولہ، انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہتر اور بامقصد عمل اور باہمی اتفاق کا تقاضا کر رہی ہے، اور اصلاح احوال کے لئے سیاسی جماعتوں سے زیادہ تعاون دینی و ملی جماعتوں کے کام کی ضرورت ہے۔ — محرم ۱۴۰۱ھ

باب ۱۵

عروج و زوال

قانون فتح و شکست

عالمِ عربی کا المیہ

سقوطِ بیت المقدس

لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم   الاعلون ان کنتم مومنین

اے محمدؐ گر قیامت برمی آری سر زخاک
سر برآور زین قیامت درمیان خلق بین

عربوں اور یہود کی لڑائی جو بظاہر کفر و اسلام کا معرکہ کہلائے گی۔ جن تلخ اور ہولناک نتائج پر منتج ہوئی حساس طبائع اب تک اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ عربوں کی ہزیمت، سرزمین اسلام پر یہود (خذلھم اللہ) کا تسلط، بے پناہ مالی و جانی نقصان اور سب سے بڑھ کر قبلۂ اوّل بیت المقدس کا سقوط۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ سب کچھ ہوا جو خواب و خیال میں بھی نہ تھا

ایھا النفس اجملی جزعاً”   فان ما تحذرین قد وقع

اسلامی تاریخ کا نازک ترین موقعہ

اس واقعہ ہائلہ کے اسباب و عوامل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ مگر جذبات کی شدت خیالات کے تشتت اور ہیجان و

اضطراب کے عالم میں بمشکل صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت ہماری تیرہ سو سالہ تاریخ میں فتنۂ ارتداد اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد یہ تیسرا نازک موقع ہے جو اسلام کو درپیش ہے اور جس نے اسلام کے کروڑوں [illegible] کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس کی تلخی صدیوں تک قائم رہے گی اور اسے قائم رہنا چاہیئے کہ ایسے حوادث قوموں کی بیداری اور نئی کروٹ لینے کے لئے ہی قدرت کی طرف سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اسلام جس کی اساس ہی قربانی و ایثار، جہاد پیہم اور جہد مسلسل پر ہے۔ اگر اس کے علمبردار جنہیں اللہ نے اپنی مخلوق پر گواہ (شہداء علی الناس) بنا کر بھیجا اپنے امتیازی اوصاف اور ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو لازمی ہے کہ قدرت انہیں تازیانہ عبرت دے تاکہ یہ اپنے آپ کو پہچان کر نئی توانائیوں سے رزم گاہ ہستی میں کود پڑیں۔ اگر قانونِ عروج و زوال کے مطابق ایسا نہ ہو تو کیا اس روئے زمین پر قیامت تک شہادت علی الناس دعوت الی اللہ اور مدافعت حق کے لئے کوئی دوسری مخلوق آسمان سے اتر کر آئے گی۔؟

درس عبرت پس اگر اس واقعہ فاجعہ کے عوامل و محرکات پر غور و فکر ہماری بیداری اور غفلتوں کے تدارک کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خود فراموشی اور غیروں پر اعتماد و بھروسہ کی خرابی انابت الی اللہ اور خدائے حی و قیوم پر اعتماد و توکل سے بدل جاتی ہے اور اس درس عبرت کی وجہ سے ہماری صفوں کا انتشار و افتراق ختم ہو کر بنیان مرصوص اور جسد واحد کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو یہ شکست ہزار فتح مندیوں اور کامرانیوں کا پیش خیمہ اور یہ ہزیمت بلاشبہ فتح مبین بن سکتی ہے۔ باطنہ فیہ الرحمۃ وظاہرہ من قبلہ العذاب۔

خود احتسابی کی ضرورت پس اگر اس قیامت صغرا کے نتائج و عوامل پر غور و فکر ہمیں ان اسباب تک پہنچاتا ہے جن کا وجود ہمارے اندر ہے باہر سے نہیں اور ان خرابیوں کا سرچشمہ ہمارے انفرادی اور اجتماعی اعمال اور ناعاقبت اندیشیاں ہیں تو ہمیں غیروں کے شکوہ شکایت، جزع فزع، ہنگامہ آرائیوں اور خارجی و مادی اسباب کی نشاندہی اور ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے کی بجائے اولین فرصت میں اپنی صلاح و اصلاح میں لگ جانا چاہیئے۔ مرض کا ازالہ تب ممکن ہے کہ پہلے فاسد مادہ اور اندرونی ناسور الگ کر دیا جائے۔ خدائے لم یزل نے ہمیں اسلام اور خاتم النبیین کی شکل میں جو نسخہ کیمیا اور اکسیر شفا عطا فرمائی اس نسخہ سے اپنی خرابیوں کا ازالہ اور

کمزوریوں کا تدارک کر دیں ورنہ خطرہ ہے کہ ہماری مزید غفلتوں سے ہمارے اجتماعی وجود کو جو گھن لگ چکا ہے وہ پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دے۔ ولا فعل اللہ کذالک۔

قانون نصرت خداوندی

پس اے لوگو! جو قیامت تک اپنے آپ کو خدائے کریم کی نصرت و امداد کے مستحق سمجھتے ہو کیا اللہ نے اپنی نصرت کے استحقاق کے لیے کوئی معیار مقرر نہیں کیا؟ اور کیا ہمارے صرف زبانی دعووں سے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ بہرحال ہمیں فتح و کامیابی سے نوازے؟ حاشا و کلا — اگر ایسا ہے تو تم نے استحقاق کے لئے غلط پیمانہ قائم کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اپنی علاقائی، نسلی اور قومی خصوصیتوں یا وطنی اور لسانی عصبیتوں کی وجہ سے اس کے الطاف و عنایات کی سزاوار نہیں بن سکتی۔ یہ تو سب ہمارے بنائے ہوئے معبودِ باطل ہیں کہ اس نے کوئی دلیل اس کے لئے نہیں اتاری ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ ان کی دستگیری کا معیار اور نصرت و اعانت کا پیمانہ تو صرف اور صرف ایمان و اسلام ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ اگر تم خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم نہ اکھڑیں گے۔ وکان حقا علینا نصر المومنین اور ہم پر لازم ہے مومنین کی مدد کرنا — ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ایمان

یہ "ایمان و اسلام" جس پر ہماری دین و دنیا کی کامرانی اور خداوند تعالیٰ کی امداد و معاونت موقوف ہے۔ کیا صرف نام ہیں جنہیں اپنا کر حق تعالیٰ کا مطالبہ پورا ہو جاتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ عبارت ہے اس باطنی کیفیت اور داخلی قوت سے جس کے نتیجہ میں تمام کائنات اور مخلوق کی ساری خود ساختہ خدائیاں ہیچ نظر آئیں، عالم غیب مشاہدہ بن جائے اور راہ حق میں متاع ہر دو عالم کی قربانی، فدائیت اور سر فروشی، کامیابی اور سرخروئی معلوم ہونے لگے۔ اس کی نظر میں فتح و شکست اور عروج و زوال کا دار و مدار آلات و وسائل پر نہ ہو۔ اس کی نگاہ صرف مسبب الاسباب پر رہے اور وہ ایمان اور عقیدہ کی صداقت، محمدؐ سے والہانہ شیفتگی، مضبوط یقین اور پاکیزہ کردار ہی کو اپنی کامرانیوں کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

ایمانی قوت کے محیر العقول کرشمے

اس ایمانی کیفیت کا حامل جب اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے قدم قدم پر اس باطنی قوت سے ظہور پذیر ایسے محیر العقول

کارنامے نظر آتے ہیں کہ ظاہری حالات حرب و ضرب اور مادی شوکت و سطوت سے تہی دامن مٹھی بھر جماعت اٹھتی ہے اور طاقت و قوت کے بڑے بڑے فرعونوں کا سارا دبدبہ اور طنطنہ خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کی تاریخ بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ معرکہ ہائے خونین سے پٹی پڑی ہے۔ تاریخ کا آئینہ اس کے سامنے ان دلق پوش فقراء کو پیش کرتا ہے جن کی ٹھوکروں سے قیصر و کسریٰ کا تاج مدینہ کی گلیوں میں پامال ہوتا ہے۔ اور جن کے لازوال ایمان و یقین کی بدولت کسریٰ کی ہزار ہا سالہ عظمت و شوکت چند سالوں میں پیوند خاک ہو جاتی ہے۔ اس کی تاریخ ان شاہان بے کلہ کو سامنے لاتی ہے جن کی للہی یلغار سے بحر و بر کانپ اٹھتے ہیں، اور جو اپنے ناقابل تسخیر ایمان و عزیمت کے سہارے بحر الکاہل کے مہلک طوفانوں کو چیر کر جبل الطارق پر توحید کا نشان گاڑ دیتے ہیں۔ دجلہ و فرات جن کے گھوڑوں کی راہگذر ہیں —— وہ فاقہ مست فقیر (ربعی بن عامرؓ) جو فارس و روم کے بھرے درباروں میں ایک عجیب شان بے نیازی سے داخل ہوا۔ اپنے نیزے کی نوک سے ریشمی قالین کو چھیدتا اور گھوڑے پر سوار مخملیں فرشوں کو روندتا چلا گیا۔ سپہ سالار افواج کی مسند کے قریب جا کر اترا اور زرتار گاؤ تکیہ سے اپنی سواری کو باندھا۔ کیا وہ کسی دوسرے گھرانے کا کوئی فرد تھا۔؟

صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبی کا سرمایہ ایمانی

اگر تم کہو کہ یہ تو عہد سعادت کی باتیں ہیں تو کیا تم نے کبھی سوچا کہ یہی بیت المقدس جس کے سقوط پر تم آج گریہ کناں ہو اور جس کی "دیوار گریہ" نے آج پورے عالم اسلام کو دیوار گریہ بنا دیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مجدد اور محافظ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب اسے کافروں سے واگزار کیا تو دنیا کی کتنی مادی طاقت ان کی پشت پر تھی؟ اور کتنی اجنبی اقوام پر انہوں نے بھروسہ کیا تھا؟ اور کیا دشمن نے طاقت و قوت جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھائی تھی؟ ہرگز نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام تمام صلیبی قوت عالم اسلام کے اس شہر پر اکٹھی ہو چکی تھی۔ یورپ جو ازل سے اسلام کا بدترین دشمن ہے شام کے چھوٹے سے خطے پر امنڈ آیا تھا اور اس کے تمام جنگ آزما بہادر مشہور بادشاہ اور سورما قیصر، فریڈرک، رچرڈ، شیردل، شاہان انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ سب نے مل کر اپنی آہنی فوجوں کے ساتھ اس خطۂ مقدس پر یلغار کی تھی تو کیا صلاح الدینؒ جس نے پورے عالم اسلام کی طرف سے حریم اسلام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا فوجی قوت و طاقت میں ان سب سے

بڑھ کر تھا؟ نہیں بلکہ ظاہری محدود اسباب سے زیادہ ہی ایمان کی قوت اور احتساب کی دولت تھی، جس کے بل بوتے پر انہوں نے صلیبیوں کو ایسا عبرت ناک سبق دیا کہ وہ صدیوں تک سر نہیں اٹھا سکے تھے۔

سلطان کی کیفیت ایمانی وہ جہاد اور سرفروشی کا جذبہ تھا جس نے سلطان کو مجسمہ جہاد اور شعلہ جوالہ بنا دیا اور جب تک خرمن باطل کو خاکستر نہ کیا چین سے نہ بیٹھے۔ اسی جذبہ نے سلطان سے اولاد و اعزہ اور وطن و مسکن کو خیرباد کہلوایا اور تپتے ریگستان کی زندگی گوارا کی۔ اسلام کا کھویا ہوا وقار و عظمت جب تک بحال نہ کیا تڑپتے رہے۔ کسی نے ان کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا کہ میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت اس غمزدہ ماں کی مانند ہوتی جس نے اپنے اکلوتے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ صفوں کو چیرتے دوڑتے پھرتے اور وجد میں ڈوب کر ان کی زبان پر ایک ہی دلسوز نعرہ ہوتا یا للاسلام، یا للاسلام اے لوگو! اسلام کی مدد کرو۔ وا محمداہ (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ان کی یہ ساری تگ و دو قوم و وطن اور رنگ و نسل کے وقار کی بحالی کے لئے تھی؟ نہیں بلکہ اسلام اور صرف اسلام کے لئے۔ اعلاء کلمہ حق اور مظلوم کی دادرسی کے لئے دین محمدؐ کا انتصار ان کا مطلوب اولین و آخرین تھا۔ اس نے ریجی نالڈ کمانڈر کو اپنے ہاتھ سے یہ کہہ کر تہ تیغ کیا کہ لو میں صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں —— ھا انا انتصر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم —— اس گستاخ نے مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ سلطان نے یہ گستاخ زبان کھینچ لی —— وہ اپنی فتوحات کے لئے خداوند تعالیٰ سے مدد کا طلب گار تھا۔ ان کا پہلا اور آخری سہارا وہی خدائے احکم الحاکمین ہوتا۔ شب بھر ان کی جبین نیاز اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی اور گڑگڑا کر روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔

عصر حاضر کا موازنہ اور جائزہ ایک طرف مومنانہ زندگی کے یہ روشن مینار جن کی روشنی میں ہمارے اسلاف نے حق کا بول بالا کیا اور دوسری طرف عصر حاضر کی ظلمت اور عالم اسلام کا دینی ضعف اور زوال، دنیا طلبی اور خدا فراموشی کا بحران، دینی اعتقادات میں تذبذب۔ خدا کے وعدوں پر بے ایمانی اور غیروں پر بھروسہ، یہود و نصاریٰ کی تقلید اور قدوسی اسلاف کی سیرت سے گریز و فرار فشتان بینہما —— موازنہ اور احتساب کیجیے ؎

اک غل بپا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہے کہاں؟

ہمیں اسوۂ حسنہ دیا گیا۔ رسول کریم کے اعمال و کردار کا ہم نے معیار بنایا۔ یورپی تہذیب کو اور پھر ہم سر تا پا اس حیوانی تمدن میں ڈوبتے چلے گئے، یہاں تک کہ ع

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

صلیبی اقوام کی تقلید

اور مخبر صادقؐ کا یہ فرمان صادق ہوا۔ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبرٍ و ذراعاً بذراعٍ حتی تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بہ قدم پیروی کروگے۔ یہاں تک کہ لو دخلوا جحرُ ضبٍ تبعتموھم قیل یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن؟ (رواہ الشیخانؒ) اگر وہ لوگ سانڈے کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ان کے اتباع میں ایسا کروگے، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کیا پچھلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ فرمایا تو اور کون۔؟ ہماری بود و باش، معاشرت و سیاست سب کچھ ان ہی صلیبی اقوام کے رنگ میں ڈوب گئی جو ہمارے ملک و وطن اور جان و مال کے دشمن رہے ہیں۔ ہمیں درس دیا گیا کہ شرافت و کرامت کا معیار صرف دین اور تقویٰ ہے اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے۔ ہم نے عزت و افتخار کا معیار قومیت اور جاہلی عصبیت کو بنایا۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ قوم و نسل کے یہ بت خواہ عجمی ہوں یا عربی انہیں توڑ دیا جائے۔ ہم نے انہی بتوں کو چوراہوں پر نصب کیا اور ان کی پوجا کرنے لگے۔ ہمیں بتلایا گیا کہ تمہاری دینی و دنیوی مشکلات کا مداوا صرف اسلام ہی ہے مگر ہم نے پناہ ڈھونڈی خدا بیزار تہذیبوں اور نظریوں، کیپٹل ازم، سوشلزم، مارکسزم، اشتراکیت و شیوعیت، نیشنلزم، ریشنلزم میں کھوکھلے نعرے جو کبھی بھی ہم میں خداداد صلاحیتوں کے ابھارنے کا جذبہ پیدا نہیں کر سکتے —— ہمیں تلقین کی گئی کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان ایک گھر کے افراد اور ایک قالب کی جان ہوں۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم۔ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی —— مگر ہم نے اپنی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوئے اور ہماری ساری توانائی دشمن کی بجائے باہمی جنگ و جدال پر خرچ ہوتی رہی۔

کافروں کی دریوزہ گری

بجائے اپنی طاقت جمع کرنے کے کاسۂ گدائی لیا اور غیروں کی جبہ سازی کو اپنا شعار بنایا۔ ہمیں بہانگ دہل اور بار بار کہا گیا کہ دشمنانِ حق کبھی تمہارے خیرخواہ نہیں

بن سکتے۔ تمہیں خدا کی مدد اور زور بازو اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

لایتخذ المومنون	مسلمان کبھی بھی اپنے مسلمان بھائیوں
الکافرین اولیاء من	کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہیں بناتے
دون المومنین و من	اور جس نے ایسا کیا تو پھر خدا کے ساتھ
یفعل ذلک فلیس من	اس کا کوئی سروکار نہیں۔
اللہ فی شیئ (٣-٢٧)	

اور یہ مقہور و مخذول یہود و نصاریٰ، ان کے باہمی گٹھ جوڑ کو اشارہ کرتے ہوئے، کس قدر شدید وعید سنائی۔

یاایہا الذین آمنوا لا تتخذوا	اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست
الیہود والنصاریٰ اولیاءَ	نہ بناؤ جو تمہارے خلاف سازشوں میں
بعضہم اولیاء بعض ومن	ایک دوسرے کے دوست ہیں اور
یتولہم منکم فانہ منہم	جس نے ایسا کیا تو بلاشبہ وہ ان ہی
(٥-٥٤)	میں سے ہوگا۔

نہ صرف کافر قومیں بلکہ حق و صداقت کا مذاق اڑانے والے وہ تمام لوگ جو اپنے عناد یا باطنی خبث و الحاد اور گمراہی کی وجہ سے دین اور دینی اقدار کا مذاق اڑاتے ہوں، ہرگز تمہاری دوستی کے سزاوار نہیں۔

یاایہا الذین آمنوا لا تتخذوا	اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست
الذین اتخذوا دینکم ہزواً	نہ بناؤ جو تمہارے دین کے ساتھ
ولعباً۔	ہنسی اور مذاق کرتے ہیں اور تمہارے دین
(٥-٦٠)	کو انہوں نے ایک کھیل بنا لیا ہے۔

ظاہری اسباب پر گھمنڈ ہمیں خبردار کیا گیا کہ بے جا لاف زنی اور اپنی ظاہری کثرت اور قوت پر گھمنڈ نہ کرو جس کا انجام شکست ہی ہے۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	اور حنین کے دن جبکہ تمہیں اپنی کثرت
فلم تغن عنکم شیئاً	کا گھمنڈ ہونے لگا پس اس کثرت نے

وضاقت علیکم الارض	تمہیں ذرا بھی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین
بما رحبت ثم ولیتم مدبرین	تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر
	بھاگنے لگے۔

دنیا پرستی اور قربانی سے گریز

ہمیں تعلیم دی گئی کتاب وسنت کی مگر ہم نے اپنی نسلوں کو ان دونوں سے دور رکھا اور ترقی و کامیابی کا ضامن غیروں کی کافرانہ تعلیم گاہوں کو سمجھا۔ ہمیں ہمارے رسول ؐ نے واضح ہدایات دیں کہ مسلمان کی نظروں میں دنیا اور اس کی چند روزہ عیش و عشرت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اہم مقصد رضائے حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر موت کو اتنا محبوب سمجھتا ہے جتنا کہ کافر توہیں شراب کو۔ مسلمان دنیا کو اکبر "ہم" نہیں بناتا۔ وہ موت کو وصالِ محبوب کا ذریعہ اور راہِ حق میں شہادت حیاتِ جاودانی کا موجب سمجھتا ہے۔ مگر ہم نے دنیا کی چند روزہ لذت کوشی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ہم دنیا اور مال و دولت کے غلام بن کر رہ گئے۔ ہمارے بچّوں پر پیرس اور لندن کے بازاروں کا شبہ ہونے لگا مگر ہماری مسجدیں ویران ہوگئیں اور وہی کچھ ثابت کر دکھایا جس کا مخبرِ صادق و مصدوق ؐ کو خدشہ تھا۔

فو اللہ ما الفقر اخشی علیکم	قسم بخدا مجھے تمہارے بارے میں فقر کا
ولکن اخشی علیکم ان تبسط الدنیا کما بسطت	فکر نہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا پھیلا
علی من کان قبلکم فتنافسوا	دی جائے اور تم اس پر اس طرح ریجھ
فیہا کما تنافسوا فیہا	جاؤ جس طرح اور لوگ اس پر ریجھ گئے
تہلککم کما اہلکتہم۔	اور اوروں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے

راہِ حق میں صحابہ کرام رضی کا جذبۂ سرفروشی

اسلاف نے ہمارے سامنے دنیا کی بے وقعتی اور راہِ حق میں جذبۂ سرفروشی کے کیسے کیسے نمونے نہیں رکھے؟ — یہ مجدع فی اللہ عبداللہ بن جحش ؓ ہیں، جنہوں نے میدانِ احد میں کس جذبۂ جانسپاری سے دعا کی:۔

اللھم ارزقنی غدا رجلاً شدیدا	الٰہی کل ایسے کافر سے میرا مقابلہ ہو
باسہ شدیدا حردہ اقاتلہ	جو حملہ و مدافعت میں قوی ہو۔ میں اڑنا
فیک ویقاتلنی فیقتلنی	تیری راہ میں ہو اور پھر وہ مجھے قتل

ثم یاخذنی فیجدع	کر ڈالے اور میرے ناک و کان کاٹ
انفی واذنی فاذا لقیتک	ڈالے۔ پھر جب تیرے حضور حاضر ہوں
قلت یا عبد اللہ فیما	اور تو دریافت فرمائے کہ عبداللہ تیری
جدع انفک واذناک	ناک اور کان کیوں کاٹے گئے۔ تب
فاقول فیک وفی	میں عرض کروں کہ تیری اور تیرے
رسولک فتقول صدقت	رسولؐ کی راہ میں۔ تب تو فرمائے کہ ہاں
(رحمۃ للعلمین)	سچ کہتا ہے۔

اور جیسا انہوں نے چاہا وہی معاملہ ان کے ساتھ پیش آیا —— یہ عمرو بن جموعؓ صحابی ہیں جن کے پاؤں میں لنگ ہے۔ چاروں جوان بیٹے جہاد میں شریک ہیں، مگر وہ خود بھی شہادت کے لیے بے قرار ہے کہ میں بھی اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں اور دوسرے صحابی عمیر بن حمام انصاریؓ ہیں جنہوں نے جنت کی وسعتوں کا ذکر سنا تو کھجور کا گچھا دور پھینکا کہ اتنا عرصہ وصالِ محبوب میں کیوں رکاوٹ بنے اور میدان میں کود کر شہادت پائی۔ یہ انس بن نضرؓ ہیں کہ جسم پر اسّی زخم آئے ہیں۔ موت سے پہلے احد کے اس پار جنت کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے نمونہ پیش کیا ان بچوں کا جو پنجوں کے بل کھڑے ہو کر جہاد میں شرکت کا پروانہ مانگتے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے بیعت کرتے وقت اپنے گلے پر ہاتھ پھرا کر اسے کٹوانے کے لئے تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں —— ان مایہ ناز خواتین کا جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے سب راہ حق میں شہید ہوئے مگر ان کو فکر دامن گیر ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی صحت و عافیت کا ——

اسلام نے ہمیں اُبٹا دیا فاروقِ اعظمؓ اجرانچی اونٹنی پر غلام کو بٹھائے ہوئے اور اس کی مہار تھامے ہوئے بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں اور ان کے کپڑوں میں بے شمار پیوند لگے ہوئے ہیں —— مگر ہم نے راہ اختیار کی موت سے فرار اور دنیا طلبی کی۔ مادیت کو آخرت پر ترجیح دی اور بزدل و کمزور بن کر "دارین کی رسوائی مول لی۔

مخبرِ صادقؐ نے اسبابِ شکست سے خبردار کیا

پھر کیا اس مخبرِ صادقؐ نے ان خرابیوں کی ہلاکت آفرینی سے ہمیں آگاہ نہیں کیا —— ؟ انہوں نے تو صاف الفاظ

میں فرمایا کہ :۔

”قریب ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر جھپٹ پڑیں، جس طرح کھانے کے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ تمہاری تعداد اس وقت بہت زیادہ ہو گی مگر تم ولکنکم غثاء کغثاء السیل سمندر کی جھاگ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی“

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا :۔

وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر لایبالیہم اللہ بالۃ ـ

”یعنی جَو کا بھوسہ بن کر رہ جاؤ گے، جس کی خداوند تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہ ہو گی“ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے قلوب میں وھن پیدا فرما دے گا اور وھن کی تفسیر خود رسول کریمؐ نے وہی فرمائی جو آج ہماری بربادیوں کی جڑ ہے۔ فرمایا :۔ حب الدنیا وکراھیتہ الموت یعنی دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ـــــ

امت مرحومہ اور رِدائے رحمت ایک جویائے حق وصداقت مسلمان جب ان حالات اور اسباب پر غور کرے گا تو اس اعتراف پر مجبور ہو گا کہ جو کچھ پیش آیا ہم اس سے زیادہ کے سزاوار تھے۔ یہ تو اس رحمان ورحیم کی غایت گرم گستری ہے کہ ہمیں اب بھی اتنی مہلت دی گئی ہے کہ عمل کی ایک وسیع آماجگاہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے اسلاف کی وارث اور ان امانتوں کی حامل امت کی یہ خود فراموشیاں تو ہمارے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کے لئے بھی کافی تھیں مگر یقین کیجئے اس رحیم آقا نے اپنی رحمتوں کی چادر امتِ مرحومہ سے اب بھی نہیں سمیٹی ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشانست

اس کا اعلان یہ ہے کہ :۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	ہمت نہ ہارو اور نہ اس شکست سے
الاعلون ان کنتم	غمگین وشکستہ خاطر بنو۔ اگر تم سچے مومن
مومنین ان یمسسکم	بن جاؤ تو فتح آخر کار تمہارے لئے ہے
قرح فقد مسّ القوم قرحٌ مثلہ	اگر تم کو اس لڑائی میں زخم لگے تو

وتلک الایام نداولہا بین الناس دشمن بھی تو زخم کھا چکا ہے اور یہ تو وقت کے نتائج و عواقب ہیں جو باری باری سب کو ظاہر ہو رہے ہیں۔

یاس و قنوط کفر ہے خدائے رحیم کی رحمت و نصرت سے مایوسی کفر ہے۔ یاس و قنوط مسلمان کا شیوہ نہیں۔ اس کی رحمتوں سے ناامیدی اس کی نگاہ میں مبغوض ترین عمل ہے۔ وہ پکار کر کہتا ہے:۔ لاتایئسوا من روح اللہ انہ لاییئس من روح اللہ الا القوم الکفرین، اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو کہ یہ تو کافروں کا شیوہ ہے۔ ذرا دل کی گہرائیوں سے پوچھ تو لو کہ یہ کبھی حق و صداقت کفر کی تاریکیوں سے مغلوب ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام جیسا دین فطرت مسخ شدہ یہودیت اور نصرانیت سے دب سکے گا؟ کیا قرآن کریم صلیب سے شکست کھائے گا۔ کیا اسلام کی روشنی رہتی دنیا تک نہیں؟ اور کیا خاکم بدہن حضورؐ کی نبوت کا دور ختم ہو چکا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدائے حیّ و قیوم اپنی سرکش اور جابر و ظالم مخلوق کے ہاتھوں بےبس ہو چکا ہے! حاشا و کلا۔ جبکہ ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جس دین کو ساری دنیا کا مجموعہ بنا کر بھیجا اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا کے لامحدود خزانوں میں بےشمار وسائل اور قوتیں موجود ہیں۔ اس کی بقا کسی ایک قوم اور کسی ایک خطہ اور علاقہ سے وابستہ نہیں۔ اگر ایک تلوار اپنا کام پورا کر کے زنگ آلود اور بےکار ہوئی تو اس کی حفاظت کے لئے کروڑوں تازہ اور تابدار تلواریں غیب کی نیام سے نمودار ہوں گی۔ اگر ایک قوم نے کوتاہی کی تو وہ دوسروں کو اس عزت سے سرفرازی بخشے گا۔ ان یشأ یذہبکم ایہا الناس ویات بآخرین اور جب تک اس کائنات رنگ و بو کی بقا منظور ہے اسلام اور اسلام کی روشنی بھی قائم رہے گی ہمارے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال اور فلسفہ عروج و ارتقاء کی روشنی میں اس "المیہ" سے عبرت لیں۔ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کریں اور پختہ ایمان اور پاکیزہ کردار۔ نئے جوش اور ولولہ سے میدان میں اتریں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور ہم محمد عربی علیہ السلام کا پھریرہ پھر سے بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر لہرا سکیں۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ——

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیماً حکیماً ——

اسباب شکست اور صدر ناصر کا ایمانی تجزیہ

صدر ناصر نے حالیہ لڑائی کے بعد انقلاب مصر کی سالگرہ کے موقع پر پہلی بار جو تقریر کی اس میں انہوں نے شکست کے اسباب اور در پردہ محرکات اور آئندہ لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ایمان افروز جملے بھی ارشاد فرمائے کہ :۔

"ہمیں اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہئے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم موثر جدوجہد کریں گے تو خدا ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ آگے چل کر انہوں نے یہ کہا کہ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ بحران میں ہم اپنے مقاصد پورے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں؟ میرے پاس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو پہلے ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کر لیں، گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں۔ اب ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا"—— جن لوگوں کی نظر برائیوں پر ہی جمتی ہے خدا کرے صدر ناصر کی زندگی کا یہ رخ بھی ان کی نگاہوں میں آسکے۔ بارگاہ صمدیت میں اخلاص، ایمان اور ندامت و پریشانی کے چند بول بھی عربوں کی قسمت کا پالنا پلٹ سکتے ہیں کہ اس کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں ——

صدر ناصر کے بارے میں غیر معتدلانہ رویہ

صدر ناصر کے بارے میں عموماً دو قسم کی رائیں قائم ہیں اور دونوں غلو، افراط یا تفریط سے خالی نہیں ہیں —— جذباتیت، تعصب یا خالی عقیدت کی وجہ سے ہر دور کی انقلابی شخصیتوں کو ان دو چیزوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بغض و عناد رکھنے والوں کی تفریط و تنقیص اور عقیدتمندوں کا افراط و اطراء اور حقیقت اس بے اعتدالی میں مستور ہو کر رہی، مسلمانوں کے حق میں دونوں رویوں کی ہلاکت آفرینی کی طرف حضرت علیؓ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔ ھلک فی اثنان محبٌ مفرطٌ و بغض مُفرط

صدر ناصر کے بارہ میں ایک فریق کی برفروختگی کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمام حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر کے انہیں یہود اور سامراج کا ایجنٹ تک کہنے سے نہ جھجکے اور اس طرح روزِ روشن کو رات کہہ کر اس نے حق و صداقت کا منہ چڑھایا اور یہ نہ سوچا کہ دن کو رات، الشکول اور موشے دایان کو عربوں، ہٹلر کو یہودیوں اور جانسن کو مسلمانوں کا ایجنٹ اور خیر خواہ قرار دینے سے حقائق نہیں بدل لیں گے۔ دوسرے فریق کے حسن ظن اور محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناصر کی محبت میں پورے عربوں کی کسی خامی پر تنقید سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ وہ عربوں کی شکست کو "ناکامی" کہنے تک کا روادار نہیں۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان قوم کے عروج و زوال اور فتح و شکست پر بحث کرتے ہوئے کسی قوم کے عادات و اطوار کا تحلیل و تجزیہ ناگزیر ہے۔ خود قرآن کریم میں "تذکیر بایام اللہ" کا ایک مستقل حصہ اسی تذکیر و عبرت کی خاطر لایا گیا ہے ـــــ جذبات اور تعصب سے ہٹ کر ہر شخص اس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے کہ ناصر معصوم نہیں۔ آزادی اور حریت اور مغربی استعمار و استبداد سے گلو خلاصی کی راہ میں ان سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں۔ وہ اپنوں سے بھی الجھ پڑے۔ غیروں کو بھی ناراض کیا مگر جہاں تک ان کی سامراج دشمنی اور مغربی استعمار سے استخلاص کی مساعی کا تعلق ہے وہ بلاشبہ اس صدی میں صدر ناصر کا نمایاں وصف ہے جسے چھپایا نہیں جا سکیگا۔ غلط فہمی، الزام تراشی اور سطحیت کی وجہ سے وہ تو یہودیوں کے ایجنٹ نہیں بن سکیں گے البتہ ایسی غیر جانبدارانہ رائے قائم کرنے والے دانستہ یا نادانستہ مغربی اور یہودی سامراج کے پشت پناہ ثابت ہوں گے۔ ہم صدر ناصر کا دینی اور فطری کوتاہیوں سے برأت نہیں کرتے، مگر اس حقیقت سے انکار ہمارے لئے ممکن نہیں کہ وہ بلاشبہ مغرب دشمنی، امریکہ اور انگریز کی عداوت میں وقت کے سب سے بڑے بطل جلیل ہیں ـــــ راستہ انہوں نے غلط یا صحیح جو بھی اختیار کیا وہ عربوں کے گلے سے سامراجی جوا اتار پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھائی ؎

فتح و شکست تو نصیبوں سے ہے میر ولے
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(اگست ۶۷ء)

مغضوب قوم کا عارضی غلبہ

ہمارے ایک ہندوستانی بزرگ یہود کے عارضی غلبہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کا رشتہ یہود کے کسی در پردہ اور مخفی ایمان واسلام سے جوڑنے لگے۔ انا اللہ۔ موصوف کی عظمت واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم ان کو اس معاملہ میں مجبور سمجھتے ہیں۔ "قادیانیت" کے کفر ہونے میں انہیں اب تک انشراح خاطر نہیں ہوا۔ قرامطہ اور باطنیہ کے عقائد کا "تزکیہ" بھی فرما چکے ہیں۔ رہی سہی کسر یہودیت کو "اسلامیانے" کی سعی نے پوری کردی۔ یہود اپنے مذہب کے معاملہ میں کتنے بھی پختہ کیوں نہ ہوں مگر پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے وقت ان کا دینی تیقظ اور تصلب بہر حال اس وقت سے تو لاکھ درجہ زیادہ ہی ہوگا مگر باطل مذہب کا یہ سہارا انہیں خدا کی طرف سے دائمی ذلت وخسران کے اعلان سے نہ بچا سکا۔ پھر رسوائی اور ذلت کی یہ مہر قرآن نے نزول قرآن کے وقت ثبت نہیں کی، بلکہ اس سے ہزار سال قبل کی لگی ہوئی ذلت ومسکنت کی اطلاع دی ہے جبکہ اس دوران دو ایک مرتبہ عارضی غلبہ اور قوت انہیں حاصل ہو چکی تھی. مگر نہ تو نبیؐ اور صحابہؓ نے اس آیت کے منافی سمجھا نہ سلف میں سے کسی اور نے۔ اس لئے کہ ڈاکو کے عارضی تسلط اور غلبہ کو عزت اور سرخروئی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک طے شدہ اور صاف بات ہے کہ نہ تو محمد عربی علیہ السلام کی رسالت ماننے کے بغیر کوئی ایمان خدا کی بارگاہ میں شرف قبول پا سکتا ہے اور نہ حضور اقدسؐ کی لائی ہوئی شریعت مانے بغیر کوئی قوم آیت ضربت علیہم الذلۃ کے استثنائی دائرہ الا بحبل من اللہ میں داخل ہو سکتی ہے۔ خدا کے آخری رسولؐ کی رسالت وشریعت ہی ہے جسے قرآن کریم میں کہیں حبل من اللہ (خدا کی رسی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی عروۃ وثقیٰ۔ (مضبوط دستہ) سے۔ اس معاملہ میں خدا کا فیصلہ دو ٹوک ہے کہ ـــ

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ،	اب کوئی دوسرا مذہب نہ تو فلاح وسرخروئی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ خدا کی بارگاہ میں وقعت اور قبولیت کا دعویٰ کر سکتا ہے ـــ

اگر چند روزہ مادی شوکت و غلبہ کے ڈانڈے ایمان و اسلام سے جوڑنا ضروری ہوں تو پھر ہٹلر اور مسولینی بلکہ کارل مارکس اور سٹالن کی "فتوحات" کو کون سے ایمان کا کرشمہ قرار دیا جائے جبکہ موخر الذکر حضرات تو عمر بھر خدا کے وجود تک سے بغاوت کا پرچار کرتے رہے۔ ہم اپنے بزرگ سے نیاز مندانہ عرض کریں گے کہ وہ اپنی عظیم دینی خدمات اور ثقہ دینی منصب کی خاطر جوشِ خدمتِ قرآنی میں جمہور سلف کی راہ سے اس قدر نہ ہٹیں۔ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے۔ اس قسم کی شدید فروگذاشتیں پلک جھپکنے میں عمر بھر کے حسنات کو حبط کر دیتی ہیں —— خداوند تعالیٰ ہم سب کو استقامت کی توفیق دے —— آمین۔ (نومبر ۱۹۶۷ء)

ایک دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ

صلیبی لڑائیوں کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جب مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے حرم مسجد اقصیٰ کی فصیل کے باہر چاروں طرف دور دور تک زمین دینی مدارس اور معاہد پر وقف کر دی تاکہ حرم قدس کا یہ مقدس خطہ خرید و فروخت اور اجانب کے تصرفات اور دسترس سے محفوظ رہے اور اسی طرح ان مسلمان حکام نے فلسطین کی اکثر بستیوں کو بھی اسلامی امور کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ علاقہ فلسطین کا ۱/۳ حصہ مدارس و مساجد کے لئے وقف ہو گیا مگر بعد میں مسلمانوں کی نرمی، کمزوری اور کوتاہ نظری نے ان وقف املاک کی حرمت برقرار نہ رکھی اور ان اوقاف کو وقف عینی سے وقف عشری میں منتقل کر دیا گیا۔ یعنی ان زمینوں کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی اور ان کا عشر وقف مد میں جمع ہوتا تھا، جس کے نتیجے میں خرید و فروخت کے ذریعہ یہ زمینیں یہود کے ہاتھوں منتقل ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی کمزوری اور دینی احکام میں تساہل اور غفلت نے مسلمانوں کے ایک مقدس خطہ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جبکہ ان کے آباء نے محض اس کے تحفظ و بقاء کے لئے ان زمینوں کو وقف کر دیا تھا اور یہ انجام تھا ایک دینی مسئلہ میں تہاون اور تحریف کا۔ (ترجمہ از حضارۃ الاسلام دمشق۔ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ)

(جولائی ۱۹۶۸ء)

۵ جون۔ تجدید عہد کا دن

آج ۵ جون ہے۔ سقوط بیت المقدس کا دن ہے۔ آج یوم غربت اسلام ہے۔ قبۃ الصخرۃ کے رونے اور جامع عمرؓ کے ماتم کا دن۔ مسلمانوں کی آبرو لٹ جانے اور اپنی زبوں حالی پر آہ و بکا کا دن مگر ہم مسلمان ہیں۔ ماتم و شیون ہمارا شیوہ نہیں۔ یاس و قنوط ہمارے نزدیک کفر ہے۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ بیت المقدس پر فتح کا علم لہرا کر دم لیں گے۔ مایوسی کی فضا اور غفلت و جمود کے اس کہر کو ہم جہاد کی حرارت سے پگھلا کے چھوڑیں گے۔ کفر و استبداد کے قلعہ اتحاد اور گٹھ جوڑ کو ہم اللہ اکبر کے نعروں سے پاش پاش کر دیں گے۔ یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ قرارداد، ایجنڈے، کانفرنس اور تقریریں کسی کی عظمت رفتہ کو کبھی بھی واپس نہیں کر سکیں۔ قبلہ اوّل ہماری عصمت و آبرو ہے اور عصمت و ناموس لٹانے والی قوم کبھی بھی شوکت و سطوت اور شادمانی کا دن نہیں مناتی۔ تمہاری یہ متاع گم گشتہ آج تمہیں آواز دے رہی ہے۔ مسجد اقصیٰ کے منبر و محراب تمہیں پکار رہے ہیں۔ جامع عمر کے دریچوں میں فاروق اعظمؓ کی روح مضطرب ہے۔ وہ دیکھو صلاح الدین ایوبی ہماری حمیت و غیرت کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ دیکھو صلیبی طاقتیں ایک بار پھر مغربی سامراج کے لباس میں متحد ہو کر ہماری ذلت و پستی کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ وہ دیکھو ذلیل و خوار ریجی نالڈ کی روح ایک بار پھر ہماری غیرت کو للکار رہی ہے —— آیئے ہم اپنے رب سے عہد کریں کہ ہم اگلے سال ۵ جون کو "شوکت اسلام" کا دن منائیں گے اور یہ مسرت و شادمانی بیت المقدس کی بازیابی ہی سے ہمیں نصیب ہو سکے گی۔

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين - (جون ۷۰ء)

یہودی عدالت کے شرمناک فیصلے

اسرائیل کی تحقیقاتی عدالت نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے والے مجرم کو "پاگل" قرار دے کر بری کر دیا۔ اسرائیلی عدالت ایسے رسوائے زمانہ فیصلوں کی عادی ہے۔ اب اس نے مجرم روہان کو پاگل نہیں کہا بلکہ حق و انصاف کی علمبردار پوری دنیا کے عقل و دانش کا مذاق اڑایا ہے، مگر جس ظالم،

سفاک اور بے حیا عدالت کی سٹیج پر حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو سولی چڑھانے کا فیصلہ ہوا ہو وہاں اگر پوری اسلامی اور مذہبی دنیا کو ایسے شدید بھونچال سے دوچار کرنے والے مجرم کو پاگل کی بجائے پوری قوم کا ہیرو بھی قرار دیا جاتا تب بھی تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوتی۔ مگر اس ڈرامہ کو سٹیج کرنے والے ججوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ قدرت قیامت تک اس عدالت کی کرسی پر کبھی بخت نصر اور کبھی ہٹلر جیسے ججوں کو بٹھانے کا اعلان بھی کر چکی ہے۔

واذ تاذن ربك لیبعثن علیهم الی یوم القیامة من یسومهم سوء العذاب

(جنوری ۷۰ء)

حرب رمضان

عرب اسرائیل جنگ

آج عرب اسرائیل جنگ کا دسواں دن ہے اور رمضان المبارک ۹۳ھ کی سترھویں تاریخ، سات سال کے جاں گسل صبر کے بعد بالآخر عربوں نے سربکف ہو کر میدان جنگ میں اپنی شجاعت و بسالت کی نئی داستانوں سے اسلام کی روشن اور تابندہ تاریخ سے وہ گرد و غبار جھاڑ دی جو سامراجی اور صیہونی سازشوں سے پچھلی جنگ میں اسے ماند کرنے لگی تھی۔ آج کی جنگ اور آج کی تاریخ ہمیں ۲ھ ہجری کے اس یوم الفرقان (۱۷ رمضان یوم بدر) کی یاد دلا رہا ہے، جب ہادی انسانیت اور نذیر و بشیر رسول، امام المجاہدین نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مٹھی بھر جان نثاروں کے ساتھ قیامت تک اسلام اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا دروازہ کھول کر کفر و شرک کو سرنگوں کر دیا۔ بدر کی یہ فتح آئندہ تمام فتوحات کا سرچشمہ اور قیامت تک خدائے حی و قیوم کے اعتراف وحدانیت اور عبادت خالصہ کا ذریعہ بنا۔ اور آج عرب اپنے سرفروش اور جان نثار اسلاف کی طرح اسی شاہراہ جہاد پر گامزن ہیں۔ ہمارے جسم و جان کی ہر متاع عزیز ان پر قربان ہو۔ مسلمانوں کے دلوں کی ہر دھڑکن ان کی ہمنوا ہے کہ عرب اپنے لئے نہیں اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور انبیاء کرام کی سرزمین کی بحالی اور بالآخر حرمین الشریفین کا تحفظ و حفاظت صرف عربوں کا نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام نام لیوایان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یکساں فریضہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مینار

جھک جھک کر دنیا کے تمام مسلمانوں کو پکار رہے ہیں۔ قدس کی جامع عمرؓ مغضوب و ذلیل قوم، یہود کے قدموں سے پائمالی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا ماتم کر رہی ہے۔ صحرائے سینا کی وسعتیں ملت محمدیؐ کے ہر اس فرد میں صلاح الدین ایوبی کو تلاش کر رہی ہیں جو خود کو مسلم اور محمد عربی صلوات اللہ علیہ کا غلام کہتا ہے۔

عرب مسئلہ اور عالم اسلام کا فرض

اب جبکہ عرب اس دعوت پر لبیک کہہ کر میدان میں کود پڑے ہیں اور وہ حق پر ہیں اور حق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تو کیا مسلمان اور اسلامی مملکتیں صرف چند بیانات دے کر اور زبانی جمع خرچ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو سکتی ہیں اور کتنے ہیں جو زبانی حد تک بھی لبوں کو جنبش نہیں دے رہے جبکہ اہل باطل متفق ہو کر مسلمانوں پر دھاوا بول رہے ہیں۔ امریکہ جو سامراجیت کا علمبردار ظلم و فساد کا سرچشمہ اور انسانی قدروں کی توہین و پائمالی کا مظہر اتم ہے، کھل کر عالم اسلام کی غیرت و حمیت کو للکار رہا ہے۔ وہی امریکہ جس کی دریوزہ گری کو ہم سرمایہ مجد و شرف سمجھتے ہیں، اور جس کے چند ٹکڑوں کی وجہ سے ہماری مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ ہمیں عربوں کی اس جنگ سے عبرت و نصیحت کے صدہا سبق لینے چاہیں دوست اور دشمن کی پہچان کا سبق، عروج و زوال کا سبق، نئی زندگی، نیا ولولہ اور نئے ایمان و یقین کا سبق، ذلت و شکست کو فتح و کامرانی سے بدلنے کا سبق، اور ذلت و نکبت کو "حقیقتوں" کے لبادہ فریب میں نہ چھپاتے کا سبق۔ اگر عربوں نے ۱۹۶۷ء کے خط متارکہ جنگ کے اس پار غصب شدہ زمینوں کو حقیقتوں سے بدلنے کی کوشش کی ہوتی تو آج فتح و کامرانی، عزت و سرخروئی اور مجد و شرف میں عربوں کا یہ مقام نہ ہوتا۔ غیور و جسور عربو! آگے بڑھو، وہ دیکھو نصرت خداوندی تمہارے قدم چومنے کے لئے بیتاب ہے۔ الا ان نصر اللّٰہ قریب

جنگ اور جنگ کے بعد

اسرائیل سے عربوں کا سترہ روزہ مسلسل جہاد ۲۲ر اکتوبر ۷۳ء کو جس نازک موڑ پر آ کر رکا اور اس کے بعد معاہدہ اور افہام و تفہیم کے نام سے جو سلسلہ شروع ہوا عالمی طاقتوں کے مسلم کش رویہ کی بنا پر اس کا کھٹکا پہلے ہی دن سے تھا اور اب یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مشرق وسطیٰ

میں حالات آگے چل کر کیا پلٹا کھاتے ہیں، مگر اس جنگ سے چند باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوگئیں اور اگر مسلمانوں نے اس سے سبق لیا اور آئندہ اپنی پالیسیوں میں انہیں ملحوظ رکھا تو اس جنگ میں دی ہوئی قربانیاں رائیگاں نہیں سمجھی جائیں گی۔

امریکہ اور صیہونیت کی سرپرستی

پہلی بات یہ کہ اسلام نے سارے جہاں کا کفر مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہونے کا جو اعلان کیا تھا وہ پچھلے ہر دور کی طرح اب بھی ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آیا۔ صیہونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے امریکہ نے ڈھٹائی اور بے حیائی کا جو شرمناک کردار ادا کیا اس کی روشنی میں عالم اسلام کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ جنگ میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ جانباز عرب مجاہد اسرائیل سے نہیں عالمی سامراجیت کے علمبردار امریکہ سے لڑ رہے تھے۔ امریکہ کے صدر سے لے کر یہودی نژاد وزیر خارجہ کسنجر تک نے کھلم کھلا اپنی سامراج نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے یہودیوں کی حمایت کی اور نہ صرف جنگی سطح بلکہ سیاسی اور سفارتی بنیادوں پر بھی اسرائیل کی بھرپور مدد کی گئی۔

—— من تو شدم تو من شدی کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اسرائیل امریکہ کی باہمی گرمجوشی اور اظہار تعاون دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ امریکہ اسرائیل کا ایجنٹ ہے یا اسرائیل امریکہ کے عزائم خبیثہ کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسرائیل بظاہر امریکہ کا دست نگر ہے مگر لگتا ایسا ہے کہ درحقیقت امریکہ اپنی عالمی قوتوں سمیت مٹھی بھر یہودیوں کی ایک کالونی ہے۔ اپنے طور پر نہ اس کے کچھ اصول ہیں، نہ قوانین نہ ضمیر ہے اور نہ کسی آزاد فیصلہ کا اختیار، امریکہ نہ صرف جنگ میں اسرائیل کا آرڈی ننس فیکٹری بنا رہا ہے بلکہ بی بی سی کے مطابق وہ اب تک تیس ہزار ٹن سے زائد اسلحہ اسرائیل پہنچا چکا ہے اور اب تو بحری راستے سے بھی اسرائیل کو اسلحہ کی مزید ترسیل جاری ہے۔

ویٹ نام کا داغ عربوں کے خون سے دھونا

امریکہ جو ویٹ نام میں اپنی ساری شان و شوکت اور طنطنہ خاک میں ملا چکا ہے۔ مظلوم اور بے بس عربوں پر اپنی گری ہوئی ساکھ کی عمارت اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ درحقیقت نہ صرف عرب دشمنی، اسلام اور مسلم کشی کا علمبردار ہے بلکہ اس کی تاریخ پوری بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کے عزائم مشومہ سے داغدار ہو چکی ہے لیکن اگر وہ ویٹ نام کی شرمناکیاں عربوں کے خون سے دھونا چاہتا ہے تو اس کی بھول ہے۔

جس خدائے حی و قیوم نے اسے ویٹ نام میں ذلیل و خوار کیا ہے وہ فلسطین اور عربوں کی سرزمین کو امریکہ اور اس کے تمام سامراجی عزائم کا قبرستان بنا سکتا ہے۔ امریکہ اگر اپنے اس رول پر نظر ثانی نہیں کر سکتا تو مسلمانوں کو تو اب اپنے اس ازلی دشمن (بشمول تمام مغربی اقوام) کے بارے میں محتاط ہو جانا چاہیئے۔

روس دوست نما دشمن اس سلسلہ میں روس کی پالیسی بھی ہرگز قابل تحسین نہیں۔ اور یہ ایک المیہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو جانتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور پر کسی کافر کے جھوٹے سہارے لینے پر مجبور رہیں اور اس بنا پر عرب بھی کسی نہ کسی طور پر اپنے اس منافق اور دوست نما فریبی دشمن روس کے دامن کا سہارا لے رہے ہیں، مگر اسرائیل کے معاملہ میں امریکہ اور روس ایک ہیں، یعنی ایک اسلحہ فراہم کرتا رہا تو دوسرا یعنی روس اسلحہ چلانے کی افرادی قوت، یہ روسی یہودیوں سے اسرائیل کی رونق بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ اگر جنگ کا دارومدار فریقین کے اسلحہ سپلائی کرنے پر موقوف نہ ہوتا اور اس دباؤ سے مجبور ہو کر عرب جنگ بندی قبول نہ کرتے اور محض خدائے حی و قیوم کی نصرت کے بھروسے پر سلامتی کونسل کی قرارداد کو مسترد کر دیا جاتا تو نتائج بلاشبہ بہتر ظاہر ہوتے۔ بہرحال عرب بلکہ تمام مسلمان جنگ کے میدانوں میں جیتی ہوئی لڑائیاں روس کے ہاتھوں مفاہمت اور مصالحت کے ہاتھوں پر ہار بیٹھتے ہیں اور یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ، فریب اور سیاسی عیاریوں پر مبنی "جنگ بندی" اور "امن" کے نام سے جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کا متفقہ طور پر انسداد ضروری ہے۔

جنگ کے اچھے نتائج جنگ کے اچھے نتائج میں سب سے بڑی بات عربوں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ عربوں کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ کبھی متفق نہیں ہو سکتے مگر اس جنگ میں عربوں نے متحد ہو کر ہر قسم کی جتھہ بندیوں اور سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر امریکہ، اسرائیل اور سامراج دشمنی کا فیصلہ کیا۔ شاہ فیصل وغیرہ نے اسی جذبہ اسلامی و قومی کی بنا پر امریکہ اور ہالینڈ کو تیل کی سپلائی بند کر دی اور مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کی ایک ہی آواز بلند ہوئی جو اسرائیل اور سامراج دشمنی، عربوں کی حمایت اور ظلم پر احتجاج کی آواز تھی۔ اگر مسلمان اور عرب بھائی اسی جذبہ اتحاد و اخوت سے سرشار رہے تو دنیا کی کوئی طاقت

انہیں شکست نہیں دے سکے گی۔ یہی ہمارے تمام مصائب کا علاج اور ساری پریشانیوں کا مداوا ہے ورنہ اسباب و وسائل کی جو فراوانی مسلمانوں اور عربوں کے پاس ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی اوروں کے پاس نہیں۔

عربوں کی بالادستی ایک اور بڑی بات اس لڑائی سے یہ پیدا ہوئی کہ اس نے عربوں اور مسلمانوں کا وہ احساس کمتری مٹا دیا جو پچھلی جنگ میں شکست کے بعد حوصلوں کی پستی، یقین میں تذبذب، عزائم میں تردد اور دوسری کئی نفسیاتی، نظریاتی اور عملی خرابیوں کا موجب بن رہا تھا۔ یہ زعم باطل اس جنگ میں عربوں نے خاک میں ملا دیا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر ہے۔ ایک ہی حملے سے عربوں نے یہود کی کمر توڑ دی۔ ان کی دفاعی لائنیں عربوں نے خس و خاشاک کی طرح روند ڈالیں ایک ہی زقند میں جولان کی رکاوٹیں الٹ کر رکھ دیں۔ اور اگر امریکہ اپنے کرائے کے سپاہیوں اور اسلحہ سے میدان میں نہ آتا تو آج اسرائیل کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ کیا یہ جنگ خدا کی بیان کی ہوئی یہودیوں کی ابدی ذلت و رسوائی اور اس کی استثنائی صورت "الاّ بحبل من الناس" کا ایک اور ثبوت نہیں؟

خوشگوار ایمانی تبدیلی اس جنگ میں ایک دوسری خوشگوار تبدیلی جو محسوس ہوئی وہ عربوں کا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جوش و خروش سے انابت الی اللہ کا جذبہ تھا۔ خدا کی طرف رجوع اس سے طلب فتح و نصرت۔ اس کے دین اور نام کی بلندی کا جذبہ اور ولولہ، اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر اظہار ندامت اور اصلاح احوال کی سعی۔ یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے فتح و عروج کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ بحمداللہ اس جنگ میں صبر و ثبات کے ساتھ ذکر اللہ کا غلغلہ رہا اور تضرع و ابتہال کا بھی کہ یہ تو شکستگی اور خستہ حالی کا دور ہے۔

فتح مندی اور نیاز مندی ہمارے اسلاف تو فتح و عروج کی معراج پر سرفراز ہو کر بھی بارگاہ ایزدی میں عجز و تسلیم کے اظہار اور مظاہرۂ عبدیت میں غفلت نہیں برتتے تھے۔ فتح مکہ اور ایسی ہی بعض عظیم فتوحات تو سب کو معلوم ہی ہیں۔ اس بیت المقدس کو لیجئے جس کی بازیابی کا ہر مسلمان متمنی ہے مگر وہ جو ہماری عظمت رفتہ کی آبرو تھی یعنی سلطان ابو المظفر الملک الناصر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ۵۸۳ھ کی لیلۃ المعراج مطابق ۲؍ اکتوبر ۱۱۸۸ء کو جب بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور پوری دنیا کے اتحادی کافروں سے اسے آزاد کرا لیا تو فاتحانہ مسرتوں کے باوجود خداوند کریم کی بارگاہ

میں ان پر عجز و نیاز بندگی اور سپردگی کا عجب عالم طاری تھا۔

فتح صلاح الدین ایوبی کے بعد پہلا خطبہ بیت المقدس

اور چھوڑیے صلاح الدینؒ کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اس کے بعد اور گویا ایک صدی کے بعد ۴ شعبان کو جو پہلا جمعہ مسجد اقصیٰ میں سلطان صلاح الدینؒ کی موجودگی میں پڑھا گیا تاریخ میں ہے کہ گویا وہ دن یوم مشہود تھا۔

اس تاریخی جمعہ میں خطیب وقت قاضی محی الدین محمد بن زکی الدین علی القرشی نے جو خطبہ دیا اور اب جس پر ہماری غفلتوں اور خود فراموشیوں نے غفلت و نسیان کی تہ بر تہ غلاف چڑھا دیئے ہیں آیئے تاریخ کے سینہ سے نکال کر اس پر ایک نگاہ ڈالیں۔

الحمد للّٰہ معز الاسلام بنصره ومذل الشرك بقهره ومصرف الامور بأمره ومديم النعم بشكره ومستدرج الكفار بمكره الذی قدر الايام دولا بعدله وجعل العاقبة للمتقين بفضله وافاء على عباده من ظله واظهر دينه على الدين كله القاهر فوق عباده فلا يمانع والظاهر على خليقته فلا ينازع والامر بما يشاء فلا يراجع والحاكم بما يريد فلا يدافع فاحذروا عباد اللّٰہ —— بعد ان شرفكم اللّٰہ بهذا الفتح الجليل والمنح الجزيل

ساری ستائش اپنی مدد سے اسلام کو عزت دینے والی ذات کے لئے ہے جس نے شرک کو اپنی قوت سے ذلیل کیا جو اپنی مرضی سے تمام کاموں میں تصرف کرتا ہے جو نعمتوں کو شکر گزاری کے بدلے دوام دیتا ہے اور جو اپنی تدبیر و حکمت سے کافروں کو ڈھیل بھی جس نے اپنی شان عدل کی بناء پر اتار چڑھاؤ اور فتح و زوال کو گردش زمانہ بنا دیا اور بالآخر بہتر انجام اور کامیابی پاکبازوں کے لئے مقرر کر دی جس نے اپنے بندوں پر اپنا سایہ کر دیا اور اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب کر دیا۔ وہ ساری مخلوق پر غالب ہے کوئی اسے منع نہیں کر سکتا، نہ کوئی روک ٹوک کر سکتا ہے۔ پس

وخصكم بنصره المبين
واعلق ايديكم بحبله المتين
ان تقترفوا كبيراً من
مناهيه او تأتوا عظيما
من معاصيه فتكونوا
كالتى نقضت غزلها من
بعد قوة انكاثاً اوكالذى
آتيناه آياتنا فانسلخ
منه فاتبعه الشيطان فكان
من الغاوين۔

والجهاد الجهاد فهو من
افضل عباداتكم واشرف
عاداتكم انصروا الله ينصركم
احفظوا الله يحفظكم اذكروا الله
يذكركم اشكروا الله يزدكم
ويشكركم خذوا فى حسم الداء
وقطع شأفة الاعداء وطهروا
بقية الارض من هذه الانجاس
التى اغضبت الله ورسوله
واقطعوا فروع الكفر واجتثوا
اصوله فقد نادت الايام
بالثارات الاسلامية و
الملة المحمدية الله اكبر

اے اللہ کے بندو ڈرو اور محتاط رہو
جبکہ اللہ نے آپ کو اس فتح مبین
انعام عظیم اور اپنی نصرت و مدد سے
نوازا اور دین کی مضبوط رسی تمہارے
ہاتھوں میں تھما دی۔ خبردار! اب
اس کے منع کیے ہوئے کاموں کے
قریب نہ پھٹکنا۔ کہیں ایسا نہ ہو تم
منکرات اور معاصی کے پیچھے پڑ جاؤ
پس اس بڑھیا کی طرح ہو جاؤ گے
جو اپنے کئے کرائے پر خود پانی
پھیر دیتی ہے۔ یا اس شخص کی طرح
جسے خدا نے واضح نشانیاں دیں مگر
شیطان کے کہنے میں آکر اس نے
سب کچھ نظر انداز کر دیا اور گمراہوں
میں شامل ہو گیا۔

اے مسلمانو! الجہاد، الجہاد، کہ یہی
تمہاری بہترین عبادت اور اعلیٰ ترین
شیوہ حیات ہے۔ تم اللہ کی مدد
کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ شکر گزار
بن جاؤ۔ وہ اپنی قدر افزائی اور بڑھا
دے گا اور بیماری کو جڑ سے نکال پھینکو
اور خدا کی باقی زمین کو بھی کفر و شرک
اور ظلم و فساد کی ان غلاظتوں (کا نزول)

فتح الله ونصر وغلب الله

وقهر واذل الله من كفر.

سے پاک کر دو جس نے خدا اور اس کے رسول کو ناراض کر دیا۔ کفر کی ساری شاخیں کاٹ ڈالو اور اس کی پوری بیخ کنی بھی کر دو کہ زمانہ اسلام اور ملت محمدیہ کا ہے اور وقت اسلامی فتح و عروج کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ نے فتح و نصرت دی اور غالب ہوا۔ اور اللہ نے کافروں کو ذلیل و خوار کر دیا۔"

—— مشرق وسطیٰ کا جہاد اب بھی جاری ہے اور جب تک ارض مقدس کو یہودیوں سے پاک نہیں کیا جاتا جاری رہے گا اور جب تک بیت المقدس کی بازیابی کی ذمہ داری سے اسلامیان عالم اسلام سبکدوش نہیں ہو جاتے بیت المقدس کی فضائیں کسی ایسے خطبہ کے لئے ترستی رہیں گی۔

الله اکبر۔ الله اکبر والعزۃ للّٰہ ولرسولہ وللمومنین

اسرائیلی جارحیت اور اولین فریضہ

مملکت اردن کی سرحدات پر اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں، لوٹ مار، مال و جان کی تباہی اور نہتی آبادیوں پر وحشیانہ حملوں نے ایک بار پھر روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو اضطراب میں ڈال دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری وقتی اور ہنگامی ہزرع فزرع اور چند احتجاجی بیانات سے اس درندگی اور بربریت کا خاتمہ ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اس کا علاج تو صرف یہ ہے کہ محمد عربی علیہ السلام کے تمام نام لیوا مسلمان آپس میں متحد و متفق ہو کر کفار و اشرار کے مقابلہ میں ایک "بنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح بن جائیں۔ آج ہم باطل اور سامراج کا قلع قمع لگانگت اور رشتہ اتحاد ہی کے ذریعے کر سکتے ہیں جو قومی اور علاقائی بنیادوں پر نہیں بلکہ بین الاقوامی اساس پر استوار ہو۔ ایک ایسی روحانی اساس جس کے آگے قوم، وطن، رنگ و نسل کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی ایک مغضوب علیہ ذلیل اور خوار قوم "یہود" کے ہاتھوں ہماری بار بار پٹائی ؟ یہ تو قدرت کا ایک تازیانہ ہے کہ مسلمان بیدار ہوں۔ ملت کی خاطر اور محمد عربی علیہ السلام کے ننگ و ناموس کی لاج رکھنے کی خاطر ہم میں کچھ شعور

بیدا ہو۔ مگر افسوس ہماری "خودی" اور "انا" اب ایسی فنا ہو چکی ہے کہ سوائے وقتی شور اور چند روزہ واویلا کے ہم آج تک کسی مثبت فیصلہ پر متفق بھی نہ ہو سکے کہ ہم کیا کریں! اگر ہماری غفلت اور کوتاہی ملکی اور سیاسی خود غرضی اور دھڑے بندیوں کا یہی عالم اور ہمارا شیوہ صرف نالہ و شیون رہا تو کفر کا عفریت اور مغربی استعمار کا دیو اسی شدت سے کبھی اردن کی سرحدات پر حملہ آور ہوگا اور کبھی شام کی مقدس سرزمین پر مغربی طاغوت اور استعمار، کبھی اپنے پروردہ اژدہا "اسرائیل" کی شکل میں عربوں کے سینے پر لوٹتا رہے گا اور کبھی کفر اور ظلم کا یہ ناسور قبرص اور کشمیر کی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سوہان روح بنا رہے گا۔ فهل من مدکر

اس بسیط ارض پر بسنے والے تمام مسلمان ایک گھرانے کے افراد ہیں۔ وہ گھرانا جو روحانیت اور اسلام کے رشتوں پر کھڑا ہے، اس گھر کے کسی فرد کو تکلیف پہنچنے سے سارے گھرانے کی بے چینی ایک واجبی اور طبعی امر ہے۔ خواہ وہ فرد فلسطین میں بستا ہو یا کشمیر میں۔ قبرص میں ہو یا ایتھوپیا (حبشہ) میں۔ اس لحاظ سے یہود (خذلهم الله تعالیٰ) اور در پردہ ان کے مربی مغربی اقوام کے یہ ظالمانہ حملے صرف اردن و شام پر نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج ہیں۔ یہ پورے کفر کی یلغار ہے اسلام پر اور پورے باطل کی للکار ہے حق کے خلاف۔ آج خالد بن ولیدؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ کی پاکیزہ روحیں بے چین ہیں کہ کوئی اٹھے اور ایک بار پھر اپنی پرسوز لے اور جگر پاش نعروں سے غافل ملتِ محمدیؐ کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی وہ پکار جس کے ذریعے حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک بار گرتی ہوئی فوج کو سنبھالا دیا تھا ——

وا محمداؐ —— وا محمدا۔ وللاسلام والمسلمین

رباط کی اسلامی کانفرنس

—— نوحہ اور ماتم کی نہیں عمل اور جہاد کی ضرورت ——

رباط میں ۲۶ مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی مگر صدیوں بعد ایک خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ عالم اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں اور سنہری امیدوں کے پل باندھے جا رہے تھے۔ ہم مغرب اقصیٰ کے دارالحکومت رباط کے اس اجتماع کو ایک لحاظ سے نیک فال سمجھتے تھے کہ رباط کے مفہوم میں اسلامی سرحدات کی حفاظت، دشمنان اسلام کی سرکوبی، اور جہاد کا تصور شامل ہے، کیا عجب کہ مومنانہ جرأت اور اخلاص و قربانی سے بھرپور فیصلوں کی وجہ سے نام کا یہ اشتراک واقعی معنوں میں جہاد اور رباط فی سبیل اللہ اور مسلمانوں کے باہمی ارتباط و تعلق کا موجب بن جاتا۔ کانفرنس کی جو تفصیلات اب تک سامنے آئی ہیں سیاسی تدبر اور فراست کے گھمنڈ میں حقائق کو دفن کرنے والے خوش فہمیوں کی کیا کیا عمارات کھڑی کریں مگر ہم جیسے "سطحی اور جذباتی ذہن" والے تو اس بارہ میں کلی مایوس ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ درپردہ کچھ ٹھوس اقدامات اور فیصلے طے پائے ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ کانفرنس اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس ساری مجلس آرائی کا مقصد صرف چار بڑی طاقتوں سے ارض مقدس کی انخلا کی اپیل کرنا تھا اور بس، تو ہم اسے نہ صرف ناکام کہیں گے بلکہ اسے سقوط بیت المقدس کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ قرار دیں گے۔

اپیل اور قرار داد نہیں صرف تلوار اور جہاد

اپنی تاریخ پر نظر ڈالئے عالم اسلام کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو لچھے دار تقریروں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے حل ہوا اور کونسی مصیبت ہے جو دشمن اور اس کے حریف کافر طاقتوں سے منت سماجت کی اپیلوں سے ٹل گئی ہو۔ کفر جو سارے کا سارا ملت واحدہ ہے طاقت اور عمل کی زبان سمجھتا ہے مگر اسے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اور ان کے قائد اور حکمران صرف قوال ہیں۔ ان کے ضمیر اور دل و دماغ ان کے نظریاتی اور عملی قویٰ کو یورپ

کی ذہنی اور سیاسی غلامی نے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام، ایمان اور جہاد کے جذبے سے سوچنے والے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ ان کے بازو شل ہیں۔ وہ صرف زبان سے تلوار کا کام لینا چاہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ اٹھ سکتے ہیں تو صرف روس اور امریکہ سے بھیک مانگنے کے لئے۔ ان کا دماغ اگر سوچتا ہے تو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے زاویۂ نظر سے۔ دنیا کی محبت اور موت کی نفرت نے ستر کروڑ مسلمانوں کے اس جم غفیر کو ارشاد نبویؐ غثاء کغثاء السیل (سیلاب کی جھاگ) کا مصداق بنا دیا ہے۔ ان کے یہ شاہانہ کروفر والے سلاطین اور بادشاہ، طمطراق والے حکام اور صدور میدان سیاست کے شاطر وزراء اور بھاری بھرکم مندوبین کفر کے مقابلے میں کھوکھلے ڈھول ہیں جن کی قلعی اب رباط کانفرنس نے کھول دی ہے۔ انہوں نے اپیل کی تو تلوار سے نہیں۔ کفر والحاد کے جبار بڑے سربراہوں سے اور باہمی امور کو طے کرنے کا اعلان کیا تو کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اور اس طرح ان سب کے ہاتھوں رباط کے چوراہے پر عالم اسلام کی عظمت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون

رباط کانفرنس اور قدرت کے تازیانے

رباط کے حسین ترین ہوٹل میں ستر کروڑ مسلمانوں کی قسمت کے مالک جمع تھے۔ ادھر اسرائیل عین اسی موقع پر اسلامی ممالک کی سرحدات پر اپنی جارحانہ کارروائی تیز کر کے ان کی غیرت کو للکار رہا تھا اور بالکل اسی موقع پر بھارت کی برہمن صیہونیت کے ہاتھوں احمد آباد کی گلیاں اور بیچارے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کے معصوم خون سے لالہ زار بن رہی تھیں۔ اس خون کی فراوانی بلاشبہ ان رنگین مشروبات سے ہزار گنا زیادہ تھی جو رباط کے راؤنڈ ٹیبل پر گردش کرنے والے جام و سبو میں چھلک رہے تھے۔ ان رنگینیوں میں مدہوش سربراہان عالم اسلام کو خونِ مسلم کی قدر و قیمت کا کیا احساس ؎

تو داغ جگر را چہ شناسی کہ نہ بود ست
جز از مئے گلرنگ بہ داماں تو داغے

اسرائیل کے سانحے سے ہماری غیرت بیدار نہ ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کی آگ سے ہماری قساوت نہ پگھل سکی تو قدرت کے غیبی ہاتھوں نے ہمیں ایک جگہ پہ جمع کر کے ایک اور بھرپور اجتماعی تازیانہ احمد آباد کی شکل میں لگایا۔ ادھر ذلیل یہودیوں کی طنز و تشنیع سے بھرپور نشتروں کے ذریعہ ہماری رگِ

حمیت بھڑکانی چاہی۔ پھر کیا ہم نے باطل سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا۔ کفر سے جہاد کرنے کا اعلان کیا۔ ظالم اسرائیل کے پشت بانوں کو للکارا۔ ان سے سفارتی اور مادی تعلقات توڑنے کا فیصلہ کیا، ان کی کفن کش اقوام متحدہ سے نکل کر اپنی ایک اقوام متحدہ بنانے کا فیصلہ ہوا، پھر سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی قرارداد پاس کی؟ یہ سب کچھ نہ ہوا۔ نہ جذبہ جہاد بیدار ہوا۔ نہ ہم علاقائی مصالح اور سیاسی مفادات سے دست برداری پر آمادہ ہوئے —— تو کیا صرف ایک اپیل ہی ہماری تمام رسوائیوں کا مداوا بن سکے گا، ہرگز نہیں —— یاد رکھئے لٹی ہوئی عزت، عصمت اور عظمت رفتہ بھیک سے کبھی بھی واپس نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے تو ایمان اور ملی حمیت سے بھرپور اور مفادات یا خطرات سے بالاتر ہو کر ایک آخری فیصلہ کی ضرورت تھی۔ اگر رباط میں یہ فیصلہ ہو جاتا تو ہماری قسمت بدل جاتی۔

نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ مگر واحسرتا کہ تمہاری قسمت صرف واویلا اور نوحہ آرائی رہ گئی ہے تم کبھی فلسطین پر ماتم کرتے ہو تو کبھی کشمیر کی مرثیہ گوئی کبھی مسجد اقصیٰ کی آگ میں جل رہے ہو تو کبھی احمد آباد کے طوفان خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر مر رہے ہو۔ حیف صد حیف اس قوم پر جو فیصلہ کن اور بھرپور عمل سے عاری ہو کر نری نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ جائے۔ رباط کے سربراہو! وہ دیکھو فلسطین کے لٹے پٹے مسلمان اور احمد آباد کے آگ اور خون میں جلنے والے تمام مظلوم بھائی غازی صلاح الدین ایوبی کی آواز پر یک زبان ہو کر تمہیں طعنہ دے رہے ہیں”۔ کہ ہمیں آپ کی زوردار تقریروں اور پرجوش الفاظ کی نہیں فولادی بازو اور اسلحے کی ضرورت ہے“۔ یہ سطور پڑھ کر یاس و قنوط کا الزام دھرنے والو بیشک تم اب کسی دوسری رباط کانفرنس کا انتظار کرو مجھے تو صرف امام مہدی کا انتظار ہے کہ شقاوت اور بدبختی کا یہ مہراب صرف اس مرد مومن کے آہنی ہاتھوں سے ٹوٹ سکتا ہے۔

لبنان کی صورتحال

لبنان میں عارضی جنگ بندی ہو چکی ہے۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ اونٹ آگے چل کر کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ لبنان ۹، ۱۰ ماہ سے آتش فشاں بنا ہوا ہے۔ بیس بیس مرتبہ صلح ہوتے ہوتے ٹوٹ گئی اور جب بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوا ایک نئی عارضی صلح وجود میں آئی۔ تیس لاکھ کی مختصر آبادی والے ملک میں بارہ تیرہ ہزار افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اور بیروت کے عشرت کدوں میں لنڈھائی جانے والی شراب کی مانند لبنان کی گلیاں انسانی خون سے رنگین ہیں۔ مسئلے کا حل کوئی عارضی صلح نہیں کہ مسلمانوں کو مستقل بنیادوں پر اس ظلم و استبداد کا حل تلاش کرنا ہوگا جس کی چکی میں تقریباً نصف صدی سے لبنان کے مسلمان پس رہے ہیں اور ایک گونہ لبنانی مسلمانوں کو اب تک اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے جو وہ خلافتِ عثمانیہ کے بارہ میں کر چکے تھے۔ موجودہ بحران وقتی نہیں بلکہ عیسائی دنیا کے ایک طویل المیعاد منظم منصوبے کی کڑیوں کا ظہور ہے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں لبنان کے ایک کلیسا میں فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی ایک رازدارانہ تحریر ملی جو فرانس کی عیسائی حکومت کی طرف سے عیسائی زعماء اور کارکنوں کے نام مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی۔ یہ گویا دس نکاتی منشور تھا جس میں طاقت کے تمام ذرائع تفریحی اور سیاحتی انتظامات، فوجی ملازمتوں پر قبضہ، ریزرو بندرگاہوں کی تعمیر ادبی اور فکری محاذ پر کنٹرول، سیاسی صورت حال پر گرفت کی تلقین کی گئی تھی۔ اور یہ یقین دہانی بھی کہ دنیا کی تمام عظیم طاقتیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ کہا گیا کہ لبنانی قومیت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اس میں بڑی ہوشمندی اور باریک بینی کی ضرورت ہے۔

اس منصوبہ کے تحت سنہ ۱۹۳۲ء میں سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے پہلی دفعہ مردم شماری کرائی گئی، مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا کر انہیں مردم شماری سے فرار پر مجبور کیا گیا۔ نتیجۃً لبنان کی عیسائی اقلیت، اکثریت قرار پائی۔ اور مسلمان اکثریت کو کافر اقلیت کے رحم و کرم

پر چھوڑ دیا گیا۔ اور نظام حکومت دستور وغیرہ میں مسلمان ایک محکوم و بے بس قوم ہو کر رہ گئی۔ چالیس برس گزر گئے مگر لبنان کے عیسائی تسلطین مسلمانوں کی دوبارہ مردم شماری کرانے کا مطالبہ ماننے پر تیار نہ ہو سکے۔ مسلمان عیسائیوں کے رحم و کرم پر رہے اور اب جب پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو طاؤس و رباب پھینک کر شمشیر و سنان اٹھانے پر مجبور ہوئے۔ ادھر سامراجی اقوام تاک میں تھیں کہ کسی طرح اسرائیل کو لبنان میں فوج کشی کا بہانہ مل سکے اور ایک اور اہم عرب علاقہ اسرائیل کے تسلط میں چلا جائے یا کسی عیسائی سٹیٹ کے قیام کی شکل میں یہ مقصد پورا کیا جائے۔ اس جنگ میں عیسائی عرب علانیہ اسرائیل کے آلہ کار بنے رہے اور اس طرح یہود و نصاریٰ نے کھل کر اسلام دشمنی کا ایک بار پھر متحدہ مظاہرہ کیا۔ اسرائیل امریکہ کے نئے ہتھیاروں سے مہیب فوجی طاقت بن چکا ہے۔ اور اس بار وہ عیسائیوں کی مدد سے عربوں سے سرزمینِ عرب ہی پر زور آزمائی کرنا چاہتا ہے۔ اور لبنان ان کے لئے نہایت بہتر محاذ ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ لبنان کے دو فریقوں کا نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی ملی بھگت اور اسرائیل و امریکہ متحدہ اسلام دشمنی کا ہے۔ الکفر ملة واحدة۔ اس جنگ نے عرب قومیت کا بت لبنان کے چوراہوں میں پاش پاش کر دیا ہے۔ مسئلہ اسلام اور کفر کا نہ ہوتا تو لبنان کے دونوں فریق (مسلمان اور عیسائی) اس حد تک کیسے پہنچتے۔ مسئلہ اسلام اور کفر کا ہے۔ ادھر امریکہ کی صیہونیت نوازی کا یہ عالم ہے کہ جب اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے اسرائیل کو ایک نسل پرست گروہ قرار دیا۔ (اور یہ عالمی سطح پر قرآنِ کریم اور نبی کریمؐ کے ایسے واضح ارشادات پر مُہرِ صداقت بھی تھا) تو اسرائیل سے بھی زیادہ اس فیصلہ پر امریکہ چیخا چلایا یہاں تک کہ قرارداد کے حق میں ووٹ دینے والے ممالک کو امداد بند کرنے کی دھمکیاں بھی دیں اور آج ہی دمِ تحریر امریکہ نے عدل و انصاف حیاء اور شرافت کے تمام تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو ویٹو کر دیا جس میں آزاد فلسطین ریاست کے قیام کی سفارش کی گئی تھی۔ ان حالات میں لبنان کے مسئلہ پر عالمِ اسلام کی سرد مہری یا کسی مصالحتی فارمولے پر تیار ہو جانا ملی خودکشی سے کم نہیں ہو گا۔ اب مصالحت نہیں بلکہ لبنان کے مسلمانوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کا سوال ہے۔

تمام کردار اس مسئلہ میں نہایت پامردی کا رہا ہے۔ لیبیا اور مراکش انہی سامراجیوں کو نبی کریم علیہ السلام کے سوانگ بھرنے (العیاذ باللہ) کی اجازت دے کر فلمیں بنوا رہے ہیں اور اسے اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ مصر طویل مراقبہ میں ہے۔ شاہ فیصل مرحوم جیسی مؤثر فعال اور مؤمن شخصیت نہ خاک ہے۔ اب معلوم نہیں ایسے معاملات میں ایک ارب مسلمانوں کا جمِ غفیر اور اُن کے سربراہوں کے طویل طویل کانفرنسوں کے مؤثر نتائج کس دن سامنے آئیں گے؟ (جنوری ؁۷۶)

اتحاد عالم اسلام

اسلامی سربراہ کانفرنس

لاہور کی مسلم سربراہ کانفرنس ایک ایسا اقدام ہے، جس پر موجودہ حکومت ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی لائقِ تحسین ہے۔ گو کانفرنس سے عالم اسلام کے حق میں کسی بڑے اور اہم انقلابی فیصلے کی امیدیں وابستہ کرنا قبل از وقت سہی مگر مضمرات محرکات اور پاکیزہ مقاصد کی بناء پر مسلمان سربراہوں کا اتنا بڑا اجتماع بذاتِ خود ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ یہ اجتماعیت اور اتحاد ملی کا احساس اجاگر ہونے کی ایک واضح علامت ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک روشن مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا باہمی ربط و اتحاد اور ملی و فکری یک جہتی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور بقاء و سالمیت میں ریڑھ کی ہڈی جیسا مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن و حدیث اول تا آخر مسلمانوں کو اس اتحاد و اجتماعیت کا سبق اور باہمی افتراق و انتشار تحزب اور انشقاق سے پرہیز کی تلقین سے لبریز ہیں۔ اسلام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو جسدِ واحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تعبیر کرتا ہے۔ بنیانِ مرصوص، اسنان المشط اور جسدِ واحد سب اسی تعلیمِ اتحاد کی تمثیلات ہیں تمام حکماء اسلام اور نورِ ایمانی سے سرشار اصحابِ بصیرت علماء عارفین اور مؤرخین نے تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور ذلت و ادبار کا سبب اسی اتحاد یا افتراق کو قرار دیا ہے۔

افتراق و انتشار میں دشمنوں کا حصہ دشمنانِ اسلام نے پہلے ہی دن اس راز کو پالیا تھا۔ اور عہدِ نبوی کے بعد افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے سیاسی، فکری، نظری اور علمی میدانوں میں کوئی حربہ ایسا نہ چھوڑا جسے مسلمانوں پر نہ آزمایا گیا جس کی وجہ سے فکری کجروی، نظریاتی گمراہی پر مبنی ہزارہا فرقوں اور جماعتوں کا ظہور ہوا اور الحاد و زندقہ، کفر و شرک، زیغ و فساد کا کوئی شعبہ نہ تھا، جو آئے دن مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال اور افتراق و انشقاق میں مزید اضافہ نہ کرتا گیا ہو۔ بالخصوص یہود و نصاریٰ نے اس حربے کو خوب استعمال

کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ خلافتِ عثمانیہ کی شکل میں رہی سہی اجتماعیت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی، قوم و وطن اور رنگ و نسل کے نام پر مسلمان لڑائے گئے، خلافت کا شیرازہ بکھرا اور اس کے چھوٹے چھوٹے اضلاع الگ الگ ریاستوں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ نتیجۃً مسلمان دنیا کی ایک فاتح سرخرو اور بالادست قوم ہونے کے باوجود اغیار کے دریوزہ گر اور دشمنوں کے رحم و کرم پر رہنے اور خوشی خوشی طوقِ غلامی پہننے والی قوم بن کر رہ گئے، اور یہ وہ قوم تھی جسے قدرت نے بے پناہ وسائل رزق، گوناگوں خزائن، بے حساب معدنیات، زمینی قوتوں، پٹرول، سونا، فولاد تک سے بے تحاشا مالا مال کر دیا تھا۔ افرادی لحاظ سے وہ دنیا کی ایک عظیم قوت تھی، جغرافیائی اتصال و ارتباط کے لحاظ سے بھی چین سے لے کر کاشغر تک وہ بین کے لئے ناف اور دنیا کے لئے دل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یورپ نے آپس میں لڑا کر ان کے وسائل کو غنیمت، سلطنتوں کو جاگیر اور افراد کو غلام بنا لیا وہ ہماری تمام جوہری توانائیوں کو حاصل کرتا اور ہمیں باہمی جنگ و جدال کے نتیجہ میں چار و ناچار اپنے ہی دامن میں پناہ لینے پر مجبور کرنے لگا کہ ہم گرتے پڑتے اسی کے گھر پر دستک دیتے رہیں۔ اس سے اسلحہ کا سوال کریں اور اپنی خام قوتوں سے بنے ہوئے جنگی ہتھیار کو سود در سود دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔ اور یہ یورپ کا ایک ایسا شیطانی چکر ہے جس بابں آزادی کے باوجود آج تک مسلمان پھنسے ہوئے ہیں۔ ورنہ یورپ میں بالادستی کی کوئی ایسی بات نہ تھی۔ وہ اس صنعتی انقلاب پر فخر نہیں کر سکتا جو انسانوں کو انسانوں سے لڑانے کا ذریعہ اور طبقاتی مسائل پیدا کرنے کا اہم سبب ہے اور جس کی ساری صنعتیں ایشیا اور افریقہ کے خام مواد پر موقوف ہیں اس کی صنعتی اور جنگی بالادستی مسلمانوں کے پٹرول کی مرہون ہے۔

رہ گئی مادی ترقی وہ بالآخر انسانوں کے نہ ختم ہونے والی ہوس و حرص اور خواہش و شہوت کی پرستش پر مبنی تہذیب و تمدن کا ذریعہ بن گئی، نتیجۃً انسان ایک غیر مہذب، غیر فطری چوپایہ تو بن گیا انسان نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تہذیب و تمدن بھی یورپ کی بالادستی کا نہیں زیر دستی کا ذریعہ بننا چاہیئے تھا۔ لیکن مسلمان اور افریشیائی اقوام پھر بھی زیر دست اور مجبور و مقہور ہے۔ ذلت و ادبار ان کے مقدر کی چیز نہ تھی، لیکن اسی افتراق و انتشار اور

باہمی جنگ وجدال نے انہیں غیروں کا لقمۂ تر بنائے رکھا۔ اور یہی وہ اصل بیماری ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان ملک آج بھی کسی نہ کسی سطح پر داخلی اور خارجی بحرانوں میں مبتلا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا المناک سبق تو تازہ ہی ہے۔ صوبے صوبوں سے اور علاقے علاقوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایران اور عراق آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ مصر و لیبیا کا اتحاد معرضِ وجود میں آتے آتے رہ جاتا ہے۔ افغانستان اور پاکستان سرد جنگ میں مبتلا رہتے ہیں۔ مسلم اقلیتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں پٹ رہی ہیں۔ قبرص جل رہا ہے۔ فلسطین تڑپ رہا ہے۔ کشمیر نالہ کناں ہے، تھائی لینڈ اور فلپائن کے مسلمان سسک رہے ہیں۔ وسطِ ایشیا کے بچے کھچے اسلامی آثار بھی مٹ رہے ہیں۔ بھارت کے کروڑوں مسلمان بے دست و پا ہیں۔ عرب عجم سے بدگمان اور عجم عربوں سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

اسبابِ عروج وزوال کا اجتماعی جائزہ ایسے حالات میں مدتوں بعد اجتماع لاہور کی شکل میں روشنی کی ایک کرن عالمِ اسلام کے افق پر نمودار ہوئی تو کتنی مسرتوں، دلولوں اور شادمانیوں کی بات ہوگی۔ بلاشبہ ایسے اجتماعات ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہمیں اجتماعی طور پر اپنے عروج وزوال، فتح وشکست اور ذلت وپستی کے اسباب کا کھوج بھی لگاتے رہنا اور ساتھ ہی خرابی اور بربادی کا مداوا بھی کرنا چاہیئے۔

ارضِ مقدس بلاشبہ اس اجتماع میں عربوں کے مسائل کو اوّلین مقام حاصل ہونا چاہیئے۔ مٹھی بھر یہودیوں کا اسرائیل استعمار کے بل بوتے جسدِ اسلام میں ایک خنجر اور ایک رِستا ہوا ناسور بنا ہے۔ اسرائیل مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی رواداری کسی بھی مصلحت، کسی بھی چشم پوشی یا نرم رویہ کا مستحق نہیں بلکہ اس بارہ میں ہمارا اسوہ حضور نبی کریمؐ کی زندگی کا قول اور عمل ہونا چاہیئے، کہ ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے کہ جبرائیلؑ کی اطلاع پر یہود کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لئے دوبارہ مستعد ہو گئے۔ اور وفات کے وقت بھی آخری وصیت یہی تھی کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیجئے، کہیں انہیں قدم جمانے کا موقعہ نہ ملے اور ارشادِ ربانی یہی تھا کہ وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃٌ

جب تک فتنۂ کفر کی پوری بیخ کنی نہ ہو تمہیں آرام کرنے کا حق نہیں بلکہ تمہیں لڑتے رہنا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی ہمارے دین ہماری غیرت ہماری عظمتِ رفتہ کی بحالی کی بات ہے۔ اس سے کم کوئی بات قبول کرنا اسلامی سربراہوں کے لئے خودکشی کے مترادف ہونا چاہیئے۔ لیکن ارضِ مقدس اور فلسطین کے ساتھ ساتھ قبرص و فلپائن اور کشمیر بھی نگاہوں سے مستور نہیں رہنا چاہیئے۔ ساری دنیا کے کافر ملکوں میں مسلم اقلیتیں بیشمار مسائل سے دوچار ہیں اور کہیں تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا، اسلامی زعماء کو اس کا بھی حل تلاش کرنا ہوگا۔

اتحاد کا اصل سر رشتہ اتحاد اور باہمی ارتباط کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور ظاہری تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مشترکہ فوجی ہائی کمان، باہمی تجارتی و معاشی تعلقات مشترکہ منڈی، اپنی ایک الگ مسلم جمعیۃ الاقوام، مسلم خبر رساں ایجنسیاں، غیر سودی بنیادوں پر اسلامی بنک کا قیام، یہ اور اس قسم کی ہزاروں چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی ترقی و بقاء اور سالمیت کے لئے نہایت ضروری ہیں اور اس پر اتحاد و ربط کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ مگر مسلمانوں کے اتحاد کا اصل سر رشتہ ان تمام مادی اور ظاہری باتوں سے بڑھ کر جن غیر محسوس اور روحانی چیزوں پر ہے وہ ہے ایمان کی پختگی اور اسلام کی راستبازی اور اس سے صحیح اور کامل شکل میں وابستگی یہ روح اور عقیدے کا رشتہ ہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ ہمیں اگر صحیح معنوں میں کبھی جوڑا ہے یا جوڑ سکتا ہے تو وہ یہی رشتۂ ایمان و اسلام اور اتحاد قلب و نظر ہے جس کے مقابلہ میں پوری زمین اور اس کی ساری قوتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اتحاد کے لئے مادی نہیں ربانی اسباب کی ضرورت جو لوگ اتحادِ فکر و نظر کو مادی چشموں سے دیکھنے اور اسے جسمانی آرٹ و کلچر کے زاویوں سے ناپتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ غلطی پر ہیں۔ الفت و محبت اور اجتماع و ربط کے اسباب مسلمانوں کے اولین عہدِ سعادت میں بھی مادی نہیں ربانی اور خدائی تھے۔ حضور نبی کریمؐ کو مخاطب کرکے فرمایا!

گیا۔ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ایمان و اسلام کو ذریعہ الفت بنا دیا۔ اور آگے صرف زمینی اور مادی قوتیں نہیں بلکہ تمام وما فی الارض کی حقارت بھی کسی طرح واضح کر دی کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم۔ مسلمان مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے اور اسلام اور عقیدہ کے اتحاد کے بعد کسی دوسرے کلچرل اور ثقافتی معاہدے کا محتاج نہیں عقیدہ کا استحکام اس اتحاد کو غیر فانی دوام بخشتا ہے۔

اس لئے ایسے اجتماعات اور کانفرنسوں میں اس بنیادی ایمان کی تجدید اسلام کی تعمیل اور اس سے اپنی وابستگی کو غور و فکر کا بنیادی مسئلہ بنانا چاہیئے۔

عالمِ اسلام کی فکری و نظری گہرائیوں کا محاسبہ نظریاتی بنیادوں کی تطہیر و استحکام اس کے لئے قرآن اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اسلامی تعلیمات کو اپنی تعلیم و تربیت کی پالیسیوں کا محور بنانے پر غور کرنا چاہیئے، نوجوان نسل دین سے دور ہوتی اور ان کے دل و دماغ پر اغیار کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسلامی معاشرہ ہر جگہ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی زد میں ہے۔ عقائد و نظریات کو اوہام و خرافات شک اور تذبذب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اسلام کی نظریاتی سرحدات میں دخل اندازی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے کچھ لوگ نئی نبوتوں کا علم اٹھا کر پورے عالمِ اسلام اور دنیا میں ملتِ مسلمہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہیں اور وہ ملت کے اتحاد کے لئے ضربِ کاری بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے معاش و اقتصاد کا رشتہ اسلام سے توڑنا چاہتا ہے تو کوئی اخلاق و افکار کا۔ کوئی سیاست کی گاڑی مدینہ طیبہ سے موڑ کر امریکہ اور روس کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے تو کوئی اسلام کا نظامِ عدل یورپ کی لعنتی جمہوریت کے خراد پر چڑھا رہا ہے۔

یہ اور اس طرح وہ تمام باتیں جو امتِ مسلمہ، ابراہیمی ملت کے رشتۂ اتحاد "ملت" کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ اسلامی سربراہوں کے غور و فکر کا مرکز نہ بن سکیں تو نہ مسائل ختم ہو سکیں گے نہ بیماری کا علاج ہو سکے گا۔ عالمِ اسلام کو جلد یا بدیر محض اعزاز و اکرام کے طور پر ہی کسی مرکزی شخصیت اور مرکزی لیڈر کے بارہ میں بھی سوچنا پڑے گا۔ جو خلیفہ اور خلافت ختم ہونے سے پیدا ہونے والی خلا کی کچھ تو تلافی کر سکے اور مسلمانوں کی مرکزیت کا ذریعہ بن سکے۔

عربی زبان کی اشاعت و فروغ اور اسے باہمی اتحاد کا ایک بنیادی ذریعہ قرار دینا بھی وقت کے اہم تقاضوں میں شامل ہے۔ یہ اور اس طرح کی بے شمار چیزیں عالم اسلام کے لئے باہمی اتحاد کا ذریعہ بن سکتی ہیں جو پائدار، مستحکم اور غیر فانی ولازوال ہو۔

ہماری دعا ہے کہ لاہور کی بین الاقوامی کانفرنس اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ مثبت نتائج کا ذریعہ ثابت ہو اور نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام اس کی برکات سے مالا مال ہو اور خدا اسے دشمنوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھ کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر دے۔ آمین — وما ذالک علی اللہ بعزیز ——— (فروری۔ مارچ ۷۴ء)

علاقائی اور لسانی عصبیت

حیدرآباد پر کیا گزری مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئے، جل گئے اور لٹ گئے اس سے پہلے ڈھاکہ میں ملکی اور غیر ملکی کے نام پر بھی کچھ ہوا۔ ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید۔ پاکستان جس نام پر بنا تھا۔ اس کے لئے مہاجرین نے گھربار اور عزت و عصمت لٹائی اور انصار نے سب کچھ نثار کر دیا مگر ۲۲ سال میں وہ چیز سامنے تو کیا آتی پس پردہ ڈال دی گئی۔ نتیجہ وہی ہوا کہ پاکستان ناکام بدترین ریت کا تودہ ثابت ہونے لگا۔ اگر دعوے اور عمل میں تضاد نہ ہوتا اور قول میں سچائی ہوتی تو پاکستان اور اسلام کا ایک عظیم قلعہ ثابت ہوتا۔ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء، مگر اب تو اس کی عمارت علیٰ شفا جرف ھار (کھائی کے گرتے ہوئے کنارے) پر دکھائی دیتی ہے کروڑوں مسلمانوں نے ملک و وطن کو خیرباد کہا۔ ادھر کی ہجرت کی اب بنگال انہیں ٹکنے نہیں دیتا۔ سندھ انہیں مار رہا ہے۔ سرحد پر پختونوں کا دعوٰی ہے۔ پنجاب پہلے سے گمان سے تو ایسا ہے پاکستان پہ لٹ مرنے والوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ مگر اب تک اس کی پاداش میں حیدرآباد اور گجرات میں جل رہے ہیں اور جو ادھر آئے اب علاقائی قومی اور لسانی عصبیت کی نذر ہو رہے ہیں

اتحاد کا ارضی نہیں سماوی نسخہ

قرآن نے تو اتحاد و یگانگت کا ایک ہی نسخہ تجویز کیا تھا کہ وہ ہیں اسلام اور دین کے علائق، مگر وہ رسّی تو اپنے ہاتھوں سے کٹتی چلی گئی۔ اب روئے زمین کی کوئی طاقت، کوئی مادی سہارا، کوئی خوشنما اقتصادی پروگرام اور کوئی دلکش علاقائی اور قومی نعرہ اس کی شیرازہ بندی نہیں کر سکتا۔ قرآن نے اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم کہ اگر تو دنیا کا ہر مادی قرینہ، منصوبہ اور نعرہ کام میں لگا دیتا، تب بھی انہیں یکجا نہ کر سکتا۔ یہ تو صرف اللہ نے انہیں (دین اور اسلام) کی رسّی سے باہم جکڑ دیا ہے۔ اب جب رسول کے بس کی بات نہ تھی کہ دنیا اور اس کے سارے وسائل لے کر بھی اپنی امت کو یکجا کر دیتے ہیں جب تک اس کا ذریعہ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو نہ بناتے تو موجودہ دور کے علاقائی، اقتصادی اور سیاسی نعرہ بازیوں کا نتیجہ موجودہ ہولناک مثالوں کے سوا اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے

(جنوری سنہ

مسلمان اپنی مردم شماری میں اوروں کے دستِ نگر

اخبارات میں مسلمانوں کی کل تعداد کے بارہ میں پھر بے سر و پا قسم کی خبریں آئی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد کو دنیا کی کل آبادی تین ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ میں سے صرف پچاس کروڑ چوراسی لاکھ چوہتر ہزار بتلا کر اسے چھٹے نمبر پر دکھایا گیا ہے جبکہ عیسائیوں کی مرکزی ویٹی کن سے شائع شدہ ان اعداد و شمار میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ بتلائی گئی۔ یورپی اقوام کے علمی اور تحقیقی کام بھی سیاست اور خود غرضی سے متأثر ہوتے ہیں۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی یہ تعداد اصل تعداد سے بہت کم دکھائی گئی ہے۔ جس سے مقصود مسلمانوں کو عددی لحاظ سے مرعوب اور احساسِ قوتِ برتری سے محروم کرنا ہے۔ تاکہ یورپ کی برتری اور تفوق کا غلط تصوّر اس کے استعمار و استحصال کی راہ کھولے رکھے۔ کچھ عرصہ قبل ایک مسلمان رہنما امیر شکیب ارسلان مرحوم نے اپنے حد تک تحقیق کر کے اس عیاری کی قلعی کھولی تھی۔ اور ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ارب ہے، پھر شائع ہونے والی خبریں خود بھی متضاد ہوتی ہیں، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

کے اخبار کوہستان میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان بتلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی کہ اپنے اعداد و شمار تک کے کام کی توفیق بھی خود انہیں نہیں ہو سکتی اور غیروں کی تخمینات پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ کیا سعودی عرب کی رابطہ عالم اسلامیہ یا مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ مسلمانوں کی کچھ رہنمائی کر سکے گی؟

اسلام اور امن وسلامتی

تاشقند کانفرنس بخیر و خوبی منعقد ہوئی اور دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات اور امن و سکون کی بحالی کے اعلان پر ختم ہوئی۔ امن و سلامتی اور باہمی صلح و خیر سگالی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ پھر مسلمان جس کے دین و کلچر کی بنیادیں ہی امن و سلامتی پر استوار کی گئی ہیں جس کا مذہب امن و سلام کا علمبردار اور ظلم و فساد، تباہی و بربادی کی ظلمتوں میں سرگرداں انسان کے لئے ابدی سکون و چین پیغامبر بن کر آیا۔ تمام مذاہبِ عالم میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے۔ کہ اس کے مذہب کا نام اسلام و ایمان (سلامتی اور امن) رکھا گیا اور اس کے پیرو کو مسلم اور مؤمن (سلامتی اور امن دینے والا) کے پیارے ناموں سے پکارا گیا۔ پھر وہ نہ صرف بے چین انسانیت کو اس کی فانی زندگی میں صلح و آشتی کے پرسکون لمحات سے نوازتا ہے بلکہ حقیقی اور غیر فانی زندگی کی دائمی مسرت و شادمانی کا بھی ضامن ہے۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن کے بارے میں بھی تعلیم دی گئی ہے کہ فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اگر یہ لوگ صلح پر مائل ہوں تو تو بھی مائل ہو جا اور اللہ پر بھروسہ کئے رکھ) تو ظاہر ہے کہ اسلامیانِ پاکستان کو اس اعلان سے کتنی خوشی ہوگی۔ اور امن و سلامتی عزیز رکھنے کے لئے اس قوم کے جوش اور ولولوں کا کیا عالم ہوگا۔

صلح و امن کا موقع و محل مگر امن و سلامتی سے محبت کے باوجود اسلام و ایمان کا علمبردار ایک مؤمن و مسلم امن و سلامتی، تحمل و رواداری کا پرچم تب لہراتا ہے۔ کہ اس کے غصب کئے گئے

حقوق واپس کر دیئے جائیں - اور اس کے پیدائشی بنیادی حقوق سے نہ کھیلا جائے اور جب تک دنیا کے کسی کونے میں اس کے عظیم مسلم خاندان کے کسی حصہ کو امن وسلامتی کی نعمت سے محروم کر کے استبداد و غلامی میں جکڑا جائے گا۔ تو ایک مسلمان اللہ کی تلوار بن کر اس تک نیام میں نہ ہوگا۔ جب تک ملتِ مسلمہ اپنے مجبور و بے کس بھائیوں کو ان کا پیدائشی حق امن وسلامتی، آزادی و حق خود ارادی نہ دلا دے۔ اس کی نگاہ میں قومی عزت و خودداری اور ملی وقار سب سے مقدم چیز ہے

باب ۱۶

پاکستان کا سیاسی و آئینی بحران

اسلام کی ایک تجربہ گاہ کفرانِ نعمت کی زد میں

وطنِ عزیز مملکتِ اسلامیہ پاکستان آج جن حالات سے دوچار ہے اس کی سنگین نزاکتوں کو سوچتے سوچتے قویٰ ماؤف اور حواس بجا طور پر معطل ہو جاتے ہیں، پاکستان اسلام کے نام پر تمام مادی، وطنی، علاقائی اور جغرافیائی جذبات اور احساسات کو قربان کرنے کی سب سے بڑی مثال تھی اور گزشتہ کئی صدیوں میں اسلام کے نام پر اس کے نام لیواؤں کی مال، جان اور عزت و آبرو کی سب سے بڑی قربانی، ذرا سوچئے تو پچھلے دو سو برس سے ہمارے اسلاف نے غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ آزادی ان لامثال قربانیوں کا صلہ تھی جس کی صبح کے انتظار میں ان گنت ستاروں کا خون ہو چکا تھا — مگر اتنی عظیم نعمت کا ہم نے کیا شکریہ ادا کیا —؟ ہم نے قدرت کی دی ہوئی اس عظیم الشان نعمت کی ہر طرح اور بڑی بے دردی سے ناقدری کی، اخلاق، سیاست، معاشرت، تمدن، معاشیات اور تعلیم و تہذیب وہ کون سا میدان تھا جس پر ہماری شکر گزاری کی پرچھائیں تک پڑ چکی ہو۔

آزادی کے بعد غلامی ہم نے آزاد ہوتے ہی منزلِ مقصود سے منہ پھیر لیا اور نتیجہ میں ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ کے چوراہے تک پہنچ گئے — ہم نے غلامی سے نجات پا کر خدائے حی و قیوم کے بتلائے ہوئے راستوں کو چھوڑا اور بنی اسرائیل کی طرح اجعل لنا الٰہاً کما لھم آلھۃ۔ کا نعرہ لگایا اور اپنی آس امریکہ، برطانیہ، روس، چین سے لگا بیٹھے۔ اسلامی نظریہ چھوڑ کر باقی ہر لحاظ سے جس ملک کا خمیر اور تانا بانا افتراق اور انتشار کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا، اسے ہم ایمانی رشتوں اور اسلامی بندشوں سے ہی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا سکتے تھے مگر ہم نے اس ایمانی زنجیر پر کتنی کاری ضربیں لگائیں اور بالآخر یہ ظلم اور ناقدری

فلسفۂ عروج وزوال اقوام کے عین مطابق او یلبسکم شیعاً ویذیق بعضکم بأس بعض کی شکل میں سامنے آگئی ؎

گندم از گندم برآید جو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت —— اِنَّ بطش ربک لشدید

خداوند کریم کا اعلان ہے کہ شکر گزاری مزید انعامات کا سبب بنتی ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔

مگر آہ! حرمان نصیبی کہ جو سرزمین اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ —— معمل —— اور اقوامِ عالم کے لئے اس مادیت زدہ دور میں ایک مثالی عادلانہ ریاست بن سکتی تھی وہ ہماری مقصد فراموشیوں کی وجہ سے آج تماشا گاہِ عبرت بن گئی ہے۔ اور ناشکری کا وبال سامنے نظر آنے لگا ہے۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

قرآنی فلسفۂ عروج وزوال لوگ ان حالات کے اسباب اور محرکات ظواہر میں ڈھونڈھتے ہیں، مگر مسلمان کی نگاہ ظاہر سے زیادہ باطن پر رہنی چاہیئے —— مسلمان قوم اگر کھوج لگانا چاہے تو قرآنِ کریم کا فلسفۂ عروج وزوال ایک کھلی ہوئی اور بولتی ہوئی حقیقت اس کے سامنے رکھ دیتی ہے —— آزادی کے بعد کیا فرد اور کیا معاشرہ، کیا رعایا اور کیا حاکم، کیا قوم اور کیا لیڈر، سب کا ضمیر احساسِ امانت سے عاری ہو گیا اور جس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمران طبقے پر رہے گی۔ الناس علیٰ دین ملوکھم۔

نااہل قیادت صحیح قیادت جو کبھی مسلمانوں کو میسر تھی وہ مفقود ہو گئی اور اور دیانت دار قیادت کی جگہ جذباتیت اور بددیانتی نے لے لی۔ پُرفریب نعروں سے اقتدار کی ہوس رکھنے والوں اور عوام کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والوں نے خالی میدان پر شبخون مار کر اپنی لیڈری کی دوکان آراستہ کر لی اور قوم کو اس گھاٹ تک پہنچایا فاوردھم النار وبئس الوِردُ المَورُودُ —— قوم نے انتخابات میں دونوں حصوں میں جو فیصلہ کیا وہ ایسی قیادت کا ایک ہولناک اور

غیر طبعی ردِ عمل تھا۔

قیامِ پاکستان اور بزرگوں کے اندیشے ہمارے علمی، اخلاقی اور فکری اخلاص امانت، دیانت، تدبر، اخلاص اور عمل سے عاری گھناؤنی تصویر کو دیکھ دیکھ کر کچھ اللہ والوں نے ایمانی فراست سے موجودہ نقشہ قائم کرنے کی اگر مخالفت کی تھی تو وہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی ہرگز مخالفت نہ تھی۔ بلکہ شاید ان کی عقابی نگاہیں ایمان کی روشنی میں ہمارے موجودہ کردار اور اطوار کو بھانپ گئی تھیں۔ پھر ان کے جو اندیشے اور خدشے تھے کیا ایک۔۔ ایک کفلق الصبح الصادق[1] نہیں ہوئے؟۔ آج مقبوضہ کشمیر کے وزیرِ اعلیٰ جی ایم صادق کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ "دو قومی نظریہ ایک فریب تھا۔" اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں اب جو واقعات پیش آ رہے ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہم نے بھارت سے اپنی قسمت وابستہ کر کے انتہائی صحیح فیصلہ کیا تھا — کاش! ہمارے پاس عمل کی دنیا میں آج ایک ایسی قوت ہوتی کہ اتنا تلخ طمانچہ لگانے پر اس کے ہاتھ کاٹ سکتے۔ ہم اس کی زبان نوچ کر دنیا کو سمجھاتے کہ دیکھئے دو قومی نظریہ ایک زندۂ جاوید حقیقت ہے۔ اور ایسی حقیقت کو جھٹلانے والے کتنے عیار ہیں۔ مگر آہ! ہم جواب دیں تو کیا۔ اور ان حالات تک پہنچاتے ہیں خراجِ تحسین پیش کریں تو کس کو — صحیح جواب تو تاریخ دے سکے گی کہ دو قومی نظریہ ایک فریب تھا یا حقیقت —

پاکستان کی حُرمت مگر اب پاکستان بن چکا ہے تو ہم اسے ایک زندۂ جاوید حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے کعبہ و قبلہ کی طرح محترم ہے، ہم اس کی کسی ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے الگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے، مسلمانوں کے خون اور

---

[1] صبح کا پو پھٹنے کی طرح۔

ہڈیوں سے تعمیر کی گئی یہ مسجد مقدس کب تخریب اور بربادی کی روادار بن سکتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہم پاکستانی ہیں، جو لوگ اس نعمتِ خداوندی کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے وہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے قاتل بننا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے ہیں اور پاکستان ہمارا۔ اس کی حفاظت اور بقا کے لئے اپنی ہر متاع قربان کرنا ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔

سالمیت اور بقا کا راستہ

اور یہ صرف اور صرف اس لئے کہ یہ کروڑوں مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کی حاکمیت کے نام پر حاصل کی گئی سرزمین ہے اور جب تک یہاں اللہ کی حکمرانی قائم نہیں ہو گی۔ پوری قوم کا اجتماعی ضمیر مردہ رہے گا۔ دنیا کی قومیں ہماری مقصد فراموشی کا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ ہم اللہ کے ہاں اپنی مسؤلیت سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے۔ ہماری یہ مصیبتیں عافیت اور راحت سے نہیں بدلیں گی۔ اگر ہمیں لوٹنا ہے تنزل سے ترقی اور افتراق سے اتحاد کی طرف تو اللہ کی اسی رسی کو مضبوطی سے تھام کر ہی اپنی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں جیسے تھام کر ہم نے پاکستان کو پایا۔ آج اگر اسے بچانا ہے تو اسی سبق کی طرف لوٹ جاؤ۔ پناہ صرف اللہ کے دامن میں مل سکتی ہے۔ آج ہماری حالت علیٰ شفا حفرۃ من النار کی ہے۔ کاش! یہ حالات ہمارے لئے سبق بن سکیں ـــــ خاکم بدہن اگر ہم نہ سنبھلے اور ہمارا رہا سہا شیرازہ بکھر گیا تو پاکستان کی تباہی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کی سب سے بڑھ کر تباہی ثابت ہو گی۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال، مسجدِ اقصیٰ کے سقوط اور فتنۂ تاتار و ہلاکو سے بڑھ کر ـــــ المیہ! اس لئے کہ بظاہر اس کے بعد برصغیر کے تقریباً بائیس کروڑ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ گاہ نہ مل سکے گی اور اسلامی دنیا کے نقشہ پر کسی اور اسپین اور روسی ترکستان کے دھندلے اور مٹے ہوئے نقوش ابھر آئیں گے ولا نعلمها اللہ ھذٰلک۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ آج پھر قرآن کریم ہم سب کو مشرق اور مغرب کے ہر باشندے کو بانگِ دہل

کبہ ربانے وما اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔ یہ چند بے ربط اور نا تمام درد انگیز نالے ہیں جو آج کی فرصت میں پیشِ قارئین کئے گئے ؎

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل و ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

ربنا لا تؤاخذنا بما فعل المترفون والسفہاء منا ان ھی الا فتنتک۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃً للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من ھذا الکرب العظیم۔ (اپریل ۱۹۷۱ء)

نقضِ میثاق

جس ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے ہم نے اللہ سے ایک الگ خطہ مانگا تھا اور جس کے لئے اپنے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو شہید کرایا۔ ہزاروں عصمتیں لٹوائیں۔ کروڑوں گھر اجاڑے اور تقریباً سات کروڑ مسلمانوں کو ظالم اور سفاک ہندو کے رحم و کرم پر زندہ درگور چھوڑ کر پاکستان چلے آئے اور جس کی پاداش میں اب بھی بھارت کی گلیوں کوچوں میں بہنے والا خونِ مسلم پانی سے زیادہ فراوان و ارزاں ہے وہ مقصد کوئی جغرافیائی یا وطنی اور معاشی ہرگز ہرگز نہ تھا۔ جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ اجڑنے اور لٹنے والے ان عاشقانِ پاک طینت کے ارواحِ طیبہ کا منہ چڑا رہے ہیں جنہوں نے پاکستان کے مطلب یعنی لا الٰہ الا اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ اپنی معصوم اولاد کو تہ تیغ ہوتے دیکھا۔ بہنوں، بیٹیوں، ماؤں کی عصمتوں کے آبگینے ان کے سامنے چور چور ہوتے رہے۔ مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی بلکہ جوش اور ولولے اور تیز ہوتے گئے۔ اس لئے کہ ان کا منزل اور مقصد ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جہاں حاکمیت صرف خدا اور اس کے رسول کی ہوگی۔ وہاں کی معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن اور حاکمیت و سیاست شریعتِ محمدیہ کی ترجمان ہو گی وہاں ظلم و استبداد اور استحصال کا نہیں بلکہ عدالتِ فاروقیؓ، سیاستِ صدیقیؓ، استغناءِ عثمانیؓ،

اور زہد و قناعت مرتضویؓ کا دور دورہ ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے ہمیں وہ سرزمین دے دی، جو مقصد نہیں بلکہ حصولِ مقصد کا وسیلہ تھا۔ مگر ہم نے اللہ تبارک و تعالےٰ کی اس عظیم ترین نعمتِ آزادی کو جس بے دردی سے پامال کرتے ہوئے جس ناشکری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر فرعون کے ظلم و ستم سے نجات پانے والے اسرائیلیوں کے علاوہ اقوامِ عالم میں کہیں اور نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے گوسالہ پرستی کی، ہم نے نفس اور خواہشات میں مغلوب ہو کر ان گوسالہ پرستوں کی ملعون تہذیب و تمدن (تہذیبِ مغرب) کو اپنا معبود و مقصود بنا لیا۔ اور اس راہ میں تہذیبِ اسلامی اور اخلاقِ ایمانی کی ہر رکاوٹ کو سنگِ گراں سمجھ کر راستہ سے ہٹانے کی سعی کی۔ شعائر اللہ کی توہین، اسلامی اقدار سے فرار، منکرات کی ترویج، معروفات پر پابندی، اسلام کے نظامِ عدل و انصاف سے گریز، غرض وہ کون سی بات ہے جو ۲۳ سال کے اس طویل عرصہ میں ہمارے سیاست دانوں اور برسرِ اقتدار ٹولوں کا مشغلۂ شب و روز نہیں بنی۔

اتنا طویل عرصہ بہت بڑی مہلت ہے جو خداوندِ کریم نے اس خود فراموش اور خدا فراموش قوم کو دیا۔ اتنے ہی عرصہ میں اس قوم کے آقا اور مولیٰ نبیؐ عربی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوری دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ جاہلیت کے اندھیرے عدل کی روشنی میں بدل گئے تھے اور انسانیت کو قعرِ مذلت سے اٹھا کر اوجِ کمال تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اتنے ہی عرصہ میں انسانیت کو خداوندِ کریم نے کتاب و سنت کی شکل میں شریعتِ بیضاء کی ایک ایسی دولت دی جو قیامت تک اس کی ہر مصیبت کا مداوا ہر پریشانی کا حل اور ہر مشکل کا جواب بن سکتی ہے۔ یہ نسخۂ کیمیا بحیثیت مسلمان اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غلام ہونے کے ہمیں بنا بنایا مل گیا۔ ہم چاہتے تو ایک ہی سال میں اس کی روشنی سے اپنے نوزائیدہ حکومت کو اقوامِ عالم میں ایک بلند ترین مثالی اور معیاری نمونہ کے طور پر پیش کر سکتے تھے۔ آج وہ نہ صرف بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے لیے ایک خدائی حصار ثابت ہوتا بلکہ عالمِ اسلام کے کسی بھی گوشہ

یہاں ظلم و عدوان کے شکار مسلمان بھائی اتنے خائف اور انسانیت دشمن طاقتوں کے لئے ایک چیلنج بنتے۔ وہ نہ صرف یہود کی شرارتوں کا جواب اور قبرص کی مصیبتوں کا علاج ہوتا۔ بلکہ پورے ایشیا کی انسانیت اس کے سہارے سکھ اور چین کا سانس لے سکتی۔ کیا شریعت محمدیہ کے اسی الہامی نسخہ نے اپنی یہ جولانی تاریخ کے مختلف ادوار میں نہیں دکھائی۔۔؟

مگر ہم نے کیا کیا ——؟ ہم دغا باز ظالم اور منافق کے ذہنی بتوں پر لبیک کہتے رہے اور اسے اقتدار اور آئین کے نام پر نظریاتی ذلت اور خود فریبیوں کا تماشا دنیا کو دکھاتے رہے۔ ہم نے ظالم کو ظلم کا موقع دیا اور اپنے ہاتھوں شریعت محمدیہ آئین اسلامی کے اجراء اور نفاذ کی امیدوں کا ایک ایک چراغ بجھانا چاہا —— مگر ہمیں اس کی سزا ابھی کچھ ملی نہیں ہے اور قدرت نے ہماری بے سروسامانی پر رحم کھا کر ہمیں بہت بڑی مہلت دی ہے —— (اگست ۷۰ء)

سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات یا نہر طالوت

بحمد اللہ ملک میں پہلی دفعہ آزادانہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات مکمل ہوئے اور قومی و صوبائی اسمبلیاں تشکیل پذیر ہوئیں۔ قوم نے جیسے سمجھا اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ انصاف کی حدود کو قائم رکھنے میں موجودہ حکومت کافی حد تک کامیاب رہی۔ اور اس طرح اس نے پاکستان کی تاریخ میں ایک اچھا نمونہ قائم کر دیا۔

انتخابات اور قوم کے جذباتی جاہلانہ فیصلے قوم کی اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اس کی بھلائی یا برائی بھی جلد سامنے آجائے گی۔ اس فیصلہ کے محرکات اور اسباب نہایت گہرے اور معین تھے۔ مگر جو راستہ اختیار کیا گیا اس میں شک نہیں کہ قوم کی اکثریت نے اس سلسلہ میں جذباتی پن اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے، پریشانی، تذبذب، ذہنی انتشار اور مشکلات کے جس چوراہے پر ہم کھڑے ہیں خود غرض سیاست دانوں نے

اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور ایک سنہری زندگی کے نشہ میں مخمور کر کے جس طرف چاہا مسلمانوں کو دھکیل دیا۔ حالات اور حرکات ہر لحاظ سے اصلاح طلب تھے، مگر بیماری کا علاج جس نسخہ میں ڈھونڈا گیا ہے اس کی ہلاکت آفرینی بھی جلد آشکارا ہو جائے گی۔[1] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس طرح پورے معاشرے پر ایک بھرپور تازیانہ لگایا ہے۔ اور ظاہری سیلاب کے جزرو کی لپیٹ میں مشرقی پاکستان چند دن قبل آ چکا تھا انتخابات کی شکل میں ایک روحانی اور فکری سیلاب آیا اور غور و تدبر اصابت رائے، سنجیدگی اور متانت کے تمام آثار کو بہا کر لے گیا۔ مگر یہ فیصلہ جتنا جذباتی اور عاجلانہ ہے اتنا پریشان کن نہیں کہ حالات سدھرنے سے مایوسی اختیار کی جائے سطحی فیصلے اور جذباتی نعرے بہت جلد اپنی اصلی شکل میں اُجاگر ہو کر تدارک اور تلافی کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہاں کی اکثریت ہر حال میں اپنی نجات اور کامیابی کا راستہ وہی سمجھ رہی ہے جسے چودہ سو سال قبل نبی امی علیہ السلام نے روشن فرمایا ہے۔

منافقانہ کردار اور قیادت یہ شکست اس عقیدہ اور نظریہ کی نہیں ہے، جس پر مسلمانوں کے دین اور ملت کی عمارت اٹھائی گئی ہے اور اگر فتح ہے تو اس اختلاف و انتشار کی جسے قوم کے رہنماؤں نے اپنا شیوہ بنائے رکھا، ان کھوکھلے نعروں کا جو عمل سے ہم آہنگ نہ تھے۔ ان منافقانہ دعوؤں کی ہے جس سے کردار جوڑ نہیں کھا رہا تھا، جن لوگوں نے ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں اسلام اور مسلمانوں کو مشقِ ستم بنا کر اس موڑ تک پہنچا دیا تھا، ان کے منہ سے اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نعرے نہیں جچتے تھے۔ قوم نے اگر انتقام لیا ہے تو ایسی منافقانہ قیادت سے، اور بغاوت کی ہے تو ایسے پیشہ ور سیاست دانوں اور آزمائے ہوئے قائدین سے۔ بے شک قوم کے سامنے اسلام اور یقین کی روشنی بھی رکھی گئی، مگر دوسری طرف ایسے نعرے

---

[1] اور صد افسوس کہ نتائج کا یہ تلخ ترین جام پوری قوم کو بہت جلد ہی پینا پڑا (س)

تھے جو نہایت جاذب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ملمع چڑھانے کی وجہ سے دو آتشہ تاثیر رکھتے تھے۔ حقیقت ایک بار پھر نگاہوں سے چھپ گئی اور قوم ظلم و عدوان کے ایک اندھیرے سے نکل کر نئی تاریکی میں ڈوب گئی۔

تاریکی کے یہ بادل چھٹ سکتے ہیں اور مسلمان بڑی آسانی سے اپنی لیلائے مقصود اسلامی نظامِ حیات سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اسلامی درد رکھنے والے طبقے اور ملک و ملت کے خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے لیڈر اب بھی کچھ سبق سیکھ لیں اور جن اسباب نے ناکامی کا منہ دکھایا ہے اس کی اصلاح اور تلافی کے لئے اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لی جائیں اگروہ اتحاد و یگانگت، خلوص و للہیت، ایمان و یقین اور عمل و اخلاص کا ہتھیار لے کر ایک بار پھر میدان میں کود پڑے تو دیکھیں گے کہ پوری ملت ان کی دعوت پر لبیک کہہ رہی ہے۔

انتخابات ۱۹۷۰ء یا نہر طالوت اس انتخاب کی حیثیت ایمان و یقین کے لئے ایک نازک ترین آزمائش کی تھی۔ بہت سے لوگ اور جماعتیں اس سے سرخرو ہو کر نکلیں اور کافی لوگ اس نہر طالوت میں ڈگمگا کر پھسل گئے۔

علماء حق کی مخلصانہ کوششیں ہمیں خوشی ہے کہ علماء کرام کی ایک عظیم نمائندہ جماعت اور طائفہ حق جمعیۃ العلماء اسلام اس امتحان میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر مردانہ وار میدان میں کود پڑی اور دعوتِ حق، اعلاء کلمۃ اللہ اور تواصی بالصبر والحق کا حق ادا کر دیا۔ الیکشن کے مختصر عرصہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کے رضا کاروں اور اس سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں نے جس بے جگری، پامردی اور استقامت کے ساتھ دین کی آواز اور اسلامی آئین کی قدر و قیمت و اہمیت ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچائی اس کا عشرِ عشیر بھی پاکستان کی طویل زندگی میں نہیں ہو سکا سخت آزمائشوں، مقابلوں اور اپنوں پرایوں کی ستم کاریوں کا خندہ پیشانی اور صبر و حوصلہ سے سامنا کر کے اپنے مشن کو عوام تک پہنچایا اور اس طرح دنیا و آخرت میں فرض کی ادائیگی اور اللہ کی بارگاہ میں سرخروئی کا سامان کر کے اپنے اکابر کی نیابت کا حق ادا کیا گیا۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں ——

ویفعل اللہ ما یشاء مگر جس دین کے یہ لوگ منادی تھے اس کے ہادی و رہبر نے ہمیں سبق سکھایا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کوئی عمل، کوئی قول اور کوئی محنت ضائع اور رائیگاں نہیں جاتی۔ اور الحمد للہ کہ ظاہری لحاظ سے بھی آج جمعیۃ کے اکابر ناکام نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے کے لئے بہت سے ممتاز اور اکابر علماء ایوان اقتدار میں پہنچ کر لا الٰہ الا اللہ کی اذان کے لئے کمربستہ ہیں، سارے مسلمانوں کی نگاہیں ان پر لگی ہیں اور آس بندھ گئی ہے۔

۱۹۷۰ء کا معرکۂ حق و باطل اور ہمارے اکابر

قانون ساز اسمبلی کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کو دیکھ کر بہت سے ایسے اکابر علماء بھی اس خارزار میدان میں کود پڑے جو بظاہر درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، اصلاح و ارشاد کے مشاغل میں سخت مصروف اور اس میدان سے کوسوں دور تھے۔ مگر وقت کی آواز تھی کہ جس فریضہ کی ادائیگی مسجد و محراب، مدرسہ و خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں ہو رہی ہے۔ اب اس کی ادائیگی کے لئے حق و باطل کی رزمگاہ میں بھی کودنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث، ماہنامہ الحق کے سرپرست حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ بھی دیگر اجلّہ اکابر کی طرح ضعف اور گوناگوں علمی و دینی مشاغل کے باوجود اکابر کے اصرار اور مسلمانوں کے پیہم تقاضوں اور دینی مسئولیت کی بناء پر مجبوراً آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخاب میں شامل ہونے پر آمادہ ہوئے۔ حالات جیسے بھی پیش آئے اور مقابلہ بیک وقت کئی محاذوں پر جتنا بھی شدید ہوا، مگر اسباب و وسائل کی کمی کے باوجود خداوند قدوس نے اپنے دین کی لاج رکھ لی۔ اور بحمد اللہ عزّوجل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ عظیم اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں مقابلہ جتنا نازک تر ہوتا جا رہا تھا حلقۂ انتخاب کے غیور مسلمانوں کی اکثریت کا جذبہ مومنانہ، اخلاص و محبت اور ہر قسم مادی تعلقات کی قربانی اور ایثار بھی اتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا جو یقیناً بارگاہِ ایزدی سے صد ہزار تبریک و تحسین کا مستحق بنے گا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا محض اللہ کی رضا کے لئے اور نہ صرف اسی حلقہ میں بلکہ شمال مغربی سرحدی علاقہ کے اکثر غیور اور دیندار مسلمانوں

نے اسی جذبہ سے ہر تحریک ہر نظریہ اور ہر دلفریب نعرہ کو ٹھکرایا اور علمائے حق کی آواز پر لبیک کہہ کر پورے پاکستان کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔

نازک اور محتاط ذمہ داریاں

الحمد للہ کہ جمعیۃ العلماء اسلام کے ان بزرگوں کو خدا نے ایوانِ اقتدار میں اسلامی آئین کے لئے جدوجہد اور حق کی آواز بلند رکھنے کا ایک زرّین موقع عطا فرمایا ہے۔ مگر جس صورت میں قانون ساز اسمبلی تشکیل پذیر ہوگئی ہے ایسے ہوتے ہوئے معاملہ نہایت نازک دکھائی دیتا ہے۔ اور ان حضرات کو نہایت حزم و احتیاط، تدبّر اور مؤمنانہ فراست سے قدم اٹھانا اور آئین کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں اور ان کی متحد جماعتوں اور نمائندوں کو اعتماد میں لینا ہوگا۔ عظیم تر مفاد اسلامی آئین کی خاطر فروعی اور جزوی یا وقتی اختلاف سے بھی درگزر کرنا پڑے گا۔ اسمبلی سے باہر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور جماعتوں کو بھی بلا کسی تعصّب و تحزّب کے ان حضرات کی پشت پناہی کرنا ہوگی۔

توقع ہے کہ جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابر علماء کرام اور دیگر اسلامی جماعتوں کے نمائندوں سے مشورہ کے بعد اسلامی آئین کا جو مسودہ اسمبلی میں پیش کریں گے اسمبلی میں غالب اکثریت حاصل کرنے والی جماعتیں بھی اس مسودہ کی بھرپور حمایت کریں گی۔ ورنہ ان کی اسلامیت اور اسلامی نعروں کی قلعی عوام پر کھل جائے گی۔ اور اگر کوئی ایسا آئین و دستور قوم کے سامنے رکھا گیا جسے اسمبلی میں پہنچنے والے ملک کے ان معتمد جید اور ممتاز علماء کی تائید حاصل نہ ہو سکی ہو تو مسلمانوں کی اکثریت اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہ کر سکے گی۔ ہم ان تمام اکابر علماء کے اس عظیم ذمہ داری کو نباہنے کے لئے دست بدعا ہیں۔ اور ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ مبارکباد میں شریک ہیں اور بارگاہِ ایزدی سے متوقع ہیں کہ اسمبلی کی بہت بڑی اکثریت میں اہلِ حق کی اس مختصر جماعت کو سارے ایوان پر بھاری بنا کر اپنے ارشاد کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ۔ کا مصداق بنا دیں گے۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔۔۔

(جنوری ۱۹۷۱ء)

امتحان اور آزمائش

—— اس وقت جب کہ بدقسمتی سے وطن عزیز نظریاتی اور فکری انتشار کے ایک چوراہے پر کھڑا ہے۔ ۷۰ء کے انتخابات کا یہ سنہری موقعہ اپنے جلو میں خطرات کا ایک طوفان بھی لئے ہوئے ہے، ان حالات میں ملک و ملت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی ایک نازک ترین ذمہ داری ہے جسے ملک کے تمام ارباب سیاست معاملہ فہم قائدین، ذی شعور عوام بالخصوص عظمت اسلام کے علمبردار علماء اور اسلام کے نام لیوا تمام مسلمانوں کو نباہنا ہے۔ نمائندہ حکومت کے قیام تک کا یہ عرصہ ان تمام لوگوں کے اخلاص، تدبر، سیاسی شعور اور ملی و دینی جذبات کے لئے امتحان اور آزمائش کا وقفہ ہے۔ ایسا وقفہ جو قوموں کی تاریخ میں بار بار نہیں آیا کرتا۔ ملک و ملت کی بھلائی کا واقعی معنوں میں ہمیں کتنا فکر ہے؟ عوام کے بنیادی مسائل، ان کے دکھ درد، افلاس، بیماری اور دیگر بنیادی حقوق کا ہمیں کتنا احساس ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں دین کے اعلاء، اللہ کے احکام و فرامین کی سربلندی اور اجراء ہمیں کتنا درد ہے؟ اور ہمارے سیاسی و ملی بلند بانگ دعوے کس حد تک حقیقت سے ہمکنار ہیں؟ اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو پچھلے بائیس سال سے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن چکی ہیں، اس انتخابی عرصہ میں ان کا واضح اور دو ٹوک جواب دنیا کے سامنے رکھنا ہے اور ان سوالات کے جواب پر ہمارے مستقبل کی تعمیر یا تخریب کا دار و مدار ہے۔

آج قوم کی اکثریت اس درد سے کراہ رہی ہے کہ اس ملک کے قیام کا بنیادی

نظریہ مجروح ہو رہا ہے۔ پاکستان کی سالمیت، نظریۂ پاکستان کا تحفظ اور معاشی عدل و انصاف کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، قوم و ملت کی ایک ایک بیماری اور خرابی کرید کرید کر اس کے لئے نسخہ ہائے شفا تجویز ہو رہے۔ مگر اب یہ فہم و تدبر، ماضی کے تجربات کا شعور اور عاقبت اندیشی اور ملّی و سیاسی سوجھ بوجھ پر ہے کہ ان نسخوں میں زہرِ ہلاہل اور تریاق کی تمیز کریں، مخلص ایثار پیشہ، خیر اندیش سیاست دانوں اور عیّار، منافق، ابن الوقت اور جاہ پسند طالع آزماؤں میں فرق کر سکیں۔ نعرے تو ۲۲ سال سے لگ رہے ہیں اور پاکستان سے قبل بھی ہر طرف دلآویز نعروں کا غلغلہ رہا۔ اور اس ملک میں اسلام، جمہوریت، معاشی مساوات کے حصول کے لئے جتنے نعرے لگائے گئے شاید دنیا کے کسی خطہ میں اس قدر آسمان سر پر اٹھایا گیا ہو۔ مگر مقصد برآری کے لئے ان نعروں کا جتنا خون خود ان نعرہ بازوں کے ہاتھوں یہاں ہوا شاید اس کی نظیر بھی دنیا کے کسی خطہ میں نہ مل سکے۔ سننے والے عوام کے حصہ میں اگر کوئی چیز آئی تو صرف ایک آہِ ندامت یا سکوتِ حسرت و یاس یا پھر وہی غفلتِ مجرمانہ جسے شیوہ بنا کر ہم نے اگلے نو وارد نعرہ بازوں کے لئے تازہ میدانِ مکر و فریب آراستہ کیا۔

قومی تعمیر میں پرجوش پیش قدمی اور شرمناک پسپائی

افسوس اس قوم کی غفلت کیشیوں پر کہ جب اس کے خوابیدہ جذبات جھنجھوڑے گئے تو سالوں کے ظلم و ستم اور مدتوں کے جبر و استبداد کے محلات اس نے ہفتوں اور مہینوں میں پیوندِ خاک کر دیئے ایک وقتی جوش اور ولولہ جب بیدار ہوا تو آگ اور خون کی ندیاں پاٹ کر اسلام کی خاطر اس قوم نے ایک وسیع سلطنت کھڑی کر دی، مگر جب اس کو آباد اور مستحکم کرنے کا وقت آیا تو اس ولولۂ ایمانی کا ہزارواں حصہ بھی اس کی صحیح اسلامی تعمیر میں خرچ نہ کر سکا۔ ہم پرجوش نعروں کی پذیرائی میں جتنے پرجوش ثابت ہوئے تھے ان نعروں کی نظر فریبیوں میں کھو کر حقیقت اور عمل کے میدان میں اتنے ہی کوتاہ ہمت اور پست حوصلہ بن گئے، ہمارے عہدِ زوال و اضمحلال کے سیاہ باب کا عنوان یہی ہے کہ جس جوش اور ولولہ سے ہم میدانِ کارزار میں کودتے ہیں، مقصد سے گریز، فرائض سے غفلت اور ذمہ داریوں سے

فرار میں اس سے بھی زیادہ تیزگام ہو جاتے ہیں ـــــ ماضی کے تلخ تجربات کو یکسر فراموش کر دینا ہمارا شعار اور مستقبل سے آنکھیں بند کر دینا ہماری جبلت بن چکی ہے۔ اور بظاہر (خدانخواستہ) اب اپنی تاریخ کا ایک اور سیاہ ورق اس نئے انتخابی عرصہ میں لکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمیں جس صورت حال کا سامنا ہے بحمد اللہ اسلامی فکر و نظر سے سوچنے اور سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والی اکثریت کے لئے اس سے نمٹنا مشکل نہیں۔ نہ فلاح اور کامیابی کا راستہ سیاسی گورکھ دھندوں میں اوجھل ہو سکتا ہے۔

اسلام کے دو دشمن سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار چند باتیں بالکل واضح ہیں کہ ہم سوشلزم کو کفر و الحاد کی سیڑھی اور کمیونزم کو دین اور ایمان کا قطعی نقیض سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے ہم اسے پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک مہلک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی، نرمی، رواداری یا سیاسی جوڑ توڑ کے روادار نہیں ہیں بلکہ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مغرب کا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام ہمارے تمام معاشی، اخلاقی اور قومی و ملّی بربادیوں کی جڑ ہے اس لئے اس پر ہزار بار لعنت بھیجنا ایمان کا تقاضا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اس لادینی نظام کی پشت پناہ مغربی سامراج سامراج کے ہاتھوں گلشنِ محمدیؐ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ اس نظام کے سب سے بڑے سرغنہ "امریکہ" کے ہاتھوں ہماری ارضِ مقدس فلسطین کی آبرو لٹ رہی ہے، مسجدِ اقصےٰ کے در و بام سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ کی مسجد یہود کے نجس قدموں سے پامال ہو رہی ہے، پوری عرب دنیا مصائب اور آلام ک لپیٹ میں ہے، مگر یہ ذلیل سامراج "امریکہ" طیارہ شکن میزائل فینٹم اور اسکائی ہاک طیاروں سے اسرائیل کی سرپرستی کر رہا ہے، حال ہی میں اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کی پذیرائی کرتے ہوئے صدر نکسن نے ایک ارب ڈالر کا قرضہ دینے کا مزید فیصلہ کیا ہے۔ جب کہ گزشتہ بیس سال کے دوران بیس ارب ڈالر کے قرضے امریکہ سے وصول کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ عرب ممالک کے خلاف اسرائیلی فوج کے نقاب

میں لڑنے والوں کی اکثریت امریکی باشندوں کی ہے جس کی تصدیق یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل نے بھی ۲۴ ستمبر ۱۹۶۹ء کی رپورٹ میں کر دی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہم مغربی سامراج کے ایک ایک نشان کو مٹانا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں —— پھر یہ ملک چونکہ خالص اسلام کے نعرے پر بنایا گیا ہے اس کے لئے دس لاکھ سے زائد معصوم جانیں تہ تیغ ہو گئی ہیں۔ کروڑوں افراد بے گھر ہو گئے ہیں اور کروڑوں اب بھی برہمن سامراج کی تلوار کی زد میں ہیں۔ اس لئے اسلام کے خلاف ہر وہ نعرہ جو ملک کے طبقاتی یا نظریاتی تقسیم اور علاقائی، لسانی یا جغرافیائی شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنے ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

جناح اور اقبال کی آڑ میں لادینیت کا سہارا جو لوگ اس نعرہ سے منہ موڑ کر قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال جیسے اشخاص کی آڑ میں سوشلزم یا مغرب کے کسی اور لادینی نظام کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کے روح اور مشن سے بلکہ ان تمام مسلمانوں کی جانوں اور ان کی عصمتوں سے غداری کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے خون سے اس گلشنِ اسلام کو سینچا تھا۔ اگر قیام پاکستان کی دعوت دینے والے اس قسم کے لادینی نعروں کو لے کر اٹھے ہوتے تو مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی ان کا ساتھ نہ دیتا اس لئے کہ اکھنڈ بھارت کی شکل میں ایسے لادینی خواب بڑی آسانی سے شرمندۂ تعبیر ہو سکتے تھے —— پھر اگر خدانخواستہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ محمد علی جناح اور اقبال جیسے لوگ اسلام کا نعرہ محض سیاست اور ڈپلومیسی کی خاطر لگاتے تھے، اور ان کا واقعی مقصد اس ملک میں سوشلزم یا کسی مغربی نظامِ حکومت کا قیام تھا، تب بھی کوئی مسلمان اپنے ان قائدین کے کسی لادینی نظریہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا، ایسی صورت میں وہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبۂ اخلاص اور دین کے خاطر دی گئی قربانیوں کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لادینی نظریات کو ہزار بار ٹھکرا دیں گے کہ مسلمان قوم کے نزدیک اصل مقام کتاب و سنت کا ہے۔ کسی کے شخصی نظریات کا نہیں۔ اصل معیار اللہ اور

اس کے رسول ؐ کا ہے، اشخاص اور اعاظم رجال نہیں جو لوگ بار بار قائد اعظم ؒ اور علامہ اقبال ؒ جیسے لوگوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے بدخواہ ہیں۔ اور وہ قوم کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت ختم کرنے کے درپے ہیں، انہیں اسلام اور اسلامی اقدار سے نفرت ہے مگر منافقت کی وجہ سے اپنے عزائم کا شکار بڑے لوگوں کی آڑ میں کھیلنا چاہتے ہیں، نظریۂ پاکستان کا مطلب ان کے نزدیک ملاؤں کی حکومت ہے اور "ملایانہ نظام" ہیں انہیں اپنی عیاشیوں اور ستم کاریوں کی موت دکھائی دیتی ہے۔

صحیح فیصلہ کی ضرورت | ہمیں ملک کے تمام مسلمانوں، تمام اربابِ سیاست بالخصوص علماء کرام اور مشائخ عظام سے صرف ایک ہی گذارش کرنی ہے کہ اگر واقعی ہمیں اسلام عزیز اور اسلام کا عادلانہ نظامِ حکومت اور پاکیزہ معاشرت محبوب ہے اور آپ انسان کی اخلاقی، معاشرتی بدحالی اور معاشی حقوق کی پامالی مزید برداشت نہیں کرسکتے اور آپ اس ملک میں خلافتِ راشدہ کے نہج پر ایک مثالی حکومت دیکھنا چاہتے ہیں جس میں نہ جبر و استحصال ہو نہ ظالمانہ تسلط اور استبداد اور نہ رعایا کی حق تلفی ہو، نہ حیوانی خواہشات اور بے دینی کا دور دورہ، تو اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے یکم جنوری سے ۱۵ اکتوبر (عرصۂ انتخابات) کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ کو اپنے علم و دانش اور فہم و شعور کے لئے ایک آزمائش اور چیلنج سمجھیں۔ مریض جاں بلب ہے، گزرنے والی ہر گھڑی یا تو اسے موت سے ہمکنار کردے گی یا پھر اسے نئی زندگی مل جائے گی۔ اب ہمیں اپنی رائے اور اپنا ووٹ استعمال کرتے وقت دیکھنا ہوگا کہ ہمارا پسندیدہ امیدوار قول عمل اور کردار و اخلاق کے کس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس کے منشور اس کے نعروں اور اس کی عملی زندگی میں کتنا توافق ہے، وہ اسلام اور ملک و ملت کے د سے کتنا سرشار ہے؟

عیار سیاست دان اور علماء کی فریب خوردگی | ہمارے قابلِ قدر علماء کرام

کے مختلف گروہوں کو بھی سوچنا ہے کہ وہ اپنے علم و حکمت اور نازک ترین مقام اور منصب کو کس قسم کی سیاست کے بھینٹ چڑھا رہے ہیں، یہاں اسلام پسندی اور غریب پروری کے لبادہ میں بہت سے لٹیرے، علماء کرام کے مقام اور مرتبہ سے فائدہ اٹھا کر سیاسی بلیک میلنگ کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ملک کی تاریخ میں علماء ہی ایک ایسا مظلوم یا سادہ لوح طبقہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے جذبہ میں عیار سیاست دانوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا رہا ہے۔ مگر ان لوگوں کو جب بھی علماء کرام کے علم و فکر کے سہارے ایوان اقتدار تک پہنچنے کا موقع ملا تو اس وقت علماء کو منبر و محراب سنبھالنے اور نماز و روزہ تک اپنے دائرہ کار کو محدود رکھنے کی نصیحتیں کرنے لگے۔ ان علماء کے سہارے سیاست اور قیادت کے ایوان تعمیر کئے گئے، مگر جب مقصد حاصل ہوا تو اس "رجعت پسند ٹولے" اور "ملاؤں کی جماعت" کو اسلام اور خدا کا نام لینے جرم میں پابندِ قید و سلاسل کیا گیا۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک کون سی پھبتی ہے جو علماء حق پر نہیں کسی گئی اور کون سا مذاق ہے جو اسلام کے ساتھ نہیں کیا گیا، اور یہاں ایسا کرنے والے نہرو اور پٹیل نہیں تھے بلکہ اس جرم میں ضرورت کے وقت اسلام اور نظریہ پاکستان کے نعروں سے آسمان سر پہ اٹھانے والے پیش پیش تھے۔ ہمارے علماء کو ان نازک ترین لمحات میں اپنی دینی بصیرت سے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ان کی سیاست خالص اللہ کی رضامندی اور اس کے دین کے لئے مفید ثابت ہو رہی ہے، یا وہ ایک بار پھر نادانستہ طور پر محض چند طالع آزما، نقاب پوش سیاستدانوں اور پیٹ یا اسلام کے نعرہ لگانے والے دائیں اور بائیں بازو کے ایجنٹوں کا آلہ کار بن رہے ہیں۔ علماء کی تمام جماعتوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی سیاسی پارٹی اور جماعت سے تعاون میں دین کے غلبہ اور حاکمیت کا پہلو بھاری ہے۔ اور ان سے معاہدہ یا سمجھوتہ کرنے میں اسلام کے احیاء کا غالب امکان ہے تو بصد خلوص اس سیاست کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس سیاست بازی کا فائدہ صرف

چند عیار اور ابن الوقت پارٹیوں اور اس کے لیڈروں کو پہنچتا ہے، اور علماء کی حیثیت بالآخر اسی حدِ اوسط کی ہے جسے اب تک لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے بعد راندۂ درگاہ چیز سمجھ کر بیچ سے ہٹا دیا جاتا رہا۔ تو اس ساری ہنگامہ آرائی اور جد و جہد کا نتیجہ چند وقتی منافع اور اغراض کی تکمیل تو ہو سکتا ہے مگر دین، اسلام اور پورے طبقۂ علماء کی عزت و وقار اور فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لحاظ سے صفر ہی رہے گا۔

دین اور مروجہ سیاست دین اور سیاست الگ الگ چیز نہیں مگر موجودہ دور کی سیاست اور دین کی پیوندکاری بڑے دل گردے کا کام ہے۔ سیاست میں اتنا محو نہیں ہونا چاہیئے کہ دینی مزاج اور اسلامی روح ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے، صحیح سیاست انبیاء کا منصب تھا، مگر وہ سیاست آج کے جوڑ توڑ مکر و فریب اور دغا بازی کی سیاست نہیں تھی۔ علماء کا مقام وراثتِ نبوت کا ہے، وہ اس دور کے پُرفریب سیاست دانوں کے جانشین اور نقال نہیں ہیں، وہ سیاست میں عمر فاروق رض اور صدیق اکبر رض کے وارث ہیں، نہ کہ نکولائی میکیاولی کی فریب کارانہ سیاست کے امین۔ حق تعالیٰ اس نازک امتحان میں ہم سب کو جادۂ حق پر قائم رہنے اور حق و باطل کی تمیز کرنے اور ہر حالت میں سیاست کے "سندانِ عشق" کے ساتھ جامِ شریعت نباہنے کی توفیق دے۔

(جلد ۷، شمارہ ۱۲۔ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ، جنوری ۱۹۷۰ء)

محاسبہ اور اصلاح کی ایک مہلت

راقم الحروف ۲؍ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو حجازِ مقدس روانہ ہوا تو تبدیلیٔ اقتدار کی تحریک زوروں پر تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے شعلوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، طرح طرح کی خبروں نے تمام مسلمانوں بالخصوص پاکستان کے حجاج کو نہایت تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور اس تصور سے دل دھڑکنے لگتا کہ جو ملک لامثال قربانیوں کے صدقے اسلام کا بول بالا کرنے کے نام پہ حاصل کیا گیا آج وہ ملک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس عالم میں سب زائرینِ بیت الحرام کے ہاتھ بے اختیار رب البیت کی بارگاہ میں اٹھنے لگتے۔ مواجہۃ الرسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آہ وزاری ہونے لگتی۔ ملتزم اور غلافِ کعبہ سے لپٹ لپٹ کر ہر ایک زبانِ حال سے ملتجی تھا کہ یا اللہ برصغیر میں مسلمانوں کے اس حصار کو جو ان کی نااہلیوں کی بدولت آج تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے، ایک بار اور موقع دے، شاید انہیں اپنی کوتاہیوں کا احساس اور غلطیوں کی تلافی کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ نئے سرے سے اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان کو استوار کر سکیں۔

صدر ایوب کا زوال صدہا عبرتوں کا سامان اسی اضطراب میں مارچ کے آخر میں یکایک صدر ایوب کے زوال اور فوجی انقلاب کی خبر آئی اور ظاہر ہے کہ ایک مطلق العنان اور خودسر حکمران کا اس انداز میں زوال وسقوط اپنے پہلو میں عبرت وموعظت کے صدہا دفتر بھی لے کر آیا۔ عاد وثمود جیسی اقوام اور جابر وقہار حکمران کے عروج وزوال کی صدہا داستانیں ہمیں دعوتِ عبرت دے رہی ہیں۔ مگر یہ تازہ اور چشم دید مثال

تو اس بے لاگ حقیقت کی کتنی کھلی شہادت دے رہی ہے کہ "اے احکم الحاکمین تو ہی مالک الملک ہے، جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

انقلاب آیا اور ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق بن کر آیا۔ کہ اب تک ہم اپنے انتشار اور مصیبتوں کا سرچشمہ جس اقتدار کو سمجھتے رہے، خداوند کریم نے پلک جھپکنے میں اس کا بوجھ تمہاری گردنوں سے اتار دیا تاکہ تم پر اتمام حجت ہو جائے۔ پس جس کا تسلط تمہارے اعمال کی شامت تھی اس سے گلو خلاصی بھی تمہارے لئے ایک کڑی آزمائش ثابت ہوئی، ایک ایسی آزمائش جس نے ہمارے اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے چھپے ہوئے بہت سے صفات و عیوب، باطنی نظریات اور قوم و ملک کے ساتھ وفاداری یا غداری کا ایک آئینہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس آئینہ میں ہماری تصویر کتنی ڈراؤنی ہے؟ ہم نے ایک دوسرے کی عزت و آبرو پر ہاتھ صاف کیا، ہم نے انسانوں کو زندہ جلایا، ان کا گلا گھونٹا اور خون پسینے سے کمائی ہوئی دولتوں پر عدل و انصاف کے نام سے غارت گری کا بازار گرم کیا، ملک کا وجود ہی گرداب سیاست میں ہچکولے کھا رہا تھا مگر ہم نے اس وقت بھی ڈیڑھ اینٹ کے جماعتی اغراض اور مفادات میں لچک پیدا نہ کی، یہ سب چیزیں، ہمارے اعمال و کردار اور ہمارے روبہ تنزل معاشرہ کا بھیانک تصور پیش کر رہی ہیں۔

غفلت کیشیوں کا ردِ عمل اور یہ ٹھیک ردِ عمل تھا ان غفلت کیشیوں کا جنہیں ہم اپنے معاشرہ کا شعار بنانے لگ گئے تھے۔ وہ معاشرہ جو خوفِ خدا اور تصورِ آخرت سے غافل ہو چکا ہو ذاتی اغراض اور مفادات سے الگ ہو کر کسی معاملہ پر ہرگز غور نہیں کر سکتا۔ وہ نظامِ تعلیم جس کا مبلغِ علم چند روزہ زندگی کی خوش عیشی رہ گئی ہو، اسلامی تعلیم اور پیغمبرانہ اخلاق و اعمال کی بھنک بھی اس میں نہ ہو، ہرگز قوم و ملت کو ایسے کل پرزے نہیں دے سکتا، جو ملک و ملت کو حقیقی ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کر دے۔ ایسے

افراد خواہ ان کا تعلق حکّام سے ہو یا رعایا سے، رائے دہندہ ہوں یا سیاستدان، انتظامیہ ہو یا عسکری قوت ہرگز ملک کو کوئی ایسا معتدل اور متوازن نظام نہیں دے سکتے جس میں معاش کے ساتھ معاد اور ذاتی مفاد کے ساتھ پورے معاشرہ کے اخلاق اور معاشی حقوق کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو۔

انقلابات، زندگی کے نئے موڑ ہماری بربادی اور تباہ حالی کی یہ داستان طویل ہے۔ اپنی ذلت و ادبار کی ماتم سرائی کب تک کی جائے، عرضِ مدعا یہ ہے کہ ۲۵ مارچ کا یہ انقلاب ہماری زندگی کا ایک نیا موڑ ہے جو ہمیں زبانِ حال سے دعوت دے رہا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق کا ۲۲ سال تک مذاق اڑانے والو! یہ محض خدا کی بے حد و حساب رحمت ہے کہ اتنی ستم کاریوں کے باوجود بھی تمہارا وجود قائم رہا ورنہ تم تو اپنے ہاتھوں سے اس ملک و ملّت کا شیرازہ بکھیرنے لگے تھے مگر یہ تو صرف اس کی دستگیری ہے کہ تمہیں بار بار موقع دے رہا ہے کہ شاید تم سنبھل جاؤ بلاشبہ ۲۵ مارچ کا دن ہمارے لئے ایک رحمت سے کم نہیں مگر کیا یہ امن و سکون اور اطمینان تمہاری پریشانی اور بربادی کا خاتمہ الباب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو محاسبۂ اعمال کا ایک وقفہ ہے، تاکہ تم سدھر سکو اور اپنے جذبات اور میلانات کا رُخ معاشی جنتوں سے زیادہ دائمی اور حقیقی جنّت کی طرف پھیرنے لگ جاؤ۔ حالات اور قرائن تمہیں پکار پکار کر جھنجھوڑ رہے ہیں کہ اگر تمہیں اس ملک میں چین اور سکون سے رہنا ہے، تمہیں دنیا کے ساتھ دین کی بھلائی اور فرد و معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو امن و عافیت کی اس فرصت کو غنیمت جان لو، اپنے نظریاتی سرحدات کو از سرِ نو مضبوط اور درست کر لو، قوم کی ذہنی تربیت اور اخلاقی حالت پر اپنے مساعی مرکوز کر لو۔ تاکہ انہیں کھرے اور کھوٹے کی تمیز اور حق و باطل کا امتیاز ہونے لگے۔ اگر تمہاری غفلت کیشی کا یہی عالم رہا تو جب بھی اس عارضی نشے کا سکون اتر گیا تو تمہاری زندگی کی ناؤ کو نیامت بر قیامت اور ہولناک طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر تمہیں اسلام اور اسلامی اقدار عزیز ہیں، طبقاتی ناہمواریوں سے نجات مطلوب ہے، خوش حال اور متوازن زندگی اور پاکیزہ نظامِ حیات محبوب ہے تو اے دانشورو

اے علماء کرام، اور اے سیاست دانو! اب تو اپنی اور قوم کی بگڑی پر رحم کرو، ان کی مشکلات اور پریشانیوں کا صحیح حل ان کے سامنے پیش کر دو۔ قوم کے ماؤف ذہنوں کا رُخ لندن اور نیویارک کی بجائے مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دو۔ ان کے بے چین دلوں میں پیکنگ اور ماسکو کی بجائے مدینہ طیبہ کی محبت جاگزیں کر دو۔ اگر تم نے ان کے ہاتھوں میں قرآن وسنت تھما دیا تو ماؤزے تنگ کی سرخ کتاب اور کارل مارکس کی کیپیٹل خود بخود ان سے چھوٹ جائے گی، اگر یہ اسلام کی جنت آفرین زندگی کی جھلکیاں دیکھنے لگیں تو یورپ کی نظر فریب تہذیب پر لعنت بھیجنے لگیں گے۔ یہی سبق ہے حالیہ حالات اور تازہ انقلاب کا، وقت کا تقاضا ہے کہ اگر ہمیں اپنی اور اس ضمن میں اس ملک کی بقاء منظور ہے تو آئیے نئے سرے سے اسلام کی طرف لوٹیں، وہ اسلام جو ہماری مصیبتوں کا مداوا اور دائمی مسرت اور فلاح کا پیغام ہے، اگر ہم نے اس فرصت کو بھی نذرِ غفلت کر دیا اور اپنے حالات درست نہ کئے تو خدانخواستہ مستقبل میں کفر و الحاد اور دہشت و بربریت کی تازہ دم یلغار ہمارا نام بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دے گی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

۳ مئی ۱۹۶۹ء ——— ۱۵ صفر ۱۳۸۹ھ

ہمہ گیر بحران کے اصل اسباب اور محرکات

بدقسمتی سے اس وقت ملک انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، اپنا ہی مال و متاع اپنے ہی ہاتھوں سے بڑی بے دردی سے ضائع ہو رہا ہے، ظلم و تشدد بھی اپنوں ہی کا سہنا پڑ رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ احتجاج و اضطراب کی یہ ہمہ گیر فضا نہ تو ایک گروہ یا طبقہ کی پیدا کردہ ہے اور نہ یکایک ایسا ہوا ہے بلکہ ملک کے تقریباً تمام طبقے کسی نہ کسی شکل میں اس میں شریک ہیں اور یہ ٹھیک ردّعمل ہے اس بے اعتدالی اور غیر فطری طریقۂ کار کا

جس نے حکام اور رعایا بھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم اور ملک کی سرکشی، خدا کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری اور خدا سے کئے ہوئے عہد و میثاق اور باہمی حقوق کی پائمالی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ایک طرف اس پر ظالم حکام اور خدا فراموش عمال مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو انہیں بڑی تیزی سے ذلت و ادبار اور اخلاقی گراوٹ کی طرف ہانکنے لگتے ہیں، اور دوسری طرف خود رعایا ایک دوسرے کی ایذاء رسانی اور آبرو ریزی میں مشغول ہو جاتی ہے۔ او یذیق بعضکم بأس بعض۔ اور اس طرح اچانک چین و سکون کی زندگی اضطراب، پریشانی اور تعطل میں بدل جاتی ہے۔ ظالم عمال اور فکرِ آخرت سے غافل رعیت دونوں کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ایسے روح فرسا حالات میں ایک مسلمان کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ محرکات اور اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے صرف مادی اور اقتصادی دائرہ میں خرابیوں کی تلاش کرتا پھرے، بلکہ اسے ان اخلاقی، روحانی اور ایمانی اقدار کے فروغ یا تنزل کا بھی جائزہ لینا چاہیئے جن کے تحفظ کے مقدس نام پر یہ خطہ حاصل کیا تھا اس لحاظ سے اگر آپ سرسری جائزہ بھی لیں گے تو یقیناً مایوس ہوں گے کہ آزادی سے لے کر اب تک نہ صرف یہ کہ قیامِ مملکت کے محرکات اور دواعی سے صرفِ نظر کیا گیا، بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس ملک کے اساسی نظریات سے غداری میں بھی شدت اور تیزی آتی گئی ہے۔ رعایا کو اربابِ اقتدار نے فریب دیا ہے۔ حصولِ اقتدار سے سے پہلے اسلام کا نام لے کر اور اقتدار کے بعد اسے پسِ پشت ڈال کر، قوم سے اس ظالمانہ مذاق پر بائیس ۲۲ سال سے زائد عرصہ گزر چکا، پھر رعایا نے بھی حکام کی تقلید میں اپنے ذوقِ معصیت اور جذبۂ تہذیبِ فرنگ کی بناء کبھی ایک نظام میں ڈھونڈنا چاہی ہے کبھی دوسری تحریک اور نظام میں۔ یہاں تک کہ جس دور کو ملکی ترقی و استحکام کا "سنہری دور" کہا جا رہا ہے۔ اس دور کو تو اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی بربادی اور اسلام کے گلے پر چھری پھیرنے کے لحاظ سے

ایک "بدترین سیاہ دور" کہا جا سکتا ہے۔ جراءت کرنے والوں کی سنگدلی اور شقاوت نے حد کر دی کہ خدا کی شانِ تشریعی (قانون سازی) میں مداخلت کرتے ہوئے اس کے مقرر کردہ معاشرتی حدود (عائلی قوانین) کو آرڈیننسوں کے ذریعہ منسوخ قرار دیا گیا۔ اس کی شانِ رزاقی کو افزائش و پیدائش کی تحدید کے ذریعہ مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی شانِ عدل و انصاف سے آمریت اور استبداد کے ذریعہ اس کی مخلوق کو محروم کر دیا گیا، اور حد یہ کہ اس کے قائم کردہ معروفات و منکرات کی حدود توڑنے اور اس کے بھیجے ہوئے نظامِ عدل (دینِ حنیف) سے نکل کر یورپ کی اباحیت زدہ تہذیب کے لئے اسلام کے بنیادی اصول و مسائل پر ریسرچ و تحقیق کے نام سے عملِ جراحی شروع کی گئی۔ خود نہ بدلنے کی وجہ سے قرآن کے بدلنے کی سرپرستی کی گئی اور یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نبیؐ کی شانِ رسالت اور شانِ ختمِ نبوت کے پرچار اور تحفظ پر پابندی لگا دی گئی، مگر ناموسِ محمدیؐ کے لٹیروں، سنتِ نبویؐ کے دشمنوں اور تحریف و تجدد کے علمبرداروں کو کھلی چھٹی مل گئی، پھر اشاعتِ حق اعلاءِ دین اور مدافعتِ اسلام کے لئے خدا نے علماءِ حق کا جو زمرہ منتخب فرمایا اور جس کے ذمہ ہر حالت میں کلمۂ حق کہہ کر حقِ نصیحت و خیر خواہی ادا کرنے کا کام لگایا گیا تھا، ان کو مختلف سکیموں اور منصوبوں کے ذریعہ اس تنگ اور محدود دائرہ کار سے بھی خارج کرنے کی سعی کی گئی، جسے منبر و محراب اور مسجد و خانقاہ کا نام دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ نتائج اور عواقب کے لحاظ سے تاریخ میں عیاری کی یہ بدترین مثال ہے کہ خیر خواہی اور اصلاح کے نام پر سیاست کی طرح مذہب کو بھی "ایبڈو" کر دیا جائے اور حاملینِ مذہب میں بھی "بی ڈی سسٹم" چلایا جائے۔

یہ ایک دھندلا سا خاکہ ہے ان اسباب و محرکات کا جس کا تعلق قوم کی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زندگی سے ہے جس کی بنیاد پر لاکھوں لاشوں، ہزاروں عصمتوں اور کروڑوں مسلمانوں کی پریشانی اور بربادی کی عمارت اٹھائی گئی تھی۔ جہاں تک مادی اور اقتصادی سطح یا جمہوری نقطۂ نگاہ کا تعلق ہے آج کی فرصت میں ہمیں اس سے سروکار

نہیں، مگر جس "سنہری دور" میں دین اور معاشرت، مذہب اور اخلاق کی اس قسم کی "اصلاحات" شامل ہوں۔ حیرت ہے کہ ہمارے صدرِ محترم جناب ایوب خان نے کل (یکم دسمبر ۱۹۶۸ء) کی تازہ تقریر میں ان سب کارناموں کا رشتہ اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی سے جوڑ دیا۔ صدرِ محترم کا ارشاد ہے کہ "میں نے ہر حال میں قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اور بنیادی مسائل کے حل کے لئے دن رات ایک کر کے اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی میں کام کیا ہے۔" (جنگ ۲ دسمبر) ہو سکتا ہے کہ مادی اور دنیاوی لحاظ سے ملک کے استحکام اور ترقی میں قدرت نے صدرِ محترم کی دستگیری کی ہو۔ اور بلاشبہ ایک شخص اپنے کارناموں میں مخلص بھی ہو سکتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنی "اصلاحات" کو اپنی صوابدید میں حق طلبی کا نتیجہ قرار دے، مگر جہاں تک عائلی قوانین جیسے صریح تحریفِ قرآن و سنت، خاندانی منصوبہ بندی جیسے کھلے فواحش، ثقافتی طوائف اور جشنوں کی ترقی اور آرٹ و ثقافت کے عروج اور پھر "ادارۂ تحقیقات اسلامیہ" جیسے اداروں کی شرمناک جسارتوں کا تعلق ہے، ہم ہرگز ہرگز رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتے۔ ایسے اعمال ربانی نہیں بلکہ شیطانی ہوتے ہیں (تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیرا۔) یہ ہدایت نہیں نفس کا فریب ہوتا ہے ایمان کی روشنی نہیں بلکہ غفلت کا اندھیرا ہوتا ہے جس کی تائید نہ تو خدا کرتا ہے اور نہ اس کا رسولؐ۔

بہرحال جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے اس کے ردعمل میں ملک گیر پریشانی، اضطراب اور برہمی کے ہمہ گیر سلسلہ کا رونما ہونا ایک طبعی امر ہے۔

اپنے ہاتھوں بربادی یہود کا شیوہ

مگر مسلمان جیسی شائستہ اور باوقار قوم کو جذبات کے اظہار میں یہ توڑ پھوڑ اور شر و فساد، یہ ہڑبونگ اور پُرامن شہریوں پر یہ سنگباری ہرگز زیب نہیں دیتی جس کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ قرآنِ کریم نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر بار برباد کرنے کو یہود کا شیوہ قرار دیا ہے۔ یخربون بیوتہم بایدیہم (اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں) اور کسی قوم کا یہاں تک پہنچنا انتہائی حالات کا غماز ہوتا ہے جس سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ بے شک مسلمان اپنے

حقوق، اپنی اقدار و روایات کے لئے لڑتا ہے۔ ایک مسلمان بڑھیا امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضہ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک سکتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالےٰ کے مقرر کردہ آئینی حدود اور عقل کے دائرہ میں رہ کر کسی بے گناہ شہری کی عزت و دولت کو گزند نہ پہنچنے پائے مسلمان کا حق کیا، بلکہ اس کا تو فریضہ ہے کہ ظلم و استبداد اور بدی کو محسوس کرے تو اسے مٹائے مگر یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور مومنانہ شان مجروح نہ ہونے پائے۔ مگر موجودہ حالات میں شکوہ کیا جائے تو کس سے؟ جس قوم کی اسلامی تربیت، دینی تعلیم اور جس معاشرہ کی اخلاقی اور علمی نگہداشت کو تہذیبِ مغرب کی دیوی پر نثار کیا جا چکا ہو۔

نوجوان نسل کی عالمی بیماری اور علاج جس قوم نے مستقبل کی پونجی — بچوں اور نوجوانوں — کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین کر لارڈ میکالے کی گود میں ڈال دیا ہو جس کے دل و دماغ کی پرورش صرف برکلے اور ہکسلے کے فلسفہ اور مغرب کی خدا فراموش تعلیمات اور شیکسپیئر کے ڈراموں سے کی جا رہی ہو ایسے معاشرہ، ایسی قوم اور ایسی رعایا سے مار پڑنے کے وقت اخلاق و اعتدال کی حدود قائم نہ رکھ سکنے پر شکوہ سنجی کب جائز ہے؟ معدہ اور مادہ کے گرد گردش کرنے والی ایمان اور عقیدۂ آخرت سے عاری تعلیم اور اس کے تمام مظاہر کا نتیجہ اسی "وبائی اور عالمی مرض" کی شکل ہی میں ظاہر ہو سکتا ہے، جس کا شکوہ مصر کے وزیرِ خارجہ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کیا ہے۔

اسلامی علوم اور لارڈ میکالے کے علوم کے اثرات میں تفاوت کی مثال ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہمارا تعلیمی نظام دین اور مذہب سے اتنا کورا نہ ہوتا تو طالب العلم شائستگی کا دامن ہرگز نہ چھوڑتے۔ مثال میں ہم اپنے مدارسِ عربیہ پیش کر سکتے ہیں جن کے طلباء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہ ہو گی، اس ملک میں دینی مدارس اور دار العلوموں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ان ہنگامہ خیز ایام میں بھی بعض مرکزی شہروں میں سینکڑوں ہزاروں طلبۂ علومِ نبوت حصولِ تعلیم میں مشغول ہیں (یہ وہ مدارس ہیں جنہیں ہمارے

یہاں کا خوشامدی مذہب دشمن تجدد زدہ طبقہ انتشار و اختلاف کے گڑھ قرار دیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہی مدارس کی وجہ سے ملک روبہ تنزل ہے، مگر — غالباً کسی دینی مدرسہ کے طالب العلم کے بارہ میں ایسی خبر سننے میں نہیں آئی ہو گی کہ جس نے نظم و ضبط کو چھوڑ کر شخصی یا ملی اموال و املاک کو نقصان پہنچایا یا ناشائستہ حرکت کی یا بسوں پر پتھراؤ کیا ہو — اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دینی طبقہ یا اسلامی علوم کے طلبہ اور اہلِ علم ملکی حالات پر مطمئن ہیں یا انہیں جمہوریت کے لئے کوشاں افراد سے ہمدردی نہیں، حاشا و کلا یہ چیز وفاداری کا ثبوت نہیں۔ وفاداری تو بشرط استواری ہوتی ہے۔ اور علماء دین اہلِ حق اور ان بوریہ نشین طالب العلموں کی اولین و آخرین وفاداری تو دین رسالت، ناموسِ رسالت اور اسلامی علوم سے ہے، بلکہ اس وقت مضطرب اور بے چین اگر ہے تو یہی طبقہ ہے کہ اسے غم ہے تو دین کا اور فکر ہے تو ملک کے ایمان و اخلاق کا، اور یہ ایک ایسا غم ہے کہ ووٹ، اقتدار، پارٹی، روٹی اور چینی سے تو ہزار درجہ شدید اور جان لیوا ہے کہ۔ ع

غم غم دین خور کہ غم ہمہ اوست

اور نہ یہ شائستگی اہلِ حق کے خوف یا بے حمیتی کا ثمرہ ہے بلکہ منکرات پر نفرین اور معروفات کی تبلیغ، باطل پر تنقید اور حق کا فروغ تو علماء حق کا وہ محبوب مشغلہ ہے جس سے اس پورے عرصہ میں کسی لحظہ بھی علماء حق نے گریز نہیں کیا۔ بزم ہو یا رزم خلوت ہو یا جلوت، مسجد ہو یا خانقاہ، منبر ہو یا سٹیج اعلائے حق جیسے اعلیٰ اور افضل جہاد کو علماء ہی نے سنبھالا دیا ہے یہی وہ طبقہ ہے جو لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کا مصداق ہے اور اسی طبقہ کی جرأتِ رندانہ کا نتیجہ ہے کہ باقی اسلامی دنیا کی بہ نسبت اس ملک میں دین اور دینی اقدار کی گرفت اتنی کمزور نہیں ہو سکی — یہ ایک ضمنی بات تھی — اسلامی تعلیمات اور لارڈ میکالے کے نظام کے اثرات اور اس کے تفاوت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ کاش! عالم اسلام کے ارباب حل و عقد اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے سہی مگر نوجوانوں کی اس عالمی بیماری کے علاج میں دین و

اخلاق کا بھی معقول حصہ شامل کر دیں۔

خرابیوں کا اصل علاج بہر حال اس وقت قوم انتشار اور بے چینی کے جس نقطۂ عروج تک جا پہنچی ہے اس کا علاج اِکّا دُکّا مطالبات یا کسی گروہ کے دو چار مطالبات منظور کرانے میں نہیں، چھوٹے موٹے سوراخوں کو بند لگانے سے سیلاب نہیں رُک سکتے اور نہ وقتی علاج سے بیماری کی جڑ کٹ سکتی ہے، اگر حزبِ اقتدار چاہتی ہے کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی اور مخلصانہ خدمت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہے یا حزبِ اختلاف چاہتی ہے کہ واقعی معنوں میں اس ملک کی پریشانیاں ختم ہوں تو اس کی صورت ایک ہی ہے کہ خرابیوں کا سرچشمہ بند کر دیا جائے اور مرض کی بیخ کنی کی جائے، اور وہ اس طرح کہ پورے خلوص و ایمان اور مومنانہ جرأت کے ساتھ اس ملک کو اس نظریہ کے سپرد کر دیا جائے جس کے نام پر اسے حاصل کیا گیا۔ اور اسی جوش و ولولہ سے ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اس دین کی طرف پلٹ جائیں جس تیزی سے ہم نے اسے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اسی میں حکام کی نجات ہے اور اسی میں رعایا کی ورنہ یقین جانیے کہ اس ملک کو نہ تو آئے دن کے انقلابات سے عافیت مل سکتی ہے نہ موجودہ اقتدار کے ذریعہ اور نہ اس حزبِ اختلاف سے جس کے اکثر زعماء کی خدا فراموشیوں نے ہی ملک کو اس روزِ بد تک پہنچایا اور نہ ہماری مصیبتوں کا مداوا سوشلزم میں ہے، نہ سرمایہ داری میں نہ چین اور روس ہمیں بچا سکتا ہے اور نہ امریکہ اور برطانیہ ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس مہلک مرض کا علاج صرف انہی ہاتھوں میں ہے جنہیں خداوند کریم نے اپنا ہاتھ قرار دیا، اور جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور جس کی نافرمانی خدا سے سرکشی ہے، وہ ذاتِ قدسی صفات جنہیں ہم محمد عربی (صلوٰۃ اللہ علیہ) کے پیارے نام سے پکارتے ہیں۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ومن اطاع الرسول فقد اطاع اللہ۔ [illegible]

سقوط ڈھاکہ سے سات دن قبل

پاکستان، تاریخ کے نازک ترین آزمائش سے دوچار ہے۔ ہر لمحہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال قوائے غور و فکر کو کسی ایک نکتہ پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور قلم بصد شرمندگی اپنے قارئین سے اعتراف عجز پر مجبور ہے۔ لکھا جائے تو کیا اور کہنے کو کیا رہ گیا ہے۔ چوبیس سال سے لکھنے والوں نے کیا نہیں لکھا اور کہنے والوں نے کونسی کسر اٹھائی؟ علم و حکمت کی بہتات رہی۔ وعظ و نصیحت کی فراوانی رہی۔ ایک سے ایک بڑھ کر مقام عبرت نمودار ہوتا گیا۔ اسباب و محرکات کی نشاندہی بھی ہوتی رہی اور نتائج و عواقب پر بھی برابر تنبیہ۔ قدرت کی سنت ابدی رہی اور آیات ربانی نے کب مسلمانوں کو خواب غفلت میں مخمور رہنے دیا۔ (سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم ۔

الجہاد والجہاد اب وقت باتوں کا نہیں عمل کا ہے اور عمل بھی کونسا؟ جہاد الجہاد۔ الجہاد۔ کہ مومن کی بقا عمل سے ہے۔ مومن کا حصار جہاد، مومن کی سلاح قتال ہے۔ اور یہ صرف جارحیت کی صورت میں نہیں بلکہ جب تک کفر کی ایک بھی نشانی قائم ہے۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ ——— مومن گفتار و کردار سے قول و عمل سے، ظاہر و باطن سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ ایک غازی اور مجاہد بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہ جہاد نفس سے ہے۔ خواہشات سے ہے۔ معاشرہ سے ہے۔ ارد گرد کی برائیوں سے اور بالآخر دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں سے ہے۔

اب ہم پر جہاد پیہم اور جہد مسلسل کی گھڑی آچکی ہے۔ قدرت نے ہمیں جھنجھوڑ دیا ہے۔ اگر اب بھی ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو ہمارا شعار، ہمارا نعرہ، ہماری لگن اور ہمارا فیصلہ ایک ہی ہونا چاہیئے کہ فتح مکمل فتح، دشمن کی شکست مکمل شکست۔ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی یا پھر موت، ہر فرد کی موت۔ گیارہ کروڑ پاکستانیوں کی موت، یعنی شہادت کی موت۔ ایک حیات جاودانی جس پر کروڑوں سال کی زندگی نثار ہو ——— بلاشبہ ہمیں ایک عیار اور بدترین ذلیل دشمن ہندو سے واسطہ پڑا ہے

جس کی پشت پر مکار اور فریبی سوشل سامراج روس بھی ہے۔ یہودی صیہونیت بھی اس کی سازشوں میں شریک ہے اور عالم اسلام کا ازلی دشمن برطانوی استعمار بھی نہایت بے حیائی سے اسے سہارا دے رہا ہے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر ہم مومن کہلانے والے واقعی مومن بن جائیں تو پھر فتح و کامرانی کا اٹل وعدہ ہمارے لئے ہے اور مکین گنبد خضرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ شفقت ہمارے ہی اوپر ہے۔

یاس وتقوی نہیں امید اور عزم

پھر غم اور مایوسی کیوں؟ سارے سہارے کٹ جائیں تو اضطراب اور پریشانی کے ایسے ہی عالم میں مومن کی جبیں نیاز اس رب کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے جس نے ہمیں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سے نوازا ہمیں پاکستان جیسی مقدس نعمت سے مالا مال کیا۔ اے خدائے کریم ہم خطا کار اور ہر سرزنش کے سزاوار ہیں مگر تیرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ اس برگزیدہ نسبت کی لاج رکھیئے اور ہمیں اقوام عالم میں سرخروئی عطا فرما۔ ہمیں بزدل اور کمینہ صفت مشرکین کے ہاتھوں ہزیمت کی ذلت سے بچا۔ ہم نے تیری نعمت آزادی کی بے دردی سے بے قدری کی لیکن آج اس کی حفاظت کے لئے سب کچھ لٹا کر اور سر سے کفن باندھ کر نکلے ہوئے ان غیور اور جسور مجاہدین کے صدقے سے رحمت کے طلب گار ہیں جو اپنے مقدس خون سے خالد و طارق اور محمد و محمود (رضوان اللہ علیہم) کے لکھے ہوئے باب کو تازہ کر رہے ہیں۔

ہم مایوس نہیں ہیں کہ تیری رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ تیری یہ نوید فتح اور وعدۂ نصرت ہمیں ہر دم حیات نو بخش رہی ہے کہ وکان حقاً علینا نصر المومنین ہماری پونجی تیری ذات اور تیری نصرت ہے اور جب یہ دولت ساتھ ہو جائے تو مومن ایک بالشت زمین پر بھی قدم جما کر چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا کو کفر و شیطنیت کے تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ہماری تاریخ اور ہماری ریت ہے۔ آج ہم پھر اس روایت کو روشن کر کے رہیں گے۔ انشاء اللہ

مومنو! ذرا سنبھلو، وہ دیکھو آواز آ رہی ہے:۔ لاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ——— ۶ (دسمبر ۷۱ء)

سقوطِ مشرقی پاکستان

ہزار سالہ عظمتوں کا جنازہ

وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون

وہ دیکھو ڈھاکہ فتح ہو گیا اور سقوط مشرقی پاکستان کے ساتھ، اسلام کے لحاظ سے نہیں۔ مگر مسلمانوں کے لحاظ سے دنیا کی عظیم اسلامی مملکت سرنگوں ہو گئی وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ، ان اللہ کان علیما حکیما برصغیر پہ افق مغرب سے طلوع ہونے والا فتح و کامرانی کا روشن ستارہ مشرق کی وادیوں میں ٹوٹ گیا۔ آج دیبل کے ساحل پر محمد بن قاسم کا لہرایا ہوا پرچم سرنگوں ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی عظمتوں کا آبگینہ چکنا چور ہو گیا ہے اور سومنات کا جامد اور ساکت بت محمود غزنوی کی ناخلف اولاد پر قہقہے لگا رہا ہے۔ جو گلشن محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب، سید احمد شہید و محمود الحسن کے خون سے سینچا گیا۔ آج وہ اجڑا اجڑا سا ہے۔ پاکستان ہمارے خوابوں کا آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور اس کا ہر ذرہ ہماری تصویر پر خندہ زن ہے۔ اللہ کی رسی اسلام کو کاٹ کر شرق مغرب کو ملانے کے لئے ہماری تمام تدبیریں نہ صرف ناکامی بلکہ اس شرمناک رسوائی میں اضافہ کا باعث بن گئیں اور آج ملت اسلامیہ کے سات کروڑ جگر پارے ہم سے جدا ہو چکے ہیں

ایھا النفس اجملی جزعا — فان ما تحذرین قد وقعا

یارائے صبر و شکیب نہیں نہ کہ صبر کا مقام ہے۔ نالہ و شیون کا طوفان بپا کیجئے۔ اور اگر ضمیر و احساس ندامت ساتھ نہ دے اور غیرت کا پانی خشک ہو جانے سے آنکھیں اشکبار نہیں ہوتیں تو مر جایئے کہ ڈوب مرنے کیلئے اس سے بہتر موقع نہ پا سکو گے۔

بہت سعی کیجئے تو مر رہیئے میرؔ — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

مسلمانوں کا سانحہ مرگ سقوط ڈھاکہ سے ایک ہفتہ قبل جب احساس و شعور کی

ساری توانائی یاس وقنوط کے سامنے بے بس ہو چلی تھی اور پچھلے نقش آغاز میں قلم اعتراف عجز پر مجبور تھا۔ تو آج جبکہ یہ واقعہ ہائلہ اور قیامت کبریٰ ایک حقیقت بن چکا ہے تو کسے تاب ہے کہ برصغیر کے تقریباً ۴ کروڑ مسلمانوں کے سانحہ مرگ پر مجلس عزا برپا کر کے برصغیر میں اپنی ہزار سالہ عظمتوں کی مرثیہ خوانی کر سکے اور کہنے کو رہ کیا گیا ہے۔ یلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاہ

ہنسیں ہے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہئے کہ مدعا کیا ہے

خلافت بغداد کی تباہی کا ماتم کرتے ہوئے مورخ کبیر علامہ ابن اثیر کو کئی سال تردد رہا۔ قلبی کیفیت کو چھپا نہ سکے اور لکھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سنائے۔ کاش! میں نہ پیدا ہوتا۔ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسرا ہو جاتا (الکامل ص ۱۴۷ ج ۱۲) مگر آج کی یہ ذلت فاضحہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہماری پوری تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ ہے۔

اسلامی تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ

بابل کا جابر بادشاہ بخت نصیر یروشلم سے ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر لے گیا تھا کہ ان کی ذلت و مسکنت کی انتہا ہو چکی تھی مگر عہد اسلام تو اس مثال سے ناآشنا ہے۔ مسلمان اور شکست مومن اور ہتھیار ڈالنا تو اتنی متضاد چیزیں ہیں جتنا کہ خود اسلام اور کفر۔ اسلام کی تاریخ میں نہایت شاذ و نادر مثال فتوحات عراق میں صرف ایک جگہ ملتی ہے کہ نہایت مجبوری کی وجہ سے چند لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جبکہ ساتھیوں نے میدان جیت کر دم لیا۔ پھر بھی اس واقعہ کا اتنا افسوس ناک اثر ہوا کہ جن لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا وہ مدتوں خانہ بدوش پھرتے رہے۔ شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم ادمتحیزاً الی فئۃ میں داخل ہو مگر ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔ (الفاروق)

مگر چرخ نیلگوں نے یروشلم کے بعد پہلی مرتبہ ڈھاکہ سے ایک لاکھ قیدیوں کی شکل میں تاریخ کو دہراتے دیکھا۔ پھر کیا یہ ہماری بے مثال ذلت کی شہادت نہیں؟

ذلک بان اللہ لم یک مغیرا نعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔

یہ قدرت کا قانون ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کی بے قدری کرنے والوں کو ذلت اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ قوم خود اپنی حالت تبدیل ڈالے

اسلام کی نہیں نام نہاد دعویداروں کی شکست

پھر کیا یہ اسلام کی شکست ہے؟ کیا نصرت خداوندی اب عصر حاضر کے ظالم اور باطل طاقتوں کا سامنا نہیں کر سکتی؟ کیا حق و باطل کے سامنے سپر انداز ہو چکا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدائے حی و قیوم سومنات کے مردہ اور جامد پتھروں کے سامنے عاجز اور بے بس ہو چکا ہے؟ نہیں ہزار بار نہیں۔ اپنی رسوائی اور ناکامی کو اسلام کے سر تھوپنے والو کیا یہ اسلام اور کفر کا مقابلہ تھا۔ اور کیا آخری مقابلہ ہو چکا ہے؟ کیا بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ مسلمانوں کے نہیں ہندوؤں کے معرکہائے خونیں تھے؟ بحر ظلمات کی متلاطم موجوں کو چیر کر جبل الطارق پر علم توحید نصب کرنے والے کوئی اور تھے۔ کیا پانی پت اور میسور کے میدان کسی اور کے خون سے لالہ زار بنے تھے؟ کیا برصغیر میں پھیلے ہوئے شکستہ کھنڈرات کسی اور کے عہد اقبال کی شہادت دے رہے ہیں؟ اور کیا جلال و جبروت کا سرچشمہ خدائے بزرگ و برتر ——— بزدل ہندو کی بے زبان مورتیوں سے شکست کھا سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ حق و باطل کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہ پا سکو گے۔ پھر یہ کیا تھا ——— ؟ یہ شکست قانون مکافات عمل کا ظہور اور شامت اعمال کا نتیجہ تھا۔ وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون۔ نصرت اور قوت خداوندی تو ہمیشہ قائم اور دائم رہنے کے لئے ہے اور کسی کو اس پر یقین نہ ہو تو پھر اسے چاہیئے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تان کر اس کا پھندا بنائے اور اس طرح اپنے گلے میں پھانسی لگا لے۔ من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ہل یذہبن کیدہ ما یغیظ۔

سنت اللہ کا ظہور

پس یہ اسلام کی شکست نہیں جو ایک ابدی حقیقت اور سرمدی صداقت ہے۔ بقا اس کی میعت اور فنا اس سے گریزپا ہے۔ بلکہ یہ تو عروج و زوال امم کے

لئے اللہ کے اٹل قوانین اور سنت اللہ کا ٹھیک ٹھیک ظہور ہے۔ ذرا بھی اپنے شکستہ دل کے ملبہ میں اس المیہ کے اسباب ٹٹولوگے تو یہ نتائج تعجب خیز نہیں بلکہ سنت اللہ کے عین مطابق معلوم ہونگے۔ ایسا نہ ہوتا تو اس سنت کی تبدیلی سب کو محو حیرت کر دیتی۔ پس یہ رسوائی اسلام کی نہیں۔ نہ اللہ کے مخلص بندوں کی ہے بلکہ اعمال کا رد عمل ہے۔

منافقانہ کردار اور کھوکھلے نعروں کی موت

نفاق اور کھوکھلے نعروں کی شکست قول و عمل کے تضاد اسلام کو نعرہ فریب و استحصال بنانے کی شکست ہے۔ یہ عیاری، فحاشی اور بے حیائی کی شکست ہے۔ یہ اختلاف و انتشار اور اقتدار کے لئے رسہ کشی کا نتیجہ ہے۔ یہ میکیاولی سیاست کی موت ہے کہ فاروقی سیاست تو غالب رہنے کے لئے تھی۔ یہ خود غرضی اور ہوس اقتدار کا وبال ہے اور گاڑی ہلاکت اور بربادی کی اپنی اسی منزل میں جا گری ہے جس کی راہ پر ہم نے اسے ڈال دیا تھا۔

اب ہم لاکھوں تحقیقاتی کمیشن قائم کریں۔ جنگی اور سیاسی اسباب ٹٹولیں۔ ایک دوسرے کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنے مجرم ضمیر کی آسودگی کا سامان کریں۔ ہماری عظمت کا قصر رفیع پیوند خاک ہو چکا ہے۔ بلند نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ یغیروا ما بانفسہم لٹی ہوئی آبرو تحقیقاتی کمیشنوں سے واپس نہیں ہو سکتی۔ نہ نفس اور قوم کو فریب دینے کے لئے اسی سعی لاحاصل کی ضرورت ہے ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

اپنی حالت بدلنے کی بجائے ان ابلہ فریبیوں میں پڑنے والو کہیں کاتب تقدیر نے یہ کہہ کر یوں قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا حکم تو نہیں دیا کہ ع

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

بیشک مایوسی کفر اور یاس و قنوط پیغام موت ہے۔ مسلمان مایوس نہیں ہوتا لیکن وہ اسلام جو مردہ قوموں کے لئے حیات جاودانی کا مژدہ بنتا تھا۔ اس پورے عرصہ آزادی میں کبھی اپنایا گیا؟ اپنایا ہوتا تو یہ روز بد کیوں دیکھتے۔ پھر آج امید و بیم کی دنیا بسائی جائے بھی تو کیسے؟ ہمارے پاس رہ کیا گیا ہے۔ چند آنسو، چند حسرتیں اور چند آہیں۔ قوم کا ساز حیات ڈوب چکا ہے اور وہ جسے ہم عالم اسلام کا حصار کہتے تھے خود ہمارے ہاتھوں ٹوٹ چکا ہے۔ ہم نے صلاح الدین کی آبرو مسجد اقصیٰ یہودیوں کے

ہاتھوں لٹادی۔ وسط ایشیا۔ سمرقند و بخارا میں اپنے بزرگوں کا خزانہ اپنے ہاتھوں لُٹ گیا، ہسپانیہ اور سسلی میں اپنی متاعِ عظمت و شوکت تاراج کرنے والو آج ہند میں محمود غزنوی کی قبائے عزت و افتخار بھی تمہارے ہاتھوں تار تار ہو چکی ہے مگر تمہاری عشرت ناکی اور ہوسناکیوں میں لمحہ بھر کے لئے کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تم میں سے کتنے ہیں جنہیں اس مصیبت کبریٰ کا واقعی احساس ہے۔ کتنی آنکھیں خونبار ہو چکی ہیں۔ کتنے قلوب فرطِ غم سے پھٹ چکے ہیں اور کتنے ہیں جو زندگی کی رنگینیوں کو چھوڑ کر دشت و صحرا کے ویرانوں کو اپنی آہ و بکا سے آباد کر چکے ہیں اور کتنے ہیں جنہیں اب اس عظیم المیہ سے سبق لینا ہے ——— اٹھو دیکھو پورا برصغیر اسلام کا غم کدہ بن چکا ہے۔ اور اگر تمہارے مقدر میں رونا ہی رہ گیا ہے تو اٹھو اور اپنے نالہ و شیون سے عالم افلاک میں تہلکہ مچا دو شاید رب السموٰت والارض کو ہماری پستی اور بے بسی پر ترس آجائے۔ مسلمانو! سقوط ڈھاکہ فقط واقعہ نہیں یہ ہند میں تمہارے اسلاف کی تیرہ سو سالہ عظمتوں اور قربانیوں کا جنازہ ہے۔ اب تمہیں روٹی کپڑے اور مکان کی نہیں کھوئے ہوئے لباس مجد و شرف کی ضرورت ہے اور اگر اس حال پر خوش ہو تو یاد رکھو کہ خدا کی بستی میں اس لباس سے ننگی قوم کا کوئی ٹھکانہ نہیں ؎

یہی ہے زندگی تو زندگی سے موت اچھی
کہ انسان عالمِ انسانیت پہ بار ہو جائے

جنگ اور جنگ کے بعد

جام شراب

سنا ہے شیخ مجیب نے شراب پہ پابندی لگا دی۔ حریف جنگ کے بعد اخلاقی میدان میں بھی بازی لے گیا۔ رہی ریاست تو وہاں پارلیمانی نظام کا غلغلہ ہے اور یہاں مارشل کی مدح سرائیاں اور جو مملکت جام شراب پر لٹا دی گئی وہاں شراب کا دور دورہ نہ ہوگا تو کہاں ؎ کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

طاؤس و رباب

ادھر جنگ لڑ رہے تھے ادھر لاکھوں روپیہ ایک فاحشہ مغنیہ (نام نہاد ملکہ ترنم) کے دوروں پر خرچ ہو رہا تھا اور ۱۹۶۵ء میں بھی تو اسے ہی

تمغہ دیا گیا تھا۔ کاش ہم جانتے کہ تقدیریں شمشیر و سنان سے بنتی ہیں، طاؤس و رباب کا ہر ساز و آواز تو کسی قوم کے خبر مرگ کا نقارہ ہوتا ہے۔

ابن علقمی

خلیفہ مستعصم کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے کسی شیعہ سنی فساد پر ناراض ہو کر ہلاکو کے ہاتھوں پوری خلافت بغداد تباہ کر ڈالی۔ معلوم نہیں ہمارے دور کے ابن علقمی یحییٰ خان رافضی نے کس کربلا کے انتقام میں پوری اسلامی مملکت برباد کر ڈالی ہے۔ یا پھر قدرت نے ہمیں ابن علقمی کی تاریخ دہرانے پر خود یہ سزا دی ہے۔

ہوئے کیوں نہ غرق دریا

یحییٰ خان کی رسوائیوں کے چرچے ہیں کوئی شریف خاتون تو کیا زنان بازاری بھی اس رسوائے زمانہ کو اپنی گلی میں جگہ نہیں دیتی۔ بے شک عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ ہے۔ اس کی چادر رحمت ذرا سرک جائے تو سب کچھ ہیچ دکھائی دیتا ہے۔

پاکستانی حکمران کا اثاثہ

پشاور میں یحییٰ خان کے لٹے پٹے گھر میں صرف بار روم سلامت رہ گیا ہے۔ یہ ہے کسی عظیم اسلامی سلطنت کے "امیر المومنین" کا اثاثہ اور کچھ شکستہ جام و سبو بھی جو "پسماندگان" کے کام آ سکیں۔ کچھ ٹوٹی ہوئی مینائیں جو اس ساقی کو رو رہی ہیں جس کی گردش میں کل تک پیالے نہیں بھرے میخانے ہوا کرتے تھے ؎

ع   بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

منصوبہ بندی

نئی حکومت نے ایک وزارت خاندانی منصوبہ بندی کی بھی بنا رکھی ہے قدرت کی اتنی بڑی منصوبہ بندی کے بعد کہ ہم گیارہ کروڑ کی بجائے پانچ کروڑ رہ گئے کسی اور منصوبہ بندی کی ضرورت رہ گئی ہے اگر ہے تو اسے بھی قدرت پر چھوڑ دیجئے اور انتظار کیجئے۔

بعد از مرگ ماتم عزا

شہنشاہ ایران ہماری اشک شوئی کے لئے تشریف لائے۔ بعد از مرگ اس "ماتم عزا" میں شمولیت بھی صد لائق تشکر ہے کہ "جشن ایران" میں ہماری وارفتگیوں کا صلہ "شام غریباں" میں شریک ہو کر تو مل گیا مگر دل سے رہ رہ کر صدا اٹھتی ہے کہ ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا۔ نہ ماتم عزاداری کی ضرورت رہتی، نہ جنازہ کو کندھا دینے کی

باب ۱۷

حاملین علوم نبوّت

مقام و ذمہ داریاں

علم و عمل، مدارسِ عربیہ نظام و نصابِ تعلیم

امراء اور خلق خدا سے استغنا اور بے نیازی

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی متاعِ فانی کو ہیچ و حقیر جانا اور ارباب دولت و سطوت کی مادی شان و شوکت ایک لمحہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی۔ انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع و لالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید و آس سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل و دماغ کے تاجدار تھے مگر ان کے تمام اوصاف کا گوہر آبدار یہی وصف استغناء عن الخلق اور شان بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم و ملک نیمروز کو ایک جو سے بھی حقیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرایا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور ہیچ میرزی کی حقیقت ان کے قلوب میں راسخ و ثابت ہوئی اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وما آتانی اللہ خیرٌ مما آتاکم بل انتم بہدیتکم تفرحون کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت و سطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت و قوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جبکہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور وما عند اللہ خیر و ابقیٰ یہاں ان خاصان حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے۔ ارباب دولت اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ ارباب جاہ و سطوت سے اعراض و گریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا گو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پر خلفاء و سلاطین اور مجالس میں امراء و حکام کے آنے کے عوض میں اپنے بیٹے کے دفن کرنے ترجیح دوں گا۔[1]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۰

حضرت اعمش جلیل القدر تابعی اور اجلۂ امت میں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و احتیاج میں گزری۔ کبھی بھی ضروریاتِ زندگی سے اطمینان حاصل ہوا مگر بایں ہمہ فقر و عزیمت، امراء و اربابِ دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے ہیں[1]۔ فقر و احتیاج کے باوجود جرأت و بیباکی کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارہ میں ان کو لکھا جس سے صحابہؓ کے ایک گروہ پر تنقید مقصود تھی تو انہوں تے شاہی پیغام رساں کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا کہ اس خط کا یہی جواب ہے۔

اسی عہد کے دوسرے یگانۂ علم و فضل اور یکتاۂ زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاجب و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور اگر کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملتِ محمدیؐ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ (مجددِ اوّل) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خانوادہ فاروقی کے گل سرسبد اپنے جدِ امجد سیدنا عمرؓ فاروق اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہ کے سچے جانشین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے گھر میں کسی غیر سے مانگوں۔

محبتِ الٰہی سے سرشار ان فقراء و زہاد نے فقر و فاقہ اور شدت بھوک کے باوجود غیراللہ سے طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک سے احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم تے خطیب بغدادی کے حوالہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج ہے کہ حضرت حارث محاسبی ایک مرتبہ

---

[1] طبقاتِ کبریٰ ج ۱ ص ۳۸۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۲۱ بحوالہ تابعین ص ۲۴۲

ان کے سامنے آئے۔ چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کھانا حاضر کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت ہوئی تو اکرام ضیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر، اپنے چچا (جو بہت دولت مند تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لا کر پیش کر دیا۔ حضرت حارث نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نگل سکے اور جب کھڑے ہو کر جانے لگے تو دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنید نے وجہ پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

اسلاف کی شان بے نیازی

ریاستہائے متحدہ آگرہ و اودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرتؒ کے قصبہ گنج مرادآباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دبدبہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مرادآباد میں ہلچل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی۔ ادھر مریدوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ خانقاہِ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک۔ جبکہ گورنر بغیر اس کے بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یادِ الٰہی میں محو تھے۔ اس تگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایت متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آ رہے ہیں۔ اور یہاں اس کے شایانِ شان ایک کرسی تک نہیں۔ شیخ نے اس خبر کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ اب شیخ نے چاہا کہ ان کو اربابِ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابلِ فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتا دیں کہ اہل دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت و سطوت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا۔ کیا یہاں خانقاہ میں پانی کا مٹکا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک اتار رکھ دیجئے تاکہ گورنر آ کر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوبِ نبیؐ کی خلوتوں میں مستغرق شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحبِ اقتدار حاکم سے باتیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی۔ اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہو گیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اس کی بیوی بھی آئی تھی جو قریب بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

دستارِ فضیلت یا کانٹوں کا ڈھیر

دارالعلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی میں بزرگوں کے ہاتھوں دارالعلوم کے جن فارغ التحصیل فضلاء کی دستار بندی ہو رہی ہے ہم ان کی خدمت میں دلی مبارک باد اور پُر خلوص جذبات پیش کرتے ہوئے اتنا عرض کریں گے کہ یہ دستارِ فضیلت اگر مقام و منزلت کے لحاظ سے سرخروئی دارین کا تاج مرصع ہے۔ تو ذمہ داری اور تقاضوں کے لحاظ سے اتنی نازک ترین امانت جس کا سنبھالنا پہاڑوں، دریاؤں اور آسمانوں کے بس میں نہیں۔ یہ آپ کی مسندِ وراثتِ نبوت اور مقامِ دعوت پر فائز ہونے کی علامت ہے۔ اور آپ کو زندگی کے ہر اجتماعی و انفرادی موڑ پر اس منصب کی لاج رکھنی ہے اور وراثتِ انبیاءؑ کے تقاضوں کو نباہنا ہے۔ یہ ایک داعی اور نذیر کا مقام اور بلا خوف لومۃ لائم کلمہ حق کہنے کا منصب ہے۔ اس علم کو مادی اجر و منفعت طمع و حرص، خوف و لالچ اور نفاق و مداہنت کی آلائشوں سے پاک رکھنا ہے۔ پھر اس عہدِ ظلمات نے تو آپ کی ذمہ داریاں اور بھی نازک بنا دی ہیں۔ نبوت چونکہ

آقائے دوجہاں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کارِ نبوّت یعنی دعوت الی اللہ امر بالمعروف تغییر منکر۔ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ امت کی اس جماعت ہی کو ادا کرنا ہے جسے اس کے پیغمبرؐ نے انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ٹھہرایا (علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل) ان تقاضوں کی رُو سے یہ دستار صرف پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا ڈھیر بھی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا تلامذہ کو الوداعی نصیحت ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ النعمانؒ نے فارغ ہونے والے اپنے ممتاز تلامذہ کے اہم مجمع میں الوداعی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

> "اللہ کا واسطہ اور علم کا جو حصہ آپکو ملا ہے اس علم کی عظمت وجلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچاتے رہنا ـــ آگے چل کر فرمایا ـــ امام (مسلمانوں کا حاکم اور امیر) اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ کسی غلط روّیہ کو اختیار کرے، تو اس امام سے قریب ترین عالم کا فرض ہو گا کہ اس سے باز پرس کرے۔ (موفق ج ۲ ص ــ)

حضرت الامام کے ان کلمات میں ہم سب کے لئے مقامِ نصیحت ہے۔ اب یہ آنے والے حالات پر ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں کون پورا اترتا ہے۔

(مئی ۶۶ء)

شیخ الازہر کی اہلِ علم کو نصیحت

دنیائے اسلام کی قدیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر اور اس کے شیخ ـــ شیخ الاعظم کا ہر دور میں اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جامع ازہر کے موجودہ شیخ عبدالحلیم محمود نے سرزمین پاکستان کو اپنی آمد کی شرف بخشی۔ اہل علم مدارس تعلیمی اداروں اور کئی شہروں کو اپنی زیارت سے نوازا۔ شیخ عبدالحلیم محمود نہ صرف شیخ الازہر کی حیثیت سے بلکہ اپنے ممتاز علمی مقام اور نمایاں خدمات کی وجہ سے بھی اس دور کی قیمتی شخصیات میں سے

ہیں۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو بھی اپنے ایک دو دوستوں کے ساتھ جس دن راولپنڈی سے ان کی روانگی تھی، تقریباً ایک گھنٹہ تک یکسوئی اور تنہائی میں زیارت اور ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا انہوں نے ازراہِ شفقت نہ صرف زبانی بلکہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر نصائح سے بھی نوازا۔ شیخ کے مقام وعظمت اور اس تحریری نصیحت کی جامعیت اور افادیت کے پیشِ نظر ہم اپنے قارئین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ الازہر نے اہلِ علم کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

النصيحة ان يهب الانسان	نصیحت یہ ہے کہ انسان نبی کریم
نفسه لله تأسيا برسول الله	علیہ السلام کے اقتدا میں اپنے
صلى الله عليه وسلم الذى	آپ کو اللہ کے حوالے کر دے
يقول الله سبحانه وتعالى له۔	جنہیں خداوند کریم نے مخاطب کر
قل ان صلاتى ونسكى ومحياى	کے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ
ومماتى لله رب العالمين	میری نماز اور عبادتیں میری زندگی اور
لاشريك له وبذلك امرت	موت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کیلئے
وانا اول المسلمين وحيّا الانسان	ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں یہی مجھے حکم
اذن يجب ان تكون لله واذا	دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے
ماوهب الانسان حياته لله	تسلیم وانقیاد خم کرنے والا ہوں۔
فيجب عليه ان يثقت لنفسه	پس اب لازم ہے کہ انسان کی
اسلامياً وذلك بدراسة القرآن	. زندگی صرف اللہ کے لئے ہو
الكريم والسنة النبوية	اور جب انسان اپنی زندگی خدا
الشريف ومن افضل الكتاب	کو بخش دیتا ہے تو لازم ہے کہ
بعد القرآن الكريم كتب	اپنے نفس کی اسلامی حیثیت سے
آئمه الحديث مثل صحيح البخاري	اصلاح کرے یہ اصلاح اور
ومسلم وكتاب رياض الصالحين	شائستگی قرآنِ کریم اور سنتِ

وكذالك كتاب احياء علوم الدين وكتاب السيرة النبوية لابن كثير۔

نبی کریمؐ سے ہو سکتی ہے۔ اور قرآن کے بعد سب سے بہتر کتابیں ائمہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف، ریاض الصالحین اور احیاء العلوم اور ابن کثیر کی سیرت نبویہ۔

واذا وهب الانسان نفسهٗ لله فعليه ان يهدى الآخرين الى الله تعالىٰ وذالك بالدعوة الى التمسك بالدين والتمسك بالخلق الصالح۔

— والله الموفق —

اور جب انسان سب کچھ خدا کے سپرد کر دے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اب اوروں کی بھی اللہ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ کام دین پر عمل پیرا ہو کر اور اسلام کے اخلاق و اعمال صالح اپنا کر ہو سکتا ہے۔

عبد الحلیم محمود شیخ الازہر

شیخ الازہر کے مذکورہ جامع کلمات میں عام مسلمانوں اور اہل علم کے لئے صدہا نصیحتیں ہیں۔ ہم پاکستان میں ان کی آمد کے موقع پر تہ دل سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا کے لئے جامع ازہر کے زیادہ سے زیادہ بہتر خدمات کے متمنی ہیں۔ اپریل ۱۹۷۶ء

شاندار علمی ماضی سے رابطہ کی ضرورت

ممتاز مسلمان عالم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حال مقیم پیرس نے دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ فقہ حنفی کی اہم ترین شخصیت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی بارہ سویں برسی بڑے اہتمام سے منائیں۔ جو کہ ۱۳۸۹ میں منائی جا رہی ہے۔ اس موقع پر یونیسکو نے امام شیبانی کی کتاب سیر کبیر کا فرانسیسی ترجمہ شائع کرنے کا اعلان کیا ہے! امام اعظم کی فقہ کی اشاعت اور اس کی تدوین اور ترتیب میں امام محمد کو بنیادی مقام حاصل ہے اور ان کی مذکورہ کتاب تو عالمی تاریخ میں بین الاقوامی علاقات اور قوانین پر قدیم ترین کتاب مانی گئی ہے، مسلمانوں کے ایک جلیل القدر فرزند کے علمی کارناموں کی یاد اور ان کی ترویج و اشاعت اور تعارف کی غرض سے مشرق کے مایۂ ناز عالم ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ اپیل ہر لحاظ سے قابلِ توجہ ہے، مگر مسلمانوں میں آج کتنے ہیں جنہیں اپنے شاندار ماضی کے ایسے لامثال افراد کے نام تک بھی معلوم ہوں، جن بزرگوں کے علوم و آرا سے استفادہ اور اشاعت کو یورپ بھی اپنے بدترین تعصب کے باوجود ضروری اور قابلِ فخر سمجھ رہا ہو، آج خود مسلمانوں کو ان پر کتنا اعتماد اور ان کے علوم سے کتنا رابطہ ہے؟ مارچ ۱۹۶۸ء

مسلمانوں کے عروج و زوال میں علماء کا کردار

عربوں کے حالیہ "المیہ" سے یہ حقیقت ایک بار پھر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ سرخروئی اور کامیابی کے لئے مسلمان قوم کا ایمانِ محکم، اعمالِ صالح سے آراستگی، دینی روح اور اسلامی جذبات سے سرشاری، دینی ورثہ اور اسلامی روایات سے والہانہ فدائیت، اعلاءِ حق اور دین کے لئے مر مٹنے کا جذبہ نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ یا علاقہ ان اعلیٰ مؤمنانہ صفات اور خصوصیات سے محروم ہو جائے تو ناممکن ہے کہ صرف مادی اسباب و وسائل، ظاہری شان و شوکت، آلاتِ حرب و ضرب اور عددی قوت و کثرت اُسے اُس ذلّت اور "خذلان" سے بچا سکے جسے صریح انداز میں کلامِ کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے:۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ ۔۔۔ مگر یاد رہے کہ مسلمانوں کا ان ایمانی اوصاف سے اتصاف تب ممکن ہے کہ اپنے روحانی سرچشمہ اور اسلامی تعلیمات، کتاب و سنّت اور اُسوۂ رسولؐ و صحابہؓ سے ان کا رشتہ اور تعلق بہت گہرا اور مستحکم ہو۔ اس تعلق کے قیام و استحکام کی سب سے بڑی ذمہ داری علوم اور تعلیماتِ اسلام کی نمائندگی کرنے والے اس طبقہ پر عائد ہوتی ہے جسے "علماءِ کرام" اور راہنمایانِ دین و شریعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جن کا مقام و منصب ایک مسلم معاشرہ میں دینی امامت و سیادت اور وراثت و نیابتِ نبوّت کا ہے۔ ایمان و ہدایت کے یہ سرچشمے اگر متحرک، پُرجوش، باعزم ہوں گے تو ملّت کی سوکھی کھیتیوں کی آبیاری ہو سکے گی۔ اور اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں تاریک دل منوّر ہو سکیں گے ۔۔۔ ضروری ہے کہ وہ خود ان علومِ ربّانی اور ہدایاتِ نبوی کا عملی نمونہ ہوں۔ اور مجسم ایمان و یقین اور عملِ صالح بن کر قوم کے سامنے آئیں، ان کا وجود اسوۂ نبوی اور سیرتِ صحابہؓ کا زندہ اور چلتا پھرتا پیکر ہو۔ وہ حرص و لالچ، طمع و خوف کی تمام آلائشوں سے پاک ہوں، دنیا کی فانی لذّت اور عیش و عشرت کی چمک دمک سے

ان کی آنکھیں خیرہ نہ ہوں، دنیا کی بڑی سے بڑی قوت وسطوت اور وعد و وعید سے ان کے قدم جادۂ حق سے نہ ڈگمگائیں۔ وہ بغیر کسی امیدِ نفع اور جاہ طلبی کے بلا خوف لومۃ لائم، اجرِ آخرت، خوشنودیٔ مولا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر شبانہ روز اپنے فرائضِ منصبی ادا کئے جائیں اور راہِ حق میں ان کی پرواز ہر قسم کی مادی اور دنیاوی "بندشوں" سے آزاد رہے۔

علماء اور معاشرہ کی کشمکش "وارثینِ انبیاء" کا اتنا اونچا اور کامل معیار جب معاشرہ کے سامنے آئے گا۔ تو لازماً ان کی "گرفت" ملک و ملت پر مضبوط اور راسخ ہوتی جائے گی۔ ان کی عقیدت اور گرویدگی کی جڑیں قوم کے قلوب سے اور شاخیں آسمانوں سے پار ہوں گی اور اس "کٹر ملائیت" اور "مذہبی اجارہ داری" کے صدقے قوم کی اکثریت اس دینِ فطرت اور صبغۃ اللہ میں رنگ جائے گی جسے آپ "کٹر ملائیت"، "دقیانوسی" اور رجعت پسندی سے پکارتے ہیں۔ عرب عوام کے سامنے عرصہ سے اس ملائیت کے نورانی اور عرفانی نمونے نہیں آ رہے تھے، وہاں کے علماء کی اکثریت نے عوام کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ حرص و آز اور عہدہ و منصب نے ان کے ضمیر اور قوتِ ایمانی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یا پھر وہ قوت و طاقت، عہدہ و منصب کی پُرفریب سنہری زنجیروں میں پابندِ سلاسل ہوئے۔ وہ خود رسول اللہ کے اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ بیٹھے اور یہود و نصاریٰ کے تمدن میں ڈوب گئے۔ منبر و محراب میں اقتدار کی دست اندازیوں سے کلمۂ حق اور اعلائے اقدار کی اشاعت کے راستے مسدود ہو گئے۔ تو لازماً مسلم معاشرہ پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی اور پورا معاشرہ مادیت اور نام نہاد تمدن کے قعرِ مذلت میں گرتا چلا گیا، قومی خودداری، دینی احساس و شعور، جہاد اور جان نثاری کے جذبات سرد پڑ گئے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگی۔ اور صرف سائنس اور ٹیکنالوجی اور عصری علوم اور نظریات سے کام نہ چل سکا۔

علماء اور ملائیت کے دشمن تجدد پسند "تجدد پسندوں" اور "روشن خیالوں" کا وہ طبقہ جو اس ملک میں "علماء اور ملائیت" کی کمر توڑنے کے درپے رہے۔ اور ابھی

اس مذہبی انارکی اور "مذہبی گرفت" سے آزادی کے لئے وہ آئے دن مصر، عراق، ترکیہ اور لبنان، الجزائر اور ایران کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ یہاں بھی وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں جو مصر و شام میں دہرائی گئی۔ اور اس سے پہلے اندلس و البانیہ میں یا سمرقند و بخارا اور وسط ایشیا کے دیگر اسلامی حصوں میں۔ کیا ان ممالک میں اسلام کا زوال اپنے وقت کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے انتہائی عروج کے زمانہ میں شروع نہیں ہوا۔ مادی قوت اور دنیاوی ترقی کے منتہائے کمال کے وقت "ملائیت" کی گرفت ان ممالک میں ڈھیلی پڑ گئی اور نتیجہ سب کے سامنے ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ "انہوں نے ملائی نظام کی کمر توڑ دی تھی اور ملائیت سے پیچھا چھڑانے لگے تھے۔"

ملائیت اور سائنسی ترقی

جن ممالک کا نام لیکر آپ ملائیت اور راسخ العقیدہ اسلام کو یہاں گردن زدنی قرار دے رہے ہیں کیا ان میں سے بہت سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے آگے نہ تھے؟ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ سائنسی لحاظ سے کمزور تھے تو "ملائیت" نے ہمیں کب سائنسی ترقیات سے روکا؟ کہ سارا الزام اسکے سر تھوپا جائے "اسلام" کی وہ کونسی بنیادی تعلیم ہے اور ائمہ و اکابر اسلام کی وہ کونسی شخصیت ہے جو اس طویل تاریخ میں سائنسی و حربی ترقیات میں رکاوٹ بنی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے مراد اگر مادی ترقیات اور ملک کی حفاظت و بقاء اور دشمن کی مدافعت کی خاطر جنگی استعداد بڑھانا ہے تو وہ اسلام ہی ہے جس نے دشمن کے خلاف تیاری، اعداد و استعداد کو کسی حال سے مشروط اور کسی مقدار سے محدود نہیں کیا۔ اس نے اساسی ارکان نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کیلئے تعداد و زمان کی حدود و قیود مقرر کیں مگر یہ کہہ کر جہاد و جنگی تیاریوں کیلئے ہمہ وقتی اور ہر ممکن جد و جہد کرنے کا حکم دیا کہ واعدوا لھم ما استطعتم اس کیلئے کوئی حد و قید نہیں اور جتنا بھی آپکا بس چلے دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرو۔ یہ استطاعت اپنے اندر لامحدود مفہوم رکھتی ہے۔ ہاں اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کے تکرار عصری تقاضوں اور زمانے کی رفتار کے ورد اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے ترجمانی نسبت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز ختم کر دیا جائے۔ اور اسلام کو سود، قمار، شراب، بے پردگی، فحاشی میں رکاوٹ نہ بنایا جائے۔ نام نہاد اقتصادی اور معاشی ترقیوں کی خاطر نہ تو نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ پر وقت ضائع کیا جائے اور نہ ان اصطلاحات پر زور دیا جائے بلکہ انکی "روح" کو کافی سمجھا جائے عصر حاضر کے لادینی ازم اور تحریک کے ساتھ اسلام کا پیوند لگایا جائے اسلام کے تعبیرات اور اساسی اصول پر نہ اڑا جائے۔ تو یقین جانیے کہ ایسا کرنا صرف ملائیت نہیں اسلام اور "اسلامیت" ہے۔ محمدیت اور صدیقیت ہے۔ یہ ملائی نظام نہیں فاروقیؓ نظام ہے۔ یہ ملا ازم نہیں عثمانؓ و علیؓ اور تمام صحابہؓ کا ازم ہے۔ پھر آپ کو کھل کر "ملائیت" کی بجائے "اسلامیت" کا لفظ استعمال کرنا چاہئیے۔ (اگست ۶۷ء)

مقامِ دعوت و عزیمت

صفر کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ ملک بھر کے ممتاز علماء کی شمولیت، دینی و ملکی معاملات کے ہر گوشہ پر جامع اور ہمہ گیر انداز میں مخلصانہ سوچ و بچار، دینی احساسات اور جذبات کا نہایت پُرامن اور باوقار طریقہ سے مظاہرہ، اور نظم و نسق کے لحاظ سے بجا طور پر یہ اجتماع ایک مثالی اجتماع تھا۔ مجموعی طور پر اس اجتماع سے خوابیدہ جذبات بیدار، حوصلے بلند، ولولے تازہ ہو گئے اور یاس و قنوط کے بادل چھٹ گئے دینی افق پر آوازۂ حق کا یہ آفتاب و ماہتاب جس شان بان سے طلوع ہوا اس کی چکاچوند سے اہل ہوی و الحاد کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دینی زوال و اندراس کا خواب دیکھنے والے حواس باختہ ہو گئے ـــ اور اسلامی تاریخ کی یہ روشن حقیقت ایک بار پھر آشکارا ہو گئی کہ اربابِ عزیمت اور حق پرست علماء کے پایہ ثبات کو نازک سے نازک حالات بھی جادہ حق سے نہیں ڈگمگا سکتے اور نہ حالات کی نامساعدت انہیں فریضۂ اعلائے حق کی ادائیگی سے روک سکتی ہے۔

علماءِ حق اور اسلاف کی وراثت علماءِ حق ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ہر دور میں اسلام کا نشان بلند و بالا رکھا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے علوم و افکار کی ترجمان سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قربانیوں کی امین مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کے عزم اور ولولۂ جہاد کی محافظ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن، بطلِ جلیل شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد علی جوہر کی وراثت اور عظمتوں کی حامل جماعت بھی اگر دین کی حفاظت و اشاعت اور حریمِ اسلام کی حراست و مدافعت میں غفلت برتنے لگے تو چمنستان دعوت و عزیمت کی رونق اور بہار کیسے قائم رہے؟ جبکہ حسبِ بشاراتِ نبویہ قیامت تک دعوت و عزیمت کے اس گلشنِ محمدی کو سدا بہار اور سرسبز و شاداب رہنا ہے ـــ لا تزال من امتی امۃ قائمۃ

بامر اللہ۔ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتیٰ یأتی امر اللہ وھم علیٰ ذٰلک میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ملامت اور مخالفت کرنے والوں سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور یہ لوگ اسی حالت میں ہوں ـــــ اس رواں دواں اور سدا جوان دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے ہر کٹھن گھڑی میں خدائے حی و قیوم نے بصیرت صدیقی، ہیبتِ فاروقی، تحملِ عثمانی اور فراستِ حیدری سے سرشار اربابِ عزیمت، ائمہ رشد و ہدایت اور وارثانِ علومِ نبوت علماء حق کی دستگیری فرما کر انہیں توفیق دی ہے کہ بقول مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شیوۂ حیات اور مقصدِ زندگانی یہی رہ گیا ہے کہ ینفون عنہ (دین اللہ) تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ اہلِ بدعت کی احداث و تحریف اور اہل باطل واصحابِ جہل کی تاویل و تلبیس سے دینِ خداوندی کی مدافعت کریں ـــــ ہم علماء کرام کے ان روح پرور مظاہراتِ دعوت و عزیمت پر خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں اور دعا ہے کہ خداوند قدوس اس اجتماع کے اثرات کو دیرپا بنا کر ان مساعی کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ملک و ملت کی حقیقی فلاح و سرخروئی کا ذریعہ بنا دے اور اہلِ حق کو مزید جوش، ولولہ اور پائدار جدوجہد، نظم و ضبط اور بہترین صلاحیتوں سے نوازے۔

(۲ جون ۱۹۶۸ء)

علماء قوم کو ورطۂ حیرت سے نکالیں

ملک کے ہمہ گیر انقلاب نے اب تقسیمِ ہند سے قبل ہنگاموں جیسا سماں پیدا کر دیا ہے لاہور میں جمعیت العلماء اسلام کے زعماء کے ساتھ سنگدلانہ اور وحشیانہ سلوک اس عوامی جدوجہد اور اقتدار کے تشدد کی ایک انتہائی مثال ہے۔ جمعیت کے محترم رہنما اور ہم سب کے مخدوم زادہ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کے ساتھ جو ہتک آمیز سلوک ہوا وہ جتنا افسوسناک ہے، علماء حق کی سرخروئی، مقاصد میں کامیابی اور فریضۂ اعلاء کلمۃ اللہ سے عہدہ برآئی کے لحاظ سے اتنا ہی خوش آئند اور قابلِ صد فخر و مسرت ہے۔ حق کی شمع علماءِ حق کے خون سے روشن چلی آ رہی ہے۔ روشنی کے

جس قندیل کو احیاءِ سنّت کی خاطر امام احمد بن حنبلؒ نے رمضان کے مہینے میں تازیانے کھا کھا کر اپنے پاکیزہ خون سے فروزاں کیا۔ ہمارے اکابر نے رمضان کے وداعی جمعہ کو شیرِ اسلام حضرت لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ گیٹ میں اس سنتِ حنبلی کو تازہ کیا۔ یہی ابوحنیفہؒ کا اسوہ ہے۔ اور یہی مالک بن انسؒ کا طریقہ۔ ان سب کی ایک ہی بات تھی کہ قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کر دو تو ہم مان لیں۔ پھر اس سرزمین میں اسلام کا نشان تو ہمارے صاحبِ دعوت و عزیمت اکابر ہی کی مجاہدانہ قربانیوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور شہداءِ بالاکوٹ کی عظمتوں کے حامل اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی کے صفات و کمالات کی امین اور بطلِ اسلام مجاہدِ اعظم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حمیتِ دینی کی وارث جماعت اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے سرفروشانہ جدوجہد میں کسی سے پیچھے رہے۔ علماءِ حق کا قافلہ انہی قربانیوں کا زادِ راہ لے کر رواں دواں ہے۔ اور اس راہ کی صعوبتیں ان کی گرمیٔ رفتار کے لئے تازیانے ہیں۔ ہمارا سر فخر سے اونچا ہے کہ جمعیۃ العلماء نے پچھلے سال لاہور کے جمعیۃ کانفرنس کے ذریعہ جس جمود اور تعطل کو توڑا تھا۔ اب لاہور کے حالیہ المیہ نے اس ساری فضا کو جمعیۃ کے عَلَمِ محمدی کے زیرِ نگین کر دیا ہے۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں جمعیت العلماء اسلام مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ وہاں کے اکابر نے ازراہِ شفقت و حوصلہ افزائی اس کم سواد طالبعلم کو بھی اس میں شرکت کرنے کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر جب کہ ملکی حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں۔ اور نئے نئے اعلانات مختلف نظریات اور طرح طرح کی بولیوں کی وجہ سے قوم کے سامنے مستقبل کے لئے کوئی واضح اور قابلِ الطمینان لائحہ عمل نہیں آسکا۔ ہمیں کانفرنس میں شامل ہونے والے اکابر علماء حق سے قوی توقع ہے۔ کہ وہ سر جوڑ کر موجودہ اور آئندہ حالات کے بارہ میں کسی ایسے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں جو ملک و ملت کی سلامتی، اسلام کی حفاظت اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور وحدت و سالمیت ہر لحاظ سے تسلی بخش اور قابلِ الطمینان ہو۔ ورنہ ملک کی موجودہ حالت تو شامتِ اعمال کی وجہ سے ”نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن،، کی مصداق ہے۔ موجودہ

اقتدار اور نظام کو تو جانے دیجئے کہ اسی نے تو ملک کو یہ روزِ بد دکھایا مگر کیا حزبِ اختلاف کے متضاد دعاوی اور متصادم نظریات اور مختلف عزائم اور افکار کے سایہ میں اس ملک کو عافیت نصیب ہو سکے گی؟ اس ورطۂ حیرت سے قوم کو نکالنا ان ہی علماءِ حق کا فریضہ ہے جنہیں علم اور تجربہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے باطنی فراست اور ربانی بصیرت سے نوازا ہے۔ ورنہ ہم جیسے عامیوں کی نظروں میں تو اس وقت پورے پاکستان کی حالت اس وادیٔ تیہ جیسی ہے جس میں نعمتِ آزادی کی لگاتار ناشکری اور نواہیِ خداوندی کی بیقدری کرنے پر خداوند تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو حیران و سرگردان پھنسا دیا تھا۔ بائیس ۲۲ سال تک پوری قوم حاکم اور رعایا نے جو کچھ کیا اگر اس کے ردِ عمل میں یہ موجودہ حالات رونما نہ ہوتے تو سنت اللہ کے خلاف اور موجبِ حیرت ہوتا۔ ہماری دعا ہے کہ علماءِ حق اور مخلص دردمندانِ ملک و ملت میدان میں آکر مایوسی کو یقین و اطمینان میں بدل دیں۔

علماءِ حق کا مظاہرۂ ایمان و عزیمت

جون کے آخری ہفتہ لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کے زیرِ اہتمام آئینِ شریعت کانفرنس کا اتنے عظیم اور منظم پیمانے پر انعقاد اس ملک کی علمی و دینی تاریخ میں ایک مثالی واقعہ ہے اور جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابر بجا طور پر اسلامی قوت و شوکت کے اس شاندار مظاہرہ پر تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ جھلسنے والی شدید گرمی میں اتنے بڑے پیمانہ پر ملک کے دور دراز گوشوں سے دین کے طلبگاروں اور اسلام کے مجاہدوں کا آئینِ شریعت کے نام پر لبیک کہنا اور بے سر و سامانی کے عالم میں اس جوش، عزم، اخلاص اور نظم و ضبط کے ساتھ لاہور میں جمع ہونا اس ملک کے دینی مستقبل کے لئے تائیدِ غیبی سے کم نہیں۔ بے شک اس کانفرنس اور اس کے جلوس نے اس ملک میں علماء کی قوت کا سکہ بٹھا دیا ہے اور یہ حقیقت ایک بار پھر ابھر کر سامنے آگئی ہے کہ یہاں کے عوام پاکستان میں اسلامی نظام کے سوا کوئی آئین، نظریہ اور کوئی ازم قبول نہیں کر سکیں گے۔ علماء، ائمہ، خطباء اور عام مسلمانوں کی یہ عظیم طاقت ہر اس شخص کے لئے ایک للکار ہے۔

جو اس ملک میں کسی غیر اسلامی نظام کے قوانین دیکھ رہا ہے۔ یہ ایک چیلنج ہے اُن اغراض پسندوں کے لئے جو آج سیاست کی خاطر اپنے کفریہ عزائم پر اسلام کا خول چڑھانا چاہتے ہیں۔ باطل کی ان تمام قوتوں کو جلد یا بدیر وسائل اور اسباب سے یکسر محروم مگر اللہ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب طبقہ "علماء کرام" اور متلاشیانِ شریعت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کی ظاہری یا باطنی تمام سازشیں اس ملک میں شریعتِ محمدیؐ کے پروان نہ چڑھ سکنے کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اس کانفرنس سے چند باتوں میں تو پورے ملک کے مسلمانوں کی ترجمانی کی ایک تو آئینِ شریعت کی ترجمانی اور دوسری بات یہ کہ مغربی سامراج عالمِ اسلام کا اولین و بدترین دشمن ہے اور ہماری تمام داخلی و خارجی پریشانیوں کا بنیادی سبب مسلمانوں کا ابدی و ازلی دشمن یورپ ہے۔ تیسری حقیقت یہ سامنے آئی کہ پاکستان کا کوئی بھی عالم انشاء اللہ سوشلزم، کمیونزم یا کسی دوسرے لادینی نظام کی لعنت ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکے گا۔ اور آج اگر وہ ایک محاذ پر مصروفِ جنگ ہے تو کل اُس سے زیادہ مقابلہ دوسرے محاذوں پر بھی ہونے والا ہے۔ امید ہے آئینِ شریعت چاہنے والے موجودہ کامیابی پر قناعت کرنے کی بجائے اپنی جد و جہد کو تیز تر رکھیں گے۔ کثرت پر عُجب سے بچنا چاہیئے ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم میں ہمارے لئے سبق ہے۔ اس طاقت اور قوت کو اور منظم اور مستحکم کرنا چاہیئے شریعتِ اسلامیہ کے مطالبہ کی اس وسعت و گہرائی کا یہ تأثر اور بھی گہرا ہونا چاہیئے اور دینی و علمی شیرازوں کو بھی مجتمع کرنے کی فکر رہنی چاہیئے جب تک کہ آخری منزل تک رسائی نہ ہو ———

ولتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاء۔ جولائی ۱۹۷۰ء

ڈھاکہ میں جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان نے ایک کھلے اجلاس کی شکل میں اپنی وسعت ہمہ گیری اور قوت کا مظاہرہ بھی کیا جو وہاں کے علماء حق کو حالات کی نزاکت اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہو جانے کے لحاظ سے لائقِ صد تحسین ہے۔ اس ناچیز کا تاثر ملک کے اس حصہ کے بارہ میں یہی ہے کہ دین سے محبت اور والہانہ تعلق کے لحاظ سے وہاں کے باشندے

بہت آگے ہیں۔ آئے دن اس کی مثالیں سننے اور دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک ادنیٰ نمونہ ڈھاکہ کے قریب ٹونگی میں ہونے والے تبلیغی جماعت کے اجتماع کی شکل میں بھی میرے سامنے آیا کہ ۵، ۶ لاکھ مسلمانوں کا مجمع ایک ویرانے میں گھربار چھوڑ کر جمع ہے اور ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف دین کی دل سوزی اور فکرمندی ہے۔ یہ ایک مثالی اجتماع تھا۔ اس کے مقابلہ میں لادینی عناصر کی قوت بہت کم ہے، مگر پھر بھی سیاست کی رہنمائی کرنے والے کلی یا جزوی طور پر دین سے بہت دور ہیں اور میدان خالی ہونے کی وجہ سے سیاست پر لادینی عناصر کا غلبہ ہے اور خدا اور تصورِ آخرت سے باغی کرنے والے لٹریچر کو بھی فروغ کا موقع مل رہا ہے۔ پس اس مہلک مرض کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی کہ وہاں کے علماء حق زیادہ سے زیادہ جوشِ عمل، اخلاص تنظیم اور قوتِ ایمانی سے میدان میں کود پڑیں، سادہ دل اور مخلص عوام کو دین کی اخلاقی اور معاشی قدروں سے روشناس کرائیں اور دین کی جامعیت اور اعتدال کے مقابلہ میں موجودہ خالص مادی نظاموں کی بے اعتدالی اور بے مائیگی ثابت کردیں، انہیں زندگی کی صحیح کامیابی کا راستہ دکھائیں اس کے لئے مستحکم تنظیم، سیاسی تدبر کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے لادینی نظاموں سے پوری واقفیت اور گہری نظر بھی ضروری ہے۔ اگر علماء حق نے اس نہج پر کام کو تیز تر کردیا تو سیاسی قیادت خود بخود دیندار طبقہ کے ہاتھ آجائے گی اور اس کا رخ بے دینی کی طرف نہیں موڑا جاسکے گا۔ وہاں کی سرزمین علماء حق کے لحاظ سے بہت زرخیز ہے، پھر جس مٹی کی سیرابی بطلِ اسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے سراپا دعوت و عزیمت بزرگوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہو۔ اگر وہاں بھی علماء جمود اور تعطل کا شکار ہوئے اور قیادت لادینی نظریات کے علمبردار سیاست دانوں کے ہاتھ میں گئی تو یہ نہ صرف ان علماء کے حق میں بلکہ وہاں کے لئے دینی سیاسی معاشی اور اخلاقی و ملکی لحاظ سے بھی بدترین المیہ ثابت ہوگا۔ (فروری ۶۹ء)

بجرمِ عشق توام می کشند

پچھلے ماہ اس ملک کے دینی اور علمی حلقوں، اسلام لیوا عناصر اور جمہوریت پسند عوام کے اعتماد اور جذبات کو ان اقدامات سے شدید صدمہ پہنچا جو ملک کے کئی حصوں

میں ممتاز علماء و مشائخ کی پے در پے پابندی اور نظر بندی کی شکل میں رونما ہوئے۔ خاص طور سے بعض شہروں میں جمعیۃ العلماء اسلام کے کئی زعماء کو دور افتادہ دیہات میں نظر بند اور ایک مشہور عالم دین کو بلا کسی نوٹس و اظہارِ وجوہ کے ضلع بدر کر کے اپنے گاؤں میں پابجولاں کرنا۔ اس کے علاوہ دیگر بعض مرکزی مساجد کے خطباء کو سیاسی اغراض کی بناء پر بیک جنبشِ قلم معزول کرنا، ایسے واقعات ہیں جو ایک اسلامی و جمہوری ملک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہیں۔ اور نہ ان اقدامات کو منصفانہ کہا جا سکتا ہے۔

جرم یا فرضِ منصبی اگر ان علماء کا جرم "اصلاحِ معاشرہ" کے جذبہ سے ملک و ملت کو اخلاقی تباہی اور قومی روایات کی بربادی سے روکنا اور ان منکرات و فواحش پر سرزنش کرنا ہے، جس نے آج یورپ اور تہذیبِ مغرب کی ذہنی غلامی میں گرفتار ممالک کو خودکشی کے چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے تو اس جرم پر لاکھوں وفائیں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ملت کی حقیقی فلاح اور ملک کی سالمیت اور استحکام کی خاطر علماءِ حق کا اولین فریضہ ہے کہ وہ منکرات پر گرفت کرتے رہیں، اور معروف و سچائی کے راستے دکھلاتے رہیں کہ یہی ان کا منصب ہے اور یہی مقام، اگر وہ کسی لمحہ بھی اس فریضۂ ناموسِ دینِ محمدیؐ کی حفاظت اور مدافعت میں سستی کر بیٹھیں اور خوف و لالچ یا کسی لومۃ لائم کی وجہ سے کلمۂ حق اور دعوت الی اللہ سے غفلت برتیں، تو حسب ارشادِ نبویؐ شیطانِ اخرس (گونگا شیطان) بن کر اس وعید کے مستحق ہوں گے کہ جس نے حق چھپایا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن جہنم کی آگ کا لگام ڈال دیا جائے گا (اُلجِمَ بلجام من النار) وراثتِ نبوت کے حامل طبقہ کا اگر محراب و منبر سے بھی قوم کو اشاعتِ فاحشہ سے روکنا گناہ ہے۔ تو پھر سلطنت و حکومت کے ایوانوں سے کبھی کبھار علماء کو اصلاحِ معاشرہ کے لئے میدان میں آنے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟ آخر یہ اصلاحِ معاشرہ ان کے نزدیک کس بلا کا نام ہے؟ پھر اگر واقعی ان سے کوئی ایسا ناقابلِ عفو جرم سرزد ہوتا ہے۔ جو ملک کی غداری اور بدخواہی کے مترادف ہو تو اس کے ثبوت کے لئے عدالت اور عدلیہ کو کیوں بروئے کار نہیں لایا جاتا؟ کیا اس ملک میں غنڈوں اور

دیگر سماج دشمن عناصر پر بھی بلا کسی فردِ جرم اور ثبوت و اثبات کے ایسے فیصلے نافذ کئے جاتے ہیں؟ اور اگر ان حضراتِ علماء کا جرم کلمۂ حق اور اصلاحِ معاشرہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔ جس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچتا ہے تو اسے عدالتوں کے ذریعہ ثابت کیجئے اور پھر جو چاہیں انہیں قرار واقعی سزا دیجئے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ملتِ مسلمہ کے ان حقیقی خیر خواہوں پر اعتماد کیجئے اور انہیں موقع دیجئے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ جس کے لئے وہ نہ آپ سے کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ داد و ستائش کے طلبگار ہیں۔ جون ۱۹۶۶ء

علماءِ حق کا قابلِ تقلید اقدام

پچھلے دنوں ملتان میں جمعیۃ العلماء اسلام کے ممتاز علماء اور دیگر کئی جماعتوں کے ممتاز اور امن پسند شہریوں کو صرف اس جرم کی پاداش میں جیل جانا پڑا کہ وہ ”جشنِ ملتان“ میں ہونے والے غیر شرعی اخلاق سوز تقریبات رقص و سرود، راگ و رنگ کے پروگراموں پر احتجاج کر رہے تھے۔ آج جب کہ ہمارا ملک شدید قسم کے معاشی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہے۔ خارجی استحکام اور بچاؤ کے لئے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے، عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بآسانی میسر نہیں ہو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کے جشنوں کا انعقاد ہی سرے سے محلِ بحث ہے کہ ایک ترقی پذیر قوم اس ”عیاشی“ کی متحمل کہاں تک ہو سکتی ہے؟ مگر حضراتِ علماء حق کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ اس جشن سے وہ ایمان سوز غیر شرعی پروگرام حذف کر دیئے جائیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دن بدن روبہ زوال ہوتا جا رہا ہے۔ غنڈہ گردی، بے حیائی، بدامنی کا فروغ ہو رہا ہے۔ شرفاء کی عزت و ناموس اور پاک بازوں کی عفت و عصمت سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں دن دھاڑے لٹ رہا ہے۔ اور جس کے انسداد و استیصال کے لئے نہ صرف علماء بلکہ خود گورنرِ

مغربی پاکستان بھی متفکر اور پریشان ہیں ۔ ہم پورے جذبۂ خیر خواہی سے ارباب اقتدار سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اصلاحِ معاشرہ کے لئے جدوجہد کرنا اور ملک کو اخلاقی زوال اور سماجی بربادی سے بچانے کی کوشش قابلِ دست اندازی جرم ہے ۔ ؟ اور کیا یہ اصلاحی کوششیں ملک سے غداری کی مترادف ہیں ؟ اور کیا ایسے نازک حالات میں جن سے ہمارا ملک دوچار ہے ، رقص و سرود کی محفلیں منانا ملک کی خیر خواہی ہے ؟ ان حضرات کی گرفتاری پر عام مسلمانوں کا اظہارِ افسوس اور غم بالکل بجا ہے ۔ پھر جب کہ ہماری معلومات کیمطابق ان حضرات نے گرفتاری تک اپنے مطالبہ کے لئے کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھایا تھا ، نہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی گئی تھی ، نہ کوئی ایجی ٹیشن کرایا گیا تھا اور نہ کوئی عام جلسہ ـــــ تو انتظامیہ کے اس اقدام کو کوئی جواز نہیں ملتا ۔

دسمبر ۱۹۶۶ء

زوالِ علم اور تحقیرِ علماء کی ایک کربناک تصویر

پچھلے دنوں ایک رہگذر کو سوء اتفاق سے ایک ایسی مجلس کا مشاہدہ ہوا جس میں معمولی مادی منصب پر فائز دین اور علم سے تہی دامن ایک انسان اپنے زیرِ اثر اہل علم و ارباب دین کے ایک گروہ کو مشوروں اور نصائح کے عنوان سے ایسا ڈانٹ رہا تھا ، جیسے سکول کے بچوں کو ڈرایا دھمکایا جا رہا ہو ۔ اس کے کلام میں وعد بھی تھا وعید بھی ۔ خوف بھی تھا اور لالچ بھی ۔ اندازِ بیان نہایت جارحانہ ، دل آزار اور طرزِ خطاب رعونت کا غماز ـــــ دین کے سامنے دنیا کی یہ گھن گرج سننے والا کانپ اٹھا ۔ اس کی آنکھوں میں تو ابو جعفر ، منصور اور ابن ہبیرہ کے سامنے امام ابو حنیفہؒ اور طاؤس بن ستان اور دیگر علماء حق کا کردار تھا ۔ مگر واویلا اس مجلس میں تو کسی صاحبِ جبّہ و دستار کو جنبش تک نہ ہوتی وہ اگر چاہتے تو کم از کم نرمی اور ملاطفت سے اُسے اہل علم سے خطاب کے آداب اور سلیقوں کی طرف متوجہ کر سکتے تھے ، مگر افسوس کہ ردِ عمل میں صحیح فرمایا ، بجا فرمایا اور بے شک بے شک کی آوازیں کانوں

سے ٹکرائیں یلیتنی مت قبل ھٰذا وکنت نسیاً منسیاً ہرچند کہ یہ مادی مصالح میں جکڑے ہوئے بے کسوں کی ایک اقلِ قلیل جماعت تھی۔ پھر ان میں بھی ایمانی حرارت سے سرشار دو ایک حضرات موجود تھے ـــ اور اہلِ صدق وصفا اور اربابِ عزیمت علماء سے ملک کا گوشہ گوشہ پٹا پڑا تھا۔ مگر علم کی اس تحقیر اور منبر ومحراب کی اس تذلیل سے دل پر جو چوٹ لگی اس کا مداوا کن الفاظ میں کیا جائے۔ اس مجلس نے زوالِ علم اور اندراسِ دین کی ایک کربناک تصویر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی ہے اور اس مستقبل کی تصویر سے بھی کلپتے ہوئے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ جب کہ علم ومشیخت، منبر ومحراب، خانقاہ ومدرسہ اور دین وشریعت کے حامل افراد وسیع پیمانے پر اس صورتِ حال سے دوچار ہوں گے۔ اس وقت اعلاءِ حق اور جرأتِ ایمانی کی کمیابی کی تلافی کی کیا شکل ہو گی؟ کسی نے خوب کہا کہ علماءِ حق زمین کا نمک ہیں۔ جس کی نمکینی کلمۂ حق کہنے اور دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے میں ہے۔ لیکن اگر نمک اپنی خاصیت کھو بیٹھے تو پھر کون سی چیز ہے جو اسے نمکین بنا دے ـــ اگر کسی میں اس کربناک منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں تو اسے یہ بات ہر وقت مستحضر رکھنی چاہیئے کہ علم خدا کی صفت ہے اور عالم اس کا مظہر، اس علم کا تقاضا ہے کہ اسے اونچا رکھا جائے۔ خدا کی صفت ہر حال میں بالادستی کی مستحق ہے، دار ورسن ہو یا تلوار کی دھار، خدا کے وصفِ خصوصی کو ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس علم کے حامل جو لوگ اس کی آبرو نہ رکھ سکیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ عالمانہ بھیس چھوڑ کر چمار اور بھنگی بننا قبول کر لیں۔ ملک وملت سے نصح وخیر خواہی کا معاملہ آپ کا فریضہ ہے۔ اگر کوئی تمہاری رہنمائی طلب کرے تو بصد خلوص بھرپور تعاون کریں۔ لیکن اگر معاملہ غلام اور خادم جیسا ہو تو یہ آپ کی اپنی تحقیر نہ ہو گی بلکہ علم اور دین کی آبروریزی ہو گی۔ علماءِ دین تو ائمہ صدق وعزیمت امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے جانشین ہوتے ہیں۔ دربارِ اکبری کے ابو الفضل اور فیضی اور دربار عباسی کے قاضی ابو البختری وہب بن وہب کے نقشِ قدم پر چلنے والے نائب رسولؐ نہیں بلکہ اس دھرتی پر خدا کی پھٹکار ہیں۔ شعبان ۱۳۸۷ھ، اکتوبر ۱۹۶۷ء

علماء اور ضابطۂ اخلاق

کافی دنوں سے ایک نئے ضابطۂ اخلاق کا ذکر اخبارات کی زینت بنا ہوا ہے۔ یہ ضابطۂ اخلاق کس کے لئے ہے۔؟ چوروں کے لئے، ڈاکوؤں کے لئے، غداروں کے لئے۔؟ فحاشی اور بداخلاقی کے مراکز اور علمبرداروں کے لئے؟ نہیں بلکہ علماء امت کے لئے، پہلے اخبارات کے لئے ضابطۂ اخلاق تھا، پھر فلموں کا ضابطۂ اخلاق بنا۔ اور اب امت کے اس گروہ کے لئے ضابطۂ اخلاق جس کا مقام خود ہر دور میں معلّم اخلاق اور مُربّی امت کا رہا جنہیں اس نبیؐ کی وراثت کا منصب نشین کہا جاتا تھا، جن کے فریضۂ اساس میں تعلیم کتاب، تہذیبِ نفوس اور تربیتِ اخلاق شامل تھا۔ اسلامی تاریخ کے عہدِ زوال میں جابر اور فاسق حکمران اور سلاطین بھی اس طبقہ سے واقعی نہ سہی سیاستہً سہی رہنمائی، خیرخواہی اور نصیحت کے طالب گار ہوتے اور اپنے شہزادوں سے ان معلّمینِ اخلاق کے جوتے سیدھے کرواتے۔ اب امت کے یہ آتالیق، یہ استاذ، یہ رہنما، یہ وارثینِ انبیاء نیرنگیٔ روزگار کے ہاتھوں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان معلّمینِ اخلاق کو سرکاری اہتمام میں تعلیم اخلاق کی ضرورت محسوس کی گئی اور اب عوامی حکومت نے چاہا کہ عوام کو علماء کی ”بداخلاقیوں“ سے نجات دے دی جائے۔ محترم وزیر مذہبی امور کی سرکردگی میں علماء (؟) کی ایک اتحاد کمیٹی نے علماء کے لئے ضابطۂ اخلاق کی منظوری دے دی ہے۔

تقریب بین المذاہب کوئی مشینی کام نہیں اس ضابطہ کا مقصد جو بتایا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں —— تقریب بین المذاہب —— ہے یعنی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کو روکنا، یکجہتی کو فروغ دینا۔ اصل مقصد یعنی مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور یگانگت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اصل مقصد پر ہم اگلی فرصت میں ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ مگر اس وقت صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اور فرقوں میں مفاہمت

کوئی مشینی عمل نہیں۔ نہ اسے آئینی ہتھوڑوں اور قانونی اوزار سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا تعلق خارجی سے زیادہ اندرونی عوامل سے ہے۔ یعنی نظریہ سے، دل سے، عقیدہ سے اور ضمیر و ایمان سے، ایسی کوئی بھی کوشش جتنی بھی مخلصانہ کیوں نہ ہو اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک مفاہمت کی عمارت کو اس کی فطری بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے اور مفاہمت کے فطری اور بنیادی راستوں کو (جنہیں قرآن مجید اور پھر نبیٔ کریم علیہ السلام نے اپنے گرامی ناموں میں تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم میں اشارہ فرمایا) چھوڑ کر اور راستے اختیار کرنا بجائے خیر کے شر میں اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس فرصت میں اس مقصدِ مفاہمت کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم صرف ان خدشات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ضابطۂ اخلاق اور اس کی قانونی جکڑ بندیاں کیا صرف اس مقصد تک محدود رہ سکیں گی۔؟ آقائے دو جہاںؐ کی شان ختم نبوت، حجیتِ حدیث کا دفاع اور وکالت کیا اس ضابطہ کی زد میں نہیں آئیں گے۔ غیر اسلامی اور غیر محمدی ازموں کا نقد و محاسبہ اس ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا فاسق سے فاسق اور ظالم سے ظالم کسی بھی حکومتِ وقت پر تنقید "اطاعت اولوالامر" کی دفعہ کی نافرمانی نہیں ہوگی۔

ضابطۂ اخلاق کا مقصد علماءِ سُوء بنانا ہم اس ضابطۂ اخلاق کو ترتیب دینے والے شیعہ اور سُنی مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویدار ارکان کے اخلاق و سیرت کو جب دیکھتے ہیں تو بجا طور پر ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طرح اب اس ضابطہ کے ذریعہ وہ تقسیم ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ علماء سوء اور علماء حق کے درمیان چلی آ رہی ہے۔ اور اس طرح وہ چاہتے کہ دورِ حاضر کے ابوالفضل اور فیضی قسم کے مولویوں کو پورے اطمینان اور یکجہتی سے حکومت کے ہر اچھے بُرے اقدام پر احسنت و صداقت کے نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے کی کھلی آزادی مل سکے اور کوئی روکنے ٹوکنے کی "بداخلاقی" کر ہی نہ سکے۔ کیا ہماری حکومت اب علماء کو اس ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ جس کا نمونہ کمیٹی کے شیعہ اور سنی نمائندگی کرنے والے مؤقر ارکان نے اپنے "اسوہ حسنہ" سے دین کے بارہ میں پیش

کر رہے ہیں۔ یعنی ہر حکومت پر ایمان وغیرہ کا سودا بیچنا، ہر حکومت سے عہدوں، مناصب اور پرمٹوں کا فائدہ لینا، حُبِّ جاہ ومال ہیں۔ منکر وغیر منکر کی تمیز ختم کر دینا۔ ضرورت ہو تو ایکٹرسوں کے ساتھ بھی تصاویر کھنچوا دینا، یہودیوں کی تجارتی فرموں کے انعامی بانڈوں کی قرعہ اندازی بھی کر لینا اور اپنے "مقدس" ہاتھوں سے ہندوؤں کو عمرہ کے ٹکٹ تھما دینا یا شیعوں کا وہ رسوائے زمانہ نصیر الاجتہادی جس نے بڑی ڈھٹائی سے ٹیلیویژن پر یہاں کی ۹۵٪ آبادی کے محبوب اور مقتدا جماعت صحابہ کرامؓ پر لعن وتشنیع اور تبرا بازی کی اور اس طرح پاکستان کی سب سے بڑی بے حیائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اب یہ لوگ مسلمانوں اور شیعوں کے نمائندہ بن کر علماء کے لئے ضابطہ اخلاق بنائیں گے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

(ج ۱۰ ش ۷ صفحہ ۳۳۷)

نظامِ دعوت و تعلیم کو موثر بنانے کی ضرورت

اس میں شک نہیں کہ ہمارا موجودہ نظامِ دعوت و اصلاحِ امت اربابِ فکر و دانش اور اصحابِ بصیرت کی نہایت گہری سوچ وبچار کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اب تک دینی اقدار اور اسلامی روایات کی جڑیں برِصغیر میں بہ نسبت دیگر اسلامی ممالک کے کچھ گہری اور مضبوط رہیں۔ مگر یہ بات رسمی انجمنوں، اداروں اور جماعتوں یا تنظیموں سے زیادہ اصحابِ دعوت و عزیمت کے سوزِ دروں، جذباتِ اخلاص، قوت اور جوشِ عمل، پاکیزگیٔ کردار کی منت پذیر رہی۔ اس وقت اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے رسمی طور طریقوں کی نہایت فراوانی ہے۔ لٹریچر کا سلسلہ پورے عالمِ اسلام میں اتنا کبھی نہیں رہا، جتنا اب ہے۔ صرف عرب ممالک سے آئے دن نکلنے والی مطبوعات وہاں کے پٹرول سے زیادہ اُبل اُبل کر دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ صحائف اور مجلّات کی بہتات ہے، ایک سے ایک بڑھ کر خطیب اور واعظ زورِ خطابت دکھا رہا ہے۔ دینی مدارس اتنے کبھی نہ تھے جتنے آج ہیں۔ جماعتوں اور تنظیموں کا دور دورہ ہے، گلی گلی اصلاحی اداروں اور سماجی انجمنوں سے آباد ہے۔ زبانی حد تک راعی سے لے کر رعیت سب اسلام کی حمد و ستائش میں رطب اللسان ہیں۔ تحقیق اور ریسرچ کے طویل الذیل منصوبوں کی بھی کمی نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اس تمام جہاد و جہد کے اثرات کچھ نہ کچھ ظاہر بھی ہو رہے ہیں اور اپنی جگہ ہر چیز کی افادیت مسلّم ہے۔ مگر ان تمام مظاہر اصلاح اور رسومِ دعوت کے باوجود نتائج نہایت بھیانک شکل میں آ رہے ہیں، خرابی، بھلائی پر اور بدی، نیکی پر غالب آتی جا رہی ہے۔ معاشرہ کی گاڑی عقائد، اخلاق اور آدابِ معاشرت کے لحاظ سے منزلِ مقصود کو گم کر چکی ہے اور ہماری یہ تمام کد و کاوش مادیت اور بے دینی کے طوفان کے سامنے تنکوں کا ڈھیر ثابت ہو رہی۔ اس لئے

لازمی طور پر یہ تمام امورِ امت کے ہر چیدہ دماغ اور دلِ بیدار کے لئے سوچنے کے ہیں۔ خرابیوں کا سرچشمہ کیا ہے؟ اگر اسے متعین کیا جائے اور پھر دعوتی کام کو اس کے مطابق مرتب کر لیا جائے تو کام کے نتائج ایسے نہ ہوں۔

اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے تمام تعلیمی، دعوتی اور تبلیغی کام ضعف و اضمحلال کی طرف جا رہے ہیں۔ ان سب چیزوں پر کسی ایک فرصت میں نہ تو بحث کی جا سکتی ہے، اور نہ ایک کم سواد کی تنگیٔ داماں اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ افادیت، اہمیت اور امت پر پچھلی چند صدیوں میں نہایت گہرے اور دور رس اثرات چھوڑنے کے لحاظ سے خالص اللہ کے توکل پر چلنے والے دینی مدارس پہلے نمبر پر آتے ہیں۔

دینی مدارس کی موجودہ حالت اور چند اہم سوالات اس لحاظ سے اس کی موجودہ حالت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں معاصر البلاغ کراچی نے تازہ اداریہ میں اپنے نگارشات قلمبند کرتے ہوئے بجا طور پر بڑے اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ چونکہ ہمارا تعلق بھی ایک دینی مدرسہ سے ہے اور ان تاثرات کو ہم اپنے دل کی ترجمانی سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنے حلقۂ قارئین کے اصحابِ فکر و بصیرت (خواہ ان کا تعلق قدیم سے ہے یا جدید سے) اور خاص طور سے اربابِ مدارسِ عربیہ کی توجہ بھی ان سوالات کی طرف مبذول کراتے ہوئے ایک اہم دینی ضرورت پر اظہارِ خیال کی دعوت دیتے ہیں۔

(۱) "ایک عام تاثر یہ ہے کہ ہماری موجودہ دینی درس گاہوں سے مؤثر علمی و دینی شخصیتوں کی تیاری تقریباً بند ہو رہی ہے۔ جناب کی نظر میں اس کے اسباب کیا ہیں؟

(۲) موجودہ دینی مدارس کو دوبارہ مردم خیز اور امت کے لئے زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے کون سے اقدامات آپ کی نظر میں ضروری ہیں؟

(۳) محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ براہِ کرم نشاندہی فرما دیں کہ آپ کی نظر میں یہ مقصد کیا ہے۔ اور اہلِ مدارس میں اس کا استحضار کیوں کر پیدا کیا جا سکتا ہے، جو ان کے فکر و عمل پر اثرانداز ہو سکیں"۔

مدارسِ عربیہ کے سلسلہ میں یہ چند سوالات ایسے ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا اور انہیں اپنے شبانہ روز غور و فکر کا محور نہ بنانا، پوری ملت کے دینی، علمی اور فکری ضعف و اضمحلال سے بے پروائی برتنے کے مترادف ہے۔

دینی مدارس علومِ نبوت کے پاور ہاؤس اور انسانیت کی فیکٹریاں

پچھلی چند صدیوں سے بھی دینی مدارس اور آزاد دینی تعلیم ہی زیادہ تر ہماری حیاتِ جاودانی کے سرچشمے بنے رہے۔ کارگاہِ حیات میں ان کی حیثیت انسانی فیکٹریوں کی رہی اور یہ مدارس علومِ نبوت کا ایسا پاور ہاؤس ثابت ہوئے جس کا ایک سرا نبوتِ محمدیؐ اور دوسرا سرا ملتِ محمدیؐ سے وابستہ رہا — اس کے ذریعہ ملت کی پژمردہ رگوں میں ایمان و یقین کی نئی حرارت دوڑتی رہی اور اس کی ضو افشانی سے الحاد، دہریت اور فاسد اعمال و عقائد کی ظلمتیں کافور ہوتی رہیں۔

تربیتی پہلو

ان مدارس سے نکلنے والوں میں بہت سی ایسی عبقری شخصیتیں تھیں جن میں ایک ایک کبھی کبھی پوری ملت پر بھاری ہو جاتی۔ اور آج مدارس کے اندرونی ماحول، خارجی اثرات، تربیتِ اخلاق، علمی رسوخ، کردار اور عمل کی بلندی، مقصد سے شیفتگی، اساتذہ اور طلبہ کے باہمی مخلصانہ روابط، غرض ہر لحاظ سے کمی آگئی ہے۔ جب کہ نئے حالات کی بناء پر مدارس اور ان میں ایسی چیزوں اہمیت رگِ جاں سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اس لئے تمام اہلِ علم اور اصحابِ دل حضرات کا اس ضعف و تنزل کے اسباب کی نشاندہی کرا کے تدبیرِ اصلاح پر توجہ دینا دین کی ایک اہم پکار پر لبیک کہنا ہوگا — یہ تو مدارس کا تربیتی پہلو تھا۔

عصرِ جدید اور مدارس عربیہ کا نظامِ تعلیم

نظامِ تربیت کے علاوہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم بھی مدتوں سے توجہ طلب مسئلہ ہے۔ بلاشبہ موجودہ درسِ نظامی نے اپنے عہد کے لحاظ سے ہمہ گیری اور رسوخ فی العلم اور اس سے زیادہ ماحول اور تربیت کی بدولت ملت کو نابغہ روزگار افراد دیئے۔ مگر عہدِ جدید اور اس کا علمِ جدید اس نصاب کا دامن نہایت وسیع کرنے کا طلبگار ہے۔ بیسویں صدی نے نہ صرف دیگر علوم بلکہ

اسلامی علوم و فنون، تاریخ، اسلامی فلسفہ، فقہ اور قانون سازی، اسلامی علم الکلام عمرانیات، لسانیات، سیاسیات، اقتصادیات، ہر چیز کے متعلق بحث و استدلال، غور و فکر اور بمطالعہ و تحقیق کے نئے گوشے پیدا کر کے تمام زاویے اور طور طریقے کافی حد تک بدل دیئے ہیں۔ پھر اتنے ہمہ گیر اور شاخ در شاخ کہ جب تک کوئی عالم ان سے پوری مناسبت پیدا نہ کرے، وہ جدید علمی دنیا کا پورے شرح صدر کے ساتھ چیلنج قبول نہیں کر سکتا۔ اور یہ مناسبت صرف موجودہ نصاب سے پیدا ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاریخ اب ایک منضبط سائنس ہے۔ جغرافیہ علم کی سینکڑوں شاخوں کو اپنے اندر سمیٹ چکا ہے ادب کا میدان علم و ثقافت کے تمام اہم شعبوں پر حاوی ہو چکا ہے۔ جدید ادبِ عربی تحریر و تقریر ہر پہلو سے توجہ طلب بن گیا ہے۔ ریاضی علوم اور طبیعات، ثریٰ سے ثریا تک پہنچ چکے ہیں۔ منطق، نئی ریسرچ اور بحث و استدلال کی شکل میں مراحلِ تکمیل کو چھو رہی ہے۔ فلسفہ کے کئی مسلمات، مشاہدہ اور تحقیق سے غلط ثابت ہو چکے ہیں نئے مسلمہ نظریاتی اصول بھی آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ پھر اسلامی علوم و آثار پر کہاں کہاں سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ اور کن حربوں سے کام لیا جاتا ہے۔ استشراق کے پردہ میں ایک مستقل علمی دنیا اسلام اور اسلامی علوم و شخصیات کو مشقِ ستم بنائی ہوئی ہے۔ قانون کی تدوین و ترتیب اقوامِ عالم میں ایک مستقل فن بن چکا ہے۔

شرابِ کہنہ اور جامِ نو الغرض اس صدی کے علمی تقاضے، علمی زبان، علمی طریقِ کار گویا ہر چیز کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اسلام اور اس کے اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں، نہ تحریف کے روادار نہ ترمیم کے، اور نہ تجدد کے۔ مگر علماء اسلام کو یہ شرابِ کہنہ جامِ نو میں پیش کرنے کی اہلیت بہم پہنچانی ہے۔ اس لئے کہ اسلام تو عیسائیت کی طرح میدان سے ہٹ کر عزلت نشینی کو غنیمت نہیں سمجھتا، وہ تو جامع کامل دین؛ قوتِ مقابلہ سے بھرپور اور ہر دور میں نئے جوش اور ولولہ سے معمور رہا ہے۔ اور آنکھیں ملا کر ہر دور کے افکار و نظریات کا چیلنج قبول کرتا چلا آیا ہے۔ اس لئے آج بھی ضرورت ہے کہ علماء کرام اور ہمارے علمی ادارے جدید آلات و وسائل اور علمی اوزار حرب و ضرب

سے پوری طرح لیس ہو کر نئے تقاضوں کا سامنا کر سکیں۔ ہمیں دور میں اللہ نے ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، غزالیؒ، رازی، ابن تیمیہؒ، رومیؒ، ابن رشدؒ، شاہ ولی اللہؒ، محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اہلِ فکر و نظر دیئے جن کی بدولت اسلام آج تک زندہ و تابندہ رہا۔ ضرورت ہے کہ نیا دور بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے یہ امانتِ عظمیٰ پچھلے دور سے بڑھ کر جوش و خروش اور شان بان کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچا سکے —— مقابلہ شدید تر ہے اور ہر آنے والی گھڑی وقت کی نزاکتوں میں اضافہ کر رہی ہے۔ جنگ کا محاذ ہمہ گیر ہوتا جا رہا ہے۔ علمی و فکری لحاظ سے نیا سے نیا اسلحہ میدان میں آ رہا ہے۔ اور قرآنِ کریم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کی صورت میں پکار پکار کر دعوتِ تیاری دے رہا ہے۔ الغرض نصاب کے سلسلہ میں بڑی وسعتِ نظر کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم کی کل مدت کتنی ہونی چاہیئے۔ اس مدت کو کتنے حصوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے، اہم اور لازمی مضامین اور اختیاری مضامین کا تعین اور پھر طریقۂ تعلیم کے ساتھ مطالعہ، تصنیف و تالیف، مؤثر ترین دعوت اور اس کا طریقِ کار۔ الغرض صدہا گوشے ہیں جو بحث و تمحیص کے مستحق ہیں۔ اسے حسنِ اتفاق کہئے یا البلاغ کے اداریے کے ساتھ توارد فکر کہ علمی و فکری زندگی کے بارہ میں اکابر علماء اور چیدہ چیدہ اربابِ دانش کے تجربات و تاثرات سامنے لانے کے سلسلہ میں الحق نے بھی ایک سوالنامہ روانہ کیا۔ نصاب و نظام پر غور و فکر کرتے وقت اگر ان سوالات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا تو اس سے بھی تعلیمی، مطالعاتی اور تربیتی امور پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

تعلیمی اور تربیتی پہلو کے بارہ میں چند اور اہم سوالات

(۱) آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے۔

(۲) ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیات۔

(۳) کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

(۴) آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لئے؟ ایسے اساتذہ اور درس گاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبہ کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

(۵) اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم یا معاصر اہلِ علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کار آمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

(۶) علمی فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجددی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مصروف ہیں۔ ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔

(۷) موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

(۸) مدارسِ عربیہ کے نصاب میں وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ (ستمبر ۷۱ء)

دورِ جدید کے مسائل

طلبۂ مدارس اور جدید دور کے مسائل وفاق المدارس العربیہ دینی مدارس کی ایک تنظیم ہے۔ دو ڈھائی سو مدارس عربیہ اس سے وابستہ ہیں۔ اس تنظیم کی نگرانی میں دورۂ حدیث شریف کے سالانہ امتحانات بیک وقت ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف کا پرچۂ سوالات ہمارے سامنے ہے۔ جس میں طلباء سے دیگر فقہی و علمی سوالات کے علاوہ عصرِ حاضر کے آمدہ مسائل، تحدیدِ نسل، عزل، عائلی قوانین کے ضمن میں طلاق ثلثہ کا مسئلہ، ان معاشرتی قوانین کی شرعی حیثیت، احیاء ارضِ موات کے ضمن میں پنجاب اور سندھ کے انگریزی

دور کے مربّوں اور جاگیروں کی شرعی پوزیشن اور حدیث نہی عن کراء الارض کے ضمن میں اشتراکیت کا تعاقب وغیرہ امور پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ان مسائل میں عربی طلبا کی استعداد کا حال تو نتائج آنے پر معلوم ہوگا۔ مگر اس قسم کے سوالات سے طلباء اور اساتذۂ مدارس عربیہ کو جدید مسائل اور عصر حاضر کی ضرورتوں پر تنبیہ ہو جانی چاہیئے۔ بلا شبہ آپ قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، امتناع نظیر اور امکان کذب جیسے مسائل پر بھی بحث و تمحیص کرتے رہیں۔ البتہ دور جدید کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ کتاب و سنت پڑھاتے وقت جدید حوادث و نوازل پر غور و تحقیق اور طلباء کو اس سے متعارف کرانے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسلام دین ابدی ہے اور ان تمام مسائل کا صحیح حل علماء ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اور انہیں عصر حاضر کے چیلنج دینا ہے۔ دسمبر ۱۹۶۰ء

دینی مدارس اور لادینی قوتیں

اخبارات میں یہ خبریں آچکی ہیں کہ حکومت اب دینی مدارس کو بھی اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ ہی محترم وزیر مذہبی امور نے بھی خطباتِ جمعہ کو سرکاری ہدایات کا پابند بنانے کے لئے ایک "حسین" منصوبہ پیش کر دیا ہے۔

منبر و محراب کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو بھی آمریت کی لونڈی بنا دینے کے یہ ارادے نئے نہیں بلکہ اسلامی خلافت کے ملوکیت سے بدل جانے کے بعد ہر دور کی لادینی طاقتوں کی ایک دیرینہ حسرت رہی ہے۔ یہ حسرت انگریز سے پہلے بھی دینِ اکبری کے غلبہ دارِ اکبر کے زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی۔ اس دور کے ابوالفضل اور فیضی نے دین کے رہے سہے نقوش کو بھی مٹا دینے ہی کے لئے اکبر کو آمادہ کیا کہ آزادانہ دینی نظامِ تعلیم و تبلیغ کے تمام مظاہر کو ایک ایک کر کے مٹا دیا جائے۔ پھر انگریز کا دور آیا اس نے کیا کچھ نہ کیا لاکھوں علمائ تہ تیغ ہوئے، دینی مراکز تہس نہس کر دیئے گئے، مدارس اجڑ گئے، مساجد مسمار ہوئیں، کتاب و سنت کو پائمال کیا گیا۔

برصغیر کے اسلامی تشخص میں مدارس کا کردار مگر دین کی آزادانہ شان بان کو برقرار رکھنے والے علماء حق اتنے سخت جان نکلے کہ سب کچھ لٹا کر بھی محبوبائے دین اور لیلائے علم کی آبرو برقرار رکھی۔ اور علمِ دین کو اقتدار کی غلط خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک داشتہ بن جانے سے بچائے رکھا۔ برصغیر میں عیسائیت کی یلغار ہوئی، ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو مٹانا چاہا، مغربی سیلاب کی یلغار ہوئی دو سو برس انگریز نے ہندوستانی مسلمانوں کو ظاہراً و باطناً انگریز بنانے کے لئے کروڑوں اربوں رقم خرچ کی ایک نیا نظام و نصابِ تعلیم رائج کیا، یہ سب کچھ ہوا مگر برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کا انجام اندلس، تاشقند اور سمرقند کی طرح نہ ہوا، اسلام نہ صرف بچا رہا بلکہ ہر باطل قوت کو دبا دبا کر ابھرتا رہا۔ آج ہماری اسلامی تعلیم، ثقافت، اسلامی تشخص اور پھر نظریۂ پاکستان کے نام پر الگ خطے کا حصول یہ سب کچھ ان مدارسِ عربیہ ہی کی بدولت ہے۔ جو غلامی کی تاریکیوں میں ایک روشن قندیل

کی طرح نہ صرف اسلامی علوم بلکہ اسلامی اخلاق وعادات آزادی اور حریت، جہاد اور سرفروشی کی روشنی بھی پھیلاتے رہے۔ یہیں سے حریت فکر اور جودتِ ذہن سے بے شمار قائدین حریت اور سرفروشانِ ملک وملت نکلے۔

بہرحال یہ سب چیزیں تاریخ کا ایک ایسا واضح اور قطعی حصہ ہیں جس پر کسی اختلاف کی ضرورت نہیں۔ مدارسِ عربیہ نہ ہوتے تو آج برصغیر کی مسجدیں اذانوں کو ترستیں، مدرسے تعلیم دین کے نام سے ناآشنا ہوتے اور یہاں کی حالت امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے دیس سے مختلف نہ ہوتی آج اسپین کی مسجدِ قرطبہ کی طرح لاہور کی شاہی مسجد بھی اذان اور نماز کے لئے ترستی اور اسلامی سربراہوں کے اجتماع جیسا حسین وجمیل منظر کبھی نہ دیکھ سکتی۔

مسجد ومحراب کی قفل بندی کی ناکام کوششیں | ایوب خان کے دور میں اسلام دشمن طاقتوں کی نظریں بھی مدارس پر پڑیں، بے دین لوگوں نے اسے بارہا دبانے منصوبے بنتے رہے۔ ملت فروش مذہب نما افراد نے تجاویز بتائیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امیر المؤمنین بننا ہے تو مولویوں کو ختم کردو، دین کو ماڈرن بنادو، مدارس کو قفل لگوادو، تمہیں بقائے دوام مل جائے گی اور مجددِ وقت بن جاؤ گے۔ ایسے ہی خر دماغوں نے ایوب خان سے عائلی قوانین نافذ کروائے اور دین کی تحریف وتلبیس کا ایک طویل سلسلہ رسوائے زمانہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی شکل میں شروع کیا جو ایوب خان کے دوام کا نہیں بلکہ علماء اور دینی قوتوں کی شدید بیزاری کا سبب بن کر بالآخر ایوب خان کے شرمناک زوال پر منتج ہوا۔ ایوب خان اہل دین کو نہ چھیڑتے تو ملکی استحکام وسالمیت اور مادی ترقیاتی منصوبوں کے لحاظ سے وہ اوروں سے بہرحال بہتر تھے اور اہلِ حق کو اس لحاظ سے ان سے کوئی بیر نہ تھا۔ مگر وہی ہوا جو سنت اللہ ہے۔ آج نہ ایوب خان ہے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، نہ ان لوگوں کو ان کے درباری ملت فروش مولویوں کے فتوے بچاسکے نہ سلطان وقت کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے والے مشائخ کی دعائیں ان لوگوں کا آج بھی یہی شیوہ ہے۔ صرف لبادہ بدل لیا ہے مگر مذہب زندہ ہے، علماء حق کا ولولہ اور جوش قائم ہے۔ مدارس عربیہ اسلام کی نیو، بنیادیں ہیں

رواں دواں ہیں مساجد کلمۂ حق سے گونج رہی ہیں۔ مجالس وعظ و تبلیغ شاد و آباد ہیں۔ حیرت تو موجودہ حکومت کے "قائدِ عوام" وزیرِ اعظم بھٹو صاحب پر ہے جنہیں عوام کے مزاج پہچاننے کا ملکہ ہے۔ وہ حالات اور اس کے نتائج کو بھی سمجھتے ہیں۔ مگر بیٹھے بٹھائے کن بے بصیرت لوگوں نے انہیں بھی (!)۔ ایسے راستہ پر ڈال دیا جو بالآخر مسلمانوں کی نہایت دل آزاری اور اللہ کی رحمتوں سے محرومی ہی کا سبب بنے گا۔ اور اپنے دامن میں سوائے حرمان اور بربادی کے کچھ نہیں رکھتا۔

مدارس اور لادینی قوتیں قادیانی مسئلہ کے حل ہونے کے بعد یکایک ایسی باتوں کا اخبارات میں آجانا اور حکومت کا اب تک چپ سادھ لینا مختلف پریشان کن افواہوں اور خیالات کا سبب بنتا جا رہا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے قادیانی مسئلہ پر مجبور اور بے بس ہو کر جو قدم اٹھایا اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ یہاں کی اسلامی طاقت کا ایک اہم ترین سرچشمہ مدارس عربیہ ہیں، قادیانیوں کو تو اپنا دشمن پہلے سے معلوم ہے۔ ملک میں سوشلسٹ طاقتوں کو بھی علماء اور ان کے مراکز اور سرچشموں کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اب اگر حکومت نے خدانخواستہ کوئی بھی ایسا اقدام کیا تو اسے لازماً ان تین طاقتوں کا قادیانی مسئلہ کے فاتحین سے انتقام سمجھا جائے گا۔ کیا واقعی حکومت ایسا اقدام کر کے قادیانیوں کے زخموں کا اندمال کرنا چاہتی ہے اور کیا واقعی یہاں لادینی سوشلزم کا قطعی قیام مقصود ہے؟ اور کیا حکومت کا مقصد یہی ہے کہ اس کے لادینی اقدامات پر کوئی انگلی اٹھانے والا نہ رہے۔ اور بجائے کلمۂ حق کے یہاں ہر فاجر و فاسق کے منکرات و معاصی کو اللہ اور رسولؐ کی عین اطاعت قرار دینے والے سرکاری ملاؤں اور علماءِ سوء کا دور دورہ رہے؟ یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے اور حالات ان اندیشوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

مدارس کا استحصال حکومت نے بہت سے کارخانے بنک اور زمینیں قومی قومی تحویل میں لے لی ہیں۔ اب شاید وہ ان دینی کارخانوں اور مدارسِ عربیہ کا بھی استحصال کے نام پر استحصال کرنا آسان سمجھتی ہے۔ مگر اسے شاید معلوم نہیں کہ مادی منافع پر مبنی

فیکٹریوں اور املاک کا معاملہ اور ہے اور شمع رسالت کو روشن رکھنے والے مدارس اور مراکز کی حیثیت اور۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اہل علم اس معاملہ میں نہایت حساس حکومت کو چند ٹکوں کے لئے ایمان اور ضمیر بیچنے والے بہت ہی کم ملیں گے۔ مدارس عربیہ کی چٹائیوں پر عمر عزیز صرف کر دینے والے اساتذہ اور سوکھے ٹکڑوں پر گزارا کر کے جوانیاں لٹا دینے والے طلباء علومِ نبوت کے ان پاور ہاؤسوں کو بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔ جو مدارس دینیہ کی شکل میں قائم ہیں۔ جن کا ایک سرا دامانِ نبوت سے اور دوسرا عالم کی بقاء اور مسلمانوں کی حیاتِ ابدی سے وابستہ ہے۔

متحدہ تنظیم ہمیں خوشی ہے کہ اربابِ مدارس اور ہر مکتبِ فکر کے علماء حق نے ملتان میں جمع ہو کر اس بارہ میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ مدارس عربیہ کے تحفظ کے لئے ایک فعال متحدہ تنظیم اتحاد المدارس العربیہ کے نام سے قائم کر دی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ تمام مدارس بلحاظ اختلاف مسلک و مشرب اس تنظیم کی ہدایات اور مشوروں کی قطعی پابندی کریں گے۔ تاکہ مدارسِ عربیہ کا یہ چراغِ مصطفوی ہمیشہ ہمیشہ روشن رہے ——

(جلد ۱۰ شمارہ ۷)

قادیانیوں کے عزائم

ہم نے اس سے قبل دینی مدارس کو قومی تحویل میں لینے کی افواہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ قادیانی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جانے کے بعد ملک کے لادینی عناصر قادیانیوں کی شہ پر علماء اور طلباء دین کی قوتوں کے اصل سرچشمہ مدارسِ عربیہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ان خدشات کی تائید قادیانی حلقوں اور مرزائی پریس کا اس بارہ میں تبصروں سے ہو سکتی ہے قادیانی جماعت کے ترجمان "پیغام صلح" ۲۱ جنوری ۱۹۰۵ء کا شمارہ ہمارے سامنے ہے

اس کے مقالۂ افتتاحیہ اور ایک مضمون میں حکومت کے ایسے ارادوں کا پُرجوش خیرمقدم کرتے ہوئے مدارسِ عربیہ کو امتِ مسلمہ کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

پیغامِ صلح کا مرزائی مقالہ نگار جو ملت کے اس طبقۂ علماء کے ہاتھوں ضربِ کاری کھا چکا ہے، حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ:۔

> ”ایسے اقدامات کو جلد عملی جامہ پہنایا جائے کہ اس طرح سماج دشمن اور تخریب پسند روایت کی اہمیت ختم ہو جائے گی، اور قومی اتحاد اور وحدتِ ملی کا تصور روشن ہو جائے گا۔“

قادیانی صحافی کو ان مسلمانوں کے دینی مراکز کے اصلاحِ نظام و نصابِ تعلیم کا درد بھی کھائے جا رہا ہے۔ قادیانی اخبار کو اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان مدارس میں مختلف طریقوں سے جمع کی جانے والی لاکھوں رقومات کا خرچ اموال کا بدترین ضیاع ہے ـــ مگر وہ خود یہ نہیں سوچتا کہ استعمار اور اسلام دشمن طاقتوں کے درپردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عزائمِ خبیثہ کی تکمیل کے لئے ان لاکھوں کروڑوں روپیہ کا تصرف کیا ہے۔ جو قادیانیت کے پردہ میں خرچ ہوتے ہیں اور اس دولت سے مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو کیا فائدہ پہنچا۔ وہ ۹ کروڑ روپیہ جس کی مرزا ناصر نے اپیل کی تھی، کہاں سے آئے۔ جس کا مصرف ربوہ اور قادیان کی شرمناک پاپائیت کی ہوس رانیوں کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں اور جو عالمِ اسلام میں درپردہ آئے دن کی سازشوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ اپنے سادہ لوح متبعین کے وصایا اور وراثتوں کے خون پسینہ کی کمائی کو جاہ و باہ کے کن قبیح اور شرمناک طریقوں سے ہضم کیا جاتا ہے۔ اور یہ سامراجی گماشتے عالمِ اسلام میں ایک طرف تو صیہونیت کے ہراول دستہ ہیں دوسری طرف استعماری تجوریوں سے ایتھوپیا میں مسلمان کا خون بہا رہے ہیں قبرص میں ترکوں کے خلاف سرگرم ہیں، کشمیر کو بھارت کے ہاتھوں قادیان کی موہوم امید پر رہن کرا چکے ہیں ـــ مگر انہیں فکر ہے تو ان طیّب و طاہر پاکیزہ چندوں کا

جو درمند مسلمان اپنا پیٹ کاٹ کر دینی مدارس پر لگاتے ہیں اس لئے کہ تاجدارِ ختمِ نبوت کے علوم اور مواریث نبوت و ہدایت کی یہ حفاظت گاہیں مسیلمہ کذاب کی اولاد کے استیصال کے مراکز ہیں۔ وہ ان مدارسِ عربیہ سے عشقِ نبوی اور حفاظتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار ان جانباز فارغ التحصیل علماء کو انسانی ضیاع قرار دیتے ہیں جو اپنی مرضی سے دُنیا اور اس کی رنگینیوں کو کملی والے آقاؐ کے دین پر تج چکے ہیں اور روکھے سوکھے ٹکڑوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔

بہر حال قادیانی اخبار نے ہمارے خدشات کی تائید کر دی ہے کہ مدارسِ عربیہ کا گلا گھونٹنے کی یہ کھچڑی کہاں کہاں پک رہی ہے۔ ہمیں قادیانی جماعت سے اس بارہ میں کوئی شکوہ نہیں کہ ملّتِ مسلمہ کی قادیانیوں کی تو اب کھلی جنگ ہے۔

مدارسِ عربیہ کی ''اصلاح'' کے پُرفریب سنہری وعدے مگر افسوس تو ہمیں اپنوں کی بعض ایسی درد مندانہ ''تجاویز اور منصوبوں'' کو دیکھ کر ہوتا ہے جو علماء اور طلبہ مدارسِ عربیہ کی خیر خواہی اور ان کی حالت بہتر بنانے کی شکل میں ہمارے سامنے آرہے ہیں۔

مثال کے طور پر ہمارے محترم وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کا ایک انٹرویو مطبوعہ جنگ ۲۷ فروری ۱۹۷۵ء ہمارے سامنے ہے انہوں نے دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کی تردید کے باوجود کچھ باتیں ایسی کی ہیں جن پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، انہیں ان مدارس کے اساتذہ کی تنخواہوں اور طالب علموں کی حالت بہتر بنانے کی بھی فکر ہے۔ کیونکہ بقول ان کے یہ لوگ دستِ سوال دراز کئے پھرتے ہیں۔ مدارسِ عربیہ کو مالی امداد دینے کا بھی ذکر ہے۔

اہلِ مدارس کا مطمحِ نظر کبھی دنیاوی نہیں رہا مگر کیا محترم مولانا یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ حصول علم دین کی راہ اپنی جوانیوں کی متاعِ عزیز جو لٹا دیتے ہیں ان کا مطمحِ نظر دنیاوی آسودگی اور آسائشِ حیات نہیں ہوتا۔ زندگی کے دیگر شعبوں میں جا کر یہ راستے تو ان پر بھی وا ہو سکتے

تھے۔ مگر انہوں نے سوچ کر اور ایسی تمام خواہشات کی قربانی دے کر اپنی زندگیاں کتاب و سنت کی شمع تابناک کو فروزاں رکھنے کے لئے وقف کر دیں انہیں معلوم ہے کہ یہ راہ و رسمِ وفا مادی خوشحالی کی کبھی مرہون نہیں رہی۔ یہ کانٹوں کی سیج ہے پھولوں کی نہیں۔ اصحابِ صفہ کی سیرتِ مقدسہ ان کے سامنے ہے۔ اور وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ جنہیں مادی حالت کی بہتری اور دنیوی جاہ و جلال، عہدے اور مناصبِ جلیلہ درکار ہوں تو انہیں اس راہِ عشق سے کیا سروکار۔ ع

جس کو ہو جان و دل عزیز تیری گلی میں جائے کیوں

زہد و ایثار کا صلہ ان لوگوں نے انگریز کے عہدِ غلامی میں چٹائیوں اور بوریوں کی رہائش اور روکھے سوکھے ٹکڑوں پر قناعت کو ترجیح دی ورنہ انگریزی مراحم و عنایات کے دروازے ان پر بھی کھل سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کی ملّاتی زندگیاں انہیں پکار رہی تھیں وہ بھی سر اور خان بہادر بن سکتے تھے۔ شمس الاسلام اور شیخ الاسلام جیسے مناصب تو خان بہادر اور سر سے بھی سستے داموں بک رہے تھے مگر ان فقراء زہد و علم نے یہ سب کچھ پھر خدائے غیور کی بارگاہ سے کوئی سید احمد شہیدؒ بن کر نکلا کوئی محمد قاسم نانوتویؒ، کوئی شیخ الہندؒ اور کوئی شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے نام سے اسلامیانِ ہند کے قلوب پر بے تاج حکمران بنا، کوئی حسین احمد مدنیؒ کی شکل میں عرب و عجم کی سیادت کی خلعت سے نوازا گیا، کوئی اشرف علی تھانویؒ کی صورت میں حکیم الامت بنا تو کوئی احمد علی لاہوریؒ کے پیکر میں قطبِ ارشاد اور شیخ التفسیر بن کر نمودار ہوا کوئی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی صورت میں امیرِ شریعت بن کر منقۂ خطابت پر جلوہ افگن ہوا۔ پھر مولانا یہ کیوں بھول گئے کہ۔

سنہری اور پُر فریب وعدے اس سے قبل بھی معیارِ زندگی کی بلندی اور معاشی بہتری کے نام پر کئے گئے ایسے سنہری عہد و پیمان کا کیا حشر ہوا۔ مساجد اور مزارات کو تحویل میں لینے کے وقت بھی ایسے ہی اصلاحی جذبات سامنے آئے۔ خطباء کی معاشی حالت کی بہتری اور باعزت مقام اور وقار کے مژدے بھی سنائے گئے۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے اوقاف کی تباہ حالی مساجد، خانقاہوں اور مزارات کی

خاطر خواہ دیکھ بھال کرنے کے وعدے بھی ہوئے، لیکن کیا بعد کے واقعات نے ان ساری باتوں کو سراب نہیں ثابت کیا؟ بہت سی مساجد کی آمدنی لاکھوں تک پہنچتی تھی، آج وہ کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ بسا اوقات ایک چٹائی اور بلب کے لئے مسجدیں ترستی ہیں کچھ دردمند نمازی از خود چندہ اکٹھے کر کے دیکھ بھال کا کام چلا لیتے ہیں۔ وقف املاک کی لاکھوں آمدنی اپنے اصل شرعی مصارف پر خرچ ہونے کی بجائے افسران اور انتظامیہ کی فوجِ ظفر موج کی بھاری تنخواہوں اور تکلفات پر لگ جاتی ہیں اور کچھ یورپ کی مادی اور غیر مذہبی تعلیم کے وظیفوں اور نام نہاد ثقافتی سرگرمیوں پر۔ خطیبوں کی تنخواہیں کئی کئی ماہ رکی رہتی ہیں۔ معیارِ زندگی بلند تو کیا ہوتا۔ اوقاف کے بے شمار خطیب ایسے بھی ہیں جن کی تنخواہ اس جان لیوا گرانی میں بھی پچاس روپے سے متجاوز نہیں۔ پھر ظلم یہ کہ وہ مستقل سیاسی جوڑ توڑ کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔ غازیوں کی سیاسی وابستگیوں کی رسہ کشی کا شکار رہتے ہیں۔ اور جدھر کا پلڑا سرکار والا تبار کے ہاں بھاری ہوا خطیب اس کی زد میں آگیا اور ایک پٹواری کی طرح جب چاہا ایک مسجد سے اٹھا کر دور دراز کسی شہر میں تبدیل کر دیا۔ پھر ۵۸ سال عمر کے جرم میں ریٹائرمنٹ کی تلوار الگ سر پر مسلط، حالانکہ منصب وعظ و ہدایت اور مقامِ رشد و تبلیغ میں عمر کے ساتھ اور بھی پختگی اور رسوخ آتا ہے۔ ہمیشہ سے یہ لائن ریٹائرمنٹ کی لغت سے یکسر ناآشنا رہی ہے۔ رہی سہی کسر جو رہ گئی تھی، اب ان بے چاروں کو خطبہ میں "وحدتِ موضوع اور تجدید مضامین" کے شکنجوں میں کس کر پوری ہو جائے گی جس کی خبریں آج کل آرہی ہیں۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے سکولوں، کالجوں میں اسلامیات کی حالت پھر پرائیویٹ تعلیمی اداروں اور سکولوں کو تحویل میں لینے کے وقت بھی ایسے ہی دلنواز اور جاذبِ نظر نغمے سننے میں آئے کہ اب ان اداروں کی کایا پلٹ جائے گی۔ نتیجۃً جو ادارے عام مسلمانوں کے جذباتِ دلی کے سہارے چل رہے تھے وہ رضاکارانہ جذبات اور مسلمانوں کے تعاون سے محروم ہو گئے اور دو ڈھائی سال گزر جانے کے باوجود اب بھی غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہیں۔ نہ ان اداروں کے اساتذہ کو مستقل ہونے کے پروانے مل سکے ہیں

نہ واضح طور پر ان کے مشاہروں کا تعین ہو چکا ہے۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ تنخواہوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھا بھی تو جو حکومت دینی مدارس کی معاشی حالت بہتر بنانے کی فکر کر رہی ہے۔ اس نے تنخواہوں کے سکیل مجریہ ۸ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء میں انگلش وغیرہ عمرانی مضامین کے ان ٹرینڈ اساتذہ کی شرح تو مقرر کر دی گئی ہے۔ لیکن ان ٹرینڈ فاضلین علومِ شرقیہ اور اساتذہ دینیات و معلمین قرآن کے کسی سکیل کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایسے اساتذہ کو سنہ ۱۹۷۳ء کے سکیل کے مطابق نوّے روپے دینے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سلام کے جذبے کے تحت حکومت کی نظریں بار بار مدارسِ عربیہ کی طرف اٹھتی رہی ہیں۔ لیکن کیا حکومت خدمتِ اسلام کی اور تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو چکی ہے۔ ملک کے تمام شعبوں میں اسلام جاری اور ساری ہو چکا ہے، تمدن، تہذیب، سیاست و معاشرت، اخلاق و معاشیات کے ہزاروں ایسے شعبے ہیں، جو زبانِ حال سے حکومت کو پکار پکار کر دعوتِ اصلاحِ احوال دے رہی ہیں۔

خدمتِ اسلام کا میدان عصری نظامِ تعلیم | مگر یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفاء کرتے ہیں جس کا تعلق تعلیمی شعبہ ہی سے ہے۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد کیا ہمارے حکمرانوں کا اہم ترین فریضہ نہ تھا کہ ملک کے تمام عصری نظام و نصابِ تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا جاتا یہ نہ ہو سکا تو کم از کم یہ تو لازمی تھا کہ عصری تعلیم گاہوں میں اسلامی تعلیمات و اخلاق، قرآن و سنّت اور عربی و شرقی علوم پر خصوصی توجہ دے دی جاتی کہ اب ہمیں غلام ہندوستان کے لئے دیسی کلرکوں کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایک اسلامی مملکت کے لئے مہذب اور عالم و فاضل شہریوں کی چاہیئے تھا کہ اسلامی تعلیمات کو اہم لازمی مضمون کی حیثیت دے دی جاتی اور ان علوم کے اساتذہ اور طلبہ کو ترجیحی نہیں تو کم از کم انگریزی اور دیگر عمرانی علوم کے اساتذہ اور طلبہ جیسا باعزت مقام اور مراعات تو دے دیئے جاتے، مگر یہاں تو : ۳۰ سال گزرنے کے بعد بھی اسلامیات

یا علومِ شرقیہ کا جو برائے نام سلسلہ ہے اس کے اساتذہ کی حالتِ زار سے کون بے خبر ہے۔ نہ سرکاری درس گاہوں میں ایسے اساتذہ دینیات کے لئے لازمی آسامیاں ہیں نہ وہ حقوق و مراعات جو انگریزی پڑھانے والوں کے لئے ہیں بعد از خرابیٔ بسیار تعلیم کے سرکاری اداروں میں اسلامیات کو پہلے اختیاری اور پھر لازمی حیثیت دی گئی مگر وہ بھی ثانوی سطح پر، مگر اکثر صوبوں میں عملاً تدریس قرآن کا صرف اتنا انتظام ہے کہ محض سطحی اور رسمی طور پر بعض جگہوں میں گویا خانہ پری کر دی گئی ہے۔ اور یہ سطور لکھتے وقت تو یہ افسوسناک اطلاع بھی سامنے آچکی ہے کہ:۔

> "وفاقی وزارتِ تعلیم کے شعبۂ تدوین نصابات نے سرکلر نمبر F-S-1/74-HSC جنوری ۱۹۷۵ء کے ذریعہ اپنے مجوزہ تعلیمی اسکیم برائے نصاب انٹرمیڈیٹ میں اس نصاب کی فہرست سے اسلامیات کے مضمون کو یکسر خارج کر دیا ہے اور اس کی جگہ فنونِ لطیفہ بالخصوص موسیقی کو مستقل مضامین کی حیثیت دی گئی ہے۔"

ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

پھر کیا "خدمتِ اسلام کا یہ جذبہ" آگے چل کر مدارسِ علومِ نبویہ کو بھی رقص و سرود موسیقی، آرٹس اور کلچر کے مراکز میں تبدیل کرنا چاہتا ہے ـــــ ولا فعلہا اللہ الی یوم القیامۃ۔

علومِ شرقی اور برطانوی دور سے بھی بدتر حالت

بہرحال عصری تعلیم گاہوں کے اساتذۂ دینیات اور فضلاء علومِ شرقیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے پر کتنی توجہ دی گئی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ فاضل عربی او۔ٹی اور دوسرے اسناد رکھنے والے اساتذہ کو دیگر لازمی مضامین پڑھانے والے ٹیچروں کی مساوی حیثیت میں مشاہرے دیئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ ۱۷۵ ، ۵/۱۴۰ ، ۴۰/۱۰۰ ـ یا بالقطع ۱۰۰/ـ روپے تنخواہ مقرر کی گئی، تنخواہوں کے

گوشواروں کو سامنے رکھ کر آپ پر یہ تفاوت عیاں ہو جائے گی کہ برطانوی دور میں انگریزی اساتذہ اور علومِ مشرقیہ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اتنا غیر معمولی فرق نہ تھا جو کہ اب ہے یہ تفاوت ۱۹۴۵ء میں پچّاس روپے تھی تو پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۲ء میں -/۷۰ روپے ہو گئی۔ ۱۹۷۰ء میں -/۱۲۰ روپے ہو گئی۔ اور اب عوامی دور کے نیشنل پے سکیل میں -/۱۸۵ روپے ہو گئی۔ یعنی انگریزی اور عمرانی پڑھانے والوں سے اسلامی تعلیمات اور عربی کے معلّمین کو -/۱۸۵ روپے کم ملتے ہیں۔ یہی تفاوت اسلامیات اور انگریزی نصاب کے پرچوں کے نمبرات میں بھی ہے۔ انگریزی پرچہ کے نمبرات ۷۵ ہیں تو عربی کے سو اور انگریزی پڑھانے کے لئے ہفتہ میں آٹھ پیریڈ ہیں تو عربی کے لئے چار۔ اور یہ واقعہ ہے کہ لازمی اختیاری مضامین میں بھی سائنس کو عربی پر ترجیح دینے کی وجہ سے دیگر طلبہ عربی چھوڑ کر سائنس اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بہرحال اسلامیات اور علماءِ اسلامیات اور دیگر مضامین اور اس کے اساتذہ کے درمیان تفاوت اور حق تلفی کی داستان بہت طویل ہے۔

مقصد یہاں صرف علماء اور طلباء مدارس عربیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے کے "پاکیزہ جذبات" پر کچھ عرض کرنا تھا ــــ مذکورہ انٹرویوں میں دینی مدارس کی مالی بے قاعدگیوں اور گڑبڑ کا بھی ذکر ہے۔ نصابِ تعلیم کی اصلاح اور علماء کو معاشرے کا مفید (؟) رکن بنانے پر بھی اظہارِ خیال ہے۔ اچھے مدارس کو حکومت کا مالی امداد دینے کی ترغیب بھی ہے۔ ان تمام باتوں پر گفتگو کا میدان وسیع ہے۔ اور یہ سب باتیں علماءِ حق اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ (مارچ ۷۵ء)

قومی ملکیّت کی تلوار

دینی مدارس پر قومی ملکیت کی تلوار" حکومت کی در پردہ بعض سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت قومی ملکیت کی تلوار سے دینی مدارس کو ذبح کر کے دین کے رہے سہے نشانات اور شعائر کو بھی مٹا دینا چاہتی ہے۔ برِ صغیر کے مخصوص حالات میں مدارسِ عربیہ کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ مدارس نہ ہوتے تو آج برِ صغیر مسلمانوں کی عظمتوں کا قبرستان بن چکا ہوتا اور یہاں کی حالت سپین اور بخارا و سمرقند سے مختلف نہ ہوتی قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک حکومتی ذرائع سے دین اور اسلامی علوم کے فروغ و اشاعت کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو وہ اسلام یہاں بہت مشکل سے مل سکتا جسے لے کر ہم نے نظریۂ پاکستان کا نعرہ لگایا اور ایک سلطنت حاصل کی۔ مگر حکومت کی نظریں الٹی بھی ہیں تو بار بار ان مدارس اور مساجد کی طرف جب کہ زندگی کے ہزاروں شعبے ابھی اسلامی مملکت کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔ جہاں تک مدارسِ عربیہ کے نصاب، نظام اور خامیوں کی اصلاح کا تعلق ہے، اس کے احساس اور ضرورت سے خود اہلِ علم اور اربابِ مدارس بھی کسی لحظہ غافل نہیں رہے۔ اور نہ حکومت یا کسی بھی حلقے کی کسی مفید اور مخلصانہ مشوروں کو نظر انداز کرنے کا کبھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک سرکاری تحویل میں لینے کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو حکومت صنعتی اداروں، بنکوں اور فیکٹریوں کے پیمانہ پر نہ پرکھے، ایسے اقدامات دینی و علمی حلقوں میں نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ فنائے دین سمجھے جائیں گے۔ اس لئے ایسے کسی اقدام کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس کی نزاکتوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

عربی لغۃ الاسلام

عالم اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر کے ریکٹر شیخ محمد محمد الفحام نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں اپنی تشریف آوری کے موقعہ پر جو خطاب فرمایا اس میں انہوں نے زیادہ تر زور عربی زبان کی اہمیت محسوس کرنے پر دیا اور فرمایا کہ مختلف زبان رکھنے والے مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوت قائم رکھنے کے لئے عربی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسلمان اپنی علاقائی زبانیں چھوڑ دیں۔ خدا نے ہر ملک اور قوم کے لئے الگ الگ زبانیں بنائی ہیں۔ اور اس کی حکمتیں اور شانِ قدرت کا ظہور اس اختلاف کا متقاضی ہے، لیکن جب ایک طرف ہم پشتو اردو فارسی سیکھتے ہیں تو بحیثیتِ مسلمان ہمیں عربی زبان کا سیکھنا بھی اس لئے ضروری ہے کہ عربی صرف عربوں کی زبان نہیں بلکہ یہ لغۃ الاسلام ہے، قرآن کی زبان ہے اور ہمارے مقتدلئے دین و دنیا سرورِ کائنات علیہ السلام کی زبان ہے اور جو اپنے اندر ان کی تعلیمات کو سموئے ہوئے ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو تعصب سے نہیں بلکہ اس زاویہ سے دیکھنا چاہیئے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک روایت بھی بیان کی کہ جو اللہ کو چاہے گا، تو لازماً حضورؐ کو بھی، اور جسے نبیؐ عربی سے محبت ہوگی اسے عربوں سے بھی، اور جب عربوں سے ہوگی تو وہ عربی زبان سے بھی محبت رکھے گا۔

ترویج عربی مسلمانوں کی ایک سیاسی ضرورت مگر اس منطقی اور طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے ہاں عربی زبان کی تعلیم و تعلّم اور افہام و تفہیم کو اہمیت دیں۔ اس کی ترویج میں بھرپور حصہ لیں انہوں نے بالکل صحیح کہا کہ ایک مسلمان بآسانی گوارا نہیں کر سکتا کہ کسی اسلامی مملکت میں جا کر وہ مسلمانوں کی زبان عربی کے سمجھنے اور سمجھانے والے نہ پائیں، مسلمانوں کے لئے یہ چیز شرم کی بات ہونی چاہیئے۔

عربی کی ترویج کے لئے مدارسِ عربیہ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس موقف کو بھی سراہا کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور روابط کے لئے عربی یہاں کی سرکاری زبان ہونی چاہیئے۔ شیخ الازہر نے دار العلوم حقانیہ اور دیگر مدارس میں عربی زبان کی تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں بجا طور پر خواہش ظاہر کی کہ اس سلسلہ میں جدید عربی نصاب اور جدید ترین کتابوں سے استفادہ ضروری ہے۔ جب کہ ہر زبان کی طرح عربی ادب میں اندازِ تحریر، طرزِ بیان اور نئے نئے الفاظ و اصطلاحات کی وجہ سے کافی تبدیلی آچکی ہے۔ جب کہ ہمارے مدارس میں عربی کو بحیثیت عربی زبان کی تعلیم و ترویج پر کما حقہٗ توجہ نہیں دی جا رہی اور یہ ایک بڑی کمی ہے جو ہمارے ہاں کے علماء اور طلباء اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔

باہمی ربط و اتصال کا ایک لازمی ذریعہ اس تقریب کے افتتاح میں قائدِ جمعیت مولانا مفتی صاحب[1] نے بھی عربی کی اہمیت پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور اسے پاکستان کے لسانی مسائل کا واحد حل قرار دیا، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہم اپنی آئینی جدوجہد میں اس لئے عربی کو سرکاری زبان قرار دینے پر زور دیتے ہیں کہ ہماری داخلی اور خارجی ضروریات ہمیں مجبور کر رہی ہیں۔ پاکستان مختلف صوبوں اور علاقوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر حصے کی الگ الگ زبان ہے۔ اب اگر ہمیں کسی ایک زبان کے ذریعہ ان حصوں کو مربوط رکھنا ہے تو سوائے عربی کے کوئی بھی جامع زبان ہمیں نہیں مل سکتی، اپنے ازلی دشمن انگریز کی انگریزی سے نجات پانے کی یہی ایک صورت ہے۔ خارجی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود نے فرمایا کہ چونکہ عربی ہمارے قرآن و رسولؐ ہمارے مذہب اور ہمارے کروڑوں عرب بھائیوں کی زبان ہے اس لئے یہ عالمِ اسلام کے باہمی ربط و اتصال کے لئے ایک لازمی کڑی ہونی چاہیئے۔

پاکستان کی ذمہ داریاں اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں عربی کو اس کا صحیح مقام دینے

---

[1] آپ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور شیخ الازہر کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

کی راہ میں کافی مشکلات ہیں، اساتذہ کا مسئلہ ہے، نئی کتابوں کی فراہمی ہے۔ عربی کو لسانیاتی حیثیت سے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں وہ جگہ دینی ہے۔ جو ترقی یافتہ مروّجہ عربی ادب کو عرب ممالک میں حاصل ہے۔ مگر ایک اسلامی مملکت جب علاقائی زبانوں کے لئے سب کچھ کر سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ملکی و ملی بقاء استحکام کی حامل اس ضرورت پر توجہ نہ دی جائے۔ چونکہ اس کا تعلق پورے ملک سے یکساں رہے گا، اس لئے مرکزی حکومت پر بھی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسیوں میں عربی کی اس ضرورت کا پورا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔ جدید عربی نظامِ تعلیم اور مروجہ نصابوں پر عبور، عالمِ عرب کے تعلیمی اور ادبی اداروں علمی شخصیات سے تبادلۂ خیال اور استفادہ کے لئے عربی سے ذوق رکھنے والے علماء اور طلباء کے وفود کا عرب ممالک سے تبادلہ ہو سکتا ہے۔ عرب ممالک سے اس سلسلہ میں تعاون اور مدد حاصل کی جا سکتی ہے جس کے نتیجہ میں یہاں عربی زبان کی ترویج و تعلیم کے لئے نہایت مفید تجاویز زیرِ عمل لائی جا سکتی ہیں، صوبائی حکومتیں اپنی اپنی حد تک مفید اسکیم اور منصوبے بنا کر عربی کے لئے رفتہ رفتہ ایسا میدان تیار کر سکتے ہیں کہ وہ آگے چل کر بغیر کسی دقت کے پاکستان کی سرکاری زبان بن سکے۔ یہ سب کچھ ملک و ملت سے خیر خواہی کے جذبات، عربی سے شغف، علمی ذوق، اور عالمِ اسلام کے مشترکہ مسائل کا احساس و شعور رکھنے کے علاوہ خدائے کریم کی توفیق اور دستگیری پر ہے، دیکھئے پاکستان کی ملتِ اسلامیہ کب ایسی اہم ذمہ داریوں کو نبھانے کی اہل بنتی ہے۔

(فروری ۱۹۷۳ء)

عصری نظامِ تعلیم اور دین سے بیگانگی

ہمارا سرکاری نظامِ تعلیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ دین اور اسلامی علوم سے کتنی تیزی سے دور ہوتا جا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے ایک جائزہ سے لگائیے جو ایک ثقہ اور فاضل شخص کا فراہم کیا ہوا ہے[1] اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی نگاہ میں رکھئے کہ ہمارے فکری اور معاشرتی انتشار اور عدم استحکام کے ایک اہم بنیادی سبب نئی پود کی عصری تعلیم گاہوں میں مذہب اسلامی زبان عربی اور اسلامیات سے بے بہرہ ہونا ہے، اس وقت ساری ذمہ داری طبقاتی تفاوت اور معاشی عدم توازن پر ڈالی جا رہی ہے۔ مگر اس ساری بے چینی اور اضطراب کو فقط معدہ اور پیٹ کے پیمانے سے ناپنا اور ملک کی دیگر تمام تعلیمی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے زوال اور اس کے محرکات سے صرف نظر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

عربی سے بے اعتنائی کا ایک جائزہ عربی ہماری اسلامی اقدار اور تعلیمات کی ترجمان ہے اس کے ساتھ حکومت کی بے اعتنائی اور ہماری بے حسی کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا۔ اس کا جواب اعداد و شمار کی زبان سے سنیئے۔

سنہ ۱۹۵۲ء میں ۳۶۵۵۸ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۵۳۴۰ تھے۔ پانچ سال بعد سنہ ۱۹۵۷ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۷۲۱۴ رہ گئے، دس سال بعد سنہ ۱۹۶۲ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۲۴۸ رہ گئے۔ پندرہ سال بعد سنہ ۱۹۶۷ء میں ۹۹۹۷۶ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۴۹۹۲ تھے۔

گویا سنہ ۱۹۵۲ء میں میٹرک میں عربی پڑھنے والوں کا تناسب ساڑھے چودہ فیصد تھا۔ لیکن پندرہ سال بعد جبکہ طلباء کی مجموعی تعداد میں ۱۷۳ فیصد اضافہ ہو گیا۔ عربی خواں طلباء و طالبات

---

[1] اور یہ جائزہ بھی ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک کا ہے اس کے بعد حالات تو اور بھی بدتر ہو کر ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ بنے ہوئے ہیں۔

کا تناسب ۵ فیصد سے بھی کم ہو گیا۔ یعنی طلباء کی تعداد ساڑھے چھتیس ہزار سے ایک لاکھ ہو گئی مگر عربی خواں ۵۳۴۰ سے گھٹ کر ۴۹۹۲ رہ گئے۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں ایف اے میں پرانے نصاب کے اندر بارہ ہزار آٹھ سو اڑتالیس طلباء شریکِ امتحان ہوئے۔ ان میں ۱۱۱۵ عربی خواں تھے پندرہ سال بعد طلباء کی تعداد پچپن ہزار سات سو ستاسی ہو گئی اور عربی خواں طلباء کی تعداد ۱۱۹ گویا پندرہ سال میں طلباء کی تعداد میں ۳۳۲ فیصد اضافہ ہوا۔ لیکن عربی خواں طلباء وطالبات ۸½٪ سے گھٹ کر صرف دو فیصد رہ گئے —— اسی سے بی اے، ایم اے میں عربی کو تدریس کا اندازہ کر لیجئے۔

اسلامیات کی بے کسی یہی حال اسلامیات کا ہے میٹرک تک اسے لازمی قرار دینے کے باوجود اب تک اس کے لئے کوئی مستقل اور قابلِ افادیت کتاب مرتب نہیں کرائی گئی۔ ایف اے میں اسلامیات محض اختیاری مضمون ہے وہ بھی صرف آرٹس کے طلباء کے لئے موجودہ قوانین کی رو سے مغربی پاکستان میں ایف ایس سی کا کوئی طالبعلم عربی کسی صورت میں نہیں لے سکتا۔ بی اے کے لئے کراچی اور حیدرآباد یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کا ایک پرچہ لازمی ہے، لیکن پشاور اور پنجاب یونیورسٹیوں میں نہیں فنی اور پیشہ ورانہ اداروں میں یعنی مغربی پاکستان کے کسی میڈیکل کالج، لاء کالج، کامرس کالج، انجنیئرنگ کالج میں اسلامیات کے نام کی کوئی چیز شامل نصاب نہیں ہے، جبکہ ان فنی (TECHNICAL) اور پیشہ وارانہ (PRSFESSIONAL) اداروں کی تعداد مغربی پاکستان میں ۵۸ فیصد ہے۔ گویا ہمارے وکلاء، ڈاکٹروں اور انجنیئروں کو دینی تعلیم سے بے بہرہ رکھنا سرکاری پالیسی ہے۔

مدینی کہ مجوزہ نئی تعلیمی پالیسی سے کچھ امید بندھ گئی تھی کہ عصری درسگاہوں میں زیرِ تعلیم ہماری افرادی قوت کچھ تو دین اخلاق اور تہذیب و شرافت سے آراستہ ہو جائے گی اور شاید اس طرح قوم کی ڈوبتی نیا کچھ سنبھل جائے گی۔ مگر تازہ اخباری خبروں نے ان امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا جن میں کہا گیا ہے کہ حکومت نئی تعلیمی پالیسی کو غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل برداشت اخراجات کی وجہ سے واپس لے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں دین اور دینی علوم کے تحفظ اور اعلےٰ انسانی اقدار کے فروغ و اشاعت کی صورت کیا ہوگی؟

دینی علوم کے تحفظ کے رہے سہے آثار کو مٹانے کی کوشش ان حالات میں دینی علوم کا تحفظ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ آزاد عربی مدارسِ دینیہ ہی کا مرہونِ منت ہے جو الحاد اور تجدد کے علمبرداروں کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور کروڑوں افراد کی فنی و عصری علوم کے لئے تگ و دو کرنے کے باوجود مدارس عربیہ کے طلباء کی قلیل تعداد کا اپنی زندگی کو دین اور محض علومِ دین کے لئے وقف کرنا ان کے لئے ناقابلِ برداشت مسئلہ بن گیا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ان مدارس کی بساط لپیٹ دو، ان کی آزاد تعلیمی روح کو بھی کسی طرح سلب کر لو، انہیں امداد اور گرانٹ کے دامِ زریں میں پھنسا لو، ان کے آزاد اور ترجمانِ حق ضمیروں میں بھاری تنخواہوں کے تالے لگا دو، انہیں اوقاف کے شکنجے میں کس دو تاکہ رہی سہی جو صورت دین کی اشاعت کی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے — سوال یہ ہے کہ جب انگریزی، اردو سائنس، ریاضی، جغرافیہ اور ٹیکنیکل علوم کے لئے مخصوص افراد مخصوص مزاج اور مخصوص تربیت کی ضرورت ہے تو اسلامی علوم و فنون کو اس کلیہ سے کیوں خارج کیا جا رہا ہے تمہیں ان چند گنے چنے مدارسِ عربیہ کے بوریہ نشینوں کی فکرِ معاش نڈھال کئے جا رہی ہے، مگر کیا آپ نے ملک کی عصری تعلیم گاہوں میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے دین اور علومِ دینیہ سے دن بدن اعراض و اجتناب کا بھی کچھ مداوا سوچا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (اکتوبر ۶۹ء)

نصاب اسلامیات میں نفاق اور بے دینی کا بیج

مرکزی حکومت نے سکولوں اور عصری تعلیم گاہوں کے لئے اسلامیات کے نصاب کی ازسرِ نو ترتیب و تدوین کے لئے جو کمیٹی نامزد کی ہے اس کے بارہ میں پچھلے شمارہ میں ہم نے اپنے خدشات کا اشارۃً ذکر کیا تھا۔ یہ مسئلہ عام مسلمانوں بالخصوص اہلِ علم اور دینی جماعتوں کے لئے جتنی توجہ کا مستحق تھا افسوس کہ اب تک اتنی ہی سرد مہری کا شکار رہا۔

ملک کی اکثریت اہلِ سنت سے ناانصافی یہاں کی اکثریت (MAJORITY) سُنّی مسلمانوں کی ہے جن کے عقیدہ کی اساس خلفاء راشدین کے تقدس اور تمام صحابہ رض کی عظمت پر قائم ہے۔ بچوں کے دینی نصاب پر مستقبل میں ان کے عقیدہ، دین اور نظریہ

کا دار و مدار ہوتا ہے اگر اس عمر میں بچوں کے دل و دماغ کا نازک اور پاکیزہ آبگینہ کسی غیر اسلامی جارحیت سے مجروح ہو جائے تو عمر بھر اسے جوڑا نہیں جا سکتا ضرورت اس امر کی بھی کہ غیر سنی حضرات کو ان کی جائز نمائندگی دیتے ہوئے بھی اکثریت کی رعایت بہر حال رکھی جاتی اور ایسے لوگ سنی علماء میں سے بورڈ میں شامل کر لئے جاتے جن کا علمی تبحر، دینی حمیت اور ذہنی و فکری پختگی مسلم اور مسلمانوں میں قابلِ اعتماد ہوتی اور جنہیں اسلامیات کی ترویج اور اشاعت سے والہانہ لگاؤ بھی ہوتا، اور وہ کسی بھی عقیدہ اور مسلمانوں کے کسی بھی قابلِ احترام شخصیت کے بارہ میں امت کی پوری نمائندگی کا حق ادا کر سکتے۔ مگر ہوا یہ کہ [illegible] افراد کی اس کمیٹی میں نصف یا اس سے زائد نمائندگی شیعہ حضرات کو دی گئی اور وہ بھی ان کے مذہب کے پختہ اور ذمہ دار سرکردہ افراد کو، جب کہ آبادی کے تناسب سے شاید انہیں ۵٪ نمائندگی بمشکل دی جا سکتی۔

تدوینِ نصاب کی اہلیت پھر دوسری ناانصافی یہ ہوئی کہ دو ایک افراد کو چھوڑ کر باقی سنی حضرات ایسے لئے گئے جنہیں نہ تو مسلمانوں کے جذبات اور معتقدات کے تحفظ سے گہرا اور جذباتی تعلق ہے نہ اسلامی علوم میں مناسب رسوخ اور گہرائی اور نہ انہیں عامۃ المسلمین کا اعتماد حاصل ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں بجا طور پر خطرہ ہے اور اس کے بعض شواہد بھی سامنے آ چکے ہیں کہ ایسی کمیٹی جو نصاب تیار کرے گی اس میں نہ تو اکثریت کے جذبات کی پوری رعایت رکھی جا سکے گی اور نہ ابوبکر و عمر اور عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کو ان کا صحیح مقام دیا جا سکے گا، نہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور اسلام کی اوّلین تاریخ کو صحیح شکل میں پیش کیا جا سکے گا بلکہ "اختلافی مسائل" کے نام پر ان تمام باتوں کو نشانۂ ستم بنایا جا سکے گا، ہمیں کسی فرقہ اور طبقہ سے کد نہیں، شیعہ تو کیا دیگر اقلیتی طبقوں کو بھی ان کے دین اور مذہب کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔ ہمیں ملکی یکجہتی اور ملی اتحاد بہر حال عزیز ہے سنی مسلمانوں کے لئے تمام صحابہ کرامؓ واجب التعظیم ہیں کسی خلیفۂ راشد اور صحابی کی عظمت سے انہیں اختلاف نہیں، سب

کو احترام اور محبت کی نظروں سے دیکھنا ان کا جزو ایمان ہے۔ لیکن اگر معمولی سی تعداد رکھنے والی شیعہ ذہنیت کو ان باتوں سے اتفاق نہیں اور وہ خواہ مخواہ دھڑے بازی اور عصبیت کی بناء پر ہماری ملّی یکجہتی کو حق و ناحق اور ظالم و غیر ظالم کی تقسیم سے پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تو یہاں کی ایسے کسی بھی ارادہ اور سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ جس سے مسلمان بچوں کا مستقبل مخدوش اور ان کا دینی ذہن مجروح ہو سکتا ہو اور نتیجتہً اس سے ہماری قومی یکجہتی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسے کسی نصاب کمیٹی میں اقلیتی طبقوں کو ان کی شرح آبادی سے زیادہ نمائندگی نہ دی جائے پھر سُنّی مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے راسخ العقیدہ علماء لئے جائیں جن کا علم و عمل دینی تصلّب، اسلامی حمیت مسلّم ہو، مسلمانوں کا ان پر اعتماد ہو اور تعلیم و تربیت سے متعلق امور میں بھی انہیں پورا تجربہ حاصل ہو۔ چند نام نہاد "ماہرینِ تعلیم" کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ملک کے سوادِ اعظم کے جذبات اور معتقدات کو اس طرح خطرہ میں ڈال کر خدشات اور بے چینی کی فضا پیدا کریں اگر حکومت نے بھی خدانخواستہ ایسے کسی نصاب کو جلدی میں منظور کروا کر نافذ کرنے کی کوشش کی تو قوم کا دل اور ضمیر ایمان و یقین احساس اور شعور اسی طرح اسے ٹھکرا دے گی۔ جیسا کہ وہ عائلی قوانین اور اس طرح کے دیگر غیر اسلامی منصوبے بڑی حقارت سے ٹھکرا چکی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے جگر گوشوں اور نونہالوں کو ابوبکرؓ کے دامنِ شفقت اور عمرؓ کے سایۂ عافیت سے نکال دینے کو اتنی آسانی سے برداشت نہیں کر سکیں گے۔

مئی ۱۹۷۰ء

نظامِ تعلیم کی نئی پالیسی کیا ہونی چاہئے

زندگی کے مختلف شعبوں میں اہم تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے والی حکومتیں عصری نظام و نصاب تعلیم کے بارہ میں بھی اپنی نئی پالیسیوں کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔ ایسی کسی نئی تعلیمی پالیسی کے بارہ میں اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسے نام نہاد اصلاحی اقدامات سے وہ توقعات پوری نہیں ہو سکتیں جو ملک و ملّت

کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لحاظ سے نظامِ تعلیم اور تعلیم سے وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ ہر چند کہ موجودہ صدرِ محترم[1] کا ارشاد ہے کہ ہم دینِ اسلام کی روح اور دینی اقدار کو تعلیمی نظام میں سمو دینا چاہتے ہیں۔ مگر اس کی روشنی میں ہم جب ان کی نئی طویل الذیل تعلیمی پالیسی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہو جاتی ہے نہ صرف بحیثیت مسلم قوم بلکہ حالیہ ذلیل ترین شکست کے بعد ایک شکست خوردہ قوم کی حیثیت سے ہمیں تعلیمی پالیسی اس بنیاد پر بنانی تھی کہ پورا تعلیمی نظام فرد اور معاشرہ کی اخلاقی اور ایمانی تربیت کا ذریعہ بن جاتا، وہ مایوسی کی بجائے ولولہ، شک اور اضطراب کی بجائے ایمان و یقین، خود فراموشی کی بجائے ضبطِ نفس کا موجب بنتا جو ایک بلند و برتر پاکیزہ اجتماعی مقصد اور اس کے لئے والہانہ جوش اور ولولہ سے سرشار کر کے قومی یکجہتی، اتحاد اور یگانگت کا ذریعہ بن سکتا اور وہ واضح حسین اور شفاف تصورِ حیات قوم کے منتشر شیرازہ کو ایک لڑی میں پرو دیتا اور جو اندر سے ایمان و یقین اور اخلاقی اقدار کی لہریں ابھار کر ہماری تمام اخلاقی و معاشرتی اور طبقاتی ناہمواریوں کا مداوا بن جاتا اور یہ سب کچھ تب ہوتا کہ ہم ایمان و یقین، خدا، رسولؐ، اسلام اور شریعت کو پوری تعلیم کا محور بنا دیتے۔ طبعیات، حیاتیات اور نفسیات کی کتابوں کو خدا کے تصوّر کے دائرہ میں لے آتے سائنس کو مذہب کا خادم بنا کر پیش کرتے، مادیات کو آخرت کا وسیلہ قرار دیتے، طالب العلمانہ دور کو نہ صرف تعلیم بلکہ ایک مہذب مسلمان شہری کی تربیت کے لئے غنیمت سمجھ لیتے۔ اس طرح ملک کی تعمیر ہو سکتی۔ انارکی اور جنسی و مادی طغیانیوں میں ڈوبتا ہوا معاشرہ ساحلِ مراد سے ہمکنار ہو جاتا تعلیمی پالیسی بامقصد ہونے کی صورت میں اخلاقی تربیت، تہذیبِ نفس کا ذریعہ بنتی اور پوری قوم کو متحد بنا کر اسے اجتماعی عمل اور جد و جہد پر اکساتی اور صحیح معنوں میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا۔ اپریل ۱۹۷۲ء

---

[1] جناب ذوالفقار علی بھٹو جو اس وقت صدر تھے۔